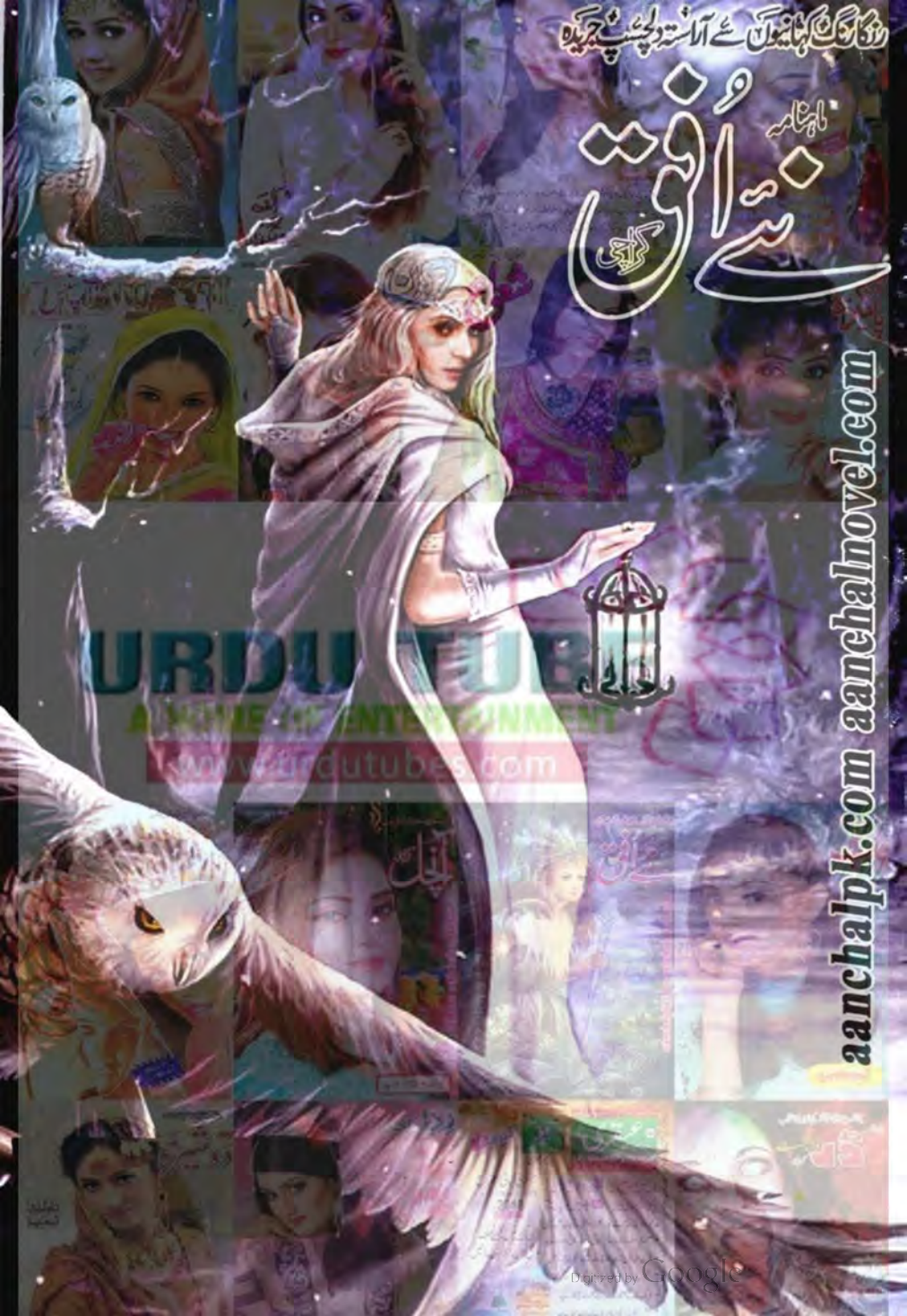

رنگا رنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ
ماہنامہ
نئے افق
کراچی
aanchalpk.com aanchalnovel.com
URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

رنگارنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ جریدہ

نئے افق

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رکن چیمبر آف کامرس

مدیر اعلیٰ
مشتاق احمد قریشی
مدیر
اقبال بھٹی
گروپ ایڈیٹر
طاہر احمد قریشی
مستقل شیف
نور الدین

پاکستان (فی پرچہ)	.............50 روپے
پاکستان (سالانہ)	..........600 روپے

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

جلد	42
شمارہ	11
دسمبر	2018

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
naeyufaqonlinemagzine
aanchalpk.com/blog
editorufaq@aanchal.com.pk

NAEYUFAQ PUBLICATION

دستک — مشتاق احمد قریشی — 10

گفتگو — اقبال بھٹی — 12

اقرأ — طاہر قریشی — 20

خوں ریز — امجد جاوید — 22

قصور — نفیسہ سعید — 60

خالی کرسیاں — رانا زاہد حسین — 70

وہ تیس دن — عمارہ خان — 82

نحوست — محمد عرفان رامے — 102

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی

Digitized by Google

نئی زندگی — خلیل جبار — 120

انتقام — مہتاب خاب — 132

فن پارے — ادارہ — 141

ذوق آگہی — سباس گل — 164

خوش بوئے سخن — نوشین اقبال نوشی — 168

سائبر کرائم — زرین قمر — 172

گوشۂ ابن صفی — ادارہ — 198

کترنیں — ادارہ — 000

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

فیکس: 021-35620773 یہ از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

Digitized by Google

لسٹک

مشتاق احمد قریشی

کیا پھر کوئی نیا نظام آنے کو ہے؟

بلدیاتی نظام فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور میں بھی نافذ کیا گیا تھا۔ جب نیا نیا نافذ ہوا تو لوگوں نے بہت پسند کیا، کیونکہ ان کے مسائل و معاملات نچلی سطح پر حل ہونے لگے تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں مختلف اقسام کے مفادات اور ترجیحات شامل ہونے سے اس کی افادیت و اہمیت ختم ہو کر رہ گئی، ارکان اسمبلی اپنے اپنے حلقے کے عوام کے نام پر ملنے والے ترقیاتی فنڈ حاصل ضرور کرتے لیکن اس فنڈ کا استعمال جیسا ہونا چاہیے ویسا ہوتا نہیں کیونکہ ان کے اپنے مفادات اور پھر یوں ہی نیچے تک شامل افراد کے مفادات، فنڈ جس کام کے لیے جاری کیے جاتے وہ بمشکل آٹے میں نمک کے برابر رہ جاتے۔ ویسے بھی اتنے عرصے سے صوبائی حکومتوں میں ہر سال ترقیاتی کاموں کے نام پر جو فنڈ مختص کیے جاتے ہیں وہ یا تو استعمال ہی نہیں کیے جاتے یا اگر استعمال کیے جاتے ہیں تو کہاں کیے جاتے ہیں وہ نظر نہیں آتا۔ شاید اسی باعث وزیر اعظم عمران خان نے فی الحال پنجاب کے لیے نیا بلدیاتی نظام لانے کی منظوری دی ہے اور اس منظوری کو حتمی شکل دینے کے لیے اڑتالیس گھنٹے کا وقت دیا تھا یہ کارروائی بالکل اچانک لگتی ہے، لیکن یہ کام لاہور میں صوبائی وزیر بلدیات کی جانب سے نئے بلدیاتی نظام پر بریفنگ کے دوران کیا انہوں نے پرانے نظام بلدیات کی خامیوں کو دور کرنے اور نئے نظام کے لیے انہوں نے تین بنیادی اصول وضع کیے ہیں۔

پہلا یہ کہ نظام سادہ اور صاف ہو اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ بلدیاتی اداروں کے انتخابات براہ راست ہوں۔ تیسرا اور سب سے اہم یہ کہ منتخب ہونے والے بلدیاتی نمائندے بااختیار ہوں۔ جو حقیقی معنوں میں عوام کی خدمت کر سکیں۔ وزیر اعظم عمران خان نے پنجاب کے لیے اس نظام کی نہ صرف منظوری دے دی ہے بلکہ اس نظام کے تحت ضلع اور تحصیل کی سطح پر میئر کا انتخاب بھی براہ راست کیا جائے گا۔ اور تمام ترقیاتی فنڈ جو انہیں صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے توسط سے ملتے تھے اب براہ راست بلدیاتی نمائندوں کو فراہم کیے جائیں گے۔ مختص کی گئی رقم کا حجم تقریباً ساٹھ سے ستر ارب روپے تک ہو سکتا ہے۔ یہ بلدیاتی فنڈ پنجاب میں تو کسی قدر ہی سہی استعمال تو ہوئے تھے لیکن سندھ، بلوچستان اور خیبر پختون خوا میں تو نہ ہونے کے برابر استعمال ہوئے۔ بچنے والی رقم کے بارے میں یہ کہا گیا کہ واپس خزانے میں چلی گئی۔ اللہ جانے وہ گئی یا نہیں گئی۔ بہر حال عوام کی مشکلات اور بدحالی اسی طرح برقرار رہی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آنے والا نیا نظام بلدیات کب آتا ہے اور کیسا آتا ہے اور اس کا ڈھانچہ کیسا ہوگا کارکردگی کیسی ہوگی، کہیں بلدیات کے معاملات سندھ اور خصوصاً کراچی جیسے بڑے شہر جو اپنی وسعت اور ہیئت میں کئی خلیجی ممالک اور یورپی ممالک سے بڑا اور گنجان آباد ہے، لیکن میئر کراچی کے بقول خود ان کے بے سروسامان اور بے دست و پا ہے۔ کراچی کی تقریباً تمام ہی چھوٹی بڑی سڑکیں شدید قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ نکاسی آب کے نظام کو درست کرنے والا کوئی نہیں۔ سڑکیں سیوریج کے پانی کی نہریں بنی ہوئی ہیں جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر جوں کے توں ہیں، سندھ حکومت نے جناب چیف جسٹس صاحب کے احکامات کو بھی ہوا میں اڑا دیا۔ ایک معاملے کی سنگینی کو دبانے کے لیے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ کھڑا کر دیا جاتا ہے تاکہ عوام کی توجہ دوسری طرف کر دی جائے۔

Digitized by Google

اب اگر بلدیات کا کوئی نیا نظام آنے والا ہے تو اس میں سب سے پہلے اہم تبدیلی یہ کی جائے کہ ہر قسم کے ترقیاتی فنڈ پارلیمنٹیرینز کی جگہ ان آنے والے بلدیاتی نمائندوں کے سپرد کئے جائیں اور ان کی نگرانی اور جاری فنڈ کے صحیح استعمال پر کڑی نظر رکھی جائے اور سب سے اہم مسئلہ بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کا ہوگا اس کے قواعد وضوابط کو نافذ کر دیا جائے۔ کوئی امیدوار کسی سیاسی وابستگی کا اظہار نہ کر سکے اور تمام بلدیاتی قیادت کے ساتھ پولیس مقامی انتظامیہ اور تمام متعلق صوبائی ادارے منسلک کر دیے جائیں۔ تمام شہری سہولیات اور ترقیاتی کاموں کے ساتھ بلدیات کے زیر انتظام صحت او کھیل کے ادارے کے بارے میں بھی بلدیاتی نمائندوں کو جوابدہی اور نگرانی کی ذمہ داری دی جائے۔ جیسا کہ وزیر اعظم اعلان کر چکے ہیں کہ وہ ایسا بلدیاتی نظام دینا چاہتے ہیں جس میں انو منتخب عوامی نمائندوں کو کوئی ادارہ یا شخصیت بلیک میل نہ کر سکے۔ اختیارات کا نچلی سطح تک منتقل کرنا گو کہ کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ جن کے منہ کو خون لگ چکا ہے وہ کیسے چین سے بیٹھ سکتے ہیں۔

اب بھی جو کچھ موجودہ کابینہ کے ارکان کے بارے میں سننے کو مل رہا ہے جسے حکومتی ترجمان افواہیں اور دروغ بیانی سے تعبیر کر رہے ہیں کہ نئی کابینہ کے کچھ ارکان کی بدعنوانی اور کرپشن کی شکایت سننے میں آ رہی ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں محترم وزیر اعظم خاموش ہیں اور کہیں سے کوئی مثبت بات سننے میں نہیں آ رہی، حالانکہ یہی وزیر اعظم عمران خان جب صرف خیبر پختونخوا کی حکومت کے رکھوالے تھے۔ انہوں نے اس قسم کی شکایات پر اپنے کئی وزراء کو برطرف کر دیا تھا۔ کئی ارکان تحریک انصاف کو اسی بدعنوانی کے الزمات میں یک طرفہ طور پر سزا سنادی گئی تھی، لیکن اب جب کہ عمران خان صاحب پورے پاکستان کے وزیر اعظم بن چکے ہیں تو خود ان کے زیر سایہ بننے والی کابینہ کے ارکان کے بارے میں ان کے مخالفین جو الزامات لگا رہے ہیں تو وزیر اعظم کی خاموشی عوام کے دلوں میں شک وشبہات پیدا کر رہی ہے۔ وزیر اعظم کو چاہیے کہ وہ ان الزامات کی یا تو تردید کریں یا ان کے بارے میں کسی تحقیق وتفتیش کا یا کسی کمیٹی کا اعلان کریں اور اگر واقعی کوئی رکن کابینہ یا پارلیمنٹ کے بارے میں الزامات کی تصدیق ہو تو اس کو قانون کے حوالے کریں تا کہ عوام کا ان پر اعتماد قائم رہے۔ عوام سمجھ لیں کہ خان صاحب جو کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں۔ کیونکہ ان کی خاموشی سے ابہام پیدا ہو رہا ہے اور قوم یا یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ان کے سیاسی حریف ان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم چلا رہے ہیں کہ بدعنوان اور کرپٹ وزراء وزیر اعظم کو بلیک میل کر رہے ہیں اور ان کو خوف دلا رہے ہیں کہ اگر ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کی گئی تو و حزب اختلاف کی حمایت کرنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔ اس طرح خان صاحب کو نہ صرف وزارت عظمیٰ سے ہاتھ دھونا پڑ سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حزب اختلاف جس کے ساتھ اس بار زرداری صاحب کی جماعت پیپلز پارٹی بھی شامل ہو چکی ہے۔ ان کی چلائی ہوئی تحریک سے پارلیمان کے ذریعے عدم اعتماد کر کے تحریک انصاف کی حکومت کو گرایا جا سکتا ہے۔ بظاہر ایسا ہونا ناممکن بھی نہیں کیونکہ ماضی قریب میں نون لیگ کے صدارتی امیدوار صرف اس لیے ناکام ہوا تھا کہ پیپلز پارٹی نے خود اپنا امیدوار میدان میں اتار دیا تھا۔ حزب اختلاف کے ووٹ بٹ گئے تھے۔ اب جب کہ خود زرداری صاحب چاہے جس لیے بھی اور جیسے بھی اس مہم کو سر کرنے نکل پڑے ہیں تو پھر سب کچھ ممکن ہے۔ بلوچستان سے تحریک انصاف کا ساتھ دینے والے ارکان اور سندھ سے تعلق رکھنے والے دیگر جماعتوں کے ارکان کو زرداری صاحب آسانی سے اپنی حمایت کے لیے تیار کر سکتے ہیں۔ اس بار وہ اسمبلی میں بھی آ چکے ہیں۔ وہاں بھی وہ اپنا رنگ جما سکتے ہیں شاید یہی سوچ عمران خان کی زبان بند کیے ہوئے ہے یہ بات بھی خان صاحب اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ الیکشن کے بعد پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نون کے درمیان جو اختلافات اور دوریاں ہو گئی تھیں اب خود زرداری صاحب کی کوشش سے وہ ختم ہو جائیں اور میاں نواز شریف شاید ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھ کر ان کے ساتھ پھر مل بیٹھیں تو تخت کا تختہ ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے۔

Digitized by Google

گفتگو

اقبال بھٹی

''حضرت انسؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو دوسرے یہ کہ صرف اللہ کے لیے کسی سے دوستی رکھے تیسرے یہ کہ دوبارہ کافر بننا اسے اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں جھونکا جانا۔'' (البخاری باب حلاوۃ الایمان)

عزیزان محترم..... سلامت باشد۔

نئے افق کا تازہ شمارہ حاضر مطالعہ ہے۔

جو سب سے پہلے ان تمام قارئین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ذاتی طور پر اور فون کے ذریعے میری اہلیہ کی رحلت پر تعزیت کی اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی اللہ تعالیٰ تمام دوستوں کو جزائے خیر دے۔ میں آنچل اور حجاب کے ساتھیوں ندا رضوان اور عثمان عبداللہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے دکھ کی اس گھڑی میں طاہر احمد قریشی کی نگرانی میں تین ماہ تک نئے افق میں میری کمی محسوس نہ ہونے دی۔

اس ماہ سے ہم برصغیر بلکہ ایشیا کے عظیم اور واحد جاسوسی ناول نگار نئے افق کے بانی محترم ابن صفی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے نئے افق کے آخری صفحات پر ایک گوشہ مختص کر رہے ہیں، جس میں ان کے چاہنے والوں کی آرا شائع کی جائیں گی گو ہم بعض مجبوریوں کے باعث خود ابن صفی کی شائع شدہ کوئی تحریر نہیں دے سکتے لیکن ہم ان کے تمام چاہنے والوں سے خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا بھارت میں دعوت دیتے ہیں کہ وہ اگر ان کے کرداروں پر لکھنا چاہتے ہوں تو یہ صفحات حاضر ہیں ان کی تحریر اگر معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہوگی، ہمارے ایک معروف لکھاری زیڈ بی جان (قلمی نام) نے جاسوسی دنیا کے کرداروں انور اور رشیدہ پر طبع آزمائی کی ہے آپ کو یہ ناول ضرور پسند آئے گا۔ اس کے علاوہ محترم مشتاق احمد قریشی نے بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ بھی دوبارہ محترم ابن صفی کے کرداروں پر لکھیں گے۔

محترم ساحر جمیل سید کی ناسازی طبیعت کے باعث مرشد اس ماہ بھی شامل اشاعت نہیں تمام قارئین سے محترم ساحر جمیل سید کے لیے دعائے صحت کی اپیل ہے ہمارے محترم امجد جاوید کی سلسلے وار کہانی خونریز کی دوسری قسط اس ماہ شامل ہے ہم ان کی تحریر کے بارے میں صرف اتنا ہی کہیں گے کہ ان کے قلم کا جادو قارئین کو اپنے سحر میں جکڑ لے گا۔

اب آیئے اپنے خطوط کی طرف پہلا خط ہے **ریاض حسین قمر..... منگلا ڈیم** سے آپ رقم طراز ہیں مدیر محترم جناب اقبال بھٹی صاحب سلام مسنون سب سے پہلے تو آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات حسرت آیات کا پڑھ کر دلی صدمہ ہوا جیون ساتھی کے بچھڑنے کا جو دکھ اور صدمہ ہوتا ہے میں

Digitized by Google

ڈیڑھ سال پہلے اس مرحلے سے گزر چکا ہوں میرے خیال میں اس سے بڑا صدمہ بہت کم ہوتا ہے میری دلی دعا ہے کہ وہ آپ کو صبر جمیل کی دولت سے مالا مال فرمائے، آمین اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ اب آتے ہیں نومبر کے نئے افق کی طرف اس ماہ کا نئے افق خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ میرے سامنے ہے دستک میں لائق صد احترام جناب مشتاق احمد قریشی صاحب نے جس طرح قادیانی فتنہ کو نپے تلے الفاظ میں واضح کیا ہے وہ لائق تحسین ہے انہوں نے اس فتنہ کے بارے میں جناب وزیر اعظم پاکستان عمران خان صاحب کو بڑا صائب مشورہ دیا ہے کاش وہ اس بات کو سمجھیں اور اپنے بارے میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کر سکیں گفتگو کے آغاز میں مدیر محترم نے بڑی پیاری حدیث مبارک بیان فرمائی ہے اور اپنی بات میں انہوں نے بڑے صاف انداز میں وطن عزیز میں رونما ہونے والی تبدیلی کا تذکرہ فرمایا ہے کاش ہم حقیقی معنوں میں آئی ہوئی تبدیلی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں اے کاش کرسی صدارت پر براجمان محترمہ حافظہ رضیہ رمضان نے صرف سات سطور میں اپنا موقف نہایت احسن طریقہ سے بیان کر دیا محترم ومکرم جناب عبدالجبار رومی صاحب بہت اچھے تبصرے کے ساتھ تشریف لائے ہیں ان کا خط کرسی صدارت پر ہونا چاہیے تھا بھائی عبدالجبار رومی صاحب آپ نے جس طرح میرے بارے میں خیالات کا اظہار فرمایا ہے میں اس کے لیے تہہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ایم حسن نظامی صاحب نے بھی جریدے پر بھرپور تبصرہ کیا ہے خط کے آخر میں جناب کا اپنا لکھا ہوا قطعہ خوب رہا محترم ایم رفاقت صاحب غزل پسند فرمانے پر آپ کا شکر گزار ہوں کوشش ہوتی ہے کہ شاعری میں حالات حاضرہ ہی کو پیش کیا جائے یمنیٰ نور نے حالات حاضرہ پر خوب تبصرہ کیا ہے حسنین بھائی بھی خوب صورت خط کے ساتھ تشریف لائے ہیں ان کے علاوہ مجید منان، یامین ارشد، حسن رضوی اور رباب شکیل کے تبصرے خوب ہیں جناب ریاض بٹ صاحب محفل میں تو شریک نہ ہوئے مگر ان کی کہانی پگلی کا پیار نے ان کی کمی بہت حد تک پوری کر دی رب العزت انہیں خوش رکھے آمین، کہانیوں، ذوق آگہی اور خوش بوئے سخن کا انتخاب بہت خوب رہا۔

ریاض بٹ..... حسن ابدال۔ السلام علیکم ماہ نومبر 2108ء کا شمارہ 19 اکتوبر کو ہی مل گیا پچھلے ماہ پرچہ نہ ملنے کی وجہ سے تبصرہ نہ لکھ سکا بہر حال سرورق منفرد اور دیدہ زیب ہے اور پرچہ دوسرے پرچوں کے درمیان چاند کی طرح جگمگا رہا ہے۔ اقبال بھٹی صاحب کی اہلیہ کی اپنے مالک حقیقی سے جا ملنے کی خبر پڑھ کر دکھ ہوا خدا مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین یہ دکھ اور غم بہت بڑا ہوتا ہے لیکن صبر کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے ہم محترم اقبال بھٹی صاحب کے غم میں برابر کے شریک ہیں خدا انہیں صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ اب بوجھل دل لیے بڑھتے ہیں محفل کی طرف اقبال بھٹی صاحب بالکل بجا فرما رہے ہیں کہ تبدیلی صرف چہروں کی آئی ہے تبدیلی کے نام پر ووٹ لینے والوں نے مہنگائی کے ایٹم بم سے عوام کا کچومر نکال دیا ہے بجلی مہنگی، گیس مہنگی، پیٹرول مہنگا، غرض ہر چیز مہنگی،

Digitized by Google

عوام پہلے سے بھی سستے ہو گئے ہیں روزگار دینے والوں نے لوگوں کو بے روزگار کر دیا ہے، بہر حال یہ تو عوام کے مقدر میں ہی ہے اس بار پہلا خط ہے حافظہ رضیہ رمضان کا خوش آمدید آئندہ بھرپور تبصرے کے ساتھ آنے کا وعدہ ضرور پورا کیجیے گا عبدالجبار روی انصاری بھائی کیسے ہو، آپ کے قطعہ کی کیا تعریف کروں، بہت زبردست ہے میرا تبصرہ آپ کو پسند آیا بہت شکریہ، آپ کا تبصرہ بھی جاندار بلکہ شاندار ہے کہانیوں پر بھرپور تبصرہ کیا ہے ایم حسن نظامی آپ کا بھی شکریہ، تبصرہ پسند کرنے کا، آپ کا تبصرہ بھی با معنی ہے اور آخر میں درج قطعہ بھی لاجواب ہے سلیمان عبداللہ اور یمنیٰ نور کے خیالات بھی اچھے ہیں لیکن بات وہی ہے کہ نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے حسنین آپ نے بھی اچھا لکھا ہے آپ کا خط پڑھ کر نوک قلم پر ایک شعر مچل گیا ہے لیجیے نذر قارئین کرتا ہوں۔

چہرے سجے سجے ہیں مگر دل بجھے بجھے
ہر شخص میں تضاد ہے دن رات کی طرح

حسن رضوی جن لوگوں کو آپ نے آواز دی ہے ان سے میری بھی التماس ہے کہ محفل میں آجائیں اپنی مصروفیات سے وقت نکالیں مجید خان، یامین ارشد اور رباب شکیل کی حاضری بھی خوب ہے انہوں نے بھی محفل کو سجایا شکریہ اب بڑھتے ہیں کہانیوں کی طرف امجد جاوید منفرد لکھنے والے ہیں خون ریز کا پہلا حصہ دل پر اثر کر گیا یہ کرداروں میں ڈوب کر لکھتے ہیں واقعی جب ظلم بڑھتا ہے تو مظلوم ایک قہر بن کر اس سے ٹکرا جاتا ہے خلیل جبار کی انتقام بھی ایک فطرتاً شر پسند کی کہانی ہے جسے سدھرنے کے کئی مواقع دیے گئے لیکن وہ انتقام میں اندھا ہو گیا اور عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا وہ یہ بھی بھول گیا کہ صبا کے پاس موبائل ہے جو اسے پکڑا بھی سکتا ہے عمارہ خان ایک الجھی ہوئی رائٹر ہیں ان کی طویل کہانی وہ تیس دن کی قسط نمبر 06 لاجواب ہے درد کا درماں خالد شاہان کی ایک اچھی تحریر ہے کچھ جذبے بہت نازک ہوتے ہیں ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتے ہیں اور جب ٹوٹے ہوئے ان جذبوں کی کرچیاں انسان کو لہولہان کرتی ہیں تو انسان تڑپ اٹھتا ہے درد کا درماں ایسے ہی جذبوں سے گندھی تحریر ہے باقی تحریروں میں ہمیں بیان کیسے کرو گے میراث بھی بہترین تحریریں ہیں ذوق آگاہی میں یوں تو سارا انتخاب ہی لاجواب اور دل میں اترنے والا ہے لیکن علی رضا، زین الدین، آصف جمیل، پروین افضل شاہین کا انتخاب نمبر ون ہے اب بات ہو جائے گوشہ ابن صفی کی محترم مشتاق احمد قریشی صاحب نے جو لکھا جن لفظوں کا استعمال کیا ان کی تعریف میرے جیسے طفل مکتب لکھنے والے نہیں کر سکتے مختصر لفظوں سے انہوں نے میرے روحانی استاد محترم ابن صفی صاحب کی شخصیت اور فن پر سیر حاصل بحث کی ابن صفی صاحب نے جو کردار تخلیق کیے ان کی مثال کہیں نہیں ملتی، شاہد جمال صاحب نے بڑے اچھے مدلل طریقے سے جناب ابن صفی کے متعلق لکھا جس کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے ڈاکٹر حامد حسن حامی، فائزہ احمد، ایس ایم حسینی، عابی خان غوری، خوشی عابدی، مرزا صہیب اکرام نے بھی اپنے اپنے انداز میں محترم ابن صفی صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا جو قابل قدر ہے۔ اب اجازت یار زندہ

صحبت باقی۔

محمد رفاقت..... واہ کینٹ۔ محترم جناب اقبال بھٹی صاحب اور نئے افق کے تما
اسٹاف کو میرا اسلام قبول ہو، اس دفعہ نئے افق کا رسالہ ملا مگر دل بہت اداس کر گیا جس کی وجہ
ہمارے ہر دل عزیز جناب اقبال بھٹی صاحب کی اہلیہ کی وفات تھی مرحومہ کے ایصال ثواب کے لیے می
نے دعا کی ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے آمین، ا
رب العزت اس عظیم صدمے پر اہلخانہ کو صبر جمیل اور صبر جمیل پر اجر عظیم عطا فرمائے، آمین یا ر
العالمین۔ یہ جان کر بھی دل دکھی ہوا کہ سرورق کے مصور ذاکر حسین جو اپنے فن کے استاد تھے اور ایڈیٹ
الیاس شاکر بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اللہ ان کے بھی درجات بلند کرے اور جنت الفردوس میں
جگہ دے۔ آمین۔ گفتگو میں اس دفعہ کچھ نئے لوگ نظر آ رہے ہیں ایم حسن نظامی صاحب عبدالجبار رد
صاحب نے بھی انٹری دے دی آپ کا شکریہ تبصرہ بھی آپ خوب کرتے ہیں مکمل رسالے کا نقشہ کھ
دیتے ہیں مبارک ہو کہانیوں میں جناب سلمان بشیر صاحب کی ہمیں بیاں کیسے کرو گے میں مانی
ہمت سے بڑے سے بڑے ظلم برداشت کیے مگر گھر کے نزدیک موت کو گلے لگایا بہت اچھی کہانی تھی مگ
انجام کچھ ٹھیک نہ تھا زار رضوان کی سراب کی بات کی جائے تو جہاں شاکر جیسے لوگ ہیں وہاں اچھ
لوگوں کی صورت میں راحیل بھی تھا جس نے ایمن کو اپنایا سب کچھ جانتے ہوئے بھی سبق آموز کہانی
سب کو کچھ کہہ رہی ہے بہت خوب مبارک ہو امجد جاوید کی خوں ریز کا پہلا حصہ اچھا تھا آگے کیا ہوتا
اسی طرح عمارہ خان کی وہ تیس دن بھی اچھی کہانی چل رہی ہے بینا نا بینا زرین قمر صاحبہ کی دوسری جنگ
عظیم کے پس منظر میں لکھی گئی کہانی نے اس وقت کے حالات کا ذکر کیا، گوشہ ابن صفی میں فائزہ احمد
طنز و مزاح کا پہلو اجاگر کیا ہے۔ ذوق آگہی اور خوش بوئے سخن بھی اپنی بہار دکھا رہے تھے اور نئے افق
میں جان ڈال دی۔ ایک بات عرض کرنی ہے جو اس دفعہ میرے خط میں لکھی ہوئی ہے وہ معیار کے
خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے میری طرف سے سب لکھنے والوں کو مبارک باد قبول ہو سب ہی محنت سے
لکھتے ہیں اور اچھا لکھتے ہیں تو جناب اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو میں سب لکھنے والوں سے معافی چاہتا
ہوں۔ اجازت چاہوں گا، آپ کا تابعدار۔

نیئر رضوی..... لیاقت آباد، کراچی۔ السلام علیکم اتنی مہنگائی کے باوجود "نئے افق"
کا اپنی قیمت پر برقرار رہنا نہایت مشکل لیکن نہایت خوش آئند بات ہے وہ لوگ جو ادب کی خدمت کے
نام پر جرائد کی قیمتیں بڑھا رہے ہیں انہیں سوچنا چاہیے کہ قاری اور مطالعے کا رشتہ ٹوٹنے کے شدید
خطرات لاحق ہوتے جا رہے ہیں کیا قاری اخبارات و رسائل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے مطالعے کو جاری
رکھ سکے گا ارباب اختیار کو قاری کی مشکلات کو لازمی پیش نظر رکھنا چاہیے تاکہ قاری اپنے ذوق کی تسکین
باآسانی کر سکے۔ میں نہایت شکر گزار ہوں کہ نامناسب تحریر کو روک کر آپ نے مناسب تحریر شائع
فرمائی۔ ایک اور تحریر ارسال کر رہا ہوں اور مزید حوصلہ افزائی کی امید کے ساتھ جلد اشاعت کا منتظر رہوں

گا۔عین نوازش ہوگی۔

ایم حسن نظامی...... قبولہ شریف۔ آداب عرض امید ہے آپ اور نئے افق کے سبھی پرستار خیریت سے ہوں گے نومبر کا پرچہ دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ ہاتھوں میں ہے سب سے پہلے آپ کی زوجہ محترمہ کے انتقال پر ملال پر گہرے دکھ وغم سے دو چار ہونا پڑا دکھ کی اس گھڑی میں ہم سبھی آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں خداوند کریم مرحومہ کو جنت الفردوس میں خاص مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ہمارے پرچے کی رنگا رنگ محفل گفتگو میں بہت سے نئے و پرانے چہرے سامنے وارد ہوئے جی آیا نوں جی اب باقاعدگی سے حاضر ہوتے رہنا سچ آپ سبھی کی آمد سے بہت مسرت ہوئی آپ کی رنگا رنگ اور مدھر خوش بو سے سبھی دلی جذبے معطر وشاد مان سے ہو گئے۔ حافظہ رضیہ رمضان، سلمان عبداللہ، یمنیٰ نور، حسنین، مجید منان، یامین ارشد، حسن رضوی اور رباب شکیل سبھی کو ہمارے پرچے میں آمد پر ویلکم۔ سرطاہر قریشی صاحب قرآن وسنت پر درس دیتے نظر نواز ہوئے اور الحلیم کے معنی وتشریح سے محظوظ ہوئے۔ پرچے کی پہلی طویل تحریر امجد جاوید کے حصے میں آئی انہوں نے دیہاتی پس منظر میں وڈیروں پر خوب صورت طبع آزمائی کی علی احسن اور ام جیسے کرداروں سے خوشی ہوئی تنویر نے بھی اپنی دوستی خوب نبھائی خلیل جبار کی تحریر میں الیاس نے بے تکا انتقام لینا چاہا اور پھنس گیا۔ بلاشبہ انٹرنیٹ اور اس کے استعمال پر عمدہ تحریر تھی اور سبق آموز بھی ریاض بٹ نے بھی مقتول کی تفتیش عمدگی سے کی اور بشیرا اپنے انجام کو پہنچا۔ عمارہ خان کی وہ تیس دن بھی عمدہ پائی، درد کا درماں نیکی کر دریا میں ڈال کے مترادف پائی زارا رضوان نے بھی نیٹ اور فیس بک پر معیاری لکھا۔ سلمان بشیر نے بھی جذباتیت کی انتہا کردی ''تاریک راہیں'' اچھی معیاری اور منفرد کاوش تھی بلاشبہ اعتماد اور بھروسہ آنے والا ہی خسارے میں رہتا ہے بیگم منصور جیسی خواتین کی معاشرہ کو اشد ضرورت ہے طیبہ عنصر مغل بھی آج کے لکھاریوں کی صف میں نمایاں مقام رکھتی ہیں وہ کرداروں کی بنت اور ملاپ کا فن جانتی ہیں میراث میں بے شمار پیچ وخم پائے۔ فن پارے میں عنبرین اختر، حنا اشرف اور فہمیدہ غوری کا ٹاپ پر رہیں۔ ذوق آگاہی میں تنویر، علی رضا، پرویز اختر، مغیث، زین الدین، نظام الدین، آصف جمیل، خرم افتخار، امجد حسین، فائقہ سکندر حیات، پروین افضل شاہین، ساریہ چوہدری، راشدہ تیجا، عقیلہ شمائل اور آسیہ ارم کو پرچے میں آمد پر ویلکم اور معیاری تحریریں لانے پر مبارک باد۔ خوش بوئے سخن، صغریٰ کوثر، سباس گل، ریحانہ سعید، قدیر رانا، عمر فاروق ارشد، سمیع جمال، محمد اسلم جاوید، نسیم سکینہ صدف، نیئر رضوی، زرین صدیقی، فریحہ بشیر، نائمہ رحمان، ساگر منچن آبادی، مومن راز، نیلم آرزو اور سید عبداللہ توفیق سبھی نے منفرد محفل سجائی اور شاعری عمدہ پائی۔ زرین قمر صاحبہ موجودہ دور کی بہترین مترجم ہیں اور کسی بھی تحریر کا اردو زبان میں ترجمہ کرنا نہایت ہی دشوار گزار اور مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے بہر حال وہ اپنی قابلیت کے بل بوتے پر یہ کام عمدگی سے سرانجام دے رہی ہیں میری طرف سے انہیں مبارکباد قبول ہو۔ مرشد کو غیر حاضر پایا بلاشبہ نومبر کے تمام میگزین میں آپ کی محنت اور کوشش نمایاں

Digitized by Google

ہوئیں جس کے لیے ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں اب بندہ ناچیز کی تحریروں کی بھی باری لے آئیں نوازش ہوگی۔ آخر میں دعا ہے کہ سبھی احباب خوش رہیں اور ایک دوجے سے سرتیں شیئر کرتے رہیں بس اس شعر کے ساتھ اجازت۔

یاد رکھو تو دل کے پاس ہیں ہم
بھول جاؤ تو فاصلے ہیں بہت

جاوید احمد صدیقی..... راولپنڈی۔ محترم مدیران وایڈیٹر۔السلام علیکم۔سلامت قیامت پروانہ میگزین بہت جلدی مل گیا تھا، تھوڑی سستی ہوئی تبصرہ لکھنے میں طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے بہرحال حاضر ہوں ایسی رنگا رنگ اور سدا بہار محفل میں ضرور حاضر ہوں گا۔ ابن صفی کا دوسرا گوشہ زبردست مختلف پہلوؤں سے ابن صفی کی تحاریر کو اجاگر کرنا آپ کا ہی کام ہے اس گوشہ میں جناب مشتاق احمد قریشی کا ابن صفی، مجدد عصر ایک یادگار ترین تحریر ہے اور مشتاق قریشی صاحب کے سنہرے قلم سے ان مٹ تحریر بہت زبردست جاندار، مثبت پہلو لیے ہوئے تھیں جیسے ڈاکٹر حامد حسن حامی، شاہ جمال (ان کے حوالہ جات نے بہت مزہ دیا واہ) فائزہ احمد انڈیا ایس ایم حسینی، نادر عابی خان غوری، خوشی عابد انہوں نے تو منظر درست نظر تحریر کو چار چاند لگا دیے ہیں میری ایک درخواست ہے کہ اکتوبر اور نومبر کے پرچوں میں اگر اور بھی ابن صفی کے بارے میں معلومات ہوں تو سب کو ایک علیحدہ کتاب میں شائع کریں یہ زبردست ریکارڈ رہے گا۔ سب سے پہلے محترم جناب اقبال بھٹی کی اہلیہ کے سانحہ ارتحال کا بڑا افسوس ہوا اللہ انہیں صبر جمیل اور انہیں فردوس بریں میں جگہ عطا فرمائیے آمین اور پھر تین باتوں والی حدیث سبحان اللہ شکر ہے کہ 5 سے زیادہ خطوط کی پذیرائی ہوئی۔ مشتاق صاحب نے ابن صفی کے سلسلے میں بہت عرصہ قبل ہی بہترین مواد قارئین کو دینا شروع کر دیا تھا۔ محترمہ رضیہ رمضان آپ کے خط میں بڑی گہری سوچ ہے اور ہمارے میگزین میں عام قارئین کی حوصلہ افزائی بڑی کی جاتی ہے اگر حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو میرے اندر لکھنے کی ہمت شاید نہ آتی۔ آپ ضرور ہر ماہ پورے میگزین پر تبصرہ کرنے آیا کریں، عبدالجبار رومی جی تذکرہ اور حوصلہ افزائی کا شکریہ آپ کے تبصرے کو پڑھ کر بہت حوصلہ بڑھا آپ نے واقعتاً اچھا اور گہرا تبصرہ لکھا ہے لیجیے تبصرے 5 سے اوپر چلے گئے مبارک کہانیوں پر بڑا اچھا اور تفصیلاً تبصرہ لکھا ہے ایم حسن نظامی آپ مسلسل آرہے ہیں اور بھرپور تبصروں کے ساتھ ہمارے پڑوسی ایک رفاقت واہ کینٹ بھی کہانیوں پر تبصرہ کر رہے ہیں آپ کی سوچ انتہائی وسیع اور گہری ہے، سلمان عبداللہ آپ کو اللہ کریم بہترین رزق اور اچھی زندگی گزارنے کے لائق بنائے آمین ثم آمین۔ آپ آئندہ بھی لکھیں دیکھیں آپ کی تحریر میں وزن ہے نا ہی تو ہمارے ایڈیٹر جناب اقبال بھٹی صاحب تبصرہ کو رد کر دیتے ہیں کسی کی پروانہ کریں جب تک ایڈیٹر صاحب نہ کہیں یمنیٰ نور، حسنین دونوں کے تبصرہ اور تحریر بہت ہی زبردست ہیں حسنین آپ نے تو کمال کر دیا ضرور آیا کریں یامین ارشد اور حسن رضوی اور ملتان سے رباب شکیل، آپ تینوں نے اپنی اپنی حیثیت میں تبصرہ اور میگزین پر اپنی اپنی تنقید لکھی ہے اپنے حساب

Digitized by Google

سے کافی ہے ایک دو بار لکھیں اور جب شائع ہو جائیں گی تو خود محسوس کریں گے کہ یہ آخری واحد تبصرہ تو بہت بہتر ہو گیا ہے لیکن لکھنا نہ چھوڑیے گڈ سبحان اللہ اقرا میں اسماء الحسنیٰ میں العلیم سبحان اللہ طاہر صاحب نے انتہائی کاوش اور محنت سے اس کی تفصیل لکھی ہے، پڑھتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کئی دن تک انسان کا دل و دماغ تازہ اور فریش رہتا ہے کہانیوں میں تو ایک سے ایک موتی جڑا ہے اور ہمارے محبوب جناب امجد جاوید ایک اور موتی لے کر تشریف لائے ہیں بھٹی صاحب ''خوں ریز'' کو شروع کیا تو آخری لفظ پر جا کر نظر ہٹائی۔ یہ ہمارے میگزین کے ماتھے کا جھومر ہے ریاض بٹ کا شاہکار پگلی کا پیار اس دفعہ بھی معرکہ مار لیا ہے، تھوڑی تھوڑی کہانی بکھری بکھری سی لگی، شاید کمپیوٹر ہونے کی وجہ سے ریاض بٹ جی میری سم گم گئی تھی آپ اگلے تبصرہ میں موبائل نمبر ضرور لکھ دیں شکریہ جناب، اسی طرح خلیل جبار کی انتقام بھی رہی ہے لیکن بڑی اچھی رہی درد کا داماں بھی خالد شاہان کی بڑی اچھی تحریر ہے سراب قسط والی کہانیاں، سلمان کی کہانی، تاریک راہیں زیر مطالعہ میراث زبردست لکھی گئی کہانی جو طیبہ عنصر مغل کے جوہر قلم کا نتیجہ ہے اور فن پارے سب کے سب قیمتی اور پڑھنے کے لائق یہ حصہ ہمارے میگزین کا چاند ہے جو ابھی تک کسی نے بھی نہیں فٹ کیا۔ ان میں بھی محبت مجسم نور، سلسلہ اور ضمیر۔ ان چاندنی بکھیرنے والی کرنوں میں سے تین زبردست روشنی دینے والی نور کرن میں ذوق آگاہی میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ایک خوشہ پر بہار دے رہا ہے ہاں اس میں ریحانہ سعیدہ اور رانا قدیر دونوں کو کافی عرصہ، عرصہ کے بعد پڑھتے ہوئے اور شان سے بیٹھے بڑی خوشی ہوئی، آپ دونوں ضرور آیا کریں۔ تمام احباب مجلس کو سلام۔

احسن رضوی..... گجرات۔ السلام علیکم! تمام اسٹاف، لکھاریوں اور قارئین کو عقیدت بھرا اسلام قبول ہو۔ سردی کا زور آ رہا ہے اللہ کرے یہ بہاریں یہ خوشبوئیں، یہ مسکراہٹ سدا رہیں۔ ملک میں امن کی فضا قائم ہو اور ہمارے ننھے معمار بے خوف و خطر اسکولوں میں پڑھ سکیں۔ سرورق خوبصورت لگا۔ نئے اُفق پچھلے چند شماروں سے ٹائٹل پر خوب توجہ دے رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کسی بھی پرچہ کی کامیابی کا راز سرورق ہی ہوتا ہے۔ کمرشل کی دُنیا کو سلامی دیتے، فہرست پر سرسری نظر ٹکائی اور دستک میں جا قدم جمائے۔ مشتاق احمد قریشی صاحب کی دل چھو لینے والی باتیں پڑھیں۔ التماس کروں گا کہ نئے اُفق کا اداریہ خالص ادبی ہونا چاہیے۔ سیاست کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن کو اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ بحرحال مشتاق احمد قریشی تجربہ کار ہیں، بہتر سمجھتے ہیں۔ ہم تو مشورہ دے سکتے ہیں۔ گفتگو میں اقبال بھٹی کی اہلیہ کی وفات کا سن کر دلی صدمہ پہنچا اللہ پاک مرحومہ کے درجات بلند اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ اُن تمام لوگوں کو جو اسپتالوں، گھروں میں کسی مرض میں مبتلا ہیں اُن کو شفایابی عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ ریاض بٹ، عمیر فاروق، رمشا ملک، ممتاز احمد، فلک شیر ملک، ریاض قمر، ایم حسن نظامی، علی حسنین تابش، احسان سحر تفصیلی خط، عبدالجبار رومی، غلام یاسین نوناری کہاں ہیں آپ سب جلد سے جلد حاضری لگوائیں۔ کہانیاں تمام کی تمام ایک سے بڑھ کر ایک

Digitized by Google

تھیں۔فن پارے بھی لاجواب اور گوشۂ ابن صفی کے تو کیا ہی کہنے۔سلسلوں میں تمام کا انتخاب بہت ع
رہا۔پورے نئے افق کی بات کی جائے تو خوب رہا اور کہیں کہیں خامیاں ضرور تھیں مگر امید کی جاتی
کہ ان پر قابو پالیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ سب کا حامی وناصر رہے۔والسلام!

مجید آفتاب..... لاہور۔ مزاج گرامی! اُمید واثق ہے بخیریت ہوں گے۔اللہ تعا
دوست نما دُشمنوں اور حاسدین کے حسد سے محفوظ رکھے۔صحت کی بادشاہی، ایمان کی سلامتی اور ہن
مسکراتا رکھے۔دین اور دُنیا میں کامیاب وکامران فرمائے آمین۔ماہ نومبر کا نئے اُفق معمول کے مطابق
جلد ہی مل گیا۔سرورق ہر بار کی طرح اس بار بھی عمدہ تھا۔بہت خوبصورت سرورق بنایا گیا۔دستک میں
جناب مشتاق احمد قریشی کی دستک لاجواب رہی۔کہتے ہیں سیاست میں جھوٹ نہ ہو تو اُسے کوئی سیاست
مانتا ہی نہیں اور یہی سب کچھ یہاں ہو رہا ہے۔عوام کو نت نئے مسئلے میں اُلجھا کر اپنا اُلو سیدھا کیا جا
ہے باری کی سیاست پرانی روایات ہے اور کوئی بھی حکومت ہو ہمیشہ عوام کو خوار ہی کیا ہے۔گفتگو میں
اقبال بھٹی کی اہلیہ کی وفات کا بن کر دلی صدمہ پہنچا۔اللہ تعالیٰ اقبال حسین بھٹی کو اس دکھ کی گھڑی میں صبر
جمیل عطا کرے۔امجد جاوید کی خوں ریز بھی بہترین تحریر رہی۔اقراء میں طاہر قریشی صاحب بڑ
خوبصورت انداز میں بیان کرتے نظر آئے۔اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین! کہانیو
میں اس بار تمام کی تمام اچھی رہیں فن پارے ابھی نہیں پڑھے اس لیے تبصرہ ان شاء اللہ آئندہ خط میں
کروں گا۔ابن صفی میں گوشۂ ابن صفی دے کر ادارے نے ابن صفی کے پرستاروں پر احسان کیا ہے۔ال
سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم ابن صفی کے درجات بلند فرمائے۔آخر میں ذوق آگاہی اور خوش
بوئے سخن میں تمام ساتھیوں نے عمدہ انتخاب کے ساتھ حاضری لگوائی۔اسی کے ساتھ ہی اجازت ال
ہمارا ہمارے وطن عزیز کا حامی وناصر ہو اور ہمیں ہر قسم کی آسمانی وزمینی آفات سے محفوظ رکھے۔آمین۔

مصنفین سے گزارش

☆مسودہ صاف اور خوشخط لکھیں۔
☆صفحے کے دائیں جانب کم از کم ڈیڑھ انچ کا حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
☆صفحے کے ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں، صرف نیلی یا سیاہ روشنائی کا ہی استعمال کریں
☆خوشبو سخن کے لیے جن اشعار کا انتخاب کریں ان میں شاعر کا نام ضرور تحریر کریں۔
☆ذوق آگہی کے لیے بھیجی جانے والی تمام تحریروں میں کتابی حوالے ضرور تحریر کریں۔
☆فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔اصل مسودہ ارسال کریں اور فوٹو اسٹیٹ کروا کر اپنے پاس محفوظ رکھیں
کیونکہ ادارہ نے ناقابل اشاعت کہانیوں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆مسودے کے آخری صفحہ پر اردو میں اپنا مکمل نام پتا اور موبائل فون نمبر ضرور خوشخط تحریر کریں۔
☆"گفتگو" کے لیے آپ کے ارسال کردہ خطوط ادارہ کو ہر ماہ کی 3' تاریخ تک مل جانے چاہیے۔
☆اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔

اقرأ

ترتیب: طاہر قریشی

العظیم

(بڑی عظمت والا)

عظیم کے معنی بڑا، بزرگ، یہ عظمت سے ہے جس کے معنی بڑا اور بزرگ ہونے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ مفرداتِ القرآن میں تحریر فرماتے ہیں عظیم کے اصل معنی تو بڑی ہڈی والے کے ہیں، پھر بطور استعارہ ہر کبیر کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا اور بجائے کبیر کے عظیم بولا جانے لگا۔ علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں رقم طراز ہیں، عظیم اور کبیر میں یہ فرق ہے کہ عظیم صغیر کی نقیض ہے اور کبیر صغیر کی، لہٰذا عظیم کبیر سے بڑھ کر ہے، جس طرح صغیر سے حقیر کم تر ہے ان دونوں الفاظ کا استعمال اجسام اور اعراض دونوں کے لئے ہوتا ہے۔

تاج العروس میں ہے کہ عظیم حق تعالیٰ شانہٗ کی صفت ہے جو کبیر کے معنی میں استعمال ہوتی ہے یہ دونوں مترادف لفظ ہیں۔

حضرت فخر الدین رازیؒ کہتے ہیں کہ کبیر وہ ہے جو ذاتی طور پر بڑا ہو اور عظیم وہ ہے جس کو دوسرے بڑا سمجھیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے لئے بجائے عظیم کے کبیر کا استعمال زیادہ ہے۔ امام بیہقی کتاب الاسماء الصفات میں لکھتے ہیں کہ حلیمیؒ نے العظیم کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ”عظیم وہ ذات ہے، جس پر کسی قسم کی پابندی نہ ہو سکے“ کیونکہ ”عظیم القوم“ اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کے معاملات کا مالک ہو اور لوگوں کو اس کے خلاف جانے کا حوصلہ نہ ہو، نہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکیں، اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ہے جو بڑی شان والا اور بڑی قدرت والا ہے۔ کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی اور یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں کہ اسے مغلوب کر کے اس کی نافرمانی یا عدول حکمی کی جا سکے، لہٰذا حقیقی اور واقعی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہستی ہی عظیم ہے۔

حضرت ابو سلیمان خطابیؒ کے مطابق عظیم کے معنی عظمت والا، جاہ و جلال والا، اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہستی بڑی ہے بلند اور عظمت والی ہے اس کی تمام تر صفات عظمتوں والی ہیں۔

ترجمہ:۔ اس کی (اللہ تعالیٰ) کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا ہے نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔ (البقرۃ۔ ۲۵۵)

آیتِ کریمہ میں لفظ کرسی آیا ہے، جس سے مراد حکومت یا اقتدار کے ہوتے ہیں، یہاں ربّ کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ کا بیان مجرد طور پر کیا گیا ہے لیکن قرآنِ کریم کا ایک خاص اندازِ بیان ہے کہ وہ مجرد حقائق کو بھی محسوسات کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ دراصل اس محسوس تصویر کشی کے اندازِ بیان سے انسانی ذہن اصل حقیقت کے قریب پہنچ جاتا ہے اور یوں وہ حقیقت انسان کے دل و دماغ میں بیٹھ جاتی ہے یہ ایک ٹھوس اور محسوساتی اندازِ تعبیر ہے، جس سے تصویر ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جو پوری کائنات کا احکم الحاکمین ہے اقتدارِ اعلیٰ کا مالک و مختار ہے اس عظیم ترین ہستی کی نگہبانی وہ بھی ایسی نگہبانی جس میں درحقیقت اللہ تعالیٰ کو کوئی جد و جہد کوئی محنت کرنا ہی نہیں پڑتی، نہ ہی اسے کسی قسم کی تھکاوٹ لاحق ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام ہی مخلوقات کے لیے خود کار نظام نافذ کر دیا ہے، نگرانی و نگہبانی کا بھی اور پرورش کا بھی، وہ بڑا ہی عظیم بزرگ و برتر ہے، وہی اعلیٰ، وہی عظیم ترین ہے، اپنی عظمت میں وہ منفرد ہے۔

ترجمہ:۔ آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز جو کچھ بھی ہے وہ ان سب کا اکیلا مالک ہے اور وہ بلند تر اور عظیم ترین ہے۔ (الشوریٰ۔ ۴)

Digitized by Google

آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت کھل کر یہ اعلان فرمادیا ہے کہ وہ اکیلا تمام کائنات کی تمام چیزوں کا مالک ومختار ہے کیونکہ بسا اوقات لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بھی مالک ہیں۔ ایسا محض اس لئے وہ محسوس کرتے اور سمجھتے ہیں کہ جو چیز ان کے ہاتھ میں ان کے قبضہ اور کنٹرول میں ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں اسے استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی ہے' وہ ان کی حقیقی ملکیت نہیں ہوتی۔ حقیقی ملکیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہستی تو ایسی ہے جو موجود اور معدوم کرتی ہے' زندہ کرتی ہے اور مارتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہی ہستی ہے جسے جو چیز چاہتا ہے عطا کرتا ہے یا محروم کرتا ہے۔ وہ جس وقت چاہتا ہے عطا کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ وہ مالک الملک اگر چاہے جو کچھ اس نے واپس لیا ہے اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر بطور متبادل عطا فرمادے۔ وہ تمام چیزوں کو اپنی نافذ کردہ قدرت کے مطابق چلاتا ہے۔ تمام اشیاء اس مالک کے حکم پر متحرک ہوتی ہیں' زمین وآسمانوں کا مالک پوری کائنات کا حقیقی مالک وہ اکیلا ہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ صرف مالک ہی نہیں ہے' وہ تو مالکِ اعلیٰ بھی ہے۔ وہ بڑی عظمتوں بڑی شان والا اور منفرد ہے۔ اس کی ہستی ایسی عظیم ترین ہے کہ سب اس کے سامنے ہیچ اور کمتر ہیں۔ جب انسان اپنے مالک سے مانگتا ہے تو وہ مالک الملک ایسا عظیم ہے کہ وہ ہر مانگنے والے کی طلب پوری کرتا ہے کسی کو منع نہیں کرتا' ہر طرح کے اس کے خزانے بے پناہ اور بے حد وحساب ہیں کیونکہ وہی ہر چیز کا مالکِ حقیقی ہے۔

ترجمہ:۔ پس اپنے رب کے نام کی تسبیح کیا کرو۔ (الواقعہ۔۷۴۔۹۶۔الحاقہ۔۵۲)

قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ تمام احکام وقوانین کھول کھول کر بیان فرمارہے ہیں' تمام دلائل روز روشن کی طرح تمام انسانیت کے سامنے آگئے اس سطح پر سمجھایا بتایا گیا ہے کہ جو انسانی سوچ فکر کے عین مطابق ہے کہ یہ سب کچھ آسائش ولوازماتِ زندگی فراہم کرنے والی ذات ایک عظیم خالق وپروردگار کی ہے جو موجود ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے منظر کشی فطرتِ الٰہی ہر طرح ہر جگہ ہر طرف کررہی ہے اور فطرتِ انسان کو اپنی طرف متوجہ کررہی ہے۔ آیتِ کریمہ میں تسبیح کا حکمِ الٰہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے دیا گیا ہے کہ ان کی پیروی واتباع کرنے والے اس پر عمل پیرا ہوجائیں۔

ترجمہ:۔ بے شک یہ اللہ عظمت والے پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ (الحاقۃ۔۳۳)

جیسا کہ قرآن سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ایمان ایک روشنی ہے جس سے انسان کا قلب منور ہوجاتا ہے اور جس انسان کا دل ایمان سے خالی ہو' وہ تاریک اور مردہ دل ہوتا ہے۔ اس کا دل حقیقت میں کسی ویران کھنڈر کی مانند ہوتا ہے' اس کے اندر کوئی روشنی کی رمق تک نہیں ہوتی اس کا دل مسخ ہوجاتا ہے اسے زندگی کی حقیقی روشنی نظر ہی نہیں آتی۔ وہ شیطان مردود کے پیچھے چلتا چلا جاتا ہے۔ حقیقت میں اس کی زندگی اور کسی حیوان کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ ان سے بھی کم تر درجہ میں چلا جاتا ہے' کیونکہ تمام حیوانات تک اللہ کے مقرر کردہ طریقوں سے اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں' اس سے وہ کبھی انحراف وسرتابی نہیں کرتے بلکہ کرہی نہیں سکتے کیونکہ ایسا کرنے کا انہیں اختیار نہیں ہوتا' جبکہ انسان کو یہ اختیار ہے' جب اللہ تعالیٰ کی بنائی پیدا کی ہوئی ہر چیز اس کی تسبیح میں مشغول ہے تو ہر چیز اس طرح مومن ٹھہرتی ہے اور ہر مومن اہلِ ایمان چونکہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا رہتا ہے اور اللہ کی عظمت وبڑائی کا اقرار کرتا رہتا ہے اور جو نہیں کرتے ان کا مقدر جہنم بتایا گیا ہے۔

Digitized by Google

خوں ریز

امجد جاوید

قسط نمبر 02

انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہمیشہ طاقت کا حصول چاہتا ہے۔انسانی تہذیب کے عروج وزوال کی داستانوں میں طاقت کا حصول ہی سب سے بڑی خواہش رہی ہے۔ طاقت اس وقت قوت بنتی چلی جاتی ہے، جب اس میں انسانیت کی فلاح مقصد ہو لیکن جونہی طاقت حاکمیت میں بدلتی ہے تو ظلم بڑھنے لگتا ہے۔انصاف کی جگہ جبر لے لیتا ہے۔خون ارزاں ہو جاتا ہے اور زندگی سسکنے لگتی ہے۔

خون ریز کہانی ہے اس نوجوان کی جو طاقت کے خونی کھیل میں دھکیل دیا گیا تھا ۔موت اس کا تعاقب کرنے لگی تو زندگی نے اسے نرم ونازک نسوانی جذبوں سے لے کر آتش وآہن سے کھیلنا سکھا دیا۔

ریشمی محبتوں، معاشرتی جبر، انسانی رویوں، دیدہ نادیدہ خطروں اور سازشوں کی خوں ریز داستان

URDU TUBE
www.urdutube.com

Digitized by Google

میں محتاط قدموں سے بالکل کاریڈور کے سرے پر جا پہنچا۔ وہ ہیولا دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کے اور اپنے فاصلے کا اندازہ کیا۔ اگلی ہی لمحے جست بھری اور اس پر جا پڑا۔ وہ بجائے میرے ساتھ نیچے گرنے کے، وہیں جما رہا جیسے اسے پوری امید ہو کہ وہ جو چاہتا تھا، میں ویسا ہی کروں گا۔ نرم لمس، نسوانی مہک اور جسم کے اُبھار نے مجھے چونکا دیا۔ دھڑکتا ہوا سینہ کسی مرد کا نہیں تھا۔ میں نے اس کی گردن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''کون ہو تم؟''

''تمہارے ہاتھوں مر جانے کو بیتاب۔'' اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری تو میں پہچان گیا۔ وہ ارم تھی۔ میں اسے چھوڑ کر الگ ہونے لگا تو اس نے مجھے خود سے الگ نہیں ہونے دیا۔ اس کی گرم سانسیں میری سینے پر پھیلنے لگیں۔ تبھی میں نے پوچھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''یہی سوال اگر میں تم سے کروں تو؟'' اس نے اسی لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''میں تو کسی بھی متوقع خطرے.....''

''میں بھی اسی لئے یہاں تھی، ادھر کوئی بھی نہیں ہے۔'' اس نے اکھڑتی ہوئی سانسوں میں بے تابی سے کہا تو میں جھنجھلاتے ہوئے بولا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو، پر مجھے چھوڑو تو سہی۔''

''تم کیا سمجھتے ہو، اب تم مجھے چھوڑ سکو گے یا مجھ سے جان چھڑوا سکو گے؟'' یہ کہتے ہوئے وہ ہلکا سا ہنسی اور مجھے چھوڑ دیا۔ میں چند لمحے اندھیرے میں اسے دیکھتا رہا پھر بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کاریڈور کی جانب بڑھ گیا۔ تبھی میں نے وہاں پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''یہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ تم سو جاؤ، میں جاگ رہی ہوں۔'' اس نے میرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''تم کیا سمجھتی ہو مجھے نیند آ جائے گی۔'' میں نے کہا۔

''آئے گی تو نہیں۔'' اس نے دھیمے سے کہا تو میں بولا۔

''تم جاؤ، سو جاؤ۔ صبح ہم نے جانا بھی ہے۔''

وہ چند لمحے یونہی ساکت بیٹھی رہی پھر ایک طویل سانس لے کر اٹھی اور تیزی سے اندر کی جانب چلی گئی۔ میں وہیں کرسی پر بیٹھا رہا۔ مجھے ارم کا رویہ بڑا عجیب سا لگا تھا۔

❁.....☆.....❁

اس وقت سورج نہیں نکلا تھا لیکن میں بہاول پور جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اس دن میں جاگنگ پر نہیں جا سکا تھا۔ میں ناشتے کی میز پر آیا تو ارم بھی تیار ہو کر آ گئی۔ اس نے سیاہ جین پر گلابی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی سیاہ جیکٹ کی زپ کھلی چھوڑ رکھی تھی۔ وہ بالکل میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ میں نے کوئی بات نہیں کی بلکہ ناشتہ کرتا رہا۔ وہ بھی ناشتہ کرتے ہوئے خاموش تھی۔ جس وقت میں نے کپ میں چائے لی تو اس نے بھی کھانا چھوڑ دیا اور مجھے چائے دینے کو کہا۔ ہم نے خاموشی ہی میں چائے پی اور اٹھ کر باہر لاؤنج میں آ گئے۔ وہاں بابا بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھا اور بولے۔

''رات مجھے فہیم نے فون کیا تھا، وہ وقت پر عدالت پہنچ جائے گا۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ صرف اسی ایک پیشی پر علی کو جانا پڑے گا۔ پھر ضرورت نہیں ہوگی۔''

''جی بالکل، جیسے وہ کہیں گے۔'' میں نے سعادت مندی سے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا جاؤ پھر تم دونوں، بہت سنبھال کر جانا، فی امان اللہ۔'' انہوں نے ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ہم پورچ میں آ گئے۔ وہاں ارم کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ سیدھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا تو وہ چل دی۔

گاؤں سے شہر تک کا فاصلہ بہت جلدی کٹ گیا۔ شہر سے بہاول پور تک جانے میں کوئی ایک گھنٹہ چاہئے تھا۔ جیسے ہی ہم شہر سے نکلے تو ارم نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سوری یار علی، رات میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئی تھی۔'' اس کے لہجے میں کسی شرمندگی کا احساس نہیں بلکہ اعتراف تھا۔

''اس میں سوری کی کیا بات ہے، وہ شہزادی، جسے دیکھنے، جسے ملنے، جس کا قرب حاصل کرنے کا ایک جہاں

طلب گار ہے، اسے میرا احساس ہے، اس کے دل میں
میرے لئے پیار ہے۔ یہ تو میری خوش نصیبی ہے یار۔"
میں نے کہتے ہوئے قہقہہ لگا دیا۔ تبھی وہ دبی دبی مسکراہٹ
کے ساتھ بولی۔

"میں نہیں چاہتی کہ تم مجھے کوئی ایسی ویسی لڑکی سمجھو۔"

"نہیں میں تمہیں کیسی کیسی سمجھ لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں
نے سنجیدگی سے کہا، "ایسی باتیں مت کرو۔ ہم دوست ہیں
اور بس۔"

"میں نہیں چاہتی کہ تم میرے عشق میں پاگل ہو جاؤ۔"
اس نے ناز سے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"یہ تم بھول جاؤ، مجھے نہ کسی سے محبت ہوئی ہے اور نہ
عشق کا مرض مجھے لاحق ہو سکتا ہے۔ چاہے تمہارے جیسی
جتنی مرضی حسین لڑکی ہو۔" میں نے مذاق میں کہا تو وہ
قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ پھر ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں، میں نے تمہیں دو برس دیکھا، تم نے کسی لڑکی
میں دلچسپی نہیں لی۔ خیر ہونا تو ایسے ہی چاہئے۔"

"کیا ایسے ہونا چاہیے؟" میں نے پوچھا۔

"تیرے جیسے وجیہہ لڑکے کو صرف ایک لڑکی پر اکتفا
نہیں کرنا چاہئے۔ ساری زندگی ایک لڑکی کے ساتھ کیا
بندھے رہنا۔ تم جب چاہو......" وہ کہتے کہتے رک گئی تو
میں قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ میں اس کی بات سمجھ چکا تھا۔ اس
لئے بولا۔

"یہ تمہاری سوچ ہے، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

انہیں باتوں کے دوران میں نے اپنے سائیڈ مرر میں
دیکھا۔ ایک سیاہ کرولا مسلسل ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔
جب سے ہم شہر سے نکلے تھے، تب سے وہ ہمارے پیچھے
پیچھے تھی۔ پہلے میں نے اسے اتفاق ہی سمجھا تھا، لیکن آدھا
گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی وہ مسلسل ہمارے پیچھے تھی۔
مجھے تب کا یقین ہو گیا۔ میں نے ارم سے کہا۔

"تم نے پیچھے آتی ہوئی سیاہ......"

"وہ ایک نہیں دو ہیں، دوسری سرخ کار ہے۔ ہمارے
ہی لوگ ہیں۔" اس نے سکون سے کہا تو میں نے اطمینان
کا سانس لیا۔ میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا کہ وہ
لوگ کہاں ٹھہرے تھے؟ انہیں کیوں ساتھ لیا گیا ہے؟ کیا
اتنا بڑا ہی خطرہ ممکن تھا؟ کیا ارم اتنی طاقت رکھتی ہے کہ
اپنے ساتھ اتنے لوگوں کو لئے پھرتی ہے اور وہ بھی اس قدر
محتاط اور خفیہ انداز میں؟ میری سوچیں پھیلنے لگیں۔ یہ
کیا کھیل تھا اور میں کس کھیل میں پھنس رہا ہوں۔ کیا اب
بھی مجھے اتنے لوگ اپنے ساتھ رکھنے پڑیں گے؟ اس طرح
تو زندگی اجیرن ہو کر رہ جائے گی؟ کیا یہ فقط حالات ہیں
کوئی جان بوجھ کر مجھے اس جانب دھکیل رہا ہے؟

عدالت میں ہمیں دوپہر کے قریب آواز پڑی۔ انکل
فہیم اُدھر ہی تھے۔ ہماری تفصیلی بات چیت ہو چکی تھی۔ ان
کا خیال تھا کہ ابھی ان سب بیرک والے بدمعاشوں پر اک
مقدمہ کے ذریعے دباؤ ڈالا جائے گا، بعد میں جب وہ یہ
دیں گے کہ کس کی ایماء پر انہوں نے یہ سب کیا تھا
تصدیق کے بعد انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ یہ ایک طرح
سے نیا محاذ تھا، اسے یوں کھولنے کی ضرورت اس لئے نہیں
تھی کہ اصل دشمن ہی کی جانب توجہ رکھی جائے۔ میں
ان کی بات من وعن مان لی۔ اس کے علاوہ میرے پاس
چارہ نہیں تھا۔ بابا نے انہیں میرا وکیل مقرر کیا تھا وہ جو ک
رہے تھے بابا کی مرضی ہی سے کر رہے تھے۔ عدالت میں و
بھی بیرک والے بدمعاش پیش ہوئے تھے۔ وہ چھ تھے
میں نے پہلی بار انہیں غور سے دیکھا تھا۔ وہ سب میری
طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے ابھی مجھے کچا کھا جائیں گے
۔ میں انہیں دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ پولیس نے اپنی تفتیش پیش
کی، جس میں یہ ثابت تھا کہ انہوں نے مجھے شدید زخمی ک
تھا۔ اُن کی طرف سے وکیل پیش نہیں ہوا تھا جبکہ انکل فہیم
نے انہیں سخت سے سخت سزا دینے کی استدعا کی تھی۔ یو
اگلی پیشی پر عدالتی کارروائی ختم ہو گئی۔

ہم حویلی واپس آنے کے لئے چل پڑے تھے۔ شہر
سے باہر آ کر ارم نے اپنا پسٹل ڈیش بورڈ پر رکھ لیا تھا۔ تب
میں نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم پر حملہ ہو گا؟"

"ففٹی ففٹی چانس ہے۔ جس طرح انہوں نے
دھمکیاں دی ہوئی ہیں اور جس طرح کے گینگ کے ساتھ
تعلق رکھتے ہیں، انہیں حملہ کرنا چاہئے اور اگر یہ حملہ نہیں
ہوتا تو پھر کچھ دوسرا سوچنا پڑے گا۔"

"مجھے تمہاری سمجھ نہیں آ رہی، تم مجھے کھل کر کیوں نہیں
دیتی ہو؟" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

Digitized by Google

''دھیرج رکھو، تمہیں سب معلوم ہو جائے گا، بہت ساری باتوں سے صرف دماغ خراب ہوتا ہے اس کا حاصل کچھ نہیں ہوتا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا فون بھی اپنی گود میں رکھ لیا۔ مجھے نجانے کیوں خطرے کا احساس ہونے لگا۔ ارم نے ماحول ہی ایسا بنا دیا تھا۔

واپسی پر پورے راستے ٹینشن رہی۔ ہم میں زیادہ باتیں بھی نہیں ہوئیں لیکن اپنا شہر آجانے تک کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ارم جو خطرہ محسوس کر رہی تھی، ویسا نہیں ہوا تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا جب ہم شہر سے حویلی جا پہنچے تھے۔ اس بار سفید اور سرخ کار والے بھی ہمارے ساتھ ہی حویلی آ گئے تھے۔ میں جیسے ہی پورچ میں رکا، میرا ملازم کام چھوڑ کر آ گیا۔ یہ معمول کا عمل تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی سامان وغیرہ اندر لے جانے کے لئے انہیں آواز دیتا، وہ خود ہی قریب آ جاتا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سب خیریت ہے نا؟''

''جی یہاں حویلی میں سب خیریت ہے لیکن گاؤں میں نہیں۔''

''کیوں گاؤں میں کیا ہوا ہے؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''وہ جوتی نہیں آتا یہاں پر، وہ تنویر۔'' ملازم نے کہا۔

''ہاں کیا ہوا ہے اسے؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''وہ چوہدری سلطان کے لوگ اسے تلاش کرتے اس کے گھر گئے تھے۔ وہ گھر پر نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے اس کے بھائی کو پکڑ کر لے جانا چاہ رہے تھے۔''

''پھر کیا ہوا؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''وہیں پر ماسٹر مجید تھے۔ انہوں نے چوہدری سلطان کے بندوں کو روکا کہ کیوں اسے پکڑا ہوا ہے۔ جاؤ جتی کو تلاش کرو۔ اس کا کیا قصور۔ اسی بات پر انہوں نے ماسٹر مجید کے ساتھ بڑی زیادتی کر دی۔''

''کیا، کیا انہوں نے؟'' میں نے دکھ اور تکلیف سے پوچھا۔

''ماسٹر مجید کو انہوں نے مارا، اسے جتی کے گھر کے سامنے گھسیٹتے رہے۔ پتہ نہیں بے چارہ اب تک زندہ ہے یا مر گیا ہوگا۔'' ملازم نے بتایا تو میرے دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مجید صاحب پورے گاؤں ہی کے نہیں میرے بھی استاد تھے۔ ایک کمزور بندے پر ظلم مجھے سے برداشت نہیں ہوا۔ میں نے اسی وقت جتی کو فون کیا۔ اس نے دوسری بیل پر فون ریسیو کر لیا۔

''یہ میں کیا سن رہا ہوں۔''

''یار، انہوں نے میرے بھائی کو جو ذلیل کیا ہی تھا، ماسٹر مجید کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اس عمر میں، وہ .....'' یہ کہتے کہتے رو ہانسا ہو گیا۔

''لیکن کیوں، وہ تمہیں کیوں تلاش کر رہے ہیں؟'' میں نے تیزی سے پوچھا تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔

''ان کے خیال میں رات ہونے والے قتل کے بارے میں سب جانتا ہوں۔ کل میرے علاوہ وہاں پر کوئی نہیں گیا تھا۔''

''اس وقت کہاں ہو؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں ادھر گاؤں ہی میں دوست کے گھر چھپا ہوا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''اور وہ لوگ، جنہوں نے ماسٹر صاحب پر ظلم کیا ان کا کوئی پتہ؟'' میں نے ایک خیال کے تحت تیزی سے پوچھا۔

''وہ مجھے ادھر اُدھر تلاش کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں ان کی حالت کیسی ہوگی۔'' اس نے تڑپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم فکر نہ کرو۔ مجھے صرف اتنا پتہ بتا دو کہ وہ لوگ کہاں مل سکتے ہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

''کیا بات ہوئی؟'' ارم نے پوچھا۔

''آؤ میرے ساتھ بتاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں اسی کی کار میں واپس بیٹھ گیا۔ اس نے میرے چہرے پر دیکھا پھر کوئی سوال کئے بنا کار بڑھا دی۔ راستے میں ساری بات میں نے ارم کو بتا دی۔ بہ مشکل دس منٹ میں ہم گاؤں میں ماسٹر مجید کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ وہاں گاؤں کے لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ میں تیزی سے اندر گیا۔ وہ صحن میں چارپائی پر پڑے تھے۔ ان کے چہرے پر اور بدن پر بہت ساری خراشیں تھیں۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہے تھے۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی ان کی نگاہوں میں حسرت اتر آئی۔ اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

Digitized by Google

میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

''سر، اپنے آنسو بچا کر رکھیں، اگر میں انہیں یہاں لاکر نہ گھسیٹ سکا تو پھر چاہیں بہالیں۔''

یہ کہتے ہی میں نے ان کے بیٹے سے کہا۔

''یہ جو گاؤں کا اسپتال ہے، اس میں ڈاکٹر ہوگا، وہ نہ ملے تو ڈسپنسر تو ہوگا ہی، اسے میرا بتانا اسے کہو فوراً آجائے۔''

وہ اپنے موٹر سائیکل کی جانب بڑھا۔ میں اٹھا اور باہر گلی میں آگیا۔ جہاں گاؤں والوں کا رش تھا۔ مجھے ان پر بہت غصہ آیا۔ ان سب کو دیکھ کر میں نے کہا۔

''تم سب بزدل اور بے غیرت ہو۔ تم لوگوں کے سامنے چند غنڈے اس شریف انسان کو ذلیل کر گئے جو تم میں سے بہت ساروں کا روحانی باپ ہے۔ کسی نے بھی ان کا ہاتھ روکنے کی غیرت نہیں کی؟''

''ہم تھے نہیں یہاں پر۔'' ایک نوجوان نے کہا۔

''لیکن اب تو انہیں تلاش کر سکتے ہو۔ سنو، جس میں غیرت ہے، جو سمجھتا ہے کہ یہ اس کا روحانی باپ ہے تو ان غنڈوں کا بس پتہ مجھے بتادو۔''

''وہ اب بھی تھی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔'' ایک لڑکے نے آگے بڑھ کر کہا۔

''میں کہتا ہوں اگر تھی میں ذرا سی بھی غیرت ہے تو وہ سامنے آجائے، میں دیکھتا ہوں اسے کون لے کر جاتا ہے لیکن پہلے مجھے ان غنڈوں کے بارے میں بتاؤ، جنہوں نے یہاں بے غیرتی کی ہے۔'' میں نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے زور سے کہا تبھی ایک لڑکے نے بتایا۔

''وہ غنڈے یہیں گاؤں میں ہیں۔ یہاں سے تیسری گلی میں، وہ گھر گھر تھی کو تلاش کر رہے ہیں۔''

''چلو پھر۔'' میں نے ساری احتیاط ایک طرف رکھتے ہوئے کہا اور کار میں بیٹھ گیا۔ ارم نے اب بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ ادھر بڑھ جاتی جدھر میں کہتا، کچھ دیر بعد ایک طرف شور پڑ گیا۔ وہ غنڈے ایک گلی میں کھڑے تھے۔ ان کے پاس ایک جیپ کھڑی تھی۔ وہ سات آٹھ لوگ تھے۔ انہیں پتہ چل چکا تھا کہ میں ان کے پیچھے آرہا ہوں۔ بلاشبہ ان کے پاس اسلحہ تھا۔ میں نے ان کے قریب کار روکی اور باہر نکلتے ہی ایک شخص سے پوچھا۔

''تم میں سے کس کس نے مجید صاحب پر ظلم کیا ہے۔ وہ میرے سامنے آجائے۔''

میرے یوں کہنے پر انہوں نے میری طرف دیکھا، پھر ایک دوسرے کی طرف اور زوردار انداز میں ہنس دیئے۔ تبھی ایک غنڈہ آگے بڑھا اور اس نے اپنی گن سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''اوئے کیوں موت کو آواز دے رہا ہے۔ کیا تجھے بھی ان گلیوں میں گھسیٹ دوں تب تمہیں پتہ چلے گا۔''

''اس کا مطلب ہے تم ہی ہو۔'' میں نے کہا ہی تھا کہ سرخ اور سفید کار میں آئے لوگوں نے اپنا اپنا پسٹل نکالا اور ایک ساتھ سیفٹی کیچ اتار اکر سب پر تان دیا، وہ سبھی گھیرے میں تھے۔ انہوں نے انتہائی حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔ میں نے انہیں حیران ہی رہنے دیا، پھر آگے بڑھ کر اس کی گن کی نال کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ گن اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ میں نے ان سب غنڈوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تین سیکنڈ میں اپنے ہتھیار پھینک دو، ورنہ تمہاری موت کا ذمہ دار نہیں ہوں گا، پھینکو اسلحہ بے غیرتو.....''

میرے کہتے ہی کئی ساروں نے گن یا دیسی ساخت کے ریوالور، کاربین نیچے پھینکے۔ اسی دوران ان میں سے دو نے فائر کرنے کی غلطی کر لی لیکن ان پر پہلے ہی فائر ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں کا نشانہ نہ لیا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ پکڑ کر زمین پر گرتے چلے گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اب بچ نہیں سکتے۔ میں نے کہا بھی نہیں لیکن گاؤں کے چند جوشیلے اور جذباتی نوجوانوں نے اُن کی دھنائی کرنا شروع کر دی۔ ان غنڈوں نے تھوڑی دیر مزاحمت کی لیکن اتنے لوگوں کے سامنے ان کا بس نہ چلا۔ میرے کہنے پر گاؤں کے جوشیلے لڑکے رُک کر انہیں باندھنے لگے۔ انہوں نے انہی کی جیپ کے ساتھ انہیں باندھ دیا، کچھ نے انہیں ویسے ہی گھسیٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ انہیں مجید صاحب کے گھر کے سامنے لے آئے۔

''ان میں سے کون کون تھا؟'' میں نے مجید صاحب سے پوچھا۔

''انہیں پہچاننے کی وقت ہو رہی تھی، وہ بہت تکلیف میں تھے۔ ڈاکٹر پہنچ گیا تھا اور اس نے کچھ دیر پہلے انجکشن

دے دیئے تھے۔ میں ان میں سے ایک کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔

"کیوں کیا ظلم میرے استاد پر؟"

"ہم تنی کو تلاش کر رہے تھے۔ انہوں نے......" اس نے کہنا چاہا تو میں نے زور سے ٹھوکر اس کے سر پر مارتے ہوئے کہا۔

"تو اس کا مطلب ہے تم کمزور لوگوں پر ہاتھ اٹھا دو، کس نے بھیجا ہے تمہیں؟" میں نے پوچھا۔

"چوہدری سلطان نے۔" اس نے میری توقع کے مطابق جواب دیا۔

"اسے کرو فون اور بلاؤ اسے یہاں، اگر اس میں ہمت ہے نا آئے یہاں پر اور تم لوگوں کو لے جائے مجھ سے۔" میں نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

ارم کے ساتھ آئے سیکورٹی گارڈ بڑے پروفیشنل تھے۔ وہ بڑے الرٹ انداز میں کھڑے تھے۔ میں نے بڑی بات کہہ دی تھی۔ چوہدری سلطان کو میں نے للکارا تھا۔ اب اسے اپنی طاقت کے ساتھ ہی میرے سامنے آنے سے کون روک سکتا تھا۔ مگر میں اس دن یہ جوا کھیلنے والا تھا۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آج اگر چوہدری سلطان جتنی مرضی طاقت لے کر میرے سامنے آ جائے میں نے اسے مار دینا ہے۔ میں شام تک انتظار کرتا رہا، شام تک گاؤں کے نوجوان ان غنڈوں کو پیٹتے ہے۔ جس نے کسی کو بھی تھپڑ نہیں مارا تھا وہ بھی انہیں مارتا رہا۔ وہ غنڈے ادھ موئے ہو چلے تھے۔ جو زخمی تھے وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ شاید وہ مر جاتے۔ چوہدری سلطان تو نہیں آیا، لیکن پولیس کی بھاری نفری آ گئی۔ اس بار ایک نیا ہی انسپکٹر تھا۔ اس نے بڑے مودب انداز میں میرے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"علی بھائی! مجھے یقین ہے، آپ قانون کو ہاتھ میں نہیں لیں گے۔ انہیں ہم لے جا رہے ہیں؟"

"یہ دھمکی [illegible] ہو؟" میں نے سرد سے لہجے میں پوچھا۔ اس وقت میرا دماغ خراب ہو رہا تھا۔

"نہیں دھمکی نہیں، بس ایک مشورہ ہے۔ ہم آ گئے ہیں اور اب یہ ہمارا کام ہے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا انہیں سزا ملے گی، یہ جو یہاں غنڈہ گردی کرتے رہے ہیں، یہ جو بے گناہ اور مظلوم لوگوں پر تشدد کرتے رہے ہیں، انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں؟"

"ہم یہ سب دیکھ لیں گے، پوری کاروائی ہوگی۔" اس نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"یہ خود اقرار کر رہے ہیں کہ انہوں نے چوہدری سلطان کے کہنے پر یہ ساری غنڈہ گردی کی ہے، کیا اس کا نام دو گے ایف آئی آر میں؟" میں نے پھر سے پوچھا۔

"بالکل، ایسا ہی ہوگا۔" اس نے کہا تو میں نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے ان غنڈوں کو ایک گاڑی میں ڈالا اور تیزی سے لے کر چلے گئے۔ میں کچھ دیر مجید صاحب کے پاس بیٹھا رہا پھر حویلی میں آ گیا۔

❀......☆......❀

رات ہو چکی تھی۔ بابا کو پتہ چل گیا تھا کہ میں مجید صاحب کے لئے کس قدر جذباتی ہو گیا تھا۔ انہوں نے مجھے اس بابت ایک لفظ بھی نہیں کہا، نہ ناراض ہوئے نہ شاباش دی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ان کے چہرے پر فکرمندی پھیل چکی تھی۔ میں ان کے پاس چلا گیا۔ وہ لاؤنج میں اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان کے ساتھ دھرے صوفے پر بیٹھا تو انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ سے مجھے دیکھ کر کہا۔

"میں جانتا ہوں تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟ بیٹا تم نے جو کیا اچھا کیا لیکن میں سوچ رہا ہوں یہ جو جنگ ہم پر مسلط کی جا رہی ہے، اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"بابا آپ اس جنگ کے انجام کی فکر کرنے سے پہلے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ ہمیں انجام تک پہنچا دینا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں یہ بات تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارا دشمن یہ سلطان ہی ہوگا۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ یہ سب کچھ چوہدری سلطان کروا رہا ہے۔" میں نے کہا تو انہوں نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تو پھر کون ہو سکتا ہے؟"

"جو بھی ہے، وہ کافی شاطر ہے۔ وہ مجھے ایک مہرے سے لڑوا دینا چاہتا ہے، وہ مجھے دیکھنا اور پرکھنا چاہتا ہے۔ سلطان جیسے گھٹیا دشمن کو میرے سامنے [illegible]

Digitized by Google

نے کہا۔

''اور یہ تتی تو بہت بزدل نکلا، یوں چھپ گیا جیسے پھر کبھی سامنے ہی نہیں آنا۔'' بابا نے تبصرہ کیا۔

''بابا، مجھے نہیں لگتا کہ وہ بزدل ہے، ہاں مگر وہ خود کو کمزور سمجھتا ہے اور بے چارہ ہے بھی تو اکیلا۔ کون ہے اس کے ساتھ؟ کون ہے اسے حوصلہ دینے والا؟ یہ بہت بڑی بات ہے کہ وہ چوہدری سلطان جیسے لوگوں کے پالتو غنڈوں میں شامل نہیں ہوگیا۔'' میں نے اپنی رائے دی۔

''ہاں، تم ایسا کرو، خود کو بہت بچا کر، بہت محتاط ہو کر اس مسلط کی ہوئی جنگ سے باہر آجاؤ، ہمیں نہیں لڑنا یہ جنگ۔'' وہ دھیمے سے بولے۔

''لیکن بابا جب تک میرا دشمن میرے سامنے نہیں آجاتا اور جب تک وہ وجہ نہیں معلوم ہو جاتی، جس کے باعث یہ جنگ مسلط کر دی گئی ہے تب تک میں کیسے باہر نکل سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' بابا نے پھر آہستگی سے فکرمند لہجے میں کہا۔

''آپ فکر نہ کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' میں نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا تو وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''بیٹا، میں تمہاری کہیں بھی حوصلہ شکنی نہیں کرنا چاہتا، لیکن جہاں تک ممکن ہو، ہاؤ لے کتے کو خود سے پرے رکھو۔ اگر وہ کاٹنے پر تل ہی جائے تو اسے گولی مارنے میں تاخیر نہ کرو۔ تمہیں نہیں کاٹے گا تو کسی دوسرے کو کاٹ لے گا۔ بس علاقے میں اپنی عزت بنا کر رکھنا۔ یہی میری خواہش ہے۔''

''ایسا ہی ہوگا بابا، اب آپ کمرے میں جا کر آرام کریں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھے اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑے۔ میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو باہر سے ملازم نے مجھے بتایا کہ باہر تتی آیا ہے۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور باہر چلا گیا۔ تتی مہمان خانے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مجھے دیکھتا ہی اٹھا اور روتے ہوئے میرے گلے لگ گیا۔

''او خیر تو ہے، کیا بات ہوئی، سب ٹھیک تو ہے نا۔'' میں نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے مجھے خرید لیا ہے یار، آج مجھے پتہ چلا ہے کوئی تو میرے لئے اس قدر دشمن کو للکار سکتا ہے۔ اب تو میری جان بھی مانگو تو حاضر ہے، یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''یہ اپنے آنسو پونچھ چاہے خوشی کے ہی ہیں، مرد کی آنکھوں میں یہ آنسو اچھے نہیں لگتے۔'' میں نے اس کی بھیگی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنی چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور افسردہ سا ہو کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے پوچھا۔

''کھانا کھایا تم نے؟''

اس نے جواب دینے کی بجائے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں نے ملازم کو بلایا اور کھانا لانے کے لئے کہا۔ کچھ دیر بعد وہ کھانا کھا چکا تو بولا۔

''مجھے سونا بھی ہے۔''

''یہیں سو جاؤ۔'' میں نے ایک طرف پڑی چارپائی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ لیٹ گیا۔ وہ شاید بات نہیں کرنا چاہتا تھا یا تھکا ہوا تھا جو بھی تھا، اس نے لحاف سر پر لیا اور سو گیا۔

نجانے کیوں مجھے تتی پر یقین نہیں آ رہا تھا اور اسے چھوڑنے کو دل بھی نہیں کر رہا تھا۔ اگر وہ دشمن تھا تو میری حویلی میں سو رہا تھا اور اگر دوست تھا تو پھر بہت بری حالت میں تھا۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے اسے ویسے ہی چھوڑ دیا۔ اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں لیکن چوکیدار سے کہہ دیا کہ اس کا خیال رکھنا۔ ارم کے سیکورٹی گارڈ حویلی کے کاریڈور میں بنے کمرے میں تھے۔ انہیں اپنی ڈیوٹی بھی دینا تھی۔ میں حویلی کے اندر چلا گیا۔

میں اپنے کمرے کی جانب جا رہا تھا کہ سامنے ارم کھڑی دکھائی دی۔ وہ حویلی کے دوسری جانب کاریڈور میں کھڑی تھی۔ یہ وہی جگہ تھی، جہاں ہم رات بیٹھے رہے تھے۔ میں چلتا ہوا اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور پھر دھیمی سی مسکان کے ساتھ بولی۔

''علی، تمہارا معاملہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔''

''ہاں، لیکن بہت جلد یہ سب ختم ہو جائے گا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

Digitized by Google

''تم جذباتی فیصلے کرتے ہو، آج میں نے تمہارا غصہ دیکھا۔ ایسا میں نے تمہیں پہلے نہیں دیکھا کبھی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''یار میں ہی نہیں، میرے بابا بھی مجید صاحب کی عزت کرتے ہیں، اگر لوگ بے حس ہو گئے تو کیا ہم بھی ایسے ہی ہو جائیں۔ میں نے بہت چھوٹی جماعتوں میں ان سے پڑھا ہے۔'' میں نے اسے بتایا۔

''نہیں، وہ تمہارا ان کے لئے کچھ بھی کرنا ٹھیک تھا لیکن اس طرح بنا سوچے سمجھے اتنی بڑی بات کہہ دینا، میرے لئے بہت حیران کن تھا۔'' اس نے حیرت ملے لہجے میں کہا۔

''جو کچھ بھی ہے تمہارے سامنے ہے۔ مجھے غصہ ہی اتنا آ گیا تھا، آج اگر وہ سلطان میرے سامنے آ جاتا تو میں نے اسے مارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔'' میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ بالکل میرے قریب آ گئی۔ پھر میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''کب تک لڑو گے۔''

''جب تک میں لڑ سکا۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

''بس تو پھر حوصلہ نہیں ہارنا۔'' اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ جس میں کہیں کھو جانے کا احساس چھپا ہوا ہو۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا، اسے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''اب تم سو جاؤ، صبح بات کریں گے۔''

''نہیں مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔'' اس نے ست پڑتے ہوئے کہا تو میں بولا۔

''صبح کر لیں گے۔ اس وقت اگر اماں یہاں آ گئی تو کیا سوچیں گی۔''

میرے یوں کہنے پر وہ لمحہ بھر کو رکی اور پھر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ میں نے اسے کمرے تک چھوڑا اور اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔ مجھے ارم کا ہونا بہت عجیب سا لگتا تھا۔ اس کا یہاں ہونا، میری مدد کرنا اور مجھے حوصلہ دینا، ایسا ہی تھا جیسے اس نے مجھے ایک نئی زندگی دے دی ہو۔ جس طرح آج گاؤں میں ہوا، وہ خود مجھے حیران کر دینے والا تھا۔

اس وقت نیلگوں روشنی پھیل چکی تھی، جب میری آنکھ کھل گئی۔ میں جاگنگ کے لئے تیار ہونے لگا۔ مجھے زیادہ وقت نہیں لگا اور میں کاریڈور میں آ گیا۔ میں باہر جانا چاہتا تھا کہ دو سیکورٹی گارڈ میرے ساتھ چل پڑے۔

''تم لوگ کہاں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میڈم کا حکم ہے کہ آپ اکیلے نہیں جائیں گے۔'' ان میں سے ایک نے کہا تو میں ہنس دیا پھر بولا۔

''او یار کیوں میری عزت کا جنازہ نکال رہے ہو، اس سے اچھا ہے کہ میں جاؤں ہی نا۔''

''سر، کل والا واقعہ.....''

''او یار یہ بات نہیں، آج اگر میں تم لوگوں کو لے کر نکلا نا تو پورے علاقے میں یہ خبر پھیل جاتی ہے کہ اب میں گارڈ رکھنے لگا ہوں۔ ڈرتا ہوں، اکیلا نہیں نکل سکتا۔ یہ اچھی خبر نہیں ہوگی۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''سر پھر ہم میڈم کو کیا کہیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں انہیں سمجھا لوں گا تم آرام کرو۔'' میں نے کہا اور گیٹ کی جانب چل دیا۔ ہلکی ہلکی کہر پھیلی ہوئی تھی لیکن اس میں دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ سرسبز فصلیں اور ڈھلے ہوئے درخت بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ میں نے اپنی جیکٹ میں پڑے دونوں پسٹل محسوس کئے اور بھاگتا چلا گیا۔ میں لاشعوری طور پر چوکنا تھا۔ میرے دشمنوں نے میرے اندر پوشیدہ بہت ساری صلاحیتوں سے آشنا کر دیا تھا، شاید مجھے اپنے بارے میں احساس ہی نہ ہوتا اگر مجھ پر خوف مسلط کرنے کی کوشش نہ کی جاتی۔ مجھے یہی لگ رہا تھا جیسے ہر درخت کے پیچھے کوئی ہے، وہ ابھی نکلے گا اور مجھ پر فائر کر دے گا۔ لیکن یہ سب ایسی ہی سوچیں تھیں۔ کچھ بھی نہیں ہوا اور میں واپس آ گیا۔ میں سیدھا مہمان خانے میں گیا۔ تنی ابھی تک سو رہا تھا۔ میں نے اسے جگانے کے لئے لحاف اٹھایا تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس اٹھنے والا تھا۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''چل پھر اٹھ، نہا دھو، کپڑے بدل اور ناشتہ کر۔'' میں نے کہا اور یونہی اس پر لحاف چھوڑ کر مہمان خانے سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر میں نے ملازم کو ساتھ لیا، اسے اپنا بہترین شلوار سوٹ دیا کہ وہ جا کر تنی کو دے دے۔ وہ لے کر چلا

Digitized by Google

گیا۔

ناشتے کے بعد ارم کو لاہور کے لئے نکلنا تھا۔ وہ تذبذب میں تھی کہ جائے یا نہیں۔ وہ میرے پاس لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

''دیکھو، اگر تمہارا جانا ضروری ہے تو تم جا سکتی ہو۔'' میں نے پیار سے کہا۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا، مگر مجبوری ہے، میں ایسا کرتی ہوں، یہ سیکورٹی گارڈز یہاں چھوڑ جاتی ہوں۔ تم.....'' اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''نہیں ارم، یہاں پر کچھ ایسے لوگ ہیں، جو میرا ساتھ دے سکتے ہیں۔ میں کب تک ان سیکورٹی گارڈز کے حصار میں رہوں گا۔''

''بالکل، ٹھیک کہا تم نے، بندے کو خود پر بھروسہ ہونا چاہئے۔'' اس نے ایک دم سے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولی، ''میرا خیال ہے کہ تم ادھر اُدھر کے معاملات میں پھنسنے کی بجائے، اپنے اصل دشمن کو جلد از جلد تلاش کر لو، اس طرح سب واضح ہو جائے گا۔''

''یہی کرنا ہوگا۔ میں نے سوچ لیا ہے اب مجھے کیا کرنا ہے۔'' میں نے کہا تو ارم خاموش رہی۔ پھر اٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے اسے پورچ میں الوداع کہا۔ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ چلی گئی تھی۔

میں لان میں بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔ میں کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا چاہتا تھا جس سے میں اپنے دشمن تک پہنچ سکتا۔ میں سوچ کا کوئی بھی سرا پکڑ کر بڑھتا مگر میرے سامنے ایک بند گلی آ جاتی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ صاف ستھرا حلیہ میرے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے دیکھ کر میں نے پوچھا۔

''پتہ کیا تھا، مجید صاحب کا، کیسے ہیں وہ؟''

''وہ ٹھیک ہیں، میں گیا تھا رات ان کے گھر لیکن میرے بھائیوں نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا، بات بھی ٹھیک ہے۔ وہ لوگ مجھے تلاش کرتے ہوئے میرے گھر گئے تھے۔ بس اسی کا مجھے دکھ تھا جو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔''

''لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں نا کہ یوں..... خیر مجھے یہ بتاؤ وہ تجھے کیوں تلاش کر رہے تھے۔'' میں نے پوچھا۔

''ان کا یہ شک ہی نہیں مجھ پر بلکہ یقین ہے کہ میں ان کے ڈیرے پر گیا تھا اور میں نے ہی مخبری کی تھی، جس کی وجہ سے وہاں موجود لوگ قتل ہو گئے۔ وہ مجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں نے یہ مخبری کسے کی تھی۔'' اس نے بتایا۔

''پھر تم بتا دیتے کہ یہ بات مجھے بتائی تھی؟'' میں ایک خیال کے تحت کہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''میں مر جاتا لیکن یہ بات کبھی نہ بتاتا۔'' یہ کہہ کر کچھ دیر کے لئے خاموش ہوا پھر بولا، ''میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے ہو، ٹھیک کرتے ہو، یوں کیسے مجھ پر اعتماد ہو سکتا ہے، ایک لوفر، لفنگے کے ساتھ جس کا کوئی گھر بار نہیں، اپنے گھر سے نکالا ہوا جسے کوئی پسند نہیں کرتا، جس کی عزت ہی نہیں ہے۔''

''یہ بات تو سچ ہے کہ میں تم پر اعتماد نہیں کر رہا، لیکن اس کی وجہ یہ سب نہیں، مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارا چوہدری سلطان سے کیا دشمنی ہے؟ تم کیوں مجھے اس کے سامنے لا کر کھڑا کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے صاف کہا تو چند لمحے خاموش رہا پھر سر اٹھا کر بولا۔

''دسویں جماعت کے بعد تم شہر چلے گئے تھے پڑھنے وہیں رہتے تھے۔ میں نے بھی داخلہ لیا تھا لیکن جلد ہی چھوڑ دیا، کیا تم جانتے ہو میرے کالج چھوڑنے کی وجہ کیا تھی؟''

''نہیں، میں نہیں جانتا، تم بتا دو۔'' میں نے اختصار سے کہا۔

''ان دنوں اسی چوہدری سلطان نے دسویں کا امتحان دیا تھا۔ جب ہمارا ان کے ساتھ جھگڑا ہوا۔ ہماری زمین ان کے ساتھ ہی تھی۔ پانی لگانے پر ان کے نوکروں نے میرے ابا کو مارا، انہیں بے عزت کیا۔ کسی نے بھی ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ گاؤں کے لوگ ان سے ڈرتے تھے۔ پولیس والوں نے بھی ہماری نہیں سنی بلکہ تھانے دار نے مشورے دیتا رہا کہ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا، سات اکیاون کا پرچہ درج ہوگا، میرا باپ بھی اندر ہوگا۔ وہ لوگ بھی اندر ہوں۔ ان کی تو ضمانت ہو جانی تھی میرے باپ کے پیچھے کون جاتا؟''

''کہیں بھی شنوائی نہ ہوئی؟'' میں نے بے صبری سے

Digitized by Google

پوچھا۔

''بالکل نہیں، لیکن یہاں آپ کے بابا کام آئے، انہیں پتہ چلا کہ میرے ابا کے کیا حالات چل رہے ہیں تو سب سے پہلے انہوں نے ہمارے گھر میں راشن پہنچایا۔ انہیں کچھ رقم دی۔ پھر سب معاملہ ختم کروایا۔ تم اپنے بابا سے یہ سب پوچھ سکتے ہو۔'' اس نے کہا تو مجھے کافی حیرت ہوئی۔

''ایسا بھی ہوا تھا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں ایسا ہوا تھا، وہ ہماری تھوڑی سی زمین پر قبضہ جمانا چاہتے تھے اور یہ ان کی کوشش اب تک ہے۔''

''پھر دوبارہ کوشش کی تھی انہوں نے؟'' میں نے پوچھا۔

''کہہ رہا ہوں نا کئی بار، ہم چھوٹے تھے، لیکن اب کئی برس ہوئے چوہدری سلطان کا باپ بھی تو مر گیا ہے نا، اب نہیں۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا تو یہ پرانی بات ہے۔'' میں نے تبصرہ کیا تو نفرت سے بولا۔

''اس دن سے میں نے سوچ لیا تھا، اصل طاقت تو ان لوگوں کی ہے، کوئی کسی کی عزت نہیں کرتا، عزت صرف اس کی ہے جس کے پاس لاٹھی ہے جس سے وہ سب کو ہانک سکے۔ میں اس معاشرے سے ویسے ہی متنفر ہو گیا۔ محنت مزدوری کرتے میں نے بیوپار شروع کر دیا۔ میں چاہتا تھا کہ مجھے کوئی ایسا گینگ ملے جس میں شامل ہو کر میں طاقت حاصل کر لوں اور چوہدری سلطان جیسے لوگوں کو سبق سکھا سکوں۔ مجھے ایسا تو کوئی نہیں ملا، لیکن اس پورے علاقے میں کہاں سانپ ہیں، کہاں شیر ہیں یہ سب مجھے پتہ ہے۔''

وہ کہہ رہا تھا اور مجھے کافی حیرت ہو رہی تھی۔ وہ سانس لینے کے لئے رُکا تو میں نے پوچھا۔

''لیکن میرے سوال کا جواب تم نے نہیں دیا؟''

''میں تمہیں چوہدری سلطان کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ یہی وہ بندہ ہے جو تمہارا دشمن بنا ہوا ہے۔ اب دیکھو، وہی لوگ، اسی کے ڈیرے پر مارے گئے جنہوں نے تم پر فائرنگ کی تھی۔'' اس نے جوش سے کہا۔

''یہ تو ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔'' میں نے تسلیم کیا۔

''اور قدرت نے تمہیں خود بخود چوہدری سلطان کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ ڈیرے پر قتل کرنے والا کون ہے۔'' اس نے پھر وہی بات کہہ دی۔

''تو جائے جا کر پکڑے اسے جس نے قتل کئے۔'' میں نے اعتماد سے کہا۔

''اب شاید اس میں ہمت نہ رہی ہو، کیونکہ اسے یقین نہیں تھا کہ اس کے ساتھ ایسا ہو جائے گا۔ ایک طرف پورے علاقے میں اس کی نفرت باہر آ گئی ہے اور دوسری طرف اس کے بندے مارے بھی گئے اور پکڑے بھی گئے۔ اب کوئی ایسا بندہ پولیس پر دباؤ ڈالے جس کی وجہ سے چوہدری سلطان کو پولیس پکڑ لے۔ اس کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو سکتا ہے، جو اس نے تیرے ساتھ کرنے کی کوشش کی تھی۔'' اس نے جوش بھرے لہجے میں بتایا۔

''اس کا مطلب ہے کہ اسلم اے ایس آئی، پھتو مصلی اور فیروز کو اسی چوہدری سلطان نے غائب کیا ہوا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس میں کوئی شک نہیں۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''دیکھو، اب سارا معاملہ انہی تینوں پر ہے۔ یہ تینوں اگر اقرار کر لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ انہوں نے چوہدری سلطان کے کہنے پر کیا تھا تو ہمیں ان سے کوئی دشمنی نہیں۔ ہمارا دشمن سامنے آ جائے گا اور پھر اس کے ساتھ جو ہو سکا ہم کریں گے۔ سانپ کا سر کچل کر رکھ دیں گے۔'' میں نے کہا تو اس کی آنکھیں چمک گئیں۔

''اپنے اسی علاقے میں چند نوجوان ایسے ہیں۔ اگر ان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا جائے نا تو وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی حوالے سے انہی چوہدریوں کے ڈسے ہوئے ہیں۔ انہیں کے ظلم کا شکار ہیں۔ ان سے بہت کام لیا جا سکتا ہے۔'' اس نے مجھے قیمتی اطلاع دی۔

''تم رکھ دو ہاتھ ان پر۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کاش میرے پاس اتنی قوت ہوتی لیکن دیکھ لینا، ایک دن آئے گا، جب لوگ مجھ سے ڈریں گے۔'' اس نے عجیب نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اچھا چل ایک کام کر، یہ جو تین لوگ میں نے تمہیں بتائے ہیں، انہیں تلاش کر، جہاں کہیں بھی ہوں، بس ان کا پتہ مجھے دے دے، انہیں ان کے بلوں سے نکالنا میرا کام

Digitized by Google

ہے۔'' میں نے اس کے سامنے آفر رکھی۔

''ٹھیک ہے، میں کر دیتا ہوں یہ کام۔'' اس نے فوراً ہی سر ہلاتے ہوئے کہا تو میں نے جیب میں پڑے جتنے نوٹ تھے سب نکال کر اس کی جانب بڑھا دیئے۔ اس نے ایک نگاہ ان نوٹوں کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب بے بسی آ گئی۔ اس نے شکوہ بھری نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور پھر کوئی بات کیئے بنا اٹھ کر چلا گیا۔

مہمان خانے کے باہر ہی اس کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ اس نے وہ اٹھائی اور گیٹ سے نکلتا چلا گیا۔ نوٹ میرے ہاتھ ہی میں رہ گئے جو اس کے چلے جانے کے بعد میں نے جیب میں ڈال لیئے۔ اب مجھے بابا سے اس کی بتائی ہوئی کہانی کنفرم کرنا تھی۔ اگر وہ سچ تھا تو تتی پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

❀.....☆.....❀

سہ پہر کا وقت تھا۔ میں اپنے ڈیرے پر تھا۔ میرا دماغ تتی کے جانے کے بعد مسلسل سوچ رہا تھا کہ پھتو مصلی، فیروز اور اسلم اے ایس آئی کو کیسے تلاش کیا جائے۔ میں تتی کے بارے میں بابا سے بات کر چکا تھا۔ انہوں نے بھی تصدیق کر دی تھی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اگر یہ تینوں چوہدری سلطان کی ایماء پر میرے خلاف ہو گئے تھے تو اب بھی یہ اسی کی پناہ میں ہوں گے۔ ممکن ہے اسلم اے ایس آئی اس کے پاس نہ ہو لیکن باقی دو تو ہو سکتے ہیں۔ اس کا پتہ تو وہی بندہ لگا سکتا ہے جو ان کے قریب رہا ہو۔ میں یہی سوچتے ہوئے فصلوں میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر چاچا فیضو اور اس کی بیوی چارہ کاٹ رہے تھے۔ ایسے میں ڈیرے کی جانب آنے والے کچے راستے پر پولیس جیپ آتی ہوئی دکھائی دی۔ میرے دماغ میں پہلا سوال یہی گونجا کہ وہ یہاں کیوں آ رہے ہیں؟ اگر انہیں مجھ سے ملنا ہی تھا تو وہ حویلی جاتے، وہاں سے مجھے فون کر کے بلوا لیا ہوتا یا ان کی آمد کے بارے میں اطلاع مل جاتی۔ ان کے سیدھے یہاں آنے کا مقصد کیا ہو سکتا تھا؟ جس قدر میں تیزی سے سوچ رہا تھا، وہ اتنی ہی تیزی سے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ جیپ رکتے ہی اس میں سے راؤ ظفر نکلا، اس کے ساتھ ہی دو کانسٹیبل بھی اتر آئے۔ اگر کوئی جیپ میں بیٹھا تھا تو اس کے بارے میں مجھے پتہ نہیں چلا۔ وہ ڈیرے پر آ کر رک گئے۔ میں انہیں دیکھ کر ڈیرے کی جانب بڑھ گیا۔ مجھ سے پہلے چاچا فیضو وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے چار پائیاں اور کرسیاں لگا دی تھیں۔ میں نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

''راؤ صاحب، خیر ہے سیدھے یہاں آ گئے، حویلی نہیں گئے؟''

''مجھے آپ ہی سے بات کرنا تھی، اس لئے یہاں آ گیا ہوں۔''

''تشریف رکھیں۔'' میں نے اسے بیٹھنے کا کہا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھ گیا، چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''آپ نے مجھے جو نمبر دیا تھا، وہ جعلی ہے، عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جیل کے قیدی کچھ وقت کے لئے فون لیتے ہیں اور باتیں کر لیتے ہیں۔ سنا ہے کہ اب جیل حکام جیمر لگا رہے ہیں۔ خیر، آپ پر ہونے والی فائرنگ کی ایف آئی آر ہم نے درج کر لی تھی۔ اسی رات چوہدری سلطان کے ڈیرے پر قتل ہو گئے۔ وہ گاڑی بھی جل گئی اور فائرنگ کرنے والے بندے بھی قتل ہو گئے۔ ان میں دو اشتہاری تھے۔'' یہ کہہ کر وہ سانس لینے کو رکا تو میں نے پوچھا۔

''راؤ صاحب یہ سب تو مجھے معلوم ہے، آپ جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ فرمائیں۔''

''یہ ایف آئی آر تو میں نے کہیں ٹھکانے لگانی ہے نا جی، اسی کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''جی جی، کہیں کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں نے چوہدری سلطان کو بلوایا تھا، ظاہر ہے اس کے ڈیرے پر یہ سب ہوا، اس نے اگر انہیں پناہ دی تھی تو وہ بھی مجرم ہے۔ بہر حال درمیان میں بہت سارے لوگ پڑ گئے ہیں اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس واقعہ کو گول ہی کر دیا جائے۔ اگر آپ اس میں دلچسپی نہ لیں تو یہ معاملہ یہیں ختم کر دیتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''واہ راؤ صاحب واہ، ایک دیدہ دانستہ مجرم کو آپ بچا رہے ہیں اور میرے جیسے بے گناہ کو آپ نے فوری پکڑ کر ایک کرپٹ رشوت خور اسلم اے ایس آئی کے سپرد کر دیا، یہ

Digitized by Google

کہاں کا انصاف ہے؟'' میں نے افسوس بھرے انداز میں کہا تو وہ تیزی سے بولا۔

''وہ ڈیرے پر قتل ہونے والے لوگوں کا الزام آپ پر لگا رہے ہیں۔ فائرنگ کے ردعمل میں آپ نے انہیں قتل کر دیا۔''

''تو ٹھیک ہے، آپ مجھے گرفتار کر لیں اور وہ کون لوگ ہیں جو سلطان کو بچا رہے ہیں؟ کیا وہ قانون سے بالاتر ہے؟'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''علی بھائی، میں بہت مجبور ہوں، میں بتا نہیں سکتا کہ کون کون لوگ اس کی پشت پناہی پر ہیں۔ ہونا صرف یہ ہے کہ آپ کی ایف آئی آر پڑی رہی گی اور نامعلوم افراد کے خلاف تفتیش جاری رہے گی۔''

''اور وہ لوگ، جو ایک کمزور اور بے بس انسان کو گاؤں کی گلیوں میں گھسیٹتے رہے ہیں، وہ بھی بچ جائیں گے۔ انہیں بھی آپ چھوڑ دیں گے جو اسلحہ کے زور پر لوگوں کو ڈرا دھمکا رہے تھے۔'' میں نے انتہائی نفرت سے کہا۔

''سچی بات تو یہی ہے کہ وہ لوگ انہی لوگوں کو بچانا چاہتے ہیں۔ وہ ایک دو لوگوں کو پیش کر دیں گے اور باقی سب چھوڑ دیئے جائیں گے۔ مجید صاحب سے بات ہو گئی ہے وہ راضی ہیں۔ انہوں نے لکھ کر بھی دے دیا ہے۔'' راؤ ظفر نے کہا تو میں حیران رہ گیا۔ اتنی جلدی وہ لوگ دباؤ میں آ گئے۔ مجھے بڑا دکھ ہوا۔

''کب لکھ کر دیا انہوں نے؟'' میں نے پوچھا۔

''آج دوپہر تھانے میں پنچائت ہوئی، معافی تلافی ہو گئی۔ مدعی ان کا بیٹا تھا، اب یہ معاملہ ختم سمجھیں۔ آپ اپنی ایف آئی آر کی بات کریں۔'' اس نے بڑے سکون سے مجھے جتا دیا۔

''دیکھیں، اگر معاملات یونہی باہر ہی حل ہونے ہیں تو آپ کے جوجی میں آئے کریں، مجھ پر وہ سارے قتل ڈال دیں، مجرموں کو چھوڑ دیں بے گناہوں کو پکڑ لیں۔ جب آپ کی بادشاہی ہے تو جو مرضی کریں۔'' میں نے بھی اسی سرد لہجے میں کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تو کیا میں سمجھ لوں کہ آپ اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لیں گے؟''

''کیا بات کرتے ہیں راؤ صاحب آپ بھی، کریں بادشاہی۔'' میں نے کہا تو راؤ ظفر نے کہا۔

''علی بھائی، آپ ابھی اٹھتے ہوئے جوان ہو، خون بہت گرم ہے، لیکن حالات کو چاروں طرف سے دیکھ کر کوئی بھی فیصلہ کرنا درست ہوتا ہے۔ اصل واقعہ کچھ اور ہوتا ہے لیکن عدالت میں جا کر اس کی تصویر ہی بدل جاتی ہے۔ ایسی کون سی طاقت کرتی ہے یہ آپ جانتے ہو۔ میری حیثیت صرف غریب غربا لوگوں کے لئے ہے۔ ایک خاص سطح پر کر میرے بھی پر جلنے لگتے ہیں۔'' اس نے اکتاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، جیسا آپ چاہیں۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا تو وہ حتمی لہجے میں بولا۔

''میرے خیال میں یہی بہتر ہے۔''

اس کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اٹھا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور پلٹ کر جیپ میں جا بیٹھا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ وہاں سے چلا گیا۔ وہ میرے لئے کئی سوچیں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کیا یہ جنگل ہے، جہاں فقط طاقت کا قانون چلتا ہے۔ بجائے ڈیرے پر قتل ہونے والوں کی تفتیش کرنے کے، اس کے قاتل تلاش کرنے کے، یہ سارا معاملہ لیپا پوتی دینے کی کوشش کی جا رہی تھی صرف اس لئے کہ اس میں کچھ لوگوں کے نام آ رہے تھے۔ قتل سے پہلے فائرنگ، اور ڈیرے پر پناہ دینے کا جرم ثابت ہونا تھا۔ مجھے دکھ ہو رہا تھا۔ مجید صاحب کے بیٹے پر، ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا تھا۔ وہ کہاں عدالتوں میں خجل خراب ہوتے۔ پھر اس کے بعد بھی نتیجہ کیا نکلنا تھا؟ غریب آدمی کس قدر بے بس تھا، اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا تھا۔

میں نے حویلی میں آ کر ساری بات بابا کو بتا دی۔ انہوں نے چند لمحے سوچ کر کہا۔

''اچھا ہے، اگر یہ لوگ یونہی پیچھے ہٹ جائیں تو ہمیں اور کیا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے بابا۔'' میں بھی ان سے متفق ہو گیا۔

اگلے دن مجھے کچھ کاغذات پر دستخط کرنے کے لئے انکل فہیم کے پاس عدالت جانا تھا۔ میں دن چڑھے تیار ہو کر شہر کی طرف چل دیا۔ میں عدالت میں پہنچا۔ انکل فہیم کا چیمبر سرے کی قطار میں تھا۔ میرے ڈرائیور نے وہیں کار پارک کر دی۔ میں چیمبر کے اندر چلا گیا۔ انکل فہیم آ چکے

Digitized by Google

تھے اور میرے انتظار ہی میں تھے۔ راؤ ظفر جس سلسلے میں مجھے ملنے آیا تھا بابا کی وساطت سے انہیں معلوم ہو چکا تھا تبھی میں نے انہیں کہا۔

''اسلم اے ایس آئی کا کسی طرح پتہ چل جائے تو.....''

''دفعہ کرو، یہ تو ان کی روٹین ہے، ادھر سے مال کھایا کبھی کسی سے مال بنایا، وہ تو لوگوں کو پھنساتے رہتے ہیں۔ وہ کوئی ایک اکیلا بندہ نہیں، یہ ایک مافیا ہے۔'' انہوں نے نفرت سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے فوری ان کی بات تسلیم کر کے مزید کوئی بھی بات نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں دستخط وغیرہ کر کے بیٹھا تھا۔ انکل نے چائے منگوائی ہوئی تھی۔ اسی کے انتظار میں بیٹھا گپیں لگا رہا تھا کہ تنی کا فون آ گیا۔ میں چیمبر سے باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی میں نے اسے کال کی۔

''ہاں بول کیا بات ہے؟''

''اس وقت پھتو مصلی شہر والے تھانے میں ہے۔ وہاں وہ اپنا نکاح نامہ جمع کروانے گیا ہوا ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''یہ مجھے آج صبح ہی پتہ چلا ہے۔ تصدیق کے لئے ہمارے گاؤں کا ہی ایک لڑکا وہاں موجود ہے، وہ اس کے نکاح میں گواہ ہے۔ دراصل وہ لڑکی پہلے ہی پھتو مصلی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ ان کی اس شادی میں رکاوٹ روشن مصلی تھا۔ اب نکاح نامہ اس لئے جمع کروا رہے ہیں کہ جو ایف آئی آر اس کی ماں کی طرف سے درج ہوئی تھی، اسے ختم کروا سکیں۔'' اس نے مجھے تفصیل سے بتایا۔

''اس لڑکے نے مزید بتایا کہ یہاں تھانے سے نکلنے کے بعد وہ کہاں جانے والے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ایک دوسرے شہر میں چھپے ہوئے تھے، کس کے پاس تھے یہ پتہ نہیں لیکن اس لڑکے سے ان کا رابطہ تھا اور اب بھی ہے۔'' تنی نے تیزی سے بتایا تو میں نے پوچھا۔

''تو پھر کیا خیال ہے؟''

''اب یہ یہاں شہر میں ہیں، اس بار ہاتھ سے نکل گئے تو پھر شاید ہی ملیں۔'' اس نے وہی کہا جو میں سوچ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تو وہیں پہنچ، میں آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے انکل فہیم کو نہیں بتایا اور خاموشی سے ڈرائیور کو اشارہ کر کے باہر آ گیا۔ میں جب کار لئے تھانے کی طرف جا رہا تھا تو دماغ میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ میں یہ جوا کھیل رہا ہوں۔ ممکن ہے جو میں پھتو مصلی کو پکڑنے جا رہا ہوں، وہاں خود ہی ٹریپ ہو جاؤں۔ بھلے اس کا اندازہ تنی کو بھی نہ ہو۔ وہ تنی کو غلط خبر دے کر مجھے وہاں گھیرنے کے لئے بلا رہے ہوں۔ جو کچھ بھی تھا، میں یہ موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ مجھے رسک تو لینا تھا۔ میں تیزی سے تھانے کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے ڈرائیور کو بھی بتا دیا تھا کہ میں کس لئے جا رہا ہوں تاکہ اسے اندازہ ہو۔

میں ابھی تھانے کے دروازے تک نہیں پہنچا تھا کہ تنی کا فون آ گیا۔

''وہ لوگ تھانے سے نکل گئے ہیں۔''

''کس طرف۔'' میں نے پوچھا۔

''شاید اڈے کی طرف جا رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''وہ پیدل نکلے ہیں یا.....'' میں نے پوچھا۔

''نہیں باہر آ کر انہوں نے آٹو رکشہ لیا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''تم ان کے پیچھے جاؤ، میں بھی آ رہا ہوں۔ فون بند نہ کرنا، مجھے بتاتے جانا۔'' میں نے کہا اور کار کی رفتار بڑھا دی۔ اس وقت وہ شہر کے درمیان رش والی جگہ پر تھا۔ شاید وہ اڈے پر جانے سے پہلے کچھ خریدنا چاہتا تھا یا کہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ بازار میں چلا گیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کار کی رفتار تیز نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے تنی کو دیکھ لیا تھا۔ میں نے اسے رکنے کو کہا تو وہ رک گیا۔ میں نے ڈرائیور کو کار روکنے کا کہا، کار سے نکلا اور بھاگتا ہوا تنی کے پیچھے جا بیٹھا۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے موٹر سائیکل بھگا لیا۔ دو تین منٹ بعد لوگوں کے رش میں ایک پھنسا ہوا رکشہ دکھائی دیا۔

''اسی میں ہیں۔'' تنی تیزی سے بولا۔

ہم اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ تنی نے بالکل آگے لے جا کر موٹر سائیکل سے راستہ روک لیا۔ تب تک میں نے اپنا پسٹل نکال لیا تھا۔ میں تیزی سے اترا اور رکشے میں بیٹھے ہوئے پھتو مصلی کے سر پر جا پہنچا۔ مجھے یوں دیکھ کر اس کے چہرے کی ہوائیاں ہی اڑ گئیں۔

''بس تیرا کھیل ختم ہوا پھتو، باہر نکل کر آرام سے

Digitized by Google

میرے ساتھ چل، ورنہ......" یہ کہتے ہوئے میں نے پسٹل اس کے سامنے کر دیا۔ وہ ایک دم سے خوف زدہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی ایک دم سے گھگھیانے لگی۔

"اللہ کا واسطہ ہمیں کچھ نہ کہیں، میں......"

"تم چپ کرو، میں نے تمہیں کچھ نہیں کہنا۔ شور کرو گی تو پہلے تمہیں ماروں گا۔" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا پھر پھتو مصلی کی طرف دیکھا تو اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"خدا کے لئے مجھے معاف کر دو، میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"اگر تم بے گناہ ہو تو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا اور اگر تم میری بات ختم ہونے سے پہلے نہ اترے تو میں تمہیں یہیں گولی مار دوں گا۔" میں نے کہا ہی تھا کہ وہ رکشے سے اتر آیا۔ وہ تنی کو دیکھ چکا تھا۔ دوسری طرف سے لڑکی اُتر گئی تھی۔ اتنی دیر میں ڈرائیور کار لے کر آ گیا تھا۔ میں پھتو کو کار میں بیٹھنے کے لئے کہا تو لڑکی چیخی۔

"میں کدھر جاؤں؟"

"آ میں بتاتا ہوں کدھر جانا ہے؟" تنی نے اس لڑکی کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔ میں نے پھتو مصلی کو کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھایا اور خود اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے کار بڑھا دی تھی۔ مجھے اس پر اعتبار نہیں تھا، میں نے اسی کے پرنے سے اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔

جیسے ہی ہم شہر سے نکلے تنی کا فون آ گیا۔

"ہاں بول۔"

"میں نے لڑکی کو گاؤں جانے والی ویگن میں بٹھا دیا ہے، وہ گاؤں چلی جائے گی۔ پھتو کو احتیاط سے لے جانا، یہ بڑی خبیث روح ہے۔" اس نے بتایا تو میں نے کہا۔

"میں دیکھ لوں گا اسے۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں اس کی طرف سے مزید محتاط ہو گیا تھا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد ہم ڈیرے پر جا پہنچے تھے۔ میں نے اسے ایک کمرے میں لے گیا اور فرش پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے صرف ایک سوال کا جواب دو، مجھ پر روشن کا قتل کس کے کہنے پر ڈالا تھا؟"

"وہ بات ختم ہو گئی ہے، جانے دیں، وہ لوگ مجھے مار دیں گے۔" اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بتاؤ گے تو میں تمہیں مار دوں گا۔" میں نے پسٹل کا سیفٹی کیچ ہٹاتے ہوئے کہا۔ انہی لمحات میں چاچا فیفو کمرے میں آ گیا۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو گھبرا گیا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ جان بوجھ کر گھبرانے کی اداکاری کر رہا ہے۔ اس نے فوری ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"اُو ربّ کا نام لو سرکار، کیوں اسے مار کر اپنے ہاتھ خون سے رنگتے ہو۔ اسے مار دیا یا کتے کو مار دیا ایک ہی بات ہے۔ مارنا ہے تو کسی بندے کو ماریں، اسے کیا مارنا۔"

"جو میں پوچھ رہا ہوں یہ بتا نہیں رہا۔" میں نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا گولی مارنے کے بعد یہ بتا دے گا؟" اس نے کہا اور آگے بڑھ کر پھتو مصلی کے ایک زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے بولا، "کر بکواس جلدی۔"

"آپ رہا ہو گئے ہیں، آپ کو بری کر دیا گیا ہے، اب اس بات کو جانے دیں۔" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تو چاچا فیفو اس پر پل پڑا۔ اس نے پہلے اس کی پسلیوں میں ٹھوکر ماری، پھر ایک گھونسہ اس کے منہ پر مار دیا۔ خون کی ایک دھار نکلی۔ وہ رکا نہیں اس نے تابڑ توڑ گھونسوں اور مکوں کی بارش برسا دی۔ پھتو مصلی نڈھال سا ہو کر فرش پر گر گیا۔ اتنی مار کھانے کے باوجود اس نے زبان نہیں کھولی تھی۔ چاچا فیفو اسے مار مار کر نڈھال ہو گیا تھا۔ تبھی میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے زبان نہیں کھولی تو میں تمہیں ابھی کے ابھی مار دوں گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے پسٹل سیدھا کر لیا۔ وہ ایک دم سے خوف زدہ ہو گیا۔ اس لئے جلدی سے بولا۔

"اگر آپ کوئی کارروائی نہ کریں تو میں ساری بات بتا دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ بندہ مار سکتے ہیں۔"

"کارروائی مطلب؟" میں نے پوچھا۔ میں جان بوجھ کر بندہ مارنے والی بات گول کر گیا تھا جیسے میں کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہا ہوں۔ ورنہ یہ بڑی اہم بات تھی۔ ان لوگوں کے درمیان یہ بات کیسے زیر بحث رہی ہو گی، اس کا بھی اندازہ ہونا چاہئے تھا۔

"میں جو بتاؤں گا سچ بتاؤں گا مگر...... آپ وعدہ کریں، میرے بتانے کے بعد، مزید کچھ نہیں کریں گے۔" اس

Digitized by Google

نے پھر وہی مطالبہ کیا۔

''کیا تم میرے دشمن کو مجھ سے بچانا چاہتے ہو، جس کی وجہ سے میں اتنا مشکل وقت گزارا، تم.....'' میں نے نفرت سے کہنا چاہا تو وہ بولا۔

''آپ اپنے دشمن کو جو چاہیں کریں، لیکن مجھے کچھ نہیں کہیں گے، مجھے معاف کر دیں گے۔''

''ٹھیک ہے، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔'' میں نے وعدہ کر لیا تو تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

''میں نے جو کچھ بھی کیا، چوہدری سلطان کے کہنے پر کیا۔ میں اور فیروز نے آپ کو چند دن دیکھا، یہ سب کچھ چوہدری سلطان کو بتایا تو اس نے سارا منصوبہ بنایا۔''

''اس کا مطلب ہے روشن کو تم نے مارا یا فیروز نے یا کس نے؟''

''میں نے، اسی لئے وعدہ لیا تھا سرکار، میں چوہدری سلطان کے منہ پر کہہ سکتا ہوں کہ اس نے مجھے کہا تھا۔''

''روشن کو مارنے کا؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''نہیں نہیں، آپ کو قاتل کہنے کا؟'' اس نے جلدی سے کہا۔

''اس کے عوض اس نے تمہیں کیا دیا، تم نے تو مدعی بن کر پرچہ بھی کٹوا دیا تھا، اصل بات بتا بے غیرت۔'' میں نے اس کے تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

''میں سچ بتاتا ہوں، پر مجھے معاف کر دینا، وعدہ کیا ہے آپ نے۔'' اس نے پھر سے ہاتھ جوڑتے ہوئے منت بھرے لہجے میں کہا تو مجھے غصہ آنے لگا۔ میرا دماغ اب پکنے لگا تھا۔

''بات بتاتا ہے یا تمہیں لٹکا دوں۔'' میں نے سرد سے لہجے میں کہا۔

''بتاتا ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا پھر میری طرف بے چارگی سے دیکھ کر بولا، ''میں چوہدری سلطان کے پاس دو سال سے ہوں۔ سچی بات ہے میں علاقے میں چوری کرتا ہوں، میری پشت پناہی چوہدری سلطان ہی کرتا ہے۔ کچھ دن پہلے اس نے مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ جاننے کی تفصیلی ڈیوٹی لگا دی۔ میں نے دس دن آپ کو دیکھا، آپ کا روزانہ کا معمول ایک جیسا ہی تھا۔ میں نے اسے بتایا تو تین دن بعد اس نے مجھے کہا کہ صبح میں فیروز کے پاس جاؤں وہ مجھے سب سمجھا دے گا۔''

''فیروز نے تمہیں سب سمجھایا۔'' میں نے پوچھا۔

''اس نے مجھے ساری بات سمجھا دی۔ میں روشن سے پہلے ہی جان چھڑانا چاہتا تھا، اس لئے میں نے اُسے قتل ہو جانے دیا۔''

''مطلب تم نے قتل نہیں کیا؟'' میں نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

''میں چور ہوں لیکن قاتل نہیں ہوں۔'' اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''تو پھر قتل کس نے کیا، یہ تمہیں پتہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ایک اشتہاری تھا چوہدری سلطان کے پاس، اس نے مارا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ ہم بعد میں پہنچے۔'' اس نے بتایا۔

''چلو مان لیا، مدعی کیوں بنے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے یہ لالچ دیا گیا کہ میں روشن کی بیٹی کو بھگا کر لے جاؤں تو میری ہر طرح سے مدد کی جائے گی۔ وہ مجھے چھپا کر رکھ لیں گے۔ اگر کوئی مقدمہ ہوا تو بھی لڑ لیں گے۔ سو میں مدعی بن گیا۔'' اس نے کہا تو مجھے اس کی بات پر سو فیصد اطمینان نہیں تھا۔

''اچھا فیروز کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم، سنا تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر میں ہے، اب صلح ہو جانے والی ہے سو وہ واپس آ جائے گا۔''

''کس سے صلح ہونی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ سے، چوہدری سلطان کی اور آپ کی صلح ہو جانی ہے، بس پھر ساری بات ختم ہو جائے گی۔'' اس نے کہا تو میں چونک گیا۔ اندر ہی اندر کچھ دوسری ہی گیم چل رہی تھی۔ میں نے اسے وہیں چھوڑا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ یہ صلح آخر کس نے کروانی ہے؟ کل راؤ ظفر کی آمد اسی سلسلے کی کڑی تھی۔ سلطان کے سارے مقدمے ایک طرف کر کے صلح کے بعد فائدہ کسے پہنچنا ہے؟ میں اس پر مزید سوچتا کہ اگلے ہی لمحے مجھے خیال آیا کہ یہ چوہدری سلطان کا ان لوگوں کو دھوکا دینے والے بیان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر انہیں کوئی نہ کوئی جھوٹ سچ کہہ کر مطمئن تو کر کے ساتھ میں رکھنا تھا۔ مجھے اس کی بات پر بھروسہ نہیں کرنا

Digitized by Google

چاہئے۔ پھتو مصلی نے اگر روشن مصلی کا قتل کیا بھی تھا تو اب وہ سامنے آنے والا نہیں تھا۔ وہ کسی بھی مرے ہوئے اشتہاری پر ڈال دیتے اور یوں یہ قتل فائلوں میں دب کر گم ہو جانا تھا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں واپس کمرے میں گیا۔ پھتو مصلی فرش پر یوں اکڑوں بیٹھا ہوا تھا جیسے بہت تکلیف میں ہو۔ چاچا فیضو اس کے پاس چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ پھتو مصلی نے میری طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھا۔ تب میں نے کہا۔

''تم نے مجھے جو بتایا، مجھے اس پر کوئی بھروسہ نہیں، تو نے روشن کو قتل کیا یا نہیں، مجھے اب اس سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ نہ میں اس پر کوئی کارروائی کروں گا لیکن، کیا تم سب کے سامنے یہی کہہ سکتے ہو جو مجھے کہا؟''

''ہاں جی، میں کہہ دوں گا۔'' اس نے تیزی سے کہا تو میں نے کار کے پاس کھڑے ڈرائیور کو بلایا، پھتو مصلی کو دوبارہ کار میں ڈالنے کا کہا اور پھر حویلی کی طرف چل پڑا۔

گاؤں میں پتہ چل گیا تھا کہ پھتو مصلی پکڑا گیا ہے۔ اس لئے حویلی میں کافی سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں پھتو مصلی کے رشتے دار بھی تھے لڑکی کی ماں بھی وہیں تھی بابا ابھی باہر نہیں آئے تھے۔ پھتو مصلی ابھی تک کار ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی پھتو مصلی کے رشتے داروں میں ایک بزرگ سا بندہ آگے بڑھا، اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''اسے معاف کر دیں، ہم سب لوگ آپ کی منت کرتے ہیں۔''

''اچھا شام تک میں اس کے بارے میں فیصلہ کرتا ہوں کہ کیا کرنا ہے، پھر لے جانا اسے۔'' میں نے کہا اور اندر کی طرف چل دیا۔ حویلی میں موجود لوگوں نے پھتو مصلی کو ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ شام تک گاؤں کے بزرگوں کے سامنے اس کا اعترافی بیان دلوا کر اسے چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد وہ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اسی وقت میں اندر کی جانب بڑھ رہا تھا کہ میرا سیل فون بجا، وہ تنی کی کال تھی۔

''ہاں بول تنی۔'' میں نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا تو دوسری جانب وہ بڑے جوش سے بولا۔

''علی، یہ جو چوہدری سلطان ہے نا، یہ تیرا دشمن نہیں، تیرا اصل دشمن میں نے تلاش کر لیا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم؟'' میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

''میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ میں ابھی آتا ہوں تمہارے پاس سارے ثبوت لے کر۔'' یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔

تنی کی کال سے میں بے چین ہو کر رہ گیا تھا۔ میں کاریڈور میں ہی رُک گیا۔ کچھ لمحوں تک مجھے یوں لگا جیسے میرا جسم تشنج کی کیفیت میں آ گیا ہو۔ میں نے اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔ گاؤں سے آئے ہوئے جو لوگ لان میں جمع تھے وہ آہستہ آہستہ واپس جا رہے تھے۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ شام کے وقت پھتو مصلی انہیں دے دوں گا۔ شاید انہیں یقین تھا کہ شام تک میں پھتو مصلی کو چھوڑ دوں گا یا پھر وہ مایوس ہو گئے ہوں گے۔ مجھے ان کی پروا نہیں تھی۔ میرا دماغ تنی کی طرف لگا ہوا تھا۔ مجھے تنی پر اعتبار آنے لگا تھا۔ کوئی کتنا بھی بے غیرت ہو اپنے باپ کی ذلت پر تو سمجھوتہ نہیں کر سکتا تھا۔ اب تک جن حالات کا مجھے سامنا کرنا پڑا تھا، اس میں تنی نے کہیں بھی مجھ سے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ اب جبکہ وہ ایک نئی اطلاع لے کر آ رہا تھا۔ مجھے اس اطلاع کو بھی پورے ہوش حواس کے ساتھ جانچنا تھا، اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرنا دانش مندی تھا۔ یہی سوچتے ہوئے میں حویلی کے اندر چلا گیا۔

لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ میں چاہ رہا تھا کہ تنی جلد از جلد آ جائے۔ باہر والا لان لوگوں سے خالی ہو گیا تھا۔ میری نگاہ گیٹ پر تھی۔ میں کھڑکی میں سے گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں تنی اپنی موٹر سائیکل پر گیٹ پار کرتا ہوا دکھائی دیا۔ میں اٹھ کر باہر کی طرف چل دیا۔ تنی موٹر سائیکل سے اتر چکا تھا۔ میں نے اسے مہمان خانے کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس جانب چل پڑا۔ مہمان خانے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ہم کرسیوں پر اطمینان سے بیٹھ گئے۔

''کون ہے میرا دشمن؟'' میں نے اپنے تجسس پر قابو پاتے ہوئے پوچھا

''بتاتا ہوں، لیکن پہلے تمہارا سوال یہ ہونا چاہئے تھا کہ یہ تصدیق مجھے ہوئی کہاں سے؟'' تنی نے سکون سے کہا۔

''بولو، بتاؤ، کیسے ہوئی تصدیق۔'' میں نے خود پر قابو پا

Digitized by Google

کر پوچھا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ اس علاقے میں ہم چند دوست ایسے ہیں، جو ان طاقتور لوگوں کے ستائے ہوئے ہیں۔ ہم دل میں بغاوت تو رکھتے ہیں لیکن انتہائی کمزور ہونے کے باعث اظہار نہیں کر سکتے۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''ہاں تم نے مجھے بتایا تھا۔'' میں نے اس کی بات میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا تو وہ بولا۔

''ہم چھ لوگ ہیں، جو ایک دوسرے کے بارے میں سب جانتے ہیں۔ ہم ہی ایک دوسرے کو ارد گرد کی ساری خبریں دیتے ہیں۔ رات ہم ساتھ والے گاؤں میں اکٹھے ہوئے تھے۔ انہیں بھی گاؤں میں ہونے والے واقعے کا بہت دکھ ہوا تھا۔ وہ بھی مجید صاحب کے شاگرد رہے تھے۔ انہی باتوں کے دوران تمہارا ذکر بھی ہوا۔ تم نے جو چوہدری سلطان کے گماشتوں کے ساتھ کیا، اس پر بھی خوش ہیں۔ ان کے سامنے میں نے یہ سوال رکھا کہ علی احسن کا دشمن کون ہو سکتا ہے؟''

''پھر کیا جواب ملا؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا لیکن وہ اپنی روانی میں کہتا چلا جا رہا تھا۔

''پار بستی کا رہنے والا ایک لڑکا غفورا ہے۔ وہ چوہدری سردار کے ڈیرے پر کام کرتا ہے۔ وہ دن رات وہیں پر رہتا ہے۔ اس نے جان بوجھ کر وہاں نوکری کی ہوئی ہے۔ اس نے جب میری بات سنی تو اسی نے یہ انکشاف کیا۔ ساری تفصیل مجھے بتانے کے ساتھ ساتھ ثبوت کے طور پر مجھے کچھ ویڈیوز دیئے۔ اس میں تم خود ہی دیکھ لو، کون تمہارا اصل دشمن ہے۔'' تنی نے جوش سے کہتے ہوئے اپنی جیب سے سیل فون نکالا۔ اس نے تیزی سے ایک ویڈیو نکالی اور میرے سامنے کر دی۔

اسکرین پر چوہدری سردار کے ڈیرے کا خاص کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔ صوفے پر چوہدری سلطان اور چوہدری سردار بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ان دونوں کی گفتگو اتنی واضح نہیں تھی لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ بات کیا ہو رہی ہے۔ چوہدری سردار کہہ رہا تھا۔

''ایک نیا لڑکا نہیں سنبھالا گیا تجھ سے، تم نے خاک ممبری کرنی ہے۔ تیرے بندے مار دیئے اس نے اور تم اب چھپتے پھرتے ہو۔''

''چوہدری صاحب آپ نے بھی تو پوری معلومات نہیں دی تھی نا اس کے بارے میں۔ میں نے تو اسے ایک ایسا ڈرپوک سا لڑکا سمجھا تھا۔ میں نے تو اسے بس ڈرانا تھا، اس نے تو آگے سے نقصان ہی بہت کر دیا۔'' چوہدری سلطان نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

''دشمن کمزور یا طاقتور نہیں ہوتا، وہ بس دشمن ہوتا ہے۔ اسے کبھی کمزور مت سمجھو، تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔'' چوہدری سردار نے غصے میں کہا۔

''اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا، اب مجھے بتائیں کرنا کیا ہے۔ اسے مار دوں؟'' چوہدری سلطان نے فیصلہ کن لہجے میں پوچھا تو چوہدری سردار نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

''سچ پوچھو نا سلطان، مجھے بھی اس لڑکے کی سمجھ نہیں آئی، میں ابھی اسے یونہی سمجھتا تھا لیکن وہ تو بڑا جی دار نکلا۔ سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ وہ چالاک بھی ہے اور شاطر بھی۔ اس نے ہماری ہی چال ہم پر الٹ دی۔''

''وہی تو پوچھ رہا ہوں، ایک گولی بس اس کا کام تمام کر دے گی۔ آپ بس ہاں کریں۔'' چوہدری سلطان نے اجازت چاہی۔

''میں ہاں تو کر دوں لیکن یہ کام تم سے ہونا نہیں۔ وہ علی احسن تیرے بس کا روگ ہی نہیں ہے۔ وہ مجھے کوئی معمولی شے نہیں لگتا، اس کے باپ نے جو کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔ اب اس کا بندوبست کچھ دوسرا ہی کرنا پڑے گا۔'' چوہدری سردار نفرت سے دانت پیستے ہوئے بولا۔

''مجھے بتائیں کیا کرنا ہے؟'' چوہدری سلطان نے اکتاہٹ سے پوچھا۔

''تم..... بس اب تم اس کا سامنا نہ کرنا۔ جس دن تم اس کے سامنے آ گئے وہ تمہیں چھوڑے گا نہیں، میں اب سنبھال لوں گا۔'' اس نے کہا تو اس کے ساتھ ہی وہ ویڈیو ختم ہو گئی۔ میں نے ایک طویل سانس لی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چوہدری سردار میری مخالفت کرے گا۔ تنی نے اس وقت تک ایک دوسری ویڈیو نکال لی تھی۔ اس میں صرف چوہدری سردار دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کسی کو سمجھا رہا تھا۔

''یہ جو لڑکا آیا ہے نا علی، اس کے ارادے بڑے

Digitized by Google

خطرناک ہیں، یہ ہمارے سروں پر تلوار کی طرح لٹک جائے گا۔ اسے تو شاید پتہ بھی نہ ہو لیکن اس کے باپ کے ارادے بڑے خطرناک ہیں۔ اس بڈھے کھوسٹ کو کوئی سمجھائے، قبر میں تیری ٹانگیں ہیں۔ ایک تیرا اکلوتا بیٹا ہے، جو ایک گولی کی مار ہے۔ خواب اتنے بڑے بڑے دیکھ رہا ہے۔'' وہ رُکا تو ایک آواز ابھری۔

''پھر اس کے ساتھ کرنا کیا ہے؟''

''دیکھ میں وہ کروں گا اس کے ساتھ کہ وہ بڈھا ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔ میں اس کے ساتھ وہ کروں گا کہ اسے سمجھ بھی نہیں آئے گی۔ اس کا وہ حشر کرنا ہے کہ مرتے دم تک یاد رکھے گا۔'' چوہدری سردار نے نفرت سے کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ویڈیو بھی ختم ہوگئی۔

میرا خون کھولنے لگ گیا تھا۔ وہ میرے بابا کے بارے میں اتنی نفرت رکھتا ہے۔ کھلا دشمن اتنا خطرناک نہیں ہوتا، جتنا منافق خطرناک ہوتا ہے۔ چوہدری سردار ایسا سانپ تھا جو ہمیں ڈسنے کے لئے پوری طرح تیار بیٹھا تھا۔ وہ کسی بھی وقت ہمیں ڈنگ مار سکتا تھا۔

''چوہدری سردار ہے میرا دشمن۔'' میں نے سیل فون تتی کو واپس کرتے ہوئے کہا تو میرا لہجہ بدل چکا تھا۔ مجھے خود اپنی آواز پر حیرت ہوئی، مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر کوئی وحشی جاگ گیا ہو۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ میں ابھی اس کے سامنے جاتا اور اس سے اپنی دشمنی کا اعتراف کروا کے چیر پھاڑ دیتا۔ میں چند لمحے اسی کیفیت میں رہا، پھر خود پر قابو پانے لگا۔

''میں خود حیران رہ گیا تھا کہ یہ کیسے تمہارا دشمن ہوگیا؟ اس کی نفرت اور دشمنی کی وجہ کیا ہے، یہ تو اب تم اپنے بابا ہی سے پوچھو۔'' تتی نے تجسس بھرے لہجے میں کہا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ ظاہر ہے کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور رہی ہوگی۔ ورنہ اس کا اس قدر تلخ لہجہ اور نفرت یونہی نہیں تھی۔

''اس قدر نفرت کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔ خیر۔ اب تم مجھے یہ ویڈیو بھیجو۔'' میں نے تتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تتی نے اپنے سیل فون سے ویڈیوز مجھے بھیج دیں۔ پھر اپ لوڈ ہونے کا انتظار کرنے لگا، دو چار منٹ بعد ویڈیوز اپ لوڈ ہوگئیں۔

''تتی میں تیرا شکریہ ادا نہیں کروں گا کیونکہ تم نے ثابت کر دیا ہے صرف تم ہی میرے دوست ہو، میں.....'' میں نے کہنا چاہا تھا کہ وہ تیزی سے بولا۔

''علی، میں تو ایک فالتو سا انسان ہوں جس کی اس معاشرے میں نہ کوئی عزت ہے اور نہ کوئی ضرورت، ہاں مگر تیری صورت میں ایک خواب پورا ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ یہ جو دھرتی پر خدا بن کر بیٹھے ہوئے ہیں نا، میں انہیں زمین چاٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس خواب کی تعبیر میں اگر میری جان بھی چلی جائے تو مجھے کوئی پروا نہیں.....'' یہ کہتے ہوئے تتی کی آواز بھرا گئی۔ میں اس کے چہرے پر دیکھ رہا تھا۔ میں بھی جذباتی ہوگیا تھا اس لئے جذبات بھرے لہجے میں بولا۔

''بس تم نے کرلی بکواس، مریں گے تیرے دشمن۔ اوئے میں تجھے دوست سمجھتا ہوں، یہ ٹھیک ہے کہ مجھے ان حالات میں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ تم بتاؤ، اگر تیرے ساتھ یہ حالات بنتے تم کیا کرتے؟''

''تم مجھے پر اعتماد نہیں کرتے ہو۔'' تتی نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔ اس کا یہ شکوہ ٹھیک تھا۔ میں نے اس پر اعتماد نہیں کیا تھا لیکن اس نے ثابت کر دیا کہ وہ اعتماد کے ہی نہیں بلکہ اعتبار کے بھی قابل ہے۔ تبھی میں اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''تتی میں تجھے ایسا ہی سمجھتا تھا۔ لیکن اب مجھے دوست دشمن کا پتہ چل رہا ہے۔ یہ چوہدری سردار کون تھا، تم سمجھتے تھے کہ یہ مجھے.....'' میں نے کہنا چاہا تو تتی نے کہا۔

''جانے دو، اب یہ سوچو، ان حالات سے نپٹنا کیسے ہے؟''

''وہ دیکھ لیتا ہوں۔ لیکن تم ابھی شہر جاؤ، اپنے لئے کپڑے لو، اپنی ضروریات کی چیزیں لو، اس پنکچر موٹر سائیکل کو ٹھیک کراؤ۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور اسے دیتے ہوئے بولا، ''یہ پکڑو۔''

''نہیں علی، میں یہ نہیں چاہتا بلکہ.....'' تتی نے کہنا چاہا۔

''اب کوئی بات نہیں کرنی، یہ صرف تیرے لئے نہیں ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے مجھے ایک دم سے خیال آیا،

Digitized by Google

اپنے دوستوں کی بہت حفاظت کرنا۔ انہیں یہ پیغام دے دینا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں میں ان کے ساتھ ہوں ۔انہیں اگر اپنی حفاظت کے لئے کوئی ہتھیار چاہئے تو میں دوں گا۔''

''ہاں، اس کی تو ضرورت ہے۔ تھوڑا بہت ان کے پاس ہے۔ خیر، ملتے ہیں شام کو، میں نے غفورے کے ذمے لگایا ہے۔ وہ ہماری مدد کرے گا۔'' تنی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں بھی اٹھ گیا۔ ہم دونوں مہمان خانے سے باہر آئے۔ تنی اپنی موٹر سائیکل کی جانب بڑھ گیا اور میں اندر کی جانب۔ مجھے اپنے بابا سے ملنا تھا۔ میں ان کے کمرے کی طرف چل دیا۔

✿……☆……✿

بابا اور میں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ویڈیوز دیکھیں اور پھر میرا سیل فون مجھے واپس کرتے ہوئے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے اس چوہدری سردار پر شک تھا مگر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اب مجھے سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ مخالفت کیوں کرسکتا ہے۔''

''کیا وجہ ہوسکتی ہے؟'' میں تیزی سے پوچھا۔

''دیکھو میں یہ باتیں تم سے چند ماہ بعد کرنے والا تھا لیکن اب چونکہ حالات ایسے بن گئے، اس لئے میں تمہیں سب کچھ تفصیل سے بتاتا ہوں لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ جب تک دشمن کے بارے میں ٹھوس ثبوت نہ مل جائے، غلط فہمی میں اسے نقصان نہ پہنچانا۔'' بابا نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو میں تیزی سے بولا۔

''سوری بابا، میں آپ کی اس بات سے پوری طرح اتفاق نہیں کروں گا۔ ہم ٹھوس ثبوت تلاش کرتے رہے تب تک دشمن ہم پر وار کر جائے۔ ایسا تو ممکن نہیں ہے۔''

''تمہاری بات بھی بالکل ٹھیک ہے، جائز ہے اور احتیاط کا تقاضا تو یہی ہے لیکن، اس میں تھوڑا یہ شک رہ جاتا ہے کہ کہیں کسی بے گناہ کا غلط فہمی میں کوئی نقصان نہ ہو جائے۔'' بابا نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے یہ بعد کی بات ہے مگر آپ مجھے بتائیں وہ ......'' میں نے تجسس سے بھرپور لہجے میں کہا، میں جلد از جلد جان لینا چاہتا تھا۔ تبھی بابا کچھ دیر تک خاموش رہے پھر بولے۔

''جب تم سیاسیات کے دوسرے سال میں آئے تو میں نے یہ ارادہ کرلیا کہ تمہیں اس علاقے کی خدمت کے لئے سیاست دان بناؤں گا۔ وہ سیاست نہیں جو آج ہو رہی ہے بلکہ وہ حقیقی سیاست جو لوگوں کی خدمت کرکے کی جاتی ہے۔ میں نے سوچا تھا لیکن حتمی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم آؤ۔ چند ماہ یہاں رہ کر پورے علاقے کے لوگوں سے ملو، انہیں دیکھو، ان کے مسائل کے بارے میں جانو، ان کے دکھوں کو محسوس کرو۔ وہ کس سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس کا مشاہدہ کرو پھر خود فیصلہ کرو کہ ان کے درد کا درماں کیا ہے؟ کوئی مسیحا تو آئے ان کے لئے؟ یہ ترستے ہوئے دکھی، پیلاہٹ مارے چہرے کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ کیوں ایسا ہے؟'' بابا کہتے ہوئے جذباتی ہو گئے تھے۔

''بابا یہ تو سب جانتے ہیں کہ سسٹم ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

''کن لوگوں نے کیا ہے یہ سسٹم خراب، کرپٹ مافیا نے، ان لوگوں نے جو عوام تک روٹی پہنچنے ہی نہیں دیتے، راستے میں چھین لیتے ہیں۔ اگر اس ملک کا جاگیر دار وسائل پر قابض ہے تو باقی دوسرے بھی صاف ستھرے نہیں ہیں۔ یہاں سرمایہ دار کو اپنے منافع سے غرض ہے بھلے وہ زہر ہی فروخت کرنے سے حاصل ہو۔ گدی نشین، لوگوں کو کیسا روحانیت کا سبق دے رہے ہیں، یہ کبھی کسی نے جاننے کی کوشش نہیں کی اور بہت سارے طبقے ہیں، کس کس کا رونا روئیں۔'' بابا کے لہجے میں دکھ تھا۔

''لیکن بابا یہ سارا سسٹم ہم تو ٹھیک نہیں کر سکتے نا؟'' میں نے کہا۔

''یہ چوہدری سردار بھی اس مافیا کا حصہ ہے۔ جب آکٹوپس کسی جسم کو جکڑ لیتا ہے تو اس کے بازو کاٹنے پڑتے ہیں۔ یہ اس آکٹوپس مافیا کا ایک بازو ہے، جسے کاٹنا ہے، ورنہ وہ ہمیں مار دے گا۔''

''میرے آنے سے......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں تیرے آنے سے یہ اس علاقے سے آؤٹ ہو سکتا ہے۔ یہ اب تک صوبائی اسمبلی کا رکن ہے۔ آنے والے الیکشن میں یہ قومی اسمبلی کا رکن بننے کا خواب دیکھ رہا

Digitized by Google

ہے۔اس نے اس علاقے سے چوہدری سلطان جیسے غنڈے کو تیار کیا۔ اس کی پوری پشت پناہی کی۔ پورے علاقے پر اس کی دہشت پھیلا دی۔ ہم اسے دیکھ رہے تھے کہ یہ کر کیا رہا ہے۔ ہم جو چند دوست ہیں یہی سوچ رہے تھے کہ تم اگر سیاست میں آنا پسند کرو تو ہم تمہیں اس چوہدری سردار کے مقابلے پر لے کر آئیں گے۔ یہی میری غلطی کہہ لو، یہی میرا گناہ ہے اور یہی جرم ہے۔ جس کی وجہ سے اس نے پورا پلان بنا کر اتنی جلدی وار بھی کر دیا۔'' بابا نے آخری لفظ بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت ان کی کیا حالت تھی۔

''اسے اس قدر جلدی کیوں تھی؟ آپ تو اس کے حمایتی رہے ہیں، اسے آپ پر کیوں شک ہو رہا، میں پتہ نہیں سیاست میں آتا ہوں یا نہیں؟ وہ مجھے ہی کیوں.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولا۔

''میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن اب بات کھل ہی گئی ہے تو سن لو، یہ چوہدری سردار جب نیا نیا سیاست میں آیا تو اس نے سیاست نہیں غنڈہ گردی کی تھی۔ اس نے تمہارے دادا اور میرے باپ کو رات کے اندھیرے میں گن پوائنٹ پر خوف زدہ کیا۔ وہ انہیں مار دینے کی دھمکیاں دیتا رہا۔ وہ اپنے خاندان کو بچانے کی فکر میں اس سے بلیک میل ہوتے رہے۔ اس کا ساتھ دیتے رہے۔ دھیرے دھیرے وہ ایک مافیا کی صورت اختیار کر گیا۔ اس علاقے میں اس کی جس نے بھی مخالفت کی اس کے ساتھ بہت برا ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔ اب یہی دیکھ لو، ابھی صرف تمہارا نام آیا ہے اور اس نے کیا کر دیا۔''

''یہ آپ نے مجھے کبھی نہیں بتایا۔ کاش یہ باتیں مجھے پہلے پتہ ہوتی تو میں اس کا.....'' میں نے کہنا چاہا تو بابا نے مایوسی بھرے لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اس کا مقابلہ کر بھی سکتے ہو کہ نہیں۔ میں نے تمہیں اسی لئے اس گاؤں سے دور رکھا تھا۔ میں تمہیں سی ایس پی آفیسر بنانا چاہتا تھا۔ تمہارے دادا اسی لئے تمہیں ایک مضبوط آدمی دیکھنا چاہتے تھے مگر اب مجھے لگتا ہے کہ تمہیں مزید پڑھائی کے لئے یورپ بھیج دوں۔''

''بابا، ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ آپ مایوس ہو جائیں ابھی آپ کا بیٹا زندہ ہے۔ میں آپ ہی کے نہیں اپنے دادا جی کے خواب بھی پورے کروں گا۔'' میں نے پرجوش لہجے میں کہا تو بابا چونک گئے انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''دادا کے خواب، مطلب میں سمجھا نہیں؟''

''آپ کو یاد ہے اللہ بخشے دادا جی مجھے پہلوان بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک اکھاڑا بھی بنایا تھا۔ اس علاقے کے ایک رستم کو بھی ملازم رکھا تھا، یاد ہے آپ کو؟''

''ہاں ہاں بالکل یاد ہے۔ میں نے تمہیں پہلوان نہیں بننے دیا تھا، میں چاہتا تھا کہ تم ان چکروں میں مت پڑو بلکہ ایک اعلیٰ درجے کے آفیسر بنو۔'' بابا نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا۔

''دادا جی صرف پہلوان ہی نہیں بنانا چاہتے تھے بلکہ وہ مجھے سبق دیتے رہتے تھے۔ تب مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ آخر کیا چاہتے ہیں لیکن اب مجھے پتہ چلتا ہے کہ وہ مجھے اندر سے مضبوط انسان دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے مہاجر ہونے کا دکھ، اب مجھے سمجھ میں آتا ہے۔ انہوں نے مجھے قیام پاکستان کے بارے بڑے چشم دید واقعات سنائے ہیں، جو مجھے اب بھی پوری طرح یاد ہیں۔ یہ ساری بات کہنے کا مقصد یہ ہے بابا کہ میں ایک ذمہ دار انسان ہوں۔ جسے اپنے خاندان اور اپنے وطن کی عزت کا پاس ہے۔ آپ مت گھبرائیں بلکہ مجھے حوصلہ دیں۔''

''تمہاری بات سن کر مجھے اچھا لگا میرے بیٹے، مجھے حوصلہ ہوا۔ چوہدری سردار ایک سانپ ہے اس سے بچ کے نکل جانا بہت مشکل ہے میرے بچے۔'' بابا نے سنجیدگی سے کہا تو میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے سانپ مارنا آتا ہے بابا۔ اب دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتا کیا ہوں۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔''

''اللہ تمہاری مدد کرے گا بیٹا۔'' بابا نے کہا تو میں ان کے پاس گیا، ان کا ہاتھ پکڑ کر چوما اور پھر باہر نکلتا چلا گیا۔

❀.....☆.....❀

سہ پہر کی جاتی ہوئی دھوپ میں گاؤں کے معززین آہستہ آہستہ لان میں اکٹھے ہونے لگے تھے۔ انہیں مصلی برادری ہی لے کر آئی تھی۔ میرے بابا بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایسے میں پھتو مصلی کو وہاں لایا گیا۔ یہ مثال

Digitized by Google

مشہور ہے کہ عدالت میں سچ اور پنچائت میں جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ پھٹو مصلی کو سامنے کھڑا کر کے ایک بزرگ نے پوچھا۔

''ہاں بھئی تو نے علی احسن پر الزم کیوں لگایا تھا کہ قتل اس نے کیا ہے؟''

اس کے جواب میں پھٹو مصلی نے وہی ساری باتیں دہرادیں جو میرے سامنے اعتراف کر چکا تھا۔ اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ میں نے چوہدری سلطان کے کہنے پر ایسا کیا۔ آخر میں اس نے بزرگوں کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں اپنی غلطی مانتا ہوں کہ مجھے ایسے نہیں کرنا چاہئے تھا، مجھے معافی دے دی جائے۔''

''چلو ٹھیک ہے تم نے اپنی غلطی مان لی۔ ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔ اب تم جانو اور تمہاری برادری۔ جاؤ چلے جاؤ۔'' بابا نے کہا اور اسے جانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ اسی وقت ہاتھ جوڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے ساتھ آئے سفارشی بھی ایک ایک کر کے جانے لگے۔ میں ابھی وہیں بیٹھا تھا کہ ارم کا فون آ گیا۔ میں وہاں سے اٹھ کر اندر کی جانب چلا گیا۔ مجھے اس کا فون آنا اچھا لگا تھا۔

''کہیے محترمہ کیسے مزاج ہیں؟'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''بڑے چہک رہے ہو، لگتا ہے کوئی بڑی خوشی ملی ہے، شاید اسی لئے مجھے یاد نہیں رکھا۔ سناؤ کیسے حالات ہیں؟'' اس نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''حالات تو بس ٹھیک ہی ہیں، جیسے پہلے تھے۔ یہ تو تمہارے فون آنے کی خوشی تھی۔'' بجائے تفصیل بتانے کے، میں اسے طرح دے گیا۔

''اچھی خوشی ہے، میں نے فون کر لیا، خود تو فیق نہیں ہوئی۔'' اس نے شکوہ کیا تو میں ہنستے ہوئے بولا۔

''یہی تو خوشی ہے کہ تمہارا فون آیا، مجھے یقین ہوا کہ تم مجھے یاد رکھتی ہو۔''

''اچھا چھوڑو یہ بتاؤ وہ تمہارے دشمن کا پتہ چلا۔'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو میں نے کہا۔

''ہاں، کچھ ثبوت ملے ہیں، پختہ یقین باقی ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا.....'' یہ کہتے کہتے رُک گئی پھر تیزی سے بولی، ''کب آ رہے ہو لاہور؟''

''جب تم بلا لو، میرا کیا ہے، وہ کیا کہتے ہیں کچی ڈور سے بندھے.....''

''ابھی آ جاؤ، دیکھتی ہوں میں تمہیں۔'' اس نے ایک دم سے خمار آلود لہجے میں کہا، جیسے کوئی بہت ترسا ہوا ہو۔

''ابھی نکلا تو صبح تک پہنچ جاؤں گا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے میں انتظار کر رہی ہوں۔ آ جاؤ، یہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے تو یونہی کہا تھا مگر اس نے تو بات ہی نہیں سنی تھی۔

میں اندر لاؤنج میں ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ میرا دماغ چوہدری سردار کے بارے ہی میں سوچتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے میں نے اس بابت ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرنا تھا۔ جس طرح ارم نے پہلے بنا کہے میری مدد کی تھی میں اس سے بات کر سکتا تھا بلکہ مجھے اس سے بات کرنا چاہئے تھی۔ مجھے چوہدری سردار کے لئے کوئی نہ کوئی لائحہ عمل بنانا تھا۔ میں یونہی بنا سوچے سمجھے اس پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ ابھی وہ کھل کر سامنے بھی نہیں آیا تھا۔ میں نے ارم سے گپ شپ کرنے کے لئے لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے بات کر کے کوئی نہ کوئی راہ تو نکلے گی۔

میں علی الصبح لاہور پہنچ گیا تھا۔ میں اکیلا ڈرائیونگ کرتے ہوئے اکتا گیا تھا۔ سامنے سے آنے والی ٹریفک کی وجہ سے آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ میں سیدھا یونیورسٹی ہاسٹل چلا گیا۔ انور نے ابھی تک کمرہ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ میرے انتظار میں تھا۔ وہ مجھ سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور لمبی تان کر سو گیا۔

دوپہر سے ذرا پہلے میری آنکھ کھلی۔ انور کمرے میں نہیں تھا۔ میں کافی دیر تک کسلمندی سے پڑا رہا۔ پھر فون بیل کی آواز پر فون دیکھا تو وہ ارم کی کال تھی۔ میں نے پک کی تو وہ بولی۔

''اتنا مدہوش سوتے ہو؟''

''کیا ہو گیا، ابھی بیل ہوئی ہے تو میں نے فون پک کر لیا۔'' میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''میں نے یہ تیسری بار فون کیا ہے۔'' اس نے کہا

Digitized by Google

جانے والے لہجے میں کہا تو میں ہنس دیا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولی۔

''لاہور پہنچتے ہی مجھے کال کیوں نہیں کی؟''

''یار آتے ہی سو گیا تھا، اب جاگا ہوں بولو کہاں پہنچوں؟'' میں نے سکون سے کہا۔

''اچھا تم تیار ہو جاؤ، میں کچھ دیر بعد بتاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ میں کچھ دیر پڑا رہا پھر اٹھ کر نہانے چلا گیا۔ واپس آ کر تیار ہونے لگا تو اسی دوران انور کا فون آ گیا۔

''کمرے ہی میں ہو نا؟''

''ہاں ادھر ہی ہوں، تم مجھے بتاؤ، صبح سے کہاں تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''یار میرے شہر سے ایک لڑکا آیا ہوا تھا۔ ایڈمیشن لینا ہے یہاں اس نے۔ اسی کے ساتھ تھا۔ آ جا کھانا کھاتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''وہیں بیٹھو، میں تیار ہو کر آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد میں فوڈ کورٹ چل دیا۔ وہاں کئی دوست مل گئے۔ دوپہر کب کی ہو چکی تھی۔ ہم کھانے کے بعد وہیں دھوپ میں بیٹھے یونہی گپ شپ کرتے رہے لیکن میں بے چین تھا۔ ارم کا فون آ جانا چاہئے تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے بھول ہی گئی ہے۔ شام ہونے کو آ گئی تو اس کی کال آئی۔ وہ میرے ہاسٹل کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔

''ایسے کرو، روڈ پر آ جاؤ، میں تمہیں وہیں سے پک کر لیتی ہوں۔''

''میرے پاس گاڑی ہے.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی

''وہیں رہنے دو۔ میرے پاس جو ہے۔''

''او کے، آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

''کدھر.....؟'' انور نے پوچھا۔

''تیرا بھائی ڈیٹ پر جا رہا ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض؟'' میں نے پوچھا۔

''او چل بکواس نہ کر، پہلے کبھی تیری ہمت نہیں پڑی، آج ڈیٹ مارنے جا رہا ہے۔'' اس نے طنزیہ کہا تو میں بولا۔

''میری کار یہیں ہے۔ یہ لو چابی۔'' میں نے چابی اسے دیتے ہوئے کہا اور روڈ کی جانب چل دیا۔ میں روڈ تک پہنچا ہی تھا کہ چند لمحوں میں وہ آ گئی۔ اس نے سفید کار میرے قریب روکی تو میں اس میں بیٹھ گیا۔ میں نے ایک بھرپور نگاہ سے اسے دیکھا۔ اس نے سفید شرٹ کے ساتھ نیلی جینز پہنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے گلے کے اردگرد گرے رنگ کا مفلر لپیٹا ہوا تھا۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ اور بال کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ بس آنکھوں میں ہلکا ہلکا کاجل تھا۔ وہ بہت گریس فل لگ رہی تھی۔ میں نے ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے کیوں بلایا، خیریت تھی؟'' میں نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

''ایسے ہی میں بور ہو رہی تھی ان دنوں، سوچا دو چار دن تمہارے ساتھ گزار لوں۔'' اس نے سکون سے کہا۔

''میرے ساتھ گزارلو مطلب؟ اتنے بڑے شہر میں کوئی نہیں ملا بوریت دور کرنے کے لئے، میں ہی کیوں؟'' میں نے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''یار تم اتنے سوہنے منڈے ہو، کوئی بھی لڑکی تمہارے ساتھ وقت گزارنا چاہے گی ویسے کیا تم یہ اعزاز محسوس نہیں کر رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ وقت برباد کرنا چاہ رہی ہوں۔'' اس نے برباد پر زور دیتے ہوئے کہا تو میں کھلکھلا کر ہنس دیا۔ وہ مجھے ایک بدلی ہوئی ارم لگی تھی۔ اس کی یہ ادا مجھے اچھی لگی تھی۔ بلاشبہ وہ درمیان میں تکلف کی ان دیکھی دیوار گرا دینا چاہتی تھی۔

اس نے کار نہر پر ڈال لی تھی اور سیدھی چلتی چلی جا رہی تھی۔ ڈھلتی ہوئی شام میں نہر کنارہ بڑا اداس لگتا ہے یوں جیسے کوئی سارے دن کا انتظار وہاں چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ مجھے خواہ مخواہ میں اداسی ہونے لگی۔ تبھی وہ چہکتی ہوئی بولی۔

''ہاں اب مجھے بتا، کون ہے تیرا اصل دشمن؟''

''وہیں ایک ایم پی اے ہے، چوہدری سردار۔'' میں نے دھیمے سے جواب دیا۔ پھر اسے تفصیل بتانے لگا۔ وہ غور سے میری بات سنتی رہی۔ اس نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ ویڈیوز کہاں ہیں اسے میری بات کا ہی یقین تھا۔ کچھ دیر سوچ کر خود کلامی کے سے انداز میں بولی۔

''یہ ویسے ان سیاست دانوں کی روٹین ہے۔ وہ کسی کو

بھی اپنے سامنے کھڑا برداشت نہیں کر سکتے لیکن جس طرح اس نے کیا، وہ کچھ دوسرا سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟" میں نے کہا، میں چاہتا تھا کہ وہ کھل کر اس موضوع پر بات کرے۔

"دیکھو، جب بھی کوئی عمل ہمارے سامنے ہوتا ہے، ظاہر ہے اس کا کرنے والا کوئی نہ کوئی تو ہوتا ہے۔ اسی عمل میں اس کا پورا پورا اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔ اگر کوئی تھوڑی سی سوچ سمجھ رکھتا ہو تو اس میں مقصد بھی سامنے آ جاتا ہے۔ اس ایم پی اے نے جو کیا، وہ صرف تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا نہیں بلکہ کوئی دشمنی نکالنا چاہتا ہے۔ یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں۔" اس نے اسی سوچ بھرے لہجے میں جواب دیا تو میں بولا۔

"اس کی تھوڑی بہت سمجھ مجھے آ گئی ہے، میں نے بابا سے بات کی تھی۔"

"ممکن ہے انکل کوئی بات چھپا گئے ہوں۔ ایسا کچھ ضرور ہوگا۔ آج نہیں تو کل سامنے آ جائے گا۔" وہ پر سکون انداز میں بولی۔

"میں ایسا کچھ نہیں جانتا۔" میں نے دھیمے سے کہا۔

"خیر چھوڑو، وہ جو بھی ہے، اس سے نبٹ لیں گے۔ ابھی تم مجھے یہ بتاؤ آوارہ گردی کرنی ہے یا کہیں پر سکون جگہ پر بیٹھ کر گپیں لگانی ہیں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" میں نے کہا تو اس نے کار اگلے ٹرن سے دائیں جانب سڑک پر ڈال لی۔ ہم میں خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد ایک بڑی ساری کوٹھی کے سامنے اس نے کار روکی ہی تھی کہ گیٹ کھل گیا۔ وہ کار پورچ میں لے گئی۔ کار رکتے ہی دھیمے سے لہجے میں بولی۔

"میں یہاں رہتی ہوں۔"

"کافی خوبصورت جگہ ہے۔" میں ارد گرد دیکھتے ہوئے بولا۔

"ابھی تم نے یہ گھر دیکھا ہی کہاں ہے جو یوں تعریف کر رہے ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چلو دکھا دو، جہاں جہاں سے دکھانا چاہتی ہو۔" میں بھی ایک دم سے بے تکلفی پر اترا تو وہ بھرپور انداز میں ہنس دی اس کے قہقہے میں بھرپور زندگی کا احساس تھا۔ لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا۔ تبھی ایک ملازمہ نمودار ہوئی تو اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"پینے کے ساتھ کچھ کھانے کو بھی لے آؤ۔" پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لیتے ہوئے اندر کی جانب چل دی۔ ایک کمرے میں داخل ہو کر بولی، "یہ میرا کمرہ ہے۔"

"جب پوری طرح دیکھ لوں گا تو تبصرہ کروں گا۔" میں نے کہا تو وہ پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس بار مجھے یوں لگا جیسے وہ زبردستی ہنس رہی ہو۔ میں نے محسوس تو کیا لیکن سمجھ نہ سکا۔

"فریش ہو کر آ جاؤ۔" واش روم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی

میں فریش ہو کر آیا تو وہ کمرے میں نہیں تھی۔ کمرہ کافی ٹھنڈا تھا۔ میں بیٹھنے کے لئے کرسی دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ کمرے میں آ گئی۔ اس کے ساتھ ہی مہنگے پرفیوم کی مہک سارے کمرے میں پھیل گئی۔ اس نے دروازہ ہلکا سا بند کیا اور پھر بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"آؤ کمبل میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"

"کمبل میں باتیں گرم ہو جاتی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو خمار آلود لہجے میں بولی۔

"جیسی بھی باتیں کرو، نرم، گرم چاہے سخت، آؤ۔" یہ کہتے ہوئے وہ کمبل میں گھس گئی۔ میں نے جوتے اتارے اور اس کے ساتھ کمبل میں بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی بات کرتا ملازمہ ایک ٹرالی میں پینے پلانے کا سامان رکھے آ گئی۔ اس نے وہ بیڈ کے قریب کیا اور پلٹ گئی۔ میرے سامنے فارن کی شراب رکھی ہوئی تھی۔ اس نے بوتل کھولی تو ایک گلاس میں شراب ڈالنے لگی۔ اسی دوران میں نے گلاس اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔

"کیا تم نہیں پیو گے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں، میں بالکل بھی نہیں پیتا۔" میں نے کہا۔

"اوہ، اچھا کرتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ اپنے گلاس میں برف ڈالتے ہوئے بولی، "چلو یہ باربی کیو تو لو تھوڑا۔"

میں ایک پلیٹ میں تھوڑا باربی کیو لے کر کھانے لگا۔ وہ پہلا پیگ غٹا غٹ پی گئی، جیسے بہت پیاسی ہو۔ دوسرا پیگ اپنے سامنے رکھ کر بولی۔

"تمہیں ابھی تک یہ بات بے چین کر رہی ہوگی کہ میں

Digitized by Google

نے تمہیں یوں اچانک کیوں بلالیا؟''

''اتنا پریشان نہیں کر رہی جتنا تمہارا یہ پینا پلانا مجھے حیران کر رہا ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا تو وہ ہنس دی۔ پھر میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''تم نے کبھی سوچا، میں تم پر اچانک مہربان کیوں ہوگئی ہوں؟''

''ہاں ویسے، پہلے تو میں نے نہیں سوچا تھا، لیکن ابھی خیال آیا، کیوں ہوگئی ہو مہربان؟'' میں نے مزاح کے موڈ میں کہا تو وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

''مجھے تم بہت اچھے لگتے ہو، آج سے نہیں بہت عرصہ پہلے سے۔ یاد ہے تمہیں، ایک بار ہم اپنے ڈیپارٹمنٹ لان میں بیٹھے تھے۔''

''وہ تو کئی بار بیٹھے تھے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم سیریس نہیں ہو یار۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''میں سیریس ہوں، بولو۔'' میں نے اپنا موڈ بدلتے ہوئے کہا۔

''میں اس دن کی بات کر رہی ہوں، جب تمہاری اور مومل کی شرط لگی تھی اور مومل ہار گئی تھی۔'' اس نے کہا۔

''ہاں مجھے یاد ہے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن تم نے خود اس کی ہار کو جیت میں بدل دیا تھا۔ اس کا دل رکھ لیا تھا تم نے۔ اس دن مجھے احساس ہوا کہ تم دل کے کتنے اچھے ہو۔'' وہ موڈ میں بولی اور اس کے ساتھ ہی اس نے دوسرا پیگ اپنے اندر اتار لیا۔

''کیا تم اسی طرح تیزی سے پیتی ہو؟'' میں نے اکتاہٹ سے پوچھا۔

''نہیں، پہلے دو پیگ، پھر اس کے بعد سکون سے، سرور برقرار رکھنے کے لئے پیتی ہوں۔'' اس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یار میں تمہارے پاس گپ شپ کرنے آیا ہوں اور تم.....'' میں کہتے کہتے رُک گیا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تم کرو گپ شپ۔ میرے پینے کو اپنے ذہن پر سوار مت کرو۔ میں پورے ہوش وحواس میں جواب دوں گی۔''

''اچھا پھر تم مجھ پر مہربان ہوگئی۔ میں تمہیں اچھا لگا۔'' میں نے بات بدلنے کی خاطر کہا تو وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''ہاں بس۔ پھر ہم جم میں ملے، میں نے خود تم سے بے تکلف ہونا چاہا، پھر ہماری دوستی ہوگئی۔ اچھے دوست بہت کم ملتے ہیں علی۔ وہ جو دل کے اچھے ہوں، ورنہ قدم قدم پر منافق پڑے ہیں۔'' اس نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔ اس دوران وہ آگے بڑھ کر بوتل اٹھانے لگی تو اس کے گلے میں پڑا ہوا گرے مفلر ڈھیلا ہو کر اتر گیا۔ اس کی بائیں گردن پر ایک لکیر نما سرخ نشان تھا، یوں جیسے وہاں تازہ چوٹ لگی ہوئی ہو۔

''یہ کیا ہے؟'' میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں بس ایسے چوٹ لگ گئی تھی۔'' اس نے عام سے لہجے میں یوں کہا جیسے یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔ میں خاموش رہا تو اس نے میرے گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''کس سوچ میں پڑ گئے ہو یار۔ لگتا ہے تمہیں میرا یہ پینا پلانا اچھا نہیں لگا۔ لیکن کیا کروں، میں منافق نہیں ہوں۔ جو ہوں تمہارے سامنے ہوں۔ خیر، چھوڑو ان باتوں کو، یہ تو چلتا رہتا ہے، یہ کھاؤ۔'' اس نے ہار بی کیو کی پلیٹ میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''یونیورسٹی کے بھی کیسے دن تھے یار، کوئی فکر نہیں تھی۔ ابھی یہاں سے گیا ہوں تو کن چکروں میں پڑ گیا ہوں۔'' میں نے جان بوجھ کر باتوں کا رخ پلٹتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے پرسکون رہی پھر بڑے جذباتی انداز میں کہتی چلی گئی۔

''یہ دنیا ہے نا یار، نہ کوئی اسے سمجھا اور نہ ہی کوئی اس دنیا کو سمجھا سکا ہے۔ جس طرح ہوائیں موسم بدل دیتی ہیں اسی طرح اس دنیا کے حالات بھی ہماری زندگی کے رُخ بدل دیتے ہیں۔ ہر انسان اپنے اندر خواہشیں رکھتا ہے اس کے مقاصد ہوتے ہیں، وہ اپنے طور پر دنیا کو استعمال کرنا چاہتا ہے لیکن..... دنیا اسے اپنے انداز میں استعمال کر جاتی ہے۔''

''کتنا مشکل ہے اس دنیا میں زندگی بسر کرنا۔'' میں نے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''لگتا ہے شاعری بھی کرتے ہو۔ اچھا کوئی اچھا سا پھڑکتا ہوا شعر تو سناؤ۔'' اس نے کہا ہی تھا کہ ان لمحات میں اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے فون اٹھایا۔ اسکرین پر نگاہ پڑتے ہی اس نے تیزی سے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

Digitized by Google

''ہاں بولو۔'' پھر کچھ لمحوں تک دوسری طرف سے سنتے رہنے کے بعد بولی ''اوکے، بہت احتیاط سے۔ میں آرہی ہوں۔ اب وہ کسی طور بھی نظروں سے اوجھل نہ ہو۔'' یہ کہتے ہی اس نے فون اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے میری جانب دیکھا۔ لمحہ بھر سوچنے کے بعد بولی ''علی ڈیر، تم آرام کرو، میں ایک دو گھنٹے کے لئے کہیں جارہی ہوں۔''

''اس حالت میں کہاں جارہی ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''حالت مطلب، تمہارا کیا خیال ہے میں نشے میں ہوں۔'' اس نے بیڈ سے اترتے ہوئے کہا۔

''ہر شرابی نشے میں دھت ہونے کے بعد یہی کہتا ہے کہ وہ نشے میں نہیں ہے۔ میں تمہیں اس حالت میں باہر نہیں جانے دوں گا۔'' میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''یار، یہ دو تین پیگ میرا کچھ نہیں بگاڑتے، تم آرام کرو۔ میں ابھی آجاتی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''آرام سے بیٹھ جانے کی تمہیں ضرورت ہے سکون سے بیٹھو۔'' میں نے اس کے ہاتھ سے کار کی چابی پکڑتے ہوئے کہا۔

''علی، میرا جانا بہت ضروری ہے۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو میں سمجھ گیا اب اس کے ساتھ جتنی مرضی بحث کرلی جائے، اس کے دماغ میں یہ آگیا ہے کہ مجھے جانا ہے تو بس جانا ہے۔ تبھی میں حتمی انداز میں بولا۔

''چل پھر میں چلتا ہوں تیرے ساتھ۔''

یہ کہتے ہوئے میں بیڈ سے اتر گیا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر باہر نکل گئی۔ میں نے جلدی سے جوتے پہنے اور پورچ میں چلا گیا۔ وہ کار کے پاس کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ میں اس کی وجہ نشہ ہی سمجھا تھا۔ میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ دوسری جانب میرے ساتھ بیٹھ گئی تو میں نے کار اسٹارٹ کر کے بڑھا دی۔

''تیز چلو، مجھے جلدی پہنچنا ہے۔'' اس نے کہا پھر مجھے راستہ بتاتی رہی کہ کس طرف جانا ہے ہمارا سفر جنوب کی طرف تھا۔ ہم جوہر ٹاؤن پار کر گئے تو اس کے آگے ایک کالونی آگئی۔ یہاں تک کہ اس نے ایک گلی کی نکڑ پر رکنے کا اشارہ کیا۔ تب تک وہ اپنا سیل فون نکال چکی تھی۔ اس نے کسی سے کہا۔

''میں پہنچ چکی ہوں، کہاں ہو تم لوگ؟'' اس نے چند لمحے سنا اور پھر فون بند کر کے جیب میں رکھا اور ڈیش بورڈ کھول لیا، جہاں دو پسٹل پڑے ہوئے تھے اس نے وہ تیزی سے نکالے تو میں نے پوچھا۔

''ارم، مجھے بتاؤ بات کیا ہے؟''

''ایک بندے کو اٹھانا ہے۔'' اس نے سکون سے یوں کہا جیسے کسی دکان سے کوئی شے خریدنی ہو۔ مجھے حیرت ہوئی لیکن میں ظاہر نہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کہاں سے؟''

''وہ سامنے جو دائیں جانب سفید گیٹ والا گھر ہے، اس میں وہ ہے۔ اس کے باہر ایک بھکاری کھڑا ہے۔'' اس نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا پھر میری طرف دیکھ کر بڑے جذباتی سے لہجے میں بولی ''سوہنے، میں اگر دس منٹ تک واپس نہ آؤں نا تو تم واپس چلے جانا۔'' یہ کہہ کر وہ کار سے اترنے لگی تو میں نے بے ساختہ کہا۔

''ٹھہرو..... ایک پسٹل مجھے دو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' میں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تم چلو گے میرے ساتھ؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''بالکل، میں چلوں گا تیرے ساتھ۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو اس نے چند لمحے سوچا پھر لپک کر پیچھے پڑا ایک ڈبہ اٹھایا۔ اس میں بھی دو ریوالور اور کچھ میگزین پڑے تھے۔

''یہ لو، مگر بہت احتیاط سے۔'' اس نے کہا تو میں نے وہ دونوں پسٹل اٹھا لئے، انہیں لمحہ بھر میں چیک کیا اور چابی اگنیشن میں ہی چھوڑ کر اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ تیزی سے چلتی چلی جارہی تھی بھکاری کے لئے چھوٹا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ وہ اس سے کھانا پکڑ رہا تھا جیسے ہی ارم اس کے قریب گئی، بھکاری نے اندر کھڑے شخص کو زور سے دھکا دیا اور اس کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔ اتنی دیر میں ارم تیزی سے اندر چلی گئی۔ اس نے جاتے ہی سامنے کھڑے شخص کے سر پر زور سے پسٹل کا دستہ مارا، وہ وہیں لڑھکتا

Digitized by Google

چلا گیا بھکاری نے باہر والے گیٹ کا کنڈا کھول دیا مگر اس کے پٹ ویسے ہی بند رکھے۔ ارم اندر داخل ہو گئی تھی۔ اتنی دیر میں دو لڑکے مزید اندر آ گئے تھے۔ تبھی ارم نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے کور دینا، ہمیں اوپر جانا ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ مجھے کیا کرنا تھا۔ وہ دوسرے لڑکوں کو ہدایت دیتے ہوئے آگے بڑھ گئی ہم نے گیٹ سے پورچ تک کا فاصلہ آدھے منٹ سے بھی کم وقت میں طے کیا تھا سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہم لاؤنج میں جا پہنچے، تبھی میری نگاہ اوپر پڑی، ایک شخص پوری توجہ سے ارم کا نشانہ لے رہا تھا، میں نے بلا جھجک اس پر فائر کر دیا۔ اوپر کھڑے شخص نے بھی فائر کر دیا تھا لیکن وہ چھت پر جا لگا اتنی دیر میں ارم سیڑھیاں چڑھ چکی تھی۔ اس کے پیچھے میں تھا ساتھ والے لڑکے ابھی پیچھے تھے۔ چشم زدن میں ارم اوپر چلی گئی ۔ سامنے ایک راہداری تھی۔ جس کے دونوں جانب کمرے تھے۔ اسی لمحے سامنے سے دو لوگ ایک کمرے سے نکلے۔ بیک وقت ہم دونوں نے ان پر فائر کر دیا۔ وہ وہیں لڑھک گئے۔ ارم نے پسٹل خاموش نہیں ہونے دیا۔ وہ ایک بیڈ روم کے سامنے جا رکی۔ اس نے احتیاط سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو وہ کھلتا چلا گیا۔ تبھی پچھلی طرف سے تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔

"بس، پھینک دو پسٹل، ڈاکو رانی۔"

میں نے آواز کی سمت دیکھا۔ ایک نوجوان پتلون ٹی شرٹ میں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پسٹل تھا جس کا رخ ارم کی طرف تھا۔ ارم اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ وہ نوجوان مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا اس کی ساری توجہ ارم کی جانب تھی۔ اسی لمحے میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ میں اس نوجوان کی محویت کا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ارم نے جیسے ہی اپنا پسٹل نیچے گرایا، تبھی میں نے اسی لمحے کے سویں حصے میں اس نوجوان کے منہ پر کک لگا دی۔ اس نے اُوخ کی آ واز نکالی ہی تھی کہ میں سیدھا ہوتے ہوئے اس پر جا پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر خود پر قابو پا چکا تھا میں نے اسے پسٹل سیدھے کرنے کا وقت ہی نہیں دیا۔ میں اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کے کاندھوں پر دونوں بند مکوں سے ضرب لگائی۔ میں ابھی پیچھے نہیں ہٹا تھا کہ اس نے پسٹل میری پسلیوں میں

دے مارا۔ درد کی لہر پورے بدن میں پھیل گئی۔ میں ... ایک کہنی اس کی گردن پر رکھ کر دبائی اور دوسرے ہاتھ ... اس کے ہاتھ پر پسٹل کا دستہ مارا۔ اس کے ہاتھ سے پسٹل نکل گیا۔ تبھی اس کی ران میرے ایک ہاتھ کے نیچے آ گئی میں نے اس کی ران پر پسٹل کی نال رکھتے ہوئے فائر کر د... ۔ وہ چیختا ہوا فرش پر گر گیا۔ یہ سب آدھے منٹ سے بھی ک... وقت میں ہوا۔ اتنے میں ارم بھی اس کے سر پر پہنچ گئی۔ اس نے فرش پر گرے نوجوان کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ نیچے ... ایک لڑکا ہمارے قریب آ گیا۔

"باندھو اسے ......" ارم نے کہا تو وہ اسے باندھنے ل... تبھی وہ نوجوان کے سینے پر پاؤں رکھ کر بولی، "بتا، وہ کت... کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتہ۔" اس نے کہا ہی تھا کہ ارم نے اس کے سینے پر زور سے ٹھوکر ماردی۔ پھر دوسری ٹھوکر لگا ک... بولی۔

"تم کیا سمجھتے ہو میں اس تک پہنچ نہیں سکتی۔ میں اسے پاتال سے بھی نکال لاؤں گی، بول نہیں تو یہیں ......" ... کہتے ہوئے وہ پسٹل کی نال اس کے ماتھے پر رکھتے ہو... بولی، "بول ورنہ ماردوں گی۔"

"وہ اندر سے نکل گئی ہے۔" اس نے سامنے بیڈروم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سنبھالو اسے۔" اس نے ایک لڑکے کی طرف دیکھ کر کہا اور بیڈروم میں جا گھسی۔ میں اس کے کور پر تھا۔ سامنے کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ہم دونوں کھڑکی میں گئے۔ ملگجی روشنی میں شیڈ کے ساتھ ایک لڑکی دکھائی دی جو بہت تیزی سے نیچے اترنے کی کوشش میں تھی۔

"نہیں چھوڑوں گی ......" یہ کہہ کر ارم کھڑکی سے کودنے لگی تو میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"نیچے سے جاؤ۔" میں نے کہا اور کھڑکی سے باہر چلا گیا۔

"زندہ چاہئے۔" مجھے اس کی صرف آواز سنائی دی کیونکہ میں شیڈ سے نیچے اترنے لگا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میں اس سے پہلے نیچے پہنچ جاؤں ورنہ وہ پہلے اتر کر مجھے ... سانی سے نشانہ بنا سکتی تھی۔ جس وقت اس لڑکی نے زمین پر قدم رکھے، اس کے ساتھ ہی میں نے بھی قدم لگا ...

Digitized by Google

۔اس نے بجائے میرا سامنے کرنے کے ایک طرف بھاگنے کو ترجیح دی۔ اس نے بھاگتے ہوئے اپنی جیکٹ میں ہاتھ ڈالا اور چشم زدن میں پسٹل نکال لیا۔ اس وقت تک میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے فائر کرنے کے لئے اپنا بازو سیدھا کرنا چاہا تو میں نے پیچھے سے اسے پکڑ لیا ۔پھر اپنا گھٹنا اس کی ٹانگوں کی جڑ میں مارا۔ وہ لڑکھڑا گئی ۔میں نے ہلکا سا دھکا دیا تو وہ اپنی ہی جونک میں فرش پر لڑھکتی ہوئی گر گئی۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی پسٹل تھا۔ اس نے مجھ پر فائر کرنا چاہا، میں نے اس کے ہاتھ پر ٹھوکر ماردی۔ دوسری اس کی پسلیوں میں ماری تو وہ وہی پڑی دہری ہوگئی۔ مجھے اپنے پیچھے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ تین لوگ بھاگتے ہوئے آرہے تھے۔ پتہ نہیں وہ ہمارے ساتھ تھے یا اس لڑکی کے ساتھ تھے۔ میں تن کر سیدھا ہوگیا۔ ان تینوں نے آتے ہی مجھ پر وار کیا۔ ایک کے ہاتھ میں لوہے کا راڈ تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں ہاکی تھی۔ راڈ سے میں نے اپنا سر بچایا تھا کہ ہاکی میرے کاندھے پر لگی۔ میں اگر انہیں وقت دے دیتا تو ایک آدھ منٹ میں وہ مجھے نڈھال کر کے پھینک سکتے تھے۔

میں نے اپنی ساری قوت مجتمع کی اور راڈ والے پر جا پڑا ۔وہ مجھ سے گر نہ سکا لیکن میں اس کا وار بچا گیا تھا۔ میرے پسٹل کی نال اس کے پیٹ کے پاس تھی، میں نے فائر کر دیا ۔اس کی چیخ بلند ہوئی۔ تب تک ارم بھی بھاگتی ہوئی وہاں آ گئی۔ اس کے پیچھے دو لڑکے تھے۔ ارم اس لڑکی کی جانب بڑھ گئی۔ جبکہ ہم نے ان دونوں کو سنبھال لیا۔ وہ بھاگنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم نے بھاگنے نہیں دیا۔ انہیں وہیں ڈھیر کرلیا۔

''علی، گاڑی لاؤ، اسے لے جانا ہے۔'' اس نے فرش پر پڑی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کار گلی میں کھڑی تھی۔ میں اسی وقت وہاں سے بھاگا، کار تک پہنچا وہاں سے کار لی اور گیٹ تک آ گیا۔ ارم اس لڑکی کو اٹھا کر گیٹ تک لے آئی تھی۔ اس نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا اور اس میں لڑکی کو ڈال دیا۔ پھر خود بھی ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''چلو، جلدی کرو۔''

اس نے کہا ہی تھا کہ میں نے کار بھگا دی۔ وہ مجھے راستہ بتاتی رہی۔ میں پوری توجہ سے مڑتا مڑاتا ایک نوتعمیر کالونی میں جا پہنچا۔ اس نے ایک آدھے ادھورے تعمیر شدہ بنگلے کے اندر کار رکوا دی۔ پھر خود باہر نکل کر اس نے لڑکی سے کہا۔

''چل باہر نکل۔''

وہ لڑکی باہر آ گئی۔ ارم نے اسے گردن سے پکڑا اور اندر کی جانب لے کر چل دی۔ اندر ایک کمرے میں روشنی تھی۔ وہاں ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا، جس نے نظر کی عینک لگا رکھی تھی۔ اس نے سامنے والے کمرے کی جانب اشارہ کیا اور خود کمرے میں چلا گیا۔ اس نے اندر جا کر روشنی کی اور سکون سے باہر چلا گیا۔ ارم نے اس لڑکی کو پختہ فرش پر پھینک دیا۔ میں نے دیکھا ناٹے سے قد کی وہ لڑکی کافی حد تک حسین تھی۔ خاص طور پر اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ اس کے بوائے کٹ بال مٹی میں اٹ گئے تھے۔

''چل اب شروع ہو جا۔'' ارم نے کہا اور پاس پڑی ایک کرسی میری طرف دھکیل کر خود دوسری پر بیٹھ گئی۔

''تم جانتی ہو کہ میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گی، مجھے مارنا ہے تو مار دو۔'' اس نے سکون سے یوں کہا جیسے اسے اپنی موت کا یقین ہوگیا ہو۔

''تیرے سر کے بال سے لے کر تیرے پاؤں ہر ایک ناخن تک بولے گا، ایک ایک بوٹی بولے گی، جب میں نے تمہیں بلوایا تو۔ بہتری اسی میں ہے کہ خود بولو۔'' ارم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''جو کرنا ہے کرو۔'' اس لڑکی نے گھورتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرتی، ارم کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

''جی۔''

اتنا کہنے کے بعد وہ چند لمحے دوسری طرف سے کچھ سنتی رہی، پھر یہی ''جی'' کہہ کر فون کال بند کر دی۔ اس نے ایک لمحہ سوچا پھر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ اٹھی اور اس لڑکی کے قریب جا کر اس کے بال پکڑ کر بولی۔

''یہ میری گردن پر زخم تم نے ہی لگایا تھا نا، لو پھر۔'' یہ کہتے ہی اس نے اپنے ناخن اس کی گردن کے دائیں جانب گاڑ دیئے۔ وہ درد کی شدت سے چیخ اٹھی تھی۔ ارم کا

Digitized by Google

ہاتھ لہو سے بھر گیا۔ چند لمحے یونہی ناخن گاڑے رکھنے کے بعد اس نے ہاتھ ہٹایا تو اس کا ہاتھ لہو سے تر ہو چکا تھا۔ وہ اٹھی اور قریب پڑے پانی سے اپنا ہاتھ دھویا، پھر میری جانب دیکھ کر بولی۔ ”آؤ چلیں۔“

”تم بہت خطرناک عورت ہو؟“ میں نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ایک لفظ پر اعتراض ہے۔“ اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

”کس لفظ پر؟“ میں نے گیئر لگاتے ہوئے پوچھا۔

”عورت پر۔“ یہ کہہ کر اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا ”یار لڑکی ہوں۔“

میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری پوری توجہ ڈرائیونگ پر تھی۔

میں نے ارم کا ایک نیا چہرہ دیکھا تھا۔ کہاں وہ میرے ذہن میں شہزادی کا روپ لئے ہوئے تھی۔ شہزادیاں تو بڑی نرم نازک ہوتی ہیں۔ پھولوں کی، تتلیوں کی اور رنگوں سے کھیلنے والی شہزادی کا یہ نیا روپ میرا دماغ گھما دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ مجھے یوں لگی تھی جیسے کوئی خون کی پیاسی روح ہو۔ اس لڑکی کی گردن میں ناخن گاڑتے وقت اس کے چہرے پر کتنی وحشت تھی۔ اس کی آنکھیں کتنی بھیانک ہو گئی تھیں۔ وہ لمحہ ارم کے بارے میں سارے نرم و نازک خیالات کو یکسر صاف کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کئی سارے سوال ابھر آئے تھے۔ وہ حقیقت میں کون تھی؟ اس کا تعلق کس طرح کے جرائم پیشہ لوگوں سے تھا؟ وہ کس مافیا سے تعلق رکھتی تھی؟ کیا وہ مجھے اپنے قریب کر کے مجھے پھنسانا چاہتی تھی؟ وہ مجھے اپنے گینگ میں شامل کرنا چاہتی تھی؟ اس کی پیار بھری قربت کے پیچھے یہ بھیانک مقصد تھا؟ میں جس طرح سوچتا جا رہا تھا، ارم کا وجود مجھے اتنا ہی الجھانے کا باعث بن رہا تھا۔ کیا مجھے اس کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے یا فوراً اس سے الگ ہو جانا چاہئے، اس بارے میں فوری فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔

☆

میری آنکھ کھلی تو میں ارم کے بیڈ روم میں تھا۔ میں نے اٹھنا چاہا تو بدن سے ابھرتی ہوئی ٹیسوں سے رات کے سارے منظر میری نگاہوں کے سامنے گھوم گئے۔ رات

واپسی پر میں ارم کے کمرے میں آ کر لیٹ گیا تھا۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا یہ سب کیا ہے؟ اس کی کیا دشمنی ہے کس سے؟ اور سب سے اہم سوال کہ وہ کون ہے؟ اس وقت وہ کمرے سے باہر جا کر کون پر نجانے کس سے باتیں کر رہی تھی۔ میں اس کے بارے میں سوچتے ہوئے سو گیا تھا۔ ابھی جب میری آنکھ کھلی تو میں بیڈ پر پڑا یہی سوچ رہا تھا۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ دیکھوں تو سہی وہ اصل میں ہے کون؟ وہ میرے سامنے خود ہی آ جاتی ہے یا چھپ جاتی ہے؟ میں یہ فیصلہ کر کے پرسکون سا ہو گیا تھا۔ میں نے ایک طویل سانس لی، میرے علاوہ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ ارم کا پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہو سکتی ہے؟

مجھے فکر یہ ہو رہی تھی کہ میرے سارے کپڑے میری کار میں تھے۔ رات کی دھما چوکڑی میں میرے کپڑے خراب ہو چکے تھے۔ میں ابھی اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ارم کمرے میں آ گئی۔ اس نے ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ہلکے ہلکے پسینے کی بوندیں اس کے چہرے اور گردن پر تھیں۔ اس نے اندر آتے ہی مسکرا کر پوچھا۔

”کب جاگے ہو؟“

”ابھی کچھ دیر پہلے۔“ میں نے دھیمے سے جواب دیا۔

”اچھا جاؤ فریش ہو کر آ جاؤ۔“ یہ کہتے ہوئے سامنے الماری کی جانب بڑھی۔ اس نے ایک شاپنگ بیگ نکالا۔ وہ میرے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ ”دیکھو، یہ تمہیں پورے آ جائیں گے؟“

”یہ کس کے کپڑے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”تمہارے لئے خریدے تھے میں نے یہ اور بھی پڑے ہیں۔“ اس نے ایک مزید شاپنگ بیگ نکال لیا۔ میں نے انہیں دیکھا اور باتھ روم کی جانب چل پڑا۔ اس نے میرے لئے کپڑے بھی خرید کر رکھے ہوئے تھے؟ اس کا مطلب ہے ارم کا میرے بارے میں جو بھی ارادہ تھا، وہ کوئی چند دنوں کا نہیں لگتا تھا، وہ میرے ساتھ اپنے تعلق کو طویل عرصے تک لے کر جانا چاہتی تھی۔ وہ ایسا کیوں چاہتی ہے؟ یہ ایک نیا سوال میرے سامنے آ گیا تھا۔

میں تیار ہو کر لاؤنج میں آ گیا تھا۔ ارم وہیں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔ سامنے ناشتہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

Digitized by Google

''رات کیا معاملہ تھا؟''

''یہ بہت پرانا پھڈا ہے میرا، تم ناشتہ کرو۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا اور پلیٹ اپنے آگے سرکالی۔ میں نے بھی مزید کوئی بات نہیں کی۔ ناشتے کے بعد میں چائے کا مگ لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ خاموشی سے چائے پی رہی تھی پھر ایک دم سے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا

''ویسے یار فائٹر تو تم بھی اچھے ہو۔''

''جب اپنی جان پر بن جائے تو کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔'' میں نے کہا تو ہنستے ہوئے شرمندہ لہجے میں بولی۔

''سوری، رات اچھا بھلا سکون غارت ہو گیا۔''

''چلو کوئی بات نہیں۔ بندہ سوچتا کچھ ہے اور ہو کچھ جاتا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شاید یہی زندگی ہے۔'' اس نے اپنا مگ گھماتے ہوئے یاسیت سے کہا۔

''اچھا آج کا پروگرام کیا ہے؟'' میں نے بات بدلنے کے لئے پوچھا۔

''بس یہیں بیٹھ کر گپ شپ کریں گے، دوپہر کے وقت نکلیں گے کسی ریستوران سے کھانا کھائیں گے، اس کے بعد تم جو کہو۔''

''او کے۔'' میں نے سکون سے کہا اور پھر چائے کا آخری سپ لے لیا۔

ہم لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔ وہ کسی سوچ میں گم تھی، پھر اچانک سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور سوچتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''وہ جو چوہدری سردار ہے، کیا تم نے اس کے بارے میں کچھ معلومات لی ہیں؟ میرا مطلب ہے وہ کیا کرتا ہے، کن سے اس کا تعلق ہے؟''

''میں نے کبھی دلچسپی نہیں لی تھی، یہ تو مجھے پرسوں شام پتہ چلا کہ وہ بھی میرا دشمن ہے، میرے سامنے تو اس کا بزنس یہی زمینداراہ ہی ہے۔'' میں نے بتایا تو وہ مسکرا دی، پھر مجھے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''بات یہ ہے، یہ جو گینگ بنتے ہیں یا مافیا کی صورت اختیار کر جاتے ہیں، یہ سب چھوٹی چھوٹی طاقتیں مل کر ایک بڑی طاقت بنتے ہیں۔ ان سب میں اتحاد یا اختلاف ان کے ذاتی فائدے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنی ہو، سہارا دینا ہو، صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے کہیں کہیں فائدے مشترک ہوتے ہیں۔''

''ظاہر ہے، ان سب کا مقصد ایک ہوتا ہے تو اکٹھے ہوتے ہیں نا؟'' میں نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا تو بولی۔

''دیکھو، جیسے لینڈ مافیا ہے، وہ زمینوں کی، جائیدادوں کی لوٹ کھسوٹ میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر ان کے لوگ سیاست میں ہوں گے تو انہیں بروقت پتہ چلتا ہے کہ کہاں پر کیا ہونے والا ہے۔ اگر ایک ویران علاقے میں بہت بڑی سڑک نکلنے والی ہے تو یہ لینڈ مافیا پہلے ہی اونے پونے دام سے وہ علاقہ خرید لے گا۔ اس مافیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، ایک سڑک چھاپ غنڈے سے لے کر ایوانوں میں بیٹھنے والے سیاست دانوں تک۔ ہر ایک کا فائدہ ہوتا ہے۔ یہی فائدہ انہیں اکٹھا رکھتا ہے۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ چوہدری سردار کسی مافیا کے ساتھ تو نہیں ہے۔'' میں نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا۔

''بالکل کیونکہ جب تم اس کی مخالفت میں نکلو گے تو وہ ایک اکیلا شخص نہیں ہوگا، ایک مافیا سے جنگ لڑنا پڑے گی۔ اس اکیلے بندے کو منظر سے ہٹا بھی دیا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا لے گا، سسٹم کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اس نے پرجوش لہجے میں سمجھایا۔

''ہر مافیا اپنے اندر کا ایک الگ سسٹم رکھتا ہے۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو اس نے آنکھوں کے اشارے سے میری بات کی تصدیق کر دی تو میں نے کہا۔'' اس کا مطلب ہے، مجھے بہت سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔''

''بالکل اور اس سے بھی پہلے، تمہارے پاس وہ قوت بہرحال ہونی چاہئے، جس سے تم نے اس مضبوط مافیا کو توڑنا ہے۔ ورنہ مافیا تمہیں کچل کر رکھ دے گا۔ یہی آج کی حقیقت ہے۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''میں ایک بات جانتا ہوں ارم، اگر بندے میں حوصلہ ہو اور اسے اپنی سچائی کا یقین ہو تو یہی سب سے بڑی قوت ہوتی ہے۔ جنگ قوتوں سے نہیں حوصلے سے لڑی جاتی ہے۔''

Digitized by Google

''اُوئے سوہنے منڈے، حوصلہ بھی تو ایک قوت ہے اور سچائی، دنیا کی سب سے بڑی طاقت ..... اس کے سامنے کوئی نہیں رک سکتا۔'' اس نے ایک جذب سے کہا تو مجھے عجیب سا لگا۔

''میرے پاس تو یہی ہے۔ میں اسی بل بوتے پر انہیں اپنے علاقے سے نکال کر رہوں گا۔'' میں پرجوش لہجے میں کہا۔ وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ پھر اپنا سیل فون سیدھا کرتے ہوئے بولی۔

''میرا ایک صحافی دوست ہے، اس سے پتہ کرتی ہوں تمہارے اس چوہدری سردار کے بارے میں۔'' اس نے نمبر پش کئے اور رابطہ ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ رابطہ ہو جانے پر اس نے اپنا سوال دہرایا پھر کچھ دیر تک سنتی رہی۔ درمیان میں وہ ہوں ہاں کرتی رہی۔ یہاں تک کہ سیل فون بند کرنے کے بعد ناگواری سے بولی ''وہی جو میرے دماغ میں آرہا تھا۔''

''کیا آرہا تھا تمہارے دماغ میں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وہ چوہدری سردار ایک تو انسانی اسمگلر ہے۔ دوسرا منی لانڈرنگ کرتا ہے اور تیسرا منشیات کا دھندہ کرتا ہے۔ اب اس کے پاس اتنی دولت آگئی ہے، اتنا طاقتور ہو گیا ہے کہ ایم این اے کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

''یہ ایک صحافی کی معلومات ہے، کیا اس ملک کے ادارے.....'' میں نے کہنا چاہا وہ تیزی سے بولی۔

''ابھی اداروں کو قابو میں کرنے کے لئے ہی تو یہ لوگ سیاست میں، حکومتی ایوانوں میں ہوتے ہیں۔ خیر یہ ایک دوسری بحث ہے، تم اپنے علاقے سے پتہ کرواؤ کہ تمہارے علاقے سے کتنے لوگ باہر کے ملک گئے ہیں اور کیسے ہیں؟ تھوڑی سی تحقیق کرو گے تو سب کھلتا چلا جائے گا۔''

''چلو، میں جاتے ہی سب سے پہلا یہی کام کروں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ایک اور بات کے بارے میں ضرور جاننا، تمہارے علاقے میں لوگ کس حد تک منشیات کے عادی ہیں؟ اگر تمہیں اپنے دشمن پر ہاتھ ڈالنا ہو تو یہیں سے ابتدا کرنا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں، یہ نشہ تو گھر کے گھر برباد کر دیتا ہے۔'' میں سوچتے ہوئے کہا۔

''میں اب اس کے بارے میں مزید معلومات دوں گا تمہیں۔ اب یہ تم پر ہے کہ اس کا سامنا کیسے کر پاؤ گے۔'' ارم نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

ایک لمحے کے لئے مجھے یوں لگا جیسے چوہدری سردار ایک پہاڑ کی مانند میرے سامنے آن کھڑا ہوا ہو لیکن جنگ اس نے مجھ پر مسلط کر دی تھی۔ میں نے اپنا دفاع کرنا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم اٹھے اور کار نکال کر نکل پڑے۔ سارا دن شہر کی خاک چھاننے کے بعد سہ پہر کے وقت اس نے مجھے ہاسٹل چھوڑ دیا۔ میں نے انور کو فون کیا، وہ کمرے ہی میں تھا۔ میں وہاں پہنچا تو اس نے غور سے میرا چہرہ دیکھا، پھر تجسس سے پوچھا۔

''کسی سے لڑ کر آئے ہو؟''

''اونہیں یار، ایسے ہی کل شام کلب چلا گیا تھا۔ وہاں فائٹ ہو گئی۔ اتنے دنوں بعد جو.....'' میں نے کہنا چاہا تو وہ بولا۔

''یار تم لوگوں کی منطق بھی سمجھ میں نہیں آتی، کھیل کے نام پر لڑنا جھگڑنا۔ خیر کیا پروگرام ہے؟ فخر کو بلا لوں؟''

''نہیں، مجھے آج ہی واپس جانا ہے۔ گاؤں میں کچھ کام آن پڑے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔ میں کچھ دیر اس سے باتیں کرتا رہا، پھر گاؤں جانے کے لئے لاہور سے نکل پڑا۔

❀.....☆.....❀

صبح کا نور ہر جانب پھیل چکا تھا۔ میں اپنے معمول کے مطابق جاگنگ کے لئے نکل آیا تھا۔ آدھی رات ہونے کو تھی، جب میں اپنے گاؤں واپس پہنچا تھا۔ تھکا ہونے کے باعث سو گیا تھا۔ معمول کے مطابق آنکھ کھلی تو میں بستر سے اٹھ کر باہر نکل آیا تھا۔ جاگنگ کرتے ہوئے دماغ میں مسلسل ارم کی باتیں گونج رہی تھیں۔ کیا اس کی معلومات درست تھیں؟ اگر درست تھیں تو مجھے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا تھا اور اگر ایسا نہیں تھا تو پھر مجھے درست معلومات بہر حال ملنی چاہئے تھیں، ورنہ میں کہیں بھی دھوکا کھا سکتا تھا۔ بہت سوچ کر میں نے ارم کو فون کر کے بلا لیا۔ میں جب واپس آیا تو وہ میرے انتظار میں تھا۔ میں اسے لے کر

Digitized by Google

مہمان خانے کی جانب چل دیا۔ سورج نکل آیا تھا۔ ملازم چائے وہیں لے آیا۔ مہمان خانے میں ہم دونوں ہی تھے۔

''سنا کیا حال ہیں علاقے کے؟''

''کوئی ہلچل نہیں سوائے چوہدری سلطان کے، وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ لیکن یہ پکی پکی خبر ہے۔'' اس نے سکون سے کہا۔

''اچھا مجھے یہ بتا ہمارے علاقے سے کتنے نوجوان باہر کے ملکوں میں گئے ہوئے ہیں؟'' میں نے پوچھا تو اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کافی سارے گئے ہوئے۔''

''انہیں بھیجتا کون ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہی چوہدری سردار کا بندہ ہے، شہر میں اس کی ٹریول ایجنسی ہے۔ وہ ہر ملک میں بھیج دیتا ہے بندہ۔'' اس نے یوں کہا جیسے یہ عام سی بات ہو۔

''اچھا، تو اس چوہدری سردار کا اصل کام کیا ہے؟'' میں نے سوال کیا تو وہ چونک گیا۔ اسے اب سمجھ میں آیا تھا کہ میں اس سے کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولا۔

''جو دو نمبری ہے، وہی کرتا ہے۔ نشہ بیچتا ہے۔ دکھانے کو ایک کاٹن فیکٹری ہے۔ اس کی آڑ میں بہت کچھ ہوتا ہے۔'' اس نے کہا تو میں سمجھ گیا ارم کی معلومات کافی حد تک درست تھیں۔

''اس کا مطلب ہے اس کے پاس بدمعاش قسم کے لوگ بھی بہت زیادہ ہوں گے۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں، بہت ہیں، وہ تو بہت کم لوگوں کے سامنے آتا ہے، اس کا سارا کام یہی لوگ دیکھتے ہیں، انہی لوگوں نے تو پورے علاقے میں خوف پھیلایا ہوا ہے۔ کوئی بندہ ان کے خلاف بات نہیں کر سکتا۔''

''چوہدری سلطان کی اتنی اوقات نہیں تھی کہ پولیس والے اس کی بات مانتے میرا خیال ہے کہ اسلم اے ایس آئی ٹائپ لوگ اسی کے لوگوں میں سے تھے۔'' میں نے مزید تصدیق کی تو تنی نے سر ہلا دیا۔ پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اس کی پہنچ بہت دور تک ہے۔ اسے معمولی مت لینا علی۔''

''ہاں دیکھتے ہیں، تم ایسا کرو، دوپہر کے بعد کچھ لڑکے چوک میں بھیجنا میں آج ہی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ پھر رات مجھے ملنا، اگر ہو سکے تو اپنے دوستوں کو بھی مجھ سے ملوا دینا۔ جہاں آسانی ہو، ہم وہیں ملیں گے۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں رات تک انہیں اکٹھا کر لوں گا۔ پھر جگہ بھی بتا دوں گا۔'' تنی نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں تیرے لئے ناشتہ بھیجتا ہوں۔ وہ کر کے جانا۔'' میں نے کہا اور اٹھ گیا۔ وہ کرسی پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ میں مہمان خانے سے نکلتا چلا گیا۔

چوہدری سردار کے بارے میں سن کر میں خواہ مخواہ دباؤ میں آ گیا تھا۔ میری تمام تر سوچوں کا محور وہ راستہ تھا، جس کے باعث میں اس تک پہنچ سکتا تھا۔ ایسا کیسے ہونا تھا، مجھے کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ناشتہ کرنے تک میں نے سب کچھ اپنے دماغ میں سے نکال دیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں وقت کا انتظار کروں گا۔

لاہور سے گاؤں آتے ہوئے میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ مجھے لوگوں میں جانا تھا۔ ان سے ملنا جلنا تھا۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہونا تھا۔ ان کے ساتھ خوشیاں بانٹنی تھیں۔ تاکہ میرے اور ان کے درمیان جو اجنبیت تھی، وہ ختم ہو جائے۔ اس کا آغاز میں نے اپنے گھر ہی سے کیا۔ میں نے گیراج میں کھڑی موٹر سائیکل لی اور چل دیا۔ میرا رخ اپنے چاچا زاد بھائیوں کے گھر کی طرف تھا۔ میں دس منٹ میں ان کے گھر پہنچ گیا۔ گیٹ کے ساتھ ہی موٹر سائیکل کھڑی کر کے میں اندر کی جانب چل پڑا۔ صحن میں چاچی جی تخت پوش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کے پاس گاؤں کی چند عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری طرف دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئیں۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ان کے لبوں سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ میں نے جا کر سلام کیا اور پیار کے لئے اپنا سر آگے کر دیا۔ اس نے شدت جذبات سے دونوں ہاتھوں سے میرا چہرہ پکڑا اور میرے ماتھے کو چوم کر میرے سر پر پیار دے دیا۔ پھر ایک پیڑھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''صدقے پتر، آ بیٹھ ادھر۔''

Digitized by Google

میں پیڑھے پر بیٹھ گیا تو گاؤں کی عورتیں ایک جانب سمٹ گئیں۔ وہ بھی حیران تھیں کہ میں ان کے ہاں کیسے آ گیا ہوں۔ ایک ملازمہ نے اندر اطلاع دی۔ یوں کچھ ہی دیر بعد اکبر اور اصغر کے علاوہ ان کی بیویاں بھی باہر آ گئیں۔ وہ سب مجھ سے ملے۔ اکبر کچھ کھنچا کھنچا سا میرے سامنے بیٹھ گیا۔ اس دوران یونہی تکلفاً حال احوال پوچھتے رہے۔

"یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی، بتا لسی پیئے گا یا چائے؟" چاچی نے پوچھا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں کون سا مہمان ہوں، جس شے کو دل چاہے گا مانگ لوں گا۔"

"میں اچھی سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اصغر کی بیوی نے کہا اور اٹھ گئی تو میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"بھابھی ابھی ضرورت نہیں ہو سکتا ہے میں کھانا کھا کر جاؤں۔"

میرے یوں کہنے پر وہ لمحہ بھر حیرت سے مجھے دیکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔ ہمارے درمیان خاموشی آن ٹھہری تھی۔ ظاہر ہے میں ان کے ہاں گیا تھا تو مجھے ہی بات کرنا تھی۔ تبھی میں نے دھیمے سے کہا۔

"چاچی جی، آپ حیران تو ہوں گی کہ میں یوں اچانک کیسے آ گیا حالانکہ میرے جیل سے آنے کے بعد گاؤں سے، علاقے سے، بہت لوگ آئے، لیکن اگر کوئی نہیں آیا تو میرا خونی رشتے دار نہیں آیا۔"

"تم ہمیں الزام دینے آئے وہ یا ہم سے باز پرس کرنے؟" اکبر نے تلخی سے کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں، مان سے آیا ہوں، یہ پوچھنے آیا ہوں کہ میرے بھائی، مجھے پوچھنے کیوں نہیں آئے۔"

"تم لوگوں نے ہمیں اپنا سمجھا ہی کب ہے۔ بھائی ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔" اکبر نے اسی طرح تلخی اور حقارت سے کہا۔

"دیکھو، میں یہاں یہ بحث کرنے نہیں آیا کہ کون کس کو کیا سمجھتا ہے۔ مجھے صرف ایک بات کا جواب چاہئے؟" میں نے حتمی لہجے میں پوچھا۔

"کون سی بات؟" اکبر نے تجسس سے یوں پوچھا جیسے وہ میری بات سن کر مجھ پر احسان کر رہا ہوں۔

"ہم ایک دادا کی اولاد ہیں، آخر ایسا کیا ہو گیا کہ [illegible] ایک دوسرے سے متنفر ہیں، ناراض ہیں، بات نہیں کر[illegible] ؟" میں نے پوچھا تو اکبر کچھ دیر تک خاموش رہا۔ سب [illegible] کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تبھی وہ تلخی سے بولا۔

"تایا نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"

"مثلاً کیا اچھا نہیں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ زمین کی تقسیم میں میرے بابا کو وہ حصہ دیا [illegible] اچھا نہیں تھا۔ خود دادا کے نزدیک تھے۔ سو اپنی پسند [illegible] زمین لے لی۔ جیسے سڑک کے ساتھ والی قیمتی زمین اب [illegible] لوگوں کے قبضے میں ہے۔" اس نے اپنے جذبات پر قا[illegible] پاتے ہوئے کہا۔ تب میں نے نہایت تحمل سے سمجھا[illegible] والے انداز میں کہا۔

"پہلی تو بات ہے میرے بھائی، ساری زمین دادا [illegible] خود تقسیم کی، اس پر ہمارے والدین کو بولنا چاہئے تھا [illegible] دوسری بات جس وقت دادا نے زمین تقسیم کی تب ا[illegible] سڑک کا نام و نشان تک نہیں تھا، وہاں کچی سڑک بھ[illegible] نہیں تھی تمہیں بھی پتہ ہے اس سڑک کے لئے بابا نے زمی[illegible] دی ہے۔" میں سانس لینے کو رکا تب اس نے کہنا چاہا، مگ[illegible] میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے کہا [illegible] اگر تمہارے دل میں وہ زمین لینے کی خواہش ہے تو میں [illegible] تمہیں وہ زمین دی۔ میں اس کے عوض کچھ نہیں مانگتا، [illegible] پیسہ، نہ بدلے میں کوئی زمین۔ میں اپنے بھائی کو وہ زمی[illegible] تحفے میں دیتا ہوں۔" میں نے کہا تو اکبر نے شدید حیرت [illegible] سے میری طرف دیکھا پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بع[illegible] اسی حیرانگی میں بولا۔

"یہ کیا بات کر رہے ہو تم؟"

"تم شاید یہ سوچ رہے ہو گے کہ اس میں میرا کتنا فا[illegible] ہے۔ ایسی بات ہے نا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں [illegible] دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم اچانک یہ آفر کیوں لے کر آ گئے ہو؟"

"نہیں یہ آفر نہیں ہے میرے بھائی، بلکہ بتانا یہ چا[illegible] ہوں کہ یہ زمین جائیداد کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ انسا[illegible] کی قدر ہونی چاہئے۔ آج کوئی گولی مجھے لگ جاتی [illegible] میں مر جاتا ہوں، زمین تو یہی پڑی رہے گی نا۔"

"اللہ نہ کرے میرا پتر۔" چاچی نے روہانسا ہو[illegible]

Digitized by Google

ہوئے بے ساختہ کہا تو اکبر نے میری طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''علی، یہ سبق تم نے کہاں سے سیکھ لیا؟''

''اس زندگی نے سکھایا ہے مجھے یہ سبق، دادا اپنے ساتھ کیا لے گئے، چاچا جی اپنے ساتھ کیا لے گئے۔ بابا نہیں رہیں گے، یا میں نہیں رہتا تب...... جو اس جہان سے چلے گئے، ان کے کام تو یہ زمین جائیداد نہیں آ رہی۔ ہم اگر ایک دوسرے کے بارے میں نفرت رکھیں گے تو یہ زمین ہمارے کام نہیں آئے گی۔ لیکن ہم اگر اکٹھے ہوں گے تو اس سے بھی زیادہ زمین بنا لیں گے۔ یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو، دشمن ہمیں لڑوا کر ہم میں نفرت ڈال کر ہم پر ہی مسلط ہونا چاہتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟'' میں نے کہا تو اکبر چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

''ہاں ایسا تو ہے، لوگ ہمیں ملانے کی بات نہیں کرتے بلکہ ایسی باتیں ہی کرتے ہیں، جن سے ہمارے درمیان نفرت بڑھے۔''

''میں یہی بات کہنے آیا ہوں، ہم جو زندہ ہیں، اس شے کے لئے لڑ رہے ہیں جو ہمیں وراثت میں ملی ہے۔ میں اگر تمہیں چند ایکڑ زمین دے کر تمہاری نفرت ختم کر سکتا ہوں تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم اکٹھے......'' میں نے کہنا چاہا تو اکبر اٹھا اور اس نے مجھے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''نہیں علی نہیں، اب مزید کچھ نہ کہو، میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مجھے معاف کر دو، میں نے بہت غلط سوچا تھا۔''

''لیکن اب زمین تمہیں لینا پڑے گی۔ میرے بڑے بھائی کی طرح، ہمارے سر پر ہاتھ رکھو، مجھے بھی اصغر کی طرح سمجھو۔ ہم تین بھائی ہوں گے تو لوگ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکیں گے۔'' میں نے کہا تو میری آواز جذبات سے لرز رہی تھی۔

''اچھا چل چھوڑ ان باتوں کو۔ اب اس بارے بات نہیں کرنی۔ چل میں چلتا ہوں تیرے ساتھ تایا جی سے خود معافی مانگتا ہوں اپنے رویے کی۔'' اس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''اسے کچھ دیر بیٹھنے تو دے، اب آیا ہے تو کچھ کھانے پینے دے۔'' چاچی نے اکبر کو ڈانٹ دینے والے لہجے میں کہا۔

''اب تایا جی کے گھر ہی جا کر کھائیں پئیں گے۔ آپ سب بھی آ جاؤ ادھر،'' یہ کہہ کر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا ''چل یار۔''

وہ مجھے اپنے ساتھ لیتا ہوا موٹر سائیکل کی جانب بڑھا۔ میں سیٹ پر بیٹھا تو وہ میرے پیچھے بیٹھ گیا۔ ہم حویلی کی جانب چل دیے۔

حویلی میں رونق لگی ہوئی تھی۔ میرے چاچازاد، چاچی اور بھابیاں اپنے بچوں سمیت آ گئی تھیں۔ بابا نے اکبر کو کوئی بات ہی نہیں کرنے دی۔ بس اسے اپنے گلے لگا کر رو دیئے تھے۔ اکبر شرمندہ سا ان سے معافی مانگتا رہا۔ اماں بہت خوش تھیں۔ اتنے عرصے بعد حویلی میں چہل پہل سے ان کے چہرے پر خوشی آ گئی تھی۔ بھابیاں کھانے بنوانے میں مصروف ہو گئیں۔ اکبر اور اصغر، بابا کے پاس بیٹھے تھے۔ اماں اور چاچی باتیں کر رہی تھیں۔ میرے اندر ایک سکون سا اتر گیا تھا۔

❁......☆......❁

دوپہر ہو چکی تھی۔ میرے چاچا کی فیملی واپس اپنے گھر جا چکی تھی۔ میں نے موٹر سائیکل لیا اور گاؤں کے اس چوک میں جا پہنچا، جہاں برگد کا بڑا سا درخت تھا۔ پتہ نہیں وہ کتنے موسم دیکھ چکا تھا۔ لوگ اس کے نیچے نہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف بنی مسجد اور دو کانوں کے ساتھ دھوپ میں چارپائیاں ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ بزرگ حقے کے اردگرد جمع باتیں کر رہے تھے۔ ایک بابا چند لڑکوں کے ساتھ رسیاں سیدھی کر رہا تھا۔ کچھ نوجوان تاش کھیل رہے تھے۔ میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

''اوواہ بھئی واہ، علی تم کدھر بھول پڑے ہو؟''

''کمال کرتے ہو یار، میرا بچپن میری جوانی ادھر گزر گئی، اب رہنا ادھر ہے تو کتنی دیر اس چوک سے دور رہ سکتا ہوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ تو ہے۔'' اس نوجوان نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو ایک بزرگ بولا۔

''پر پتر وہ پہلے والا وقت نہیں رہا، اب ملنا جلنا بھی کسی نہ کسی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے جیسے لوگوں کے پاس دولت آتی جاتی ہے، دلوں کے فاصلے بڑھتے جا رہے

Digitized by Google

ہیں۔"

"آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے بابا جی۔ میرے جیسے لوگ ترس رہے ہیں اس پرانے وقت کے لیے۔ وہ وقت اب کہاں واپس آئے گا۔" میں نے اس بزرگ کی ہاں میں ہاں ملادی۔

"تیرے شاباش ہے پتر تم نے کم از کم غنڈوں سے تو جان چھڑوا دی۔ میرا خیال ہے وہ اب ادھر کا رُخ نہیں کریں گے۔ بڑا ظلم کرتے تھے یہ لوگوں پر، بڑے لوگ تنگ تھے۔"

"اب کوئی نہیں کرے گا ظلم، کوئی کرے تو مجھے بتائے گا۔" میں نے سکون سے کہا۔ یہی میرا مقصد تھا کہ وہاں بیٹھ کر یہ بات کردوں۔ میں نے یہ بات کہی ہی تھی کہ ایک بزرگ نے لرزتے ہاتھوں سے اپنی عینک درست کرتے ہوئے روہانسا ہوکر کہا۔

"تو پتر پھر ایک کام اور کردے تیرا اس گاؤں پر بڑا احسان ہوگا۔ نسل تباہ ہو رہی ہے، کسی کی عزت محفوظ نہیں۔"

"کون سا کام ہے بابا جی بتائیں۔" میں نے سکون سے کہا۔

"میں بتاتا ہوں۔" ایک دوسرے بزرگ نے حقے کی نے کو ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔ وہ ایک لمحہ کو کھنکھار کر بولا، "ہمارے یہاں گاؤں ہی میں نہیں، ارد گرد بھی نشہ بہت فروخت ہو رہا ہے نوجوان نسل اپنی زندگی تو خراب کر ہی رہے ہیں، اپنے گھروں کو بھی برباد کرنے لگے ہیں۔ اسے بند ہونا چاہیے۔"

"بند تو یہ ہو جائے گا بابا، لیکن آپ سب کیوں خاموش ہیں اب تک کیوں نہیں روکتے اپنے بچوں کو یا پھر نشہ فروخت کرنے والوں کو۔" میں نے جذباتی ہو کر پوچھا تو وہی بابا بولا۔

"ہمیں پتہ ہی اس وقت لگتا ہے، جب یہ نوجوان نشے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ تو برباد ہو رہے ہیں، گھر والوں پر بوجھ بھی ہیں۔ اب یہی بات سن لو، اس کا چھوٹا بیٹا نشے کا عادی ہے۔ وہ ٹیکے لگاتا ہے۔ جو نشہ فروخت کرتے ہیں، اس کا اتنا قرض ہو گیا ہے کہ یہ اتارا ہی نہیں سکتے۔ اب پتہ ہے اس نشہ بیچنے والے نے کیا کہا ہے؟"

"کیا کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بڑے دکھ والی بات ہے پتر، عزت غیرت والا سن کر مر جائے وہ یہ کہہ رہا ہے کہ قرض دو ورنہ اپنی چھو بہن دے دو۔" یہ کہتے ہوئے وہ رو دیا۔ میں نے اس ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"بہت دُکھ والی بات ہے۔"

"وہ مر جائیں، کھپ جائیں، جو کریں، بات اب گ کی عزتوں پر آ گئی ہے۔ ہم غریب لوگ، نہ کسی کا مقابلہ سکتے ہیں، نہ کسی سے لڑ سکتے ہیں۔" اس نے اپنے آ پونچھتے ہوئے کہا۔

"بابا آپ فکر نہ کریں، آج کے بعد وہ جو کوئی بھی۔ ایسی بات کہنے کی ہمت نہیں کر پائے گا لیکن آپ سب کو کچھ کرنا ہوگا۔"

"بتا کیا، ہم کیا کریں؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے چند نوجوان دے دو، جو میرا ساتھ دیں۔ وہ خود نشے کے خلاف ہوں۔ میں یہاں اپنے گاؤں میں نہیں رہنے دوں گا۔" میں نے عزم سے کہا۔ بھی میں۔ دیکھا ہم سے تھوڑا فاصلے پر تاش کھیلنے والے، اپنا کھیل چھ کر ہماری بات سن رہے تھے۔ ان میں سے ایک جو شے نوجوان نے مجھ سے کہا۔

"علی بھائی، میرے پاس تو میری صرف جان ہے جہاں چاہو لگا دوں گا مگر یہ گند یہاں سے ختم کروا دو۔"

"میرا ساتھ دو، میرے ساتھ چلو، مجھے بتاؤ وہ کو لوگ ہیں آگے میرا کام ہے، میں جنگ لڑ لوں گا اُن سے ساتھ۔"

"میں آدھے گھنٹے میں لڑکے لے کر تمہارے پاس آ ہوں۔" اس نے سینہ ٹھوک کر کہا تو میں نے کہا۔

"میں یہیں بیٹھا ہوں۔ لے آؤ تو آج ہی بات خ کرتے ہیں۔"

میرے کہنے پر وہ سبھی لڑکے اٹھ کر چل دیے۔ تقریباً دھے گھنٹے بعد وہاں دس بارہ لڑکے اور جوان اکٹھے ہو گ۔

"مجھے یہ بتاؤ، وہ لوگ کون ہیں، کہاں سے آ ہیں؟" میں نے ان سے پوچھا تو ایک لڑکے نے، مجھے بتایا۔

Digitized by Google

''وہ شہر کی طرف سے آتے ہیں، وہ کسی سے زیادہ بات نہیں کرتے، بدمعاش قسم کے لوگ ہیں، کوئی ان سے بھی بات نہیں کرتا۔ اگر کوئی سوال کرے تو بدمعاشی اور غنڈہ گردی پر اتر آتے ہیں۔''

''اور یہاں آ کر وہ اپنا ٹھکانہ کہاں بناتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''گاؤں کے باہر والی سڑک پر جو قبرستان ہے، وہ وہیں آ کر رکتے ہیں۔ وہیں قبرستان میں سارے نشے باز موالی جمع ہوتے ہیں۔ وہاں وہ رکتے ہیں اور انہیں نشہ بیچ کر چل دیتے ہیں۔'' اسی لڑکے نے مجھے بتایا۔

''کس پر آتے ہیں، مطلب سواری کیا ہوتی ہے؟ اسلحہ وغیرہ؟'' میں نے مزید کرید کی

''ایک جیپ ہے ان کے پاس، اس میں دو لوگ ہوتے ہیں اسلحہ لے کر، باقی ایک یا دو وہ ہوتے ہیں جو نشہ......''

''او کے۔'' یہ کہہ کر میں نے ان نوجوانوں کی طرف دیکھا اور پھر سنجیدگی سے کہا، ''دیکھو، وہاں لڑائی بھی ہو سکتی ہے، ممکن ہے نوبت گولی تک آ جائے۔ جس میں ہمت ہے وہ میرے ساتھ آئے، باقی واپس چلے جائیں۔''

میں یہ کہہ کر چل پڑا۔ میں نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کیا اور قبرستان کی جانب چل دیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کہ کون کون میرے پیچھے آ رہا ہے۔ میں نے بریک ہی قبرستان کے باہر والی سڑک پر لگائے۔ میں نے تب دیکھا کئی سارے نوجوان وہاں آ چکے تھے۔ قبرستان کے اردگرد چار دیواری تھی۔ میں اس کے اندر چلا گیا۔ وہاں کئی سارے نشئی لوگ درختوں کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، کوئی کسی قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر پڑا ہوا تھا۔ مجھے ان کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ میں چند لمحے وہاں کھڑا سوچتا رہا، پھر میں نے فخر کو فون کر دیا۔

''تم آئے بھی اور چلے بھی گئے، کم از کم مل تو لیتا، اتنی کیا ایمرجنسی تھی تمہیں۔'' اس نے علیک سلیک کی بجائے پر جوش لہجے میں شکوہ کرنے لگا۔

''تھی نا، اسی لئے واپس آ گیا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''خیریت تو ہے نا، بات کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ یار تیرے ایک ڈاکٹر انکل ہیں نا جو نشے بازوں کا علاج کرتے ہیں۔'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''ہاں کرتے ہیں، پر تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی؟'' اس نے پوچھا تو میں نے اسے اختصار سے اپنے گاؤں کے لوگوں کے بارے میں بتایا۔

''میں ابھی ان سے بات کر کے بتاتا ہوں۔'' ساری بات سمجھ کر اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

سہ پہر ہونے کو تھی۔ ہمیں ان نشہ بیچنے والوں کا انتظار تھا۔ سڑک صاف تھی اور ہم لوگ قبرستان میں تھے۔ نشے باز ہمیں دیکھ تو رہے تھے لیکن وہ ہم سے کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت ضرور تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ تبھی ایک ہارن کی آواز پر نشے باز موالی یوں چونکے جیسے ان میں زندگی بھر گئی ہو۔ وہ اٹھ کر قبرستان سے باہر جانے لگے۔ ہم بھی ان کے پیچھے باہر آ گئے۔ چھوٹی سی سڑک پر ایک سرخ رنگ کی پرانے ماڈل کی جیپ کھڑی تھی۔ اس میں چار لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ نشے باز پسنجر سیٹ کی طرف اکٹھے ہو گئے تھے۔ ڈرائیور اردگرد دیکھ رہا تھا۔ جبکہ پیچھے بیٹھے ہوئے دو بدمعاش قسم کے لوگ گنیں پکڑے بیٹھے ان سب کو دیکھ رہے تھے۔ میں نوجوانوں کو سمجھا چکا تھا کہ انہوں نے کرنا کیا۔ ایک نوجوان آگے بڑھا اور اس نے ڈرائیور سائیڈ والا دروازہ کھولا، اسٹارٹ جیپ کو بند کر کے چابی اگنیشن میں سے نکال لی۔ جیپ بند ہو گئی۔ جب تک وہ یہ سمجھتے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے، میں نے پچھلا دروازہ کھولا اور بدمعاش کا کالر پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ ایسا ہی دوسری طرف سے کیا گیا۔ میری طرف والا بدمعاش جب نیچے آ رہا تھا، اس نے گن سیدھی کرنا چاہی، تب تک میں دوسرے ہاتھ سے اس کی گن پر قابو پا چکا تھا۔ جب وہ سڑک پر گرا تو اس کی گن میرے ہاتھ میں تھی۔ اسے نہتا دیکھ کر وہاں موجود نوجوان اس کی طرف بڑھے۔ میں انتہائی سرعت سے دوسری جانب چلا گیا۔ وہ بدمعاش اس نوجوان سے گتھم گتھا تھا۔ میں نے گن نال کی جانب سے پکڑی اور گھما کر بٹ اس کی کمر پر دے مارا۔ وہ وہیں دہرا ہو گیا۔ اتنی دیر میں نشہ فروخت کرنے والے کو بھی نیچے اتار لیا گیا تھا۔ چند منٹ میں ان کی اچھی خاصی دھلائی ہونے لگی تھی۔ وہاں موجود موالی خوف زدہ ہو کر ایک جانب ہٹ گئے تھے۔ انہیں کچھ میں

Digitized by Google

نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے؟ کچھ ہی دیر بعد ان چاروں کو قبرستان کی دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دیا گیا۔

''کون بھیجتا ہے تم لوگوں کو؟'' میں نے اس سے پوچھا جو بنچ پر بیٹھ کر نشہ فروخت کر رہا تھا۔

''دیکھ اولڑکے جو ہو گیا سو ہو گیا، اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو ہمیں جانے دو۔'' اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا ہو جائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے میں آگے بڑھا اور اسے گردن سے پکڑ کر سڑک پر لے آیا۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر سڑک پر دے مارا۔ وہ وہیں تڑپنے لگا۔ میں نے اس کے ٹھوکر ماری تو وہ بلبلا اُٹھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پوچھا، ''بول، کون بھیجتا ہے تم لوگوں کو؟''

''تم..... بہت پچھتاؤ..... گے۔'' اس نے کہا وہ تکلیف کی شدت سے بول نہیں پا رہا تھا۔

''اس کا مطلب ہے، تم نہیں بتاؤ گے۔ چل تھوڑی دیر بعد تم خود ہی بکو گے، تب میں نہیں سنوں گا۔'' میں نے کہا اور ڈرائیور کو پکڑ لیا۔ وہ فوراً ہی بولنے لگا۔

''مجھے نہیں، میں تو آج ہی ان کے ساتھ آیا ہوں۔''

میں نے اسے چھوڑ دیا، پھر بدمعاشوں کی جانب بڑھا۔ وہ مجھے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

''تم دونوں مجھے بتاؤ گے یا پھر مجھ سے مار کھاؤ گے؟''

''اوئے، تمہیں نہیں پتہ ہم کون ہیں، اگر تمہیں.....''

ایک نے کہنا چاہا تو میں نے اسے پکڑا اور گھسیٹ کر سڑک پر لے آیا۔ وہ مزاحمت کرنے لگا تھا۔ میں نے نوجوانوں کو اشارہ کیا تو وہ بھاگتے ہوئے آئے اور اسے پکڑ کر پیٹنے لگے۔ اسی دوران جب میں دوسرے بدمعاش کی جانب بڑھا تو ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''ہم معافی مانگتے ہیں، کبھی دوبارہ نہیں آئیں گے، ہمیں جانے دو۔''

''میں نے اس بندے کا نام پوچھا ہے، جو تمہیں یہاں بھیجتا ہے۔'' میں نے اسے گردن سے پکڑتے ہوئے کہا تو دھیمے سے بولا۔

''یہ کوئی نہیں بتائے گا، ورنہ وہ ہمیں مار دیں گے۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر میں نے نوجوانوں سے کہا۔

''ان سب کو اسی جیپ کے پیچھے باندھو، ان کا جو سامان ہے، جیپ میں ہی رکھ دو اور چوک میں لے چلو۔ وہیں اس نے بات کرتے ہیں۔''

میرے کہنے کی دیر تھی۔ وہ نوجوان تیزی سے ان کی طرف بڑھے تبھی میرے دماغ میں ایک خیال آیا تو میں نے تیزی سے کہا۔

''ٹھہرو ابھی۔''

میرے کہنے پر وہ سبھی رُک گئے۔ میں نے ان چاروں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''مجھے یہ بتاؤ، تم میں سے ادھار کے بدلے یہ نشہ کس نے مانگا تھا؟''

وہ چاروں میرے سامنے خاموش کھڑے تھے۔ تبھی نشیوں میں سے ایک لڑکا آگے بڑھا۔ اس نے کانپتے ہوئے، بڑی بے بسی سے نشہ فروخت کرنے والے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اس بے غیرت نے میری بہن کا رشتہ مانگا تھا۔'' یہ کہتے ہی وہ رُو پڑا۔ اس نشئی میں ابھی تھوڑی بہت غیرت تھی جو ان لمحات میں جاگ اٹھی تھی۔

''اب تم پیچھے ہٹ جاؤ۔'' میں نے نشہ فروخت کرنے والے کی طرف دیکھتے ہوئے نشئی سے کہا تو پیچھے ہٹ گیا۔ میں نشہ فروخت کرنے والے کی طرف بڑھا، اور جاتے ہی اس کے منہ پر پر گھونسہ دے مارا۔ وہ تکلیف سے دہرا ہو گیا تو میں نے اس کے منہ پر گھٹنا دے مارا وہ چیختا ہوا زمین پر گر گیا۔ میں نے اسے کالر سے پکڑ کر اٹھا لیا اور پھر لگاتار اس کی دھنائی کرنے لگا۔ میں نے جب یہ محسوس کیا کہ اب یہ میرے ہاتھوں مر جائے گا تو میں نے مرکز نوجوانوں سے کہا۔

''اب ان سب کو لے چلو۔''

سبھی نوجوانوں نے تیزی سے جیپ کے ساتھ انہیں باندھا اور لے کر چل دیئے۔ میں موٹر سائیکل پر ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ میں ایک نئی جنگ چھیڑ چکا تھا، اب اس کا انجام کیا ہونے والا تھا، میں خود نہیں جانتا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

Digitized by Google

قصور

نفیسہ سعید

شادی ایک مقدس سفر ہے لیکن اس سفر میں ان گنت پگڈنڈیاں، کھائیاں اور کٹھائیاں بھی آتی ہیں ایسے میں اگر ایک فریق بھی کمزوری کا مظاہرہ کرے تو یہ سفر بربادی اور تباہی کے گہرے گڑھے پر ختم ہوتا ہے جہاں آنسو اور پچھتاؤں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

ایک تین بیٹیوں کی ماں کا فسانہ، اس کا شوہر بھٹک گیا تھا

گھر میں گڈو کی آمد گویا ماہ نور کے لیے رحمت ثابت ہوئی۔ میاں صاحب جو کہ اس کے اتنے عادی ہو چکے تھے کہ بیچاری کے لیے دو دن میکے جا کر رہنا مشکل ہو جاتا' یہاں تک کہ حسیب صاحب کھانا بھی بیگم کے ہاتھ کا بنا ہی کھاتے' بازار کی روٹی انہیں پسند نہ تھی جبکہ اپنے میاں کے کپڑے بھی ماہ نور ہی استری کرتی گھر کی ملازمہ نورین کے ہاتھوں دھلے اور استری شدہ کپڑے ہمیشہ حسیب رد کر دیا کرتے' ماہ نور سے شادی کے بعد تو وہ اتنے کاہل ہو چکے تھے کہ کبھی الماری سے بنیان اور موزے ڈھونڈنے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی اور اس کے یہ چھوٹے چھوٹے کام ہی سارا دن ماہ نور کو تھکانے کے لیے کافی ہوتے اور پھر دن بھر کی تھکن کے بعد ماہ نور کا من چاہتا کہ رات بستر پر لیٹتے ہی نیند کی وادیوں میں اتر جائے۔ ماہ نور کا یوں جلدی سونا بھی میاں صاحب کو گوارہ نہ تھا اور ساری رات اس کی فرمائشیں پوری کرتی ماہ نور جیسے اب تھکنے لگی تھی۔ صبح سویرے اٹھ کر دونوں بچوں کا لنچ تیار کر کے انہیں اسکول بھیجنے میں بھی چھوٹی نمیرہ کے جاگنے کا سے ہو جاتا' پھر سے سنبھالتے اور گھر کے کام کاج نپٹاتے جانے کب رات آتی ماہ نور کو پتہ ہی نہ چلتا' ایسے میں اچانک گھر میں آنے والے گڈو کا وجود اس کے لیے جیسے راحت کا پیغام لے کر آیا۔ گڈو کون تھا؟ پہلے آپ کے لیے یہ جاننا ضروری ہے' گڈو ایک سولہ یا سترہ سالہ فربہی مائل نوجوان لڑکا تھا جو کچھ ماہ قبل ہی حسیب نے اپنی ٹریول ایجنسی میں ملازم رکھا تھا اور وہ اکثر گڈو کا تذکرہ ماہ نور سے بھی کرتا 'ایسا تذکرہ جس میں ہمیشہ گڈو کا ذکر تعریفی کلمات سے ہی کیا جاتا اور غائبانہ طور پر ماہ نور بھی گڈو سے واقف ہوتی چلی گئی' پھر حسیب ہی کی زبانی اسے علم ہوا کہ گڈو کی والدہ اچانک ہی فوت ہو گئی ہیں' والد پہلے ہی نہ تھے ایک بڑی بہن تھی جو دور دراز کسی گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی' گھر کرایہ کا تھا جو ماں کے مرنے کے بعد گڈو نے خالی کر دیا جبکہ وہ بہن کے ساتھ گاؤں جانے پر آمادہ نہ تھا' یہی وجہ تھی کہ پچھلی کچھ راتوں سے وہ ایجنسی کے اندر ہی سو رہا تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب ماہ نور کے اندر موجود ایک حساس عورت کا دل گڈو کی تنہائی کے دکھ سے لبریز ہو اٹھا اور اس نے بے ساختہ ہی حسیب کو مشورہ دے ڈالا کہ وہ گڈو کو اپنے گھر لے آئے جہاں وہ ماہ نور کے بیرونی کام بھی نپٹا دیا کرے گا اور کچھ اندرونی مسائل میں بھی شاید ماہ نور کی مدد کر دے پہلے تو حسیب صاحب نے کچھ حیل وحجت سے کام لیا مگر پھر اسے اپنی پیاری بیوی کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے اور یوں گڈو ایک دن حسیب کے ساتھ ان کے گھر منتقل ہو گیا جس سے ماہ نور کی زندگی میں قدرے سکون آ گیا۔ اس نے چھت پر موجود واحد کمرے کی صفائی کر کے اسے گڈو کے حوالے کر دیا اب وہ ماہ نور کا اس قدر احسان مند ہوا کہ نہ صرف آفس بلکہ گھر کے کاموں میں بھی اس کا ہاتھ

Digitized by Google

بنانے لگا۔ جب اتوار والے دن کپڑے دھوئی گڈو نفاست سارے کپڑے چھت پر پھیلا آتا اور پھر سوکھنے کے بعد انہیں استری کر کے ہینگر کر دیتا' جلد ہی اس نے روٹی پکانا بھی سیکھ لی اور کمال کی بات یہ ہے کہ وہ بالکل ماہ نور جیسی روٹی پکانے لگا کہ حسیب کے لیے پہچاننا مشکل ہو گیا کہ یہ روٹی ماہ نور کے ہاتھ کی پکی ہوئی نہیں ہی' اتوار کی اتوار وہ سارے گھر کے جالے اتارتا اور پنکھے بھی صاف کر دیتا۔ صبح حسیب کے ساتھ آفس جانے سے قبل نہ صرف سبزی کاٹنے میں ماہ نور کا ہاتھ بٹاتا بلکہ اگر بازار سے کچھ منگوانا ہوتا تو وہ بھی لا کر دے جاتا' ورنہ اس سے قبل ماہ نور کو چھوٹی چھوٹی اشیاء کی خریداری کے لیے خود قریبی مارکیٹ جانا پڑتا' غرض گڈو کی آمد نے ماہ نور کی زندگی میں سکھ ہی سکھ لکھ دیا تھا یہاں تک کہ وہ کتنے سالوں بعد اپنی امی اور بڑی بہن کے گھر بھی جا کر ایک ایک رات رہ آئی کیوں کہ اب اسے حسیب کی فکر نہ رہی تھی وہ گڈو کے ہاتھ کی بنی روٹی بہت شوق سے کھاتا جبکہ ان دنوں کا سالن پکا کر ماہ نور فریز کر آتی۔

☆

پچھلے کچھ عرصہ سے جہاں ماہ نور کو گڈو کی بدولت دن میں سکون نصیب ہونے لگا تھا وہاں وہ رات بھی سکون کی نیند سونے لگی اس نے دیکھا کہ حسیب کے جذبات میں پہلے کے مقابلے میں اب کافی ٹھہراؤ آ گیا ہے حالانکہ اب وہ خود جسمانی طور پر فریش ہونے کے باعث رات دیر سے سونے کی عادی ہو چکی تھی جبکہ اس کی نسبت حسیب جلدی سو جاتا اور ماہ نور کی رات کا ابتدائی حصہ کروٹیں بدلتے گزرتا۔ شروع شروع میں تو حسیب کی فطرت میں آنے والا یہ بدلاؤ ماہ نور کو محسوس ہی نہ ہوا پھر جب ان دونوں کے درمیان وقفہ بڑھنے لگا تو مجبوراً اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کوشش کی کہ حسیب کو اپنی پرانی روٹین پر واپس لے آئے مگر لاحاصل..... پہلے وہ دن بھر کی مشقت سے تھک جاتی تھی اب حسیب تھکنے لگا تھا وہ ہمیشہ ماہ نور کی پیش قدمی کے جواب میں اپنی جسمانی تھکن کا ذکر کر کے اسے بہلانے لگا..... آفس کا بے تحاشہ کام اور پھر کلائنٹ کی چخ چخ بقول حسیب کے اسے ذہنی اور جسمانی طور پر تھکا دیتی ہے حالانکہ حسیب شادی سے قبل بھی ٹریول ایجنسی چلاتا تھا لہٰذا کام اور کلائنٹ وہی تھے پھر اچانک اتنی تھکن کیسی اس کے تن میں اتر آئی کہ جس نے اسے جوانی میں ہی بڑھاپے کی طرف دھکیل دیا اس سوال پر ماہ نور نے کبھی توجہ ہی نہ دی اور حسیب کی طرف سے ملنے والی ہفتہ وار اور پھر ماہانہ محبت پر ہی خوش اور مطمئن ہو گئی۔

☆

اس بار جب وہ اپنا سامان اٹھائے اماں کے گھر رات رکنے آئی تو لیلیٰ بھابی حیران رہ گئیں اور بولے بنا نہ رہ سکیں۔

''کیا بات ہے بنو آج کل تو حسیب بھائی نے کافی ڈھیل دے دی ہے جو ہر ہفتہ کی رات یہاں آ جاتی ہو۔''

بظاہر یہ مذاق میں کہا گیا جملہ تھا مگر ماہ نور کے ساتھ ساتھ

Digitized by Google

اماں بھی چونک اٹھیں اور بیٹی کی تسلی کے لیے فوراً سے پیشتر بولیں۔

"خیر سے میکہ ہے اس کا' جگ جگ آئے آخر اتنے سالوں بعد میری بچی رات یہاں آ کر رکنے لگی ہے تو اب تم اس پر بھی اعتراض کرو گی۔" ساس کے بظاہر نرم لہجے میں دیئے گئے جواب نے لیلیٰ کو خجل کر دیا اور وہ فوراً معذرت کرتے ہوئے بولی۔

"میں تو صرف مذاق کر رہی تھی۔"

مگر اماں نے لیلیٰ کا مذاق دل پر ضرور لے لیا جس کا ماہ نور کو علم بھی نہ ہوا اور رات ہوتے ہی اماں نے اسے جالیا۔

"خیر تو ہے بیٹا تم اتنی بے پروا کیسے ہونے لگی ہو کہ حسیب میاں کو گھر میں تنہا چھوڑ کر ہر ہفتہ یہاں آ جاتی ہو جبکہ وہ تو تمہارے بنا رہنے کا عادی ہی نہ تھا اور پھر اس کے کھانے پینے کا کیا ہوتا ہے؟ کہیں کوئی ملازمہ تو نہیں رکھ لی۔"

شک نے اماں کے لہجے کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔

"ارے نہیں اماں آپ کو پتہ ہے میں اکیلا گھر کسی ملازمہ کے حوالے کہاں کرتی ہوں۔" ماہ نور نے ہنستے ہوئے ماں کو تسلی دینا چاہی۔

"کرنا بھی نہیں چاہیے۔" ماں کا لہجہ قطعی تھا۔ "آج کل اعتبار کا زمانہ نہیں اس لیے بہتر ہے کہ تنہا مرد کا کام کسی ملازمہ کے سپرد بھی نہ کرو۔"

"بالکل اماں ایسا ہی ہے دراصل میں نے اوپر کے کاموں کے لیے ایک ملازم لڑکا رکھ لیا ہے گڈو بیچارہ یتیم ہے اور دنیا میں اس کا کوئی نہیں۔" اس کے ساتھ ہی ماہ نور نے ماں کو گڈو کی ساری تفصیل سنا دی جسے سن کر ماں قدرے مطمئن ہو گئی ان کا خیال تھا کہ اکیلے مرد کے ساتھ گھر میں غیر عورت خطرے کا نشان ہے اور یہ وہ واحد سبق تھا جو انہوں نے ہمیشہ اپنی دونوں بیٹیوں کے علاوہ بہو کو بھی پڑھایا تھا جس پر وہ تینوں سختی سے عمل درآمد بھی کرتی تھیں مگر آج پہلی بار ایسا ہوا کہ پہلے بھابی اور پھر اماں کی طرف سے کی جانے والی گفتگو سن کر ماہ نور تھوڑا سا ٹھٹک گئی اور اس کا دماغ کچھ الجھ سا گیا جس کا سرا وہ اگلی شام گھر آنے تک تلاش کرتی رہی۔

☆

ابھی اسکول کھلنے میں دو دن باقی تھے مگر جانے ماہ نور کو ایسی کیا بے چینی لگی کہ حسیب کو اطلاع دیے بنا ہی اگلے دن گھر واپس آ گئی اور اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ حسیب کو اس کی اس قدر جلد گھر واپسی پسند نہ آئی تھی جس پر اس نے ہلکا سا اعتراض بھی کیا اور ماہ نور کو دیکھتے ہی بظاہر ہنستے ہوئے بولا۔

"ابھی تو تم کل دوپہر ہی گئی تھیں اور ایک رات میں ہی واپس آ گئیں دو دن سکون سے اماں کی طرف رہ لیتیں یا پھر بھابی نے رہنے نہیں دیا۔" بات تو مذاق میں کہی گئی تھی مگر ماہ نور کو وہ مذاق محسوس نہ ہوا یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی اسے موقع ملا وہ گڈو کے سر پر جا پہنچی جو کام ختم کر کے ابھی ابھی اوپر اپنے کمرے میں سونے کے لیے گیا تھا۔ ماہ نور کو اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گیا کیونکہ ماہ نور کبھی بھی اس طرح اس کے کمرے تک نہ آئی تھی لہٰذا وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر اپنے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے بولا۔

"خیریت ہے باجی آپ اوپر کیوں آئیں مجھے نیچے بلا لیتیں۔"

"خیریت ہی ہے یہ بتاؤ کل رات صاحب گھر آئے تھے؟" ماہ نور کا جملہ سنتے ہی گڈو نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور بولا۔

"جی..... ظاہر ہے گھر نہ آئیں گے تو کہاں جائیں گے۔"

"ایک بات پوچھوں مگر اپنے صاحب کو نہ بتانا' شک کا ناگ ماہ نور کے لہجے میں سر سرا رہا تھا۔ "میرے پیچھے گھر میں کوئی عورت تو نہیں آئی..... تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

ماہ نور کی بات ختم ہوتے ہی حیرت زدہ گڈو ہنس دیا اب اس کی سمجھ میں آیا کہ ماہ نور اتنی پریشان کیوں نظر آ رہی ہے۔

"کمال ہے باجی آپ کو اپنے میاں پر بھروسہ نہیں۔" بچپن سے ہی در در پھرنے والا گڈو اپنی عمر سے کہیں سیانا ہو چکا تھا اس لیے وہ بنا وضاحت ہی ماہ نور کی ساری بات سمجھتا ہوا بولا۔

"یقین جانیں صاحب نے کبھی کسی عورت کی جانب

آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا گھر لانا تو دور کی بات ہے۔“
”بات بھروسے کی نہیں ہے‘ حبیب کے رویے کی ہے جو مجھے خاصا بدلا ہوا محسوس ہو رہا ہے بہرحال جانے دو شاید مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو‘ خیر اب تم اپنے صاحب سے میری کسی بات کا تذکرہ نہ کرنا۔“ گڈو کے ایک جملے نے ہی ماہ نور کو سمجھا دیا کہ وہ اپنے ذہن میں جو فتور پال رہی ہے وہ سراسر غلط ہے لہٰذا گڈو سے رازداری کا وعدہ ایک بار پھر سے لیتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔

☆

بھابی کی باتوں کا اثر تھا یا کوئی اور وجہ‘ جو بھی تھا ماہ نور پورے ماہ آنے والے کسی بھی ہفتہ رہنے کے لیے اماں کی طرف نہ گئی۔ حالانکہ اس دوران اسے لیلیٰ بھابی کا دو دفعہ فون بھی آیا جو یہ سمجھ رہی تھیں کہ ماہ نور کو ان کی کوئی بات بری لگی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے اس سے ڈھکی چھپی معذرت بھی کی مگر ماہ نور نے انہیں یقین دلایا کہ ایسا کچھ نہیں ہے‘ دراصل بچوں کے امتحانات کی وجہ سے وہ فی الحال رات رکنے نہیں آ سکتی۔ بھابی یہ جانے بنا مطمئن ہو گئی کہ ماہ نور جھوٹ بول رہی ہے اس نے بچوں کے امتحانات کا محض بہانہ کیا ہے اصل وجہ کچھ اور تھی۔ شاید حبیب کے رویہ میں دن بدن عود آنے والی بیزاریت جسے وہ ہمیشہ تھکن کا نام دیتا‘ نے ماہ نور کو کچھ محتاط یا چوکنا کر دیا تھا جس کے باعث ضروری تھا کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت گھر میں ہی گزارے اور کوشش کرے کہ اپنی پرانی روٹین لائف پر واپس آ جائے اور فی الحال وہ اسی کوشش میں ہلکان تھی۔

☆

دسمبر کی دس روزہ چھٹیوں کا آغاز ہو چکا تھا‘ اور اس دفعہ اپسرا کی فرمائش تھی کہ اسے برف باری دیکھنے مری جانا ہے اور دس سالہ اپسرا نے اپنی اس خواہش کا بارہا حبیب کے سامنے بھی ذکر کیا جو اسے ہوں ہاں کر کے ٹالتا رہا اور ماہ نور سمجھ گئی کہ فی الحال اس کا ارادہ مری جانے کا نہیں ہے اس لیے ایک سیانی ماں کی طرح اس نے کسی طرح اپنی بیٹی کو بہلا لیا مگر خود حبیب کے رویہ نے اسے خاصا مایوس کیا کیونکہ شادی کے ان چودہ سالوں میں وہ متعدد بار انہیں گھمانے شمالی علاقہ جات لے کر گیا تھا

ظالم و مظلوم کی اعانت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما
ہے کہ ”جو شخص کسی مظلوم کی فریاد رسی کرے اللہ
تعالیٰ اس کے لیے تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے جن
میں سے ایک بخشش وہ ہے جو اس کے تما
کاموں کی اصلاح کی ضامن ہے اور بہت
بخششیں قیامت کے دن اس کے درجات بلند
کرنے کا سبب ہوں گی۔
(بیہقی۔ مشکوۃ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما
ہے کہ ”اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو۔ ظا
ہوں یا مظلوم۔“ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول
اللہ مظلوم کی اعانت تو میں کرتا ہوں ظالم کی مد
کیوں کر کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما
”تو اس کو ظلم سے روک‘ تیرا اس کو ظلم سے با
رکھنا ہی مدد کرنا ہے۔
(بخاری و مسلم مشکوۃ

حسن اختر پریم...... کراچی یونیورسٹی

ایسے میں اس کا ایک بار ٹال مٹول سے کام لینا کوئی بڑ
بات نہ تھی اصل پریشانی تو یہ تھی کہ اب کافی عرصہ سے
کے ساتھ کہیں آنا جانا بھی تقریباً چھوڑ چکا تھا۔ پچھلے ہفت
جب آپا نے سارے خاندان کو دعوت پر بلایا تو حبیب
ایک میٹنگ کا بہانہ کر کے جانے سے انکار کر دیا۔ اس
پہلے بھی جمیل انکل کے بیٹے کے ولیمے پر وہ تنہا ہی گئی تھ
کیونکہ حبیب صبح سے ہی اپنے کسی ضروری کام کے سل
میں حیدرآباد گیا ہوا تھا حالانکہ اسے ولیمہ کی تاریخ یاد
پھر بھی اس نے دھیان نہ دیا اور ماہ نور کو اس کے بھائی
ہی پک اینڈ ڈراپ دیا اور جب وہ رات ایک بجے ا
گھر واپس لوٹی تو حبیب کو اطمینان سے بستر پر سویا دیکھ

Digitized by Google

اس کا دل مطمئن ہوگیا کہ اچھا ہوا اتنی تھکن میں اس نے جاہل عورتوں کی طرح میاں کو اپنے ساتھ لے جانے پر زور نہیں دیا لیکن جب ایسے واقعات تواتر کے ساتھ ہونے لگے تو ماہ نور کی سمجھ میں نہ آیا کہ حسیب کو کیا ہوتا جارہا ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جسے چاہ کر بھی وہ اپنی ماں یا بہن سے ڈسکس نہ کرپارہی تھی اس لیے خاموشی سے ہی میاں کی بدلتی حرکات وسکنات پر نظر رکھنے لگی۔

☆

دس دن کی چھٹیاں ہیں تم بچیوں کو لے کر اپنی امی کی طرف چلی جاؤ وہاں تمہارے بھائی کے بچے بھی ہیں ان کے ساتھ گھوم پھر لینا اس طرح بچوں کا بھی دل بہل جائے گا۔''

چھٹیاں شروع ہوئے دوسرا ہی دن تھا جب اخبار پڑھتے حسیب نے اچانک ہی ماہ نور کو مخاطب کرتے ہوئے امی کی طرف جانے کا سرسری انداز میں کہہ دیا' بات ایک بار پھر وہی عام سی تھی جسے ماہ نور نے اپنی مرضی کا پیراہن پہنا کر خاص کردیا اور قدرے چبھتے ہوئے انداز میں بولی۔

''کیوں ہمارا گھر رہنا آپ کو پریشان کررہا ہے۔''

اس کے اس بے موقع بولے جانے والے جملے نے حسیب کو نہ صرف چونکا دیا بلکہ اس کے ماتھے پر ہلکی سی شکن بھی ابھر آئی۔

''میں نے ایسا کب کہا کہ تم لوگوں کا گھر میں رہنا میرے لیے باعث پریشانی ہے۔''

اب ماہ نور کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے کیونکہ وہ محض کسی انجانے شک کی بنیاد پر اپنے یقین کی مضبوط عمارت کھڑی کرنا چاہ رہی تھی جو فی الحال ممکن دکھائی نہ دیتا تھا۔

''میری بات کا جواب دو نور میں نے ایسا کب چاہا کہ تم یا بچیاں اس گھر میں نہ رہو.....'' بات کرتے کرتے حسیب کی آواز بھی قدرے بلند ہوگئی اور ماہ نور ایک دم ہی روہانسی ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں نے حسیب کے بڑھتے غصے کے الاؤ کو قدرے ٹھنڈا کردیا۔

''دراصل مجھے اپنے آفس کے کام کے سلسلے میں کل اسلام آباد جانا ہے میں نے تمہیں بتایا نہ تھا کہ تم بلاوجہ پریشان ہوگی' ایک کلائنٹ کی طرف میرا لاکھوں روپیہ پھنس گیا ہے میں اس کی فون کالز پر اسے ٹکٹ بک کروا دیتا تھا کیونکہ پرانا کسٹمر تھا' اعتبار بھروسہ کا بندہ تھا مگر جانے اب کیا ہوا پچھلے کچھ ماہ سے رقم کی ادائیگی میں ٹال مٹول کررہا ہے تو میں نے ضروری سمجھا کہ خود اسلام آباد جاؤں اور اس سے اپنے بقایات وصول کرلوں۔''

'اوہ'' حسیب کی جانب سے دی جانے والی وضاحت نے ماہ نور کو رج کر شرمندہ کیا مطلب یہ کہ حسیب اپنی ڈوبی رقم کی وجہ سے پچھلے کچھ ماہ سے پریشان تھا اور وہ کیسی بیوی تھی جو میاں کی پریشانی پر دھیان دیئے بنا جانے اب تک کیا کیا سوچ چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کا ڈوبتا دل کنارے پر آن لگا..... اور وہ جیسے مطمئن ہوکر بولی۔

''سوری حسیب آپ کو اگر میرے جملے سے تکلیف پہنچی ہو تو معاف کردیں اور اطمینان سے اسلام آباد جائیں میں اور بچے گھر رہ لیں گے ویسے بھی گڈو ہمارے ساتھ ہے۔''

''گڈو بھی اپنی بہن کے پاس گاؤں جانا چاہ رہا ہے۔'' یہ جملہ حسیب نے کچن میں روٹی پکاتے گڈو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''شاید ایک یا دو دن تک واپس آجائے گا ایسے میں تم لوگ تنہا گھر میں بور ہوجاؤ گے لہٰذا بہتر ہے کہ امی کی طرف چلی جاؤ اسی بہانے بچیوں کی چھٹیاں بھی اچھی گزر جائیں گی اور پھر انشاء اللہ جیسے ہی مجھے پیسے ملتے ہیں سالانہ امتحانات کے بعد ہونے والی چھٹیوں میں تم لوگوں کو اپنے ساتھ دبئی گھمانے لے کر جاؤں گا' بس دعا کرو میری ڈوبی رقم واپس مل جائے۔''

اور پھر ماہ نور نے ایک سعادت مند بیوی کی طرح نہ صرف اس کی ہر بات دل سے مان لی بلکہ ہر نماز کے بعد دل وجان سے یہ دعا بھی کی کہ حسیب کو بنا کسی پریشانی اس کا روپیہ واپس مل جائے اور اسی رات وہ اپنا سامان سمیٹ کر کچھ دن رہنے کے لیے امی کی طرف آگئی اور ایسے میں حسیب کے رویے میں ایک خوشگوار تبدیلی یہ ضرور آئی کہ وہ اب پہلے کی طرح روز رات میں اسے فون کرکے اپنے سارے دن کی روداد سناتا جس کے مطابق وہ اسلام آباد تو پہنچ گیا تھا مگر ابھی اس کی اپنے کلائنٹ سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔

Digitized by Google

پہلے فریش ہوجاؤ پھر ایک چکر اپنے گھر کا جا کر لگا لیا چابی تمہارے پاس ہے نا؟''

اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے ماہ نور سے سوال کیا۔

''جی چابی تو ہے۔'' ماہ نور نے آہستہ سے جواب دیا۔

''بس تو پھر رات امی کو ساتھ لے جا کر ایک دفعہ اچھی طرح گھر دیکھ آؤ تاکہ تمہاری تسلی ہوجائے۔'' بات ماہ نور کی سمجھ میں آگئی اور گھر آتے ہی کھانا کھانے کے فوراً بعد ہی دن بھر کے تھکے ماندے افراد یہاں وہاں گر کر سو گئے سوائے ماہ نور کے جس کا دل جانے کیوں کچھ گھبرا رہا تھا یہی سبب تھا جو اس کی آنکھ رات بارہ بجے اچانک ہی کھل گئی اور وہ اٹھ بیٹھی اسے یاد آیا وہ آج اپنا گھر چیک کر جانے والی تھی' مگر تھکن اور نیند میں بھول ہی گئی یہ سوچ کر وہ امی کے کمرے کی جانب آئی کہ انہیں ساتھ لے جا۔ مگر وہ گہری نیند سو رہی تھیں اور انفاق کی بات کہ آ حسیب کا فون بھی نہ آیا تھا' شاید وہ بھی سمجھ گیا تھا کہ دن بھ کی پکنک کی تھکن کے بعد ماہ نور اور بچے سو گئے ہوں گے اب ماہ نور چاہتی تو کل دن میں امی کو ساتھ لے کر اپنے گھ جاسکتی تھی مگر جانے کیوں اس کے دل کے اندر سے ابھرنے والی ایک انجانی آواز اسے اکسا رہی تھی کہ ابھی اپنے گھر جاؤ ایک ایسی آواز جسے چاہ کر بھی وہ جھٹلا نہ سکی حالانکہ اس کا گھر یہاں سے کافی دور تھا جہاں عام حالا میں وہ اتنی رات گئے کبھی بھی تنہا جانے کی جرات نہ کر مگر آج ایسا کچھ خاص تھا کہ اس کا دل اسے اکسا ہوئے تنہا اپنے گھر جانے پر آمادہ کر بیٹھا' ماہ نور نے ایک پل لگایا اور فیصلہ کرلیا ابھی صرف بارہ بجے تھے اور کرا کے موجودہ حالات میں بہتری کے سبب پرانی رونقیں بحال ہوچکی تھیں۔ یہی سوچتی وہ باہر نکلی تو دیکھا جان گاڑی اندر کھڑی کر کے شاید اپنے گھر واپسی کے لیے نکل والا تھا ماہ نور نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے آواز دی۔

''جان محمد.....!''

''جی باجی.....'' چونکہ وہ لوگ پکنک سے واپس آ تھے لہٰذا جان محمد نے دونوں گاڑیوں کے ٹائر وغیرہ اچھی طرح دھو دیئے تھے اور اندر سے بھی صفائی کی تھی یہی و تھی جو آج اسے اپنے گھر واپس جانے میں دیر ہوگئی در

☆

وہ اپنے بھائی اور بہن کی فیملی کے ساتھ ہاکس بے میں ایک بہترین پکنک منانے کے بعد گھر واپس لوٹ رہی تھی جب شہر میں داخل ہوتے ہی بے دھیانی میں اس کی نگاہ مخالف سمت سے گزرتی گرے کرولا پر پڑی' ماہ نور نے بے دھیانی میں ہی اس کی نمبر پلیٹ پر نظر ڈالی تو چونک اٹھی یہ گاڑی تو حسیب کی تھی جبکہ وہ ان دنوں اسلام آباد تھا تو گاڑی کون ڈرائیو کررہا ہے' گڈو کو تو ڈرائیونگ نہیں آتی اور ویسے بھی وہ گاؤں اپنی بہن کے گھر سے ابھی تک واپس نہ آیا تھا' خدانخواستہ کہیں اکیلے گھر میں کوئی چور تو نہیں گھس آیا یہ خیال دماغ میں آتے ہی اس کا دل بے چین ہواٹھا' اور اس نے بنا کسی سے کوئی بات کیے فوراً حسیب کا نمبر ملایا تاکہ یہ کنفرم کیا جاسکے کہ وہ اسلام آباد ہے یا کراچی واپس آگیا ہے' پہلی بار اس کے فون کرنے پر حسیب نے کال ریسیو نہ کی' لیکن دوسری بار تیسری ہی بیل پر اس نے فون اٹھالیا' رسمی سلام دعا کے بعد ماہ نور اپنے اصل مقصد پر آنا ہی چاہتی تھی کہ حسیب کی طرف سے کہے گئے جملے نے ہر بات واضح کردی۔

''یار میں تم سے کچھ دیر بعد بات کرتا ہوں دراصل آج صبح سے ہی اسلام آباد میں خاصی بارش ہورہی ہے اور ایسے میں بڑی مشکل سے چوہدری صاحب سے آج کی ملاقات طے ہوئی ہے تو ذرا ان سے نبٹ آؤں پھر تم سے بات کرتا ہوں۔'' اب کسی سوال کی گنجائش باقی نہ رہی تھی' حسیب نے خود ہی بتادیا تھا کہ وہ ابھی تک اسلام آباد میں ہے لہٰذا ماہ نور نے خدا حافظ کرتے ہوئے فون بند کردیا اور پھر گاڑی سے متعلق دماغ میں آنے والی نئی الجھن کو فوراً ہی اپنے بڑے بھائی سے ڈسکس کرنا ضروری سمجھا' سفیان بھائی نے اس کی بات بڑے دھیان سے سنی اور جواباً ہنستے ہوئے بولے۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی کیونکہ روڈ کے دوسری طرف مخالف سمت میں جانے والی گاڑی کا نمبر اتنا صاف اور واضح نظر نہیں آسکتا کہ تمہیں یقین ہوجائے کہ وہ تمہاری گاڑی تھی اور اگر خدانخواستہ گھر میں کوئی واردات ہوئی ہوتی تو یقیناً تمہیں پاس پڑوس سے ضرور کوئی اطلاعی فون کردیتا' بہرحال پھر بھی اگر تمہاری تسلی نہ ہو تو گھر جا کر

Digitized by Google

عموماً وہ گیارہ بجے تک گھر چلا جاتا تھا۔

''مجھے گھر جانا ہے صرف آدھ گھنٹہ لگے گا جانے اور آنے میں۔'' بات کرتے کرتے وہ گاڑی کا لاک کھول کر پیچھے بیٹھ گئی جان محمد نے اس کی بات سمجھتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا مین روڈ پر آ گیا جہاں دن کے مقابلے میں ٹریفک خاصا کم ہونے کے سبب وہ صرف بیس منٹ میں ہی اپنے گھر کے گیٹ کے سامنے پہنچ گئی جہاں اندر پھیلا اندھیرا یہ ثابت کر رہا تھا کہ گھر خالی ہے' ماہ نور نے باہر گیٹ کا لاک کھولا' اور اندر داخل ہو گئی سامنے ہی ان کی کرولا کھڑی اس بات کی گواہ تھی کہ شام جو گاڑی اس نے دیکھی وہ کسی اور کی تھی اب چاہتی تو یہاں سے ہی واپس چلی جاتی مگر چونکہ یہاں تک آ گئی تھی تو سوچا ایک چکر اندر کا بھی لگا لے جبکہ اوپر چھت پر پھیلا اندھیرا اس بات کا گواہ تھا کہ گڈو بھی ابھی تک اپنے گاؤں سے واپس نہ آیا تھا لہٰذا وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر خاموشی سے اندر داخل ہوتے ہی چونک اٹھی اسے محسوس ہوا گھر میں کوئی ہے اور یہ یقیناً اس کا وہم نہ تھا کیونکہ اس نے اپنے کمرے سے آتی مدھم سی آواز خود سنی تھی جو غالباً میوزک کی تھی یا پھر حسیب کے موبائل کی ٹون اس کے علاوہ ڈائننگ پر موجود گندے برتن بھی آج ہی کے تھے جو یہ بتانے کے لیے کافی تھے کہ گھر میں کوئی ہے یعنی حسیب اسلام آباد سے واپس آ گیا تھا مگر صد حیرت کہ اس نے اپنی آج واپسی کی اطلاع ماہ نور کو کیوں نہ دی جبکہ ابھی شام میں ہی دونوں کی فون پر بات ہوئی تھی' اور یہ وہ واحد وجہ تھی جس نے ماہ نور کے اندر بیٹھے شک کے ناگ کو پھن پھلائے کھڑا کر دیا۔ اس نے بہت خاموشی سے ہاتھ میں پکڑے چابی کے گچھے سے اپنے کمرے کی چابی علیحدہ کی' مبادا گچھے کی چھن چھن اندر موجود مکین کو ہوشیار نہ کر دے اور دبے پاؤں آگے بڑھ کر اپنے بیڈروم کا دروازہ کھول دیا اور یہ دروازہ کھلتے ہی اسے افسوس ہوا کہ وہ اس طرح رات گئے گھر آئی ہی کیوں؟..... اور اگر آ گئی تھی تو دروازہ ناک کیے بنا چابی سے کیوں کھولا؟ کاش وہ ان دونوں میں سے کوئی ایک کام نہ کرتی تو اتنی ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑتا جو اس وقت اپنے کمرے میں موجود گڈو کو دیکھ کر اسے ہوئی جو کہ تنہا نہ تھا بلکہ حسیب بھی اس کے ساتھ تھا اور کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا' حسیب کی تھکن اور بیزاری کی جو وجہ آج اس کے سامنے آئی اس نے ایک ہی پل میں اس کا اعتبار دنیا کے ہر مرد سے ختم کر دیا جبکہ حسیب کے ساتھ ساتھ گڈو کے بدن سے بھی جان نکل گئی اور وہ دونوں ماہ نور کو اپنے سامنے دیکھ کر بستر سے اٹھ کر بیٹھ بھی نہ سکے اور ماہ نور اسی طرح دروازہ کھلا چھوڑ کر واپس پلٹ گئی اور خاموشی سے مین گیٹ سے باہر نکل کر سامنے کھڑی گاڑی میں جا بیٹھی جسے جان محمد نے اس کے بیٹھتے ہی اسٹارٹ کر دیا وہ نہیں جانتا تھا کہ باجی کس قیامت سے گزر کر آئی ہے۔ جبکہ پیچھے گھر میں اتنا ہی اندھیرا پھیلا تھا بالکل ایسے جیسے اس کے دل کی مانند آج گھر بھی بالکل خالی ہو گیا تھا اور جتنی خاموشی سے اپنے گھر گئی تھی اتنی خاموشی سے ہی واپس آ کر اپنے بستر پر گر گئی اور وہ ساری رات اپنے اندر کی تنہائی کے ساتھ لڑتی ماہ نور نے کروٹیں بدلتے ہوئے گزار دی۔ اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے' اسے اپنے چاروں طرف سوائے اندھیرے کے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا' افسوس وہ تین بیٹیوں کی ماں تھی جو اگر ذرا بھی شوہر کی بدکرداری کا تذکرہ بان پر لاتی تو یقیناً اس کی بیٹیوں کا مستقبل تاریک ہو جاتا کیونکہ معاشرہ ایک مرد کے تعلقات غیر عورت کے ساتھ تو برداشت کر سکتا تھا مگر ایک مرد کے تعلقات مرد کیساتھ یعنی ہم جنس پرستی..... جس کو قبول نہ کرتے ہوئے یہ معاشرہ باپ کے کیے کی سزا یقیناً اولاد کو دیتا اور یہ وہ نکتہ تھا جہاں پہنچ کر ماہ نور کی تمام ترہمت ختم ہو گئی اور وہ ہار گئی سچ ہے اولاد سے بڑی کوئی آزمائش نہیں جو ماں کو ہارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

☆

حسیب اور گڈو دونوں ہی ماہ نور کی جانب سے کسی متقی کارروائی کے منتظر خوف زدہ تھے مگر جیسے جیسے دن گزرتے گئے وہ دونوں نہ صرف مطمئن بلکہ حیران بھی ہوئے کہ ماہ نور نے اب تک کوئی شور شرابہ کیوں نہ کیا؟ اور پھر حسیب سمجھ گیا کہ خاندان میں اپنی عزت کی خاطر ماہ نور برداشت کا کڑوا گھونٹ پی گئی ہے اور اسی بات نے اسے ہمت دی لہٰذا اسکول کھلنے سے دو دن قبل بنا کسی پیشگی اطلاع کے وہ اپنے سسرال جا پہنچا جہاں پریشے اور اپسرا

باپ کو اتنے دنوں بعد اپنے سامنے دیکھ کر خوش ہو گئیں وہاں سسرال والوں کی گرمجوشی اور محبت اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ ماہ نور نے اس رات کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا اور اس بات نے بجائے شرمندگی کے حبیب کو مزید بڑھاوا دیا تھا۔

☆

شروع کے کچھ دن تو حبیب شرمندہ سا نظر آیا مگر آہستہ آہستہ اس کی شرمندگی ڈھٹائی کے پردے تلے کہیں چھپ گئی پہلے کچھ دن تو گڈو بھی ماہ نور کے سامنے آنے سے کتراتا رہا صبح سویرے اٹھ کر گھر سے نکل جاتا اور رات گئے کب چھت پر آ کر سوتا ماہ نور کو پتہ ہی نہ چلا مگر رفتہ رفتہ وقت نے اس رات کے واقعے پر دھول ڈال دی سوائے اس کے کہ ماہ نور اور حبیب کے درمیان ایک ان دیکھی دیوار کھڑی ہوگئی جس کا علم ان دونوں کے سوا کسی کو نہ تھا دنیا کے سامنے وہ بظاہر ہنستے بولتے ہر لحاظ سے مطمئن میاں بیوی تھے مگر کمرے کی چار دیواری کے اندر ان کا رشتہ دوا جبی لوگوں جیسا تھا جو بلاضرورت ایک دوسرے سے بات کرنا بھی ضروری نہ سمجھتے تھے اور اسی حالت میں وقت آگے کی جانب سرکتا رہا گڈو یا حبیب کے درمیان اب کوئی تعلق تھا یا نہیں ماہ نور کو اس سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح ہر پندرہ دن بعد دو دن کے لیے اپنے میکے چلی جاتی یہ سوچ بنا کے گھر میں دو شیطان تنہا ہیں کیونکہ سچ یہ تھا کہ اسے اب حبیب سے کسی بھی قسم کی کوئی انسیت یا دلچسپی محسوس نہ ہوتی تھی' اس کے جذبات برف کی مانند سرد ہو چکے تھے جہاں حبیب کی بے اعتنائی یا گڈو سے اس کے غیر شرعی تعلقات ماہ نور کے اعصاب پر کوئی بھی اثر ڈالنے میں ناکام ہو چکے تھے ان دونوں کا گناہ و ثواب وہ اپنے رب کے سپرد کر کے منتظر تھی کہ کب کوئی روشنی کی ایسی کرن نظر آئے جو اس کی تاریک زندگی کو ایک بار پھر سے پرنور کر دے مگر شاید اب ایسا ہونا آسان نہ تھا جس کی ایک بڑی وجہ ماہ نور کا خود ہار مان لینا تھا اس کا دل ہر قسم کے جذبات سے بالکل عاری ہو چکا تھا اور اس رات کے واقعے کے بعد وہ بے حسی کی ایک ایسی چادر میں لپٹ گئی جس سے باہر نکلنا شاید اب ممکن نہ رہا تھا' یہی وجہ تھی کہ اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی اس نے کبھی کوئی ایسی کوشش نہ کی کہ حبیب کو اپنی جانب مائل کرتی یا کچھ ایسا کرتی کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہی ہو جاتا' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حبیب کے نزدیک یہ کوئی غلطی ہی نہ ہو کیونکہ بظاہر دیکھنے میں وہ خاصا مطمئن نظر آتا تھا جبکہ ماہ نور اس روگ کو دل میں پالے اندر ہی اندر گھل رہی تھی' آہستہ آہستہ اس کا دھیان خود سے بھی ختم ہوتا جا رہا تھا اس کا وجود سستی اور کاہلی میں ڈوب گیا' ایک دن کا پہنا سوٹ وہ کئی دن تبدیل نہ کرتی' میک اپ کا سامان تو اس نے خریدنا ہی چھوڑ دیا تھا پارلر آخری بار وہ کب گئی تھی اسے یاد ہی نہ تھا غرض ہر وقت نکھری سنوری ماہ نور کی جگہ اب ایک آدم بیزار عورت نے لے لی تھی' سچ ہے گھر میں موجود عورت کا بجنا سنورنا صرف اپنے مرد کے لیے ہوتا ہے اور اگر وہی اس پر توجہ نہ دے تو پھر عورت کی توجہ خود بخود اپنے آپ سے ہٹ جاتی ہے جیسے کہ ماہ نور کی۔

☆

"باجی آپ مجھے معاف کر دیں۔"

ماہ نور نے پلٹ کر دیکھا کتنے سالوں بعد آج گڈو اس سے معافی طلب کر رہا تھا' اسے حیرت ہوئی مگر وہ خاموشی سے ہاتھ میں پکڑی تسبیح پڑھنے میں مشغول رہی جب گڈو نے اس کے قریب ایک کارڈ رکھ دیا' ماہ نور نے چونک کر دیکھا وہ یقیناً کسی کی شادی کا کارڈ تھا مگر وہ ابھی بھی بنا کوئی سوال کیے خاموشی سے اپنے عمل میں مصروف تھی۔

"اگلے ماہ میری شادی ہے اور میں اپنی بہن کے پاس گاؤں واپس جا رہا ہوں۔"

ماہ نور کی خاموشی کے باوجود گڈو نے ہمت کرتے ہوئے اسے جیسے ساری بات بتانے کی کوشش کی جبکہ دوسری جانب ماہ نور مارے حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی' اور آج گڈو کو دیکھتے ہوئے اس پر بہت کچھ منکشف ہو رہا تھا' آج اسے احساس ہوا وقت کتنی تیزی سے آگے نکل گیا اور کب سولہ سترہ سالہ گڈو ایک چوبیس پچیس سالہ نوجوان میں ڈھلا اسے پتہ ہی نہ چلا' وہ تو اتنے سال شاید کسی گہری نیند کے ٹرانس میں تھی جہاں سے آج یک دم ہڑبڑا کر جاگ اٹھی تھی۔

"ہو سکے تو آپ بھی میری شادی میں ضرور آیئے گا

Digitized by Google

مجھے خوشی ہوگی۔''

ماہ نور کی مسلسل خاموشی نے شاید گڈو کو مایوس کردیا تھا اسی لیے اب وہ اپنی بات ختم کرکے واپس پلٹنا چاہتا تھا جب ایک دم ہی ماہ نور کے سرسراتے لبوں سے اس کا نام نکلا جسے سنتے ہی گڈو اپنی جگہ رک گیا' تو وہ آہستہ سے بولی۔

''کوشش کرنا اپنی بیوی کو وہ دکھ نہ دینا جو تمہاری وجہ سے میرا مقدر بنا۔'' ماہ نور کے آئینہ دکھاتے الفاظ جیسے گڈو کے دل پر بوجھ بن گئے اور وہ یک دم ہی شرمسار ہوگیا مگر دوسرے ہی پل خود کو سنبھالتا ماہ نور کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''آپ بھی کوشش کیجیے گا پھر حبیب صاحب کسی معصوم بچے کو گڈو نہ بنادیں۔'' وہ تو یہ کہہ کر چلا گیا مگر ماہ نور کو بہت کچھ سمجھا گیا کہ خطاوار صرف وہ نہ تھا بلکہ اس گناہ میں حبیب برابر کا شریک تھا اور اب چونکہ وہ تو واپس جارہا تھا مگر کیا حبیب اپنے اس گناہ کی دلدل سے باہر نکلے گا جس میں دھنسے لمبے زمانے گزر گئے اور پھر گڈو کی شادی کو بھی کافی وقت گزر گیا اور وہ پلٹ کر دوبارہ واپس نہ آیا حبیب میں بظاہر بڑی تبدیلی آئی کہ اب وہ نماز پابندی سے پڑھنے لگا تھا' جس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر داڑھی کا اضافہ بھی ہوگیا تھا اور اس بات نے ماہ نور کو کافی حد تک مطمئن کردیا بہت سال پہلے اس کے دل میں چبھنے والی پھانس اب آہستہ آہستہ نکل رہی تھی اور اتنے سالوں بعد وہ حبیب کے وہ کام اپنے ہاتھوں سے کرنے لگی تھی جو پہلے گڈو کرتا تھا اب حبیب اکثر ہی رات گھر واپسی سے قبل مسجد میں ہونے والے درس میں بھی شرکت کرتا جس کی وجہ سے اس کے حلقہ احباب میں کافی نیک اور دین دار لوگ شامل ہوگئے تھے' غرضیکہ اب ہر ملنے جلنے والا حبیب کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا کہ حبیب دین و دنیا دونوں بخوبی ایک ساتھ لے کر چل رہا تھا اور اسے دیکھتے ہوئے ماہ نور بھی دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی کہ پھر ایک ایسا واقعہ ہوگیا جس نے ماہ نور کی زندگی کو دوبارہ ایک گہرے جمود کی نذر کردیا جہاں پہنچ کر وہ زندگی کے سارے رنگ کھو کر ایک بے جان مورت بن گئی۔

ہوا یوں کہ حبیب اپنے موبائل کو لاک لگاتا تھا جس کا علم ماہ نور کو تھا' اس نے کبھی بھی اس لاک کے متعلق حبیب سے استفسار نہ کیا کیونکہ اس سے کسی بھی جواب طلبی کا حق وہ خود اپنے تئیں ختم کرچکی تھی لیکن آج جب آفس جاتے ہوئے حبیب اپنا فون گھر بھول گیا تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کا لاک کھول بیٹھی جو اس نے پچھلے دنوں اتفاقاً حبیب کو کھولتے دیکھا تھا پھر فون کے کھلتے ہی وہ اس کی میموری چیک کرنے لگی' ان باکس کو سرسری دیکھا اور گیلری میں چلی گئی جہاں پہنچتے ہی اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا اور آج اس پر پھر سے انکشاف ہوا کہ حبیب سدھرا نہ تھا کیونکہ اس کی گیلری میں حبیب کی کچھ ایسی شرمناک تصویریں تھیں جنہوں نے ماہ نور کو جیتے جی مار دیا اور یہ ساری تصاویر واٹس اپ پر موجود ایک گروپ میں بھی تھیں جو حبیب جیسے مردوں نے ہی مل کر بنا رکھا تھا' اب اس کی ہمت جواب دے گئی' اتنے سال کی برداشت کے بعد وہ تھک گئی تھی اس کے اعصاب چٹخنے لگے تھے اب بھی اگر وہ خاموش رہتی تو شاید مرجاتی' اس لیے وہ باآواز بلند رونے لگی' بچیاں اپنے اپنے اسکول تھیں جبکہ پریشے میٹرک کے امتحانات کے بعد فارغ ہونے کے سبب کچھ دنوں کے لیے اماں کے گھر رہنے گئی ہوئی تھی۔ اگر وہ گھر ہوتی تو یقیناً ماہ نور کو وضاحت دینا مشکل ہوجاتا' تنہا گھر میں زور و شور سے روتی اور واویلا کرتی ماہ نور کو علم ہی نہ ہوا کہ کب بیرونی دروازے کا لاک کھول کر حبیب گھر کے اندر داخل ہوا جو کہ اپنا فون لینے آیا تھا اب ماہ نور کو اس طرح روتا دیکھ کر اپنی جگہ ٹھٹک گیا اس سے قبل کہ وہ کوئی سوال کرتا اگلے ہی پل اس کی نگاہ ماہ نور کے ہاتھوں میں موجود اپنے فون پر پڑی تو جیسے وہ فوراً سے بیشتر ساری بات سمجھتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا اور عقاب کی مانند جھپٹتے ہوئے ماہ نور کے قریب رکھا اپنا سیل فون اٹھالیا جس کے ساتھ ہی اس کا موڈ بھی ایک دم خراب ہوگیا اور قدرے چلاتے ہوئے بولا۔

''تم نے میرے فون کا لاک کیسے کھولا؟''

''آہستہ بولو...... اپنے آنسو صاف کرتی ماہ نور حبیب کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ ''ایسا نہ ہو تمہاری تیز آواز میری برداشت ختم کردے اور میں دنیا کو چیخ چیخ کر ساری سچائی بتادوں کہ تم انسان کے روپ میں ایک شیطان ہو۔''

Digitized by Google

''کیا بکواس ہے یہ؟'' حسیب کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ایک پل کو تو جیسے ماہ نور بھی گڑبڑا گئی۔ ''کیا اول فول بک رہی ہو؟'' وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا ایک ایک لفظ چبا چبا کر بول رہا تھا۔

''اول فول.....'' ماہ نور استہزائیہ ہنسی۔

''حسیب صاحب آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں جو کہنا چاہتی ہوں اس میں کچھ اول فول نہیں ہے بلکہ سچائی ہے وہ سچائی جو صرف میں جانتی ہوں' یا پھر گڈو..... جس کے ساتھ اس رات میں نے رنگے ہاتھوں آپ کو پکڑا اور یہ میری شرافت تھی کہ میں خاموش رہی مگر اب میں چپ نہیں رہوں گی' اور سب کو بتاؤں گی کہ تمہارے اور گڈو کے درمیان کونسا غلیظ تعلق تھا؟''

''واہ..... اس کی بات دھیان سے سنتا حسیب ہنس دیا۔

''خود کبھی میاں کی کسی ضرورت کا احساس نہیں کیا اور نہ ہی اسے اپنے ہونے کا یقین دلایا جانے کون سی پرائی محبت تھی جسے تم شادی کے بعد بھی اپنے دل سے نکال نہ سکیں اور ہر دم اسی کے دکھ میں ڈوبی رہیں یہ تو میرے جیسا شریف آدمی تھا جو تمہارے ساتھ نباہ کر گیا ورنہ کوئی اور مرد ملا ہوتا تو میں دیکھتا تم کیسے گھر والی کہلاتیں' دو دن میں تمہارے جیسی عورت کو نکال باہر کرتا۔'' حسیب کے الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ وہ یک دم ہی تڑپ اٹھی۔

''تمہیں شرم آنی چاہیے مجھ پر اتنے گھناؤنے الزام لگاتے ہوئے جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس رات جب میں گھر آئی تھی تو تم اور.....!''

''کس رات کی بات کر رہی ہو تم.....'' حسیب حیرت سے سوال گو ہوا اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کمال کا اداکار ہے۔

''وہ رات جب تم اور گڈو..... اب اسے سمجھ نہ آیا آگے کیا کہے اس لیے گڑبڑا کر خاموش ہو گئی الفاظ ہی ایسے تھے جنہیں وہ اپنی زبان سے ادا نہ کر سکتی تھی۔

''تمہاری بات کا مطلب یہ ہوا کہ میں ایک نہایت گھٹیا اور گرا ہوا شخص ہوں جو امت محمدی سے خارج ہو کر قوم مسدوم میں شامل ہو گیا' یہی مقصد ہے نا تمہاری بات کا' تمہیں شرم آنی چاہیے باہر نکل کر دیکھو سارا محلہ میری کتنی عزت کرتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ میں ایک شریف انسان ہوں' لوگ میری گواہی پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتے ہیں اور ادھر گھر میں یہ عالم ہے کہ میری بیوی نے میرا شمار قوم مسدوم میں کر دیا یا اللہ کچھ ایسا معجزہ کر کہ یہ زمین پھٹے اور میں اس میں غرق ہو جاؤں اتنا بڑا الزام تم نے مجھ جیسے نمازی پرہیزگار شخص پر لگا دیا' تمہیں ذرا شرم نہ آئی ایسا کرتے ہوئے۔

''چلو اس رات کو تو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔'' ماہ نور جان چکی تھی کہ گزرے کئی سال اس رات پر گرد ڈال چکے تھے جسے جھاڑنا اب ناممکن تھا اس لیے بہتر تھا کہ وہ بات جو ابھی ابھی اس کے وجود کو خاک زدہ کر کے گزری ہے جو تمہارے موبائل میں' میں نے ابھی دیکھا وہ کیا تھا اسے بھی جھٹلاؤ گے؟''

''کیا تھا میرے موبائل میں؟ حیرت سے سوال کرتے حسیب نے فون کی اسکرین آن کی اور فوری طور پر میموری میں جا کر ہر قابل اعتراض تصویر ڈیلیٹ کر دی اور شاید واٹس اپ کا وہ گروپ بھی لیو کر دیا جہاں وہ اور اس جیسے کئی بے غیرت مرد موجود تھے اب ماہ نور کے پاس کوئی ثبوت باقی نہ بچا تھا' وہ وہیں فرش پر ہی بیٹھ گئی۔

''اب تم سارے شہر میں بھی مجھے بدنام کرو گی تو کوئی فرق نہ پڑے گا کیونکہ لوگ تم پر ہی تھوکیں گے یقین نہ آئے تو یہ ساری باتیں اپنی امی یا بھابی سے کر کے دیکھ لینا کوئی تمہیں سچا نہ مانے گا۔'' یہ کہہ کر اپنا فون تھامے حسیب مسکراتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا جس کے ہاتھ میں پکڑی کالی تسبیح خوب جگمگا رہی تھی اور پیچھے بیٹھی ماہ نور کے کانوں میں گڈو کے یہ الفاظ کسی صدا کی مانند گونج رہے تھے۔ ''کوشش کیجیے گا حسیب صاحب کسی معصوم کو پھر گڈو نہ بنا دیں..... اب وہ جان گئی تھی کہ وہ ایسی کوئی کوشش نہ کر سکی۔

سچ یہ تھا کوئی بھی برائی اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک برائی کرنے والا خود اسے ترک کرنے کا ارادہ نہ رکھے اور یقیناً حسیب ایسا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا اور یہ بات ماہ نور اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

Digitized by Google

خالی کرسیاں

رانا زاھد حسین

شوبز کا شعبہ بظاہر بڑا چمک دمک والا نظر آتا ہے جہاں قدم قدم پر مسکراہٹیں اور قہقہے بکھرے محسوس ہوتے ہیں لیکن اس کی تہہ میں کتنے اندھیرے مایوسیاں اور آنسو چھپے ہوتے ہیں وہ کسی کو نظر نہیں آتے۔

شوبز سے تعلق رکھنے والے ایک ڈرامہ نگار کا المیہ، اس کی محنت اور صلاحیتوں پر کوئی اور ہاتھ صاف کر گیا تھا

آج موسم کافی خوشگوار تھا' کافی دنوں سے اس نے ایک لفظ نہیں لکھا تھا لیکن آج سہانے موسم کی وجہ سے اس کا خود بخود لکھنے کو دل کر رہا تھا۔ ایک ٹیلی فلم کا اسکرپٹ اس نے تقریباً مکمل کرلیا تھا' بس اس کا کلائمکس لکھنا باقی تھا۔ ٹیلی فلم کا کلائمکس وہ کافی جاندار لکھنا چاہتا تھا لیکن اس کا اختتام اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ آخری سین میں وہ پھنس کر رہ گیا تھا۔ آخری سین اس نے تین چار بار لکھا لیکن مطمئن نہ ہوا پھر اس نے صفحہ پھاڑا اور پھینک دیا۔

اب فرش پر تین چار کاغذ کی گیندیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کا دوست مدثر آگیا اس نے آتے ہی ان کاغذوں کو اکٹھا کیا' کھول کر دیکھا اور پڑھنے لگا۔

''لگتا ہے میرا یار آج پھر پھنس گیا ہے۔'' مدثر نے کاغذ کی گیند کو ہوا میں اچھالتے ہوئے کہا۔

''ہاں یار ایسا ہی ہے کلائمکس سمجھ ہی نہیں آرہا کیا کروں؟'' رمیض نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔

''تم ریلیکس کرو خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔'' مدثر نے رمیض کو مشورہ دیا۔

''ریلیکس کیسے کروں؟'' رمیض نے کاغذ قلم میز پر رکھتے ہوئے مدثر سے پوچھا۔

''یار کوئی اچھی سی مووی دیکھتے ہیں ذہن فریش ہوجائے گا۔''

''یار یہ آج کل کی فلمیں مجھے پسند نہیں میں تو چاہتا ہوں میری لکھی ہوئی کوئی فلم سینما پر لگے۔''

''یار فلم انڈسٹری تو تقریباً خالی ہو چکی ہے تم ٹی وی کے لیے لکھو' پہلے تو صرف سرکاری چینل تھا اب تو سو سے زائد پرائیویٹ چینلز ہیں کہیں نہ کہیں تو موقع مل ہی جائے گا۔'' مدثر نے کہا۔

''یار تمہارے کہنے پر ہی ٹیلی فلم لکھ رہا ہوں ورنہ میرا تو ارادہ فیچر فلم لکھنے کا تھا بلکہ آدھی سے زیادہ فیچر فلم کا اسکرپٹ میں لکھ بھی چکا ہوں۔'' رمیز نے مدثر کو بتایا۔

''یار یہ تم نے اسکرپٹ لکھنا سیکھا کہاں سے ہے؟''

''یار سیکھنا کہاں سے تھا' یہ کوئی ویلڈنگ کا کام نہیں جو سیکھنے سے آجائے یہ تو خداداد صلاحیتیں ہیں' ویسے اسکرین پلے میں نے اپنے جو لیجنڈ ٹی وی رائٹر گزرے ہیں امجد اسلام امجد' بانو قدسیہ' اشفاق احمد' فاطمہ ثریا بجیا' یونس جاوید اور مستنصر حسین تارڑ صاحب کے ڈرامے جو کتابی شکل میں چھپے ہیں ان کو پڑھ پڑھ کر سیکھا ہے۔'' رمیض نے بتایا۔

''یار تم کو تھرو پراپر چینل چلنا چاہیے تھا۔'' مدثر بولا۔

''تھرو پراپر چینل...... میں سمجھا نہیں؟'' رمیض حیران ہوا۔

''پہلے تم ڈائجسٹ میں لکھتے پھر تم ٹی وی کے لیے لکھتے اور پھر فلم لکھتے۔''

''کچھ ڈائجسٹوں کو میں نے اپنے افسانے بھیجے تھے لیکن وہ انتظار بہت کرواتے ہیں۔ ہر ڈائجسٹ میں چند

Digitized by Google

رائٹرز نے اپنی اجارہ داری بنا رکھی ہے نئے رائٹرز کے وہ قدم نہیں جمنے دیتے۔'' رمیض نے اپنے تجربات بیان کیے۔

''تمہاری باتوں سے لگتا ہے ہر جگہ تم قسمت آزمائی کر چکے ہو۔''

''اب میں نے صرف ٹی وی کے لیے یا فلم کے لیے لکھنا ہے۔''

''فلم انڈسٹری اور ڈرامہ انڈسٹری میں بھی نئے رائٹرز کے قدم جمانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں لیکن اب میں نے فلم رائٹر اور ڈرامہ رائٹر ہی بننا ہے۔'' رمیض کو اپنی صلاحیتوں پر پورا یقین تھا بس اسے کسی گولڈن چانس کا انتظار تھا۔

''تم میں ٹیلنٹ تو ہے لیکن سب سے مشکل کام چانس حاصل کرنا ہے۔''

''یار تم کرو نہ کچھ میرے لیے۔'' رمیض کی ایکسائٹ منٹ بڑھ رہی تھی۔

''یار میں کیا کروں میں بھی تمہاری طرح بے روزگار ہوں میرے پاس سرمایہ ہوتا میں خود کوئی ٹیلی فلم پروڈیوس کر کے تم کو چانس دے دیتا۔'' مدثر نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' رمیض نے پوچھا۔

''ابھی تو میں ٹیلی فلم نہیں بنا سکتا۔'' مدثر مذاق کرنے لگا۔

''ٹیلی فلم بنا نہیں سکتے تو فیچر فلم دیکھا تو سکتے ہو ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ہی فلم دکھانے کی آفر کی تھی مجھے۔'' رمیض نے مدثر کو یاد دلایا۔

''تو پھر چلیں فلم دیکھنے۔'' رمیض کا بھی دل کرنے لگا فلم دیکھنے کو۔

"کون سی فلم دیکھنے کا ارادہ ہے؟" رمیض نے پوچھا۔
"جوانی پھر نہیں آنی" مدثر نے بتایا۔
"بڑھاپا پھر نہیں جاتا" رمیض کے منہ سے اچانک نکلا۔
"نام تو اچھا ہے اس پر فلم کی کہانی لکھنی شروع کردو۔" مدثر بولا۔
"کوئی اچھا سا آئیڈیا ذہن میں آیا تو ضرور لکھوں گا۔" رمیض سوچنے لگا۔
"اس نام پر بڑی اچھی سی کامیڈی فلم بن سکتی ہے۔" مدثر بولا۔
"میں پنجاب نہیں جاؤں گی۔"
"یار تم پہلے ہی پنجاب میں ہو' ویسے بھی تم لڑکی نہیں لڑکا ہو۔"
"یار میں فلم کی بات کررہا ہوں۔" میں پنجاب نہیں جاؤں گی۔ یہ فلم دیکھتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے یہی دیکھ لیتے ہیں۔" جوانی پھر نہیں آنی" میں پنجاب نہیں جاؤں گی' دونوں ہی سپرہٹ فلمیں ہیں۔"
مدثر نے رمیض کی ہاں میں ہاں ملائی۔
رمیض نے اپنی موٹر سائیکل نکالی اور مدثر اس کے پیچھے بیٹھا اب ان کی موٹر سائیکل کا رخ لاہور کے اچھے سے سینما گھر کی طرف تھا۔

☺......☺......☺

رمیض فلم دیکھ کر گھر واپس آیا تو آدھی رات گزر چکی تھی اس کے ذہن میں ٹیلی فلم کا کلائمکس آگیا تھا۔ وہ کلائمکس ابھی لکھنا چاہتا تھا لیکن اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں اس لیے اس نے جوتے اتارے اور بیڈ پر ڈھیر ہوگیا۔ اسے اتنی زور کی نیند آرہی تھی کہ اس نے جرابیں بھی نہ اتاریں اور نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ رمیض رات کو جتنی مرضی لیٹ سوتا تھا لیکن صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ آج بھی حسب معمول اس کی آنکھ فجر کی اذان کی ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا' پھر قرآن کی تلاوت کی' پھر جب نماز فجر کا ٹائم ہوگیا تو اس نے مسجد جاکر نماز ادا کی۔ مسجد اس کے گھر کے قریب ہی تھی۔ باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد وہ گھر واپس آگیا۔ گھر آتے ہی وہ اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ گیا اور اس نے ٹیلی فلم کا کلائمکس لکھ لیا۔ ٹیلی فلم کا اسکرپٹ مکمل کرنے کے بعد اس نے فیچر فلم کا باقی ماندہ اسکرپٹ لکھنا شروع کردیا۔ آج اس کا قلم بڑی روانی سے چل رہا تھا' نئے نئے آئیڈیاز کی آمد بھی خوب ہورہی تھی۔ اس لیے وہ لکھتا ہی چلا جارہا تھا۔ لکھنے میں وقفہ اس نے صرف ناشتہ کرنے کیلئے ہی کیا تھا۔ ناشتہ وہ ہلکا پھلکا ہی کرتا تھا دو سلائس اور ساتھ ایک چائے کا کپ' لکھتے لکھتے اسے اب دوپہر کا وقت ہوگیا تھا' آمد ہورہی تھی اس لیے اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وقت کتنا گزر گیا ہے۔ اب لنچ کا ٹائم ہوگیا تھا' اسے بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔ اس لیے اس کا قلم اب رک گیا تھا۔ اگر اسے بھوک زور کی نہ لگتی تو اس نے فیچر فلم کا اسکرپٹ بھی مکمل کرکے ہی اٹھنا تھا۔ اس نے جلدی جلدی لنچ کیا اور پھر اپنی رائٹنگ ٹیبل پر آبیٹھا' آج اس کے قلم میں روانی تھی بے ساختہ پن تھا شام تک اس نے فیچر فلم کا اسکرپٹ بھی مکمل کرلیا۔ اسکرپٹ مکمل کرکے اسے بڑی خوشی محسوس ہورہی تھی۔ اب اسے کسی بڑے اچھے سے فلم پروڈیوسر اور کسی اچھے سے پروڈکشن ہاؤس کی تلاش تھی جہاں وہ اپنے اسکرپٹ دے سکے۔ رمیض نے کافی جگہ اپنے اسکرپٹ بھیجے جس سے بھی رابطہ کیا پہلے تو کونٹینٹ والے بڑے اخلاق سے بولتے جب ان کے کہنے پر وہ اسکرپٹ بھیج دیتا تو پھر کونٹینٹ والوں کے لہجے میں اسکرپٹ لینے سے پہلے جو گرمجوشی ہوتی وہ آہستہ آہستہ سرد مہری میں بدلنے لگتی اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی کال اٹینڈ کرنے کی بھی زحمت گوارہ نہ کی جاتی۔ وہ جب بار بار فون کرتا تو آخر کار اس کو بلاک کردیا جاتا' رمیض کے لیے یہ ساری صورت حال بڑی پریشان کن تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ آخر وہ مایوس ہوکر بیٹھ جاتا لیکن دل میں جو ڈرامہ رائٹر اور فلم رائٹر بننے کی امنگ تھی وہ ہمیشہ جوان ہی رہتی۔ جب بھی اس کے ذہن میں کوئی نیا آئیڈیا آتا وہ اس کو لکھ کر رکھ لیتا تھا' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے پاس بہت سے اسکرپٹ جمع ہوگئے تھے لیکن اسے چانس کہیں بھی نہیں مل رہا تھا۔

☺......☺......☺

Digitized by Google

ایک دن رمیض ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا ایک چینل پر ایک سنیئر اداکار کا انٹرویو آرہا تھا جو ڈرامے بھی پروڈیوس کرتا تھا۔ اپنے انٹرویو میں وہ پرانے اور مشہور رائٹرز کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ ہمارے پرانے رائٹرز کے پاس نئے آئیڈیاز نہیں ہیں وہ وہی پرانی گھسی پٹی کہانیاں دھرا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارا ڈرامہ زوال کی طرف گامزن ہے۔ انڈیا کے ساس بہو والے ڈرامے پاکستانی عورتیں اب زیادہ دیکھنے لگی ہیں۔ انڈیا والوں نے ڈرامہ بنانا ہم سے سیکھا ہے اب ان کا ڈرامہ ہم سے آگے نکلتا جارہا ہے یہ سب اسکرپٹ کی کمزوری کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ انڈین ڈراموں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں نئے رائٹرز تلاش کرنے ہوں گے۔ اس سنیئر اداکار کی باتیں سن کر رمیض بڑا متاثر ہوا۔ اس سنیئر اداکار کا اپنا پروڈکشن ہاؤس بھی تھا۔ رمیض جو مایوس ہو کر بالکل گھر بیٹھ گیا تھا' کافی عرصہ ہو گیا تھا اس نے کسی ڈرامہ پروڈیوسر سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس سنیئر اداکار کے خیالات سن کر رمیض کے دل میں ایک نئی امنگ پیدا ہوئی اس نے اس سنیئر اداکار سے ملنے کے لیے سورس تلاش کرنے شروع کر دیے تاکہ اسے اپنے اسکرپٹ دے سکے۔ جس طرح کے سنیئر اداکار کے خیالات تھے رمیض یہ خیالات سن کر اس سنیئر اداکار سے امید لگا بیٹھا تھا کہ وہ ضرور اس کو چانس دے گا جو ماضی قریب میں کافی ہٹ ڈرامہ سیریل بنا چکا تھا۔ رمیض نے بڑی تگ و دو کے بعد اس سنیئر اداکار کا نمبر حاصل کیا جیسے ہی رمیض کو اس سنیئر اداکار کا نمبر ملا اس نے فوراً اس کو کال ملائی' اور اس سے وقت لے کر اس کے پروڈکشن ہاؤس پہنچ گیا۔ اپنے اسکرپٹ کی فائل اس نے بغل میں دبائی ہوئی تھی۔ رمیض نے جاتے ہی سنیئر اداکار کو سلام کیا اس نے رمیض کو بیٹھنے کو کہا اور چند لمحوں بعد ہی چائے کے ساتھ بسکٹ اور نمکو وغیرہ اس کے سامنے آ گئے۔ رمیض نے کچھ بولنا چاہا تو سنیئر اداکار نے اس کو چائے پینے کا اشارہ کیا تو رمیض چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

"برخوردار بسکٹ بھی لو۔" سنیئر اداکار نے رمیض کی توجہ بسکٹ کی طرف دلائی۔

رمیض چائے کے ساتھ بسکٹ بھی کھانے لگا جب رمیض چائے پی چکا تو سنیئر اداکار بولا۔

"ہاں برخوردار اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"سر! میں نے ٹی وی پر آپ کا انٹرویو سنا تھا' آپ کے خیالات سن کر میں بہت متاثر ہوا ہوں' میں بھی رائٹر ہوں میرے پاس چند فریش آئیڈیاز ہیں یقیناً آپ کو پسند آئیں گے۔" پھر رمیض نے اپنے سکرپٹ والی فائل سنیئر اداکار کی طرف بڑھا دی۔

"بیٹا! تمہارا پہلے کوئی ڈرامہ آن ایئر ہوا ہے؟" سنیئر اداکار نے پوچھا اور رمیض کے اسکرپٹ والی فائل رمیض کی طرف واپس دھکیل دی۔

"جی ابھی تک تو کوئی نہیں ہوا۔" رمیض تھوڑا سا مایوس ہوا۔

"یعنی تم بالکل نئے ہو۔"

"جی ابھی تک تو نیا ہوں اگر چانس مل گیا تو پرانا بھی ہو جاؤں گا۔ اب گھر بیٹھے بیٹھے تو میں پرانا نہیں ہو سکتا۔" رمیض بولا۔

"بیٹا میرے سیریل میگا پراجیکٹ ہوتے ہیں۔ میرے سیریل میں سپر اسٹار کاسٹ ہوتے ہیں۔ میرے سیریل کا بجٹ کروڑوں میں ہوتا ہے۔ اس لیے میں نئے رائٹر کا رسک نہیں لے سکتا۔"

"لیکن سر چند دن پہلے میں نے آپ کا ایک ٹی وی چینل پر انٹرویو دیکھا تھا اس میں تو آپ نئے رائٹرز کی تلاش کی باتیں کر رہے تھے۔ انڈین ڈراموں کی مقبولیت کو اپنے ڈرامے کی اسکرپٹ کی کمزوری بتا رہے تھے۔ آپ کہہ رہے تھے پرانے رائٹرز کے پاس اب نئے آئیڈیاز نہیں ہیں اس لیے نئے رائٹرز کو تلاش کیا جائے۔"

"بیٹا اس طرح کی باتیں کر کے ذرا میڈیا میں واہ واہ ہو جاتی ہے' خاص کر انڈیا کے خلاف بات کریں تو الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا زیادہ کوریج دیتا ہے۔"

"تو اس کا مطلب ہے آپ بھی روایتی پروڈیوسر ہیں اور نئے رائٹرز کو چانس دینے کے حق میں نہیں ہیں۔" رمیض سنیئر اداکار پروڈیوسر کی باتیں سن کر دنگ رہ گیا۔

"کیا کریں برخوردار یہ شوبز کی دنیا ہے یہاں کام سے زیادہ نام چلتا ہے۔"

"بڑا نام چاہے گھسا پٹا اسکرپٹ دے دے آپ قبول

Digitized by Google

کرلیں گے؟''

''یہ شوبز ہے کہنا یہاں کام سے زیادہ نام چلتا ہے۔''

''میں تو آپ کا انٹرویو ٹی وی پر دیکھ کر آپ سے امید لگا کر آپ کے پاس آ گیا تھا مجھے نہیں پتہ تھا شوبز والے بھی سیاستدانوں کی طرح..... آگے رمیض نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اپنی اسکرپٹ والی فائل پکڑ کر دفتر سے باہر آ گیا۔ اس سنیئر اداکار کے دل میں جو اس کی عزت کا مینار بنا ہوا تھا آج وہ دھڑام سے نیچے آ گرا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی لوگوں کے قول و فعل میں اتنا تضاد ہو سکتا ہے۔

☺.....☺.....☺

آج سنڈے تھا یا کراس کے گھر اخبار صبح صبح ہی پھینک گیا تھا۔ رمیض نے اخبار کی سرخیوں پر سرسری سی نظر ماری' اخبار سیاستدانوں کے جھوٹے سچے بیانوں سے بھرا پڑا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے جھوٹے بیانوں سے بھرا ہوا تھا۔ رمیض کو سیاست سے بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی۔ رمیض نے اخباروں کی سرخیوں کو دیکھ کر اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ اخبار کے ساتھ سنڈے میگزین بھی تھا۔ رمیض اب میگزین کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سنڈے میگزین میں ایک فلم پروڈیوسر کا انٹرویو تھا۔ یہ فلم پروڈیوسر درجنوں سپرہٹ فلمیں بنا چکا تھا' لیکن اس کی آخری چار فلمیں فلاپ ہوگئی تھیں اور اس فلم پروڈیوسر نے بھی رائٹرز کی کمی کا رونا رویا تھا۔ اس نے بھی کہا تھا اب ہم کو نئے رائٹرز تلاش کرنا چاہیے۔ فیشن کے طور پر نئے رائٹرز کو تلاش کرنے کی بات تو ہر کوئی کرتا ہے لیکن اس پر عمل کوئی نہیں کرتا۔ نئے رائٹرز پر رسک کوئی نہیں لیتا حالانکہ آج کل کے جو مشہور رائٹرز ہیں وہ بھی تو کبھی نئے تھے۔ ان کو کام ملا تو وہ پرانے ہوئے لیکن نئے رائٹرز سے پہلا سوال یہی پوچھا جاتا ہے آپ کا پہلے کوئی ڈرامہ آن ایئر ہوا۔ جب جواب نفی میں ملتا ہے تو نئے رائٹرز کو حیلے بہانے سے ٹال دیا جاتا ہے۔

اس فلم پروڈیوسر کی باتیں پڑھ کر رمیض اس سے بھی بڑا متاثر ہوا اس نے اس سے بھی ملنے کا ارادہ کرلیا۔ اگلے دن ہی رمیض اپنے اسکرپٹ کی فائل لے کر فلم پروڈیوسر کے دفتر چلا گیا۔ فلم پروڈیوسر کے دفتر کی دیواروں پر اس کی سپرہٹ فلموں کے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ رمیض ان فلمی پوسٹروں میں کھو سا گیا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا ایک دن اس کی لکھی ہوئی فلم کا پوسٹر بھی یہاں لگے گا۔

''سر آپ کا بہت نام سنا ہے' میں نے آپ کی پروڈیوس کی ہوئی ساری فلمیں دیکھی ہیں میں بھی ایک رائٹرز ہوں میں اپنے چند اسکرپٹ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔'' رمیض نے فلم پروڈیوسر کو ڈرتے ڈرتے مخاطب کیا جو ایک شوبز رسالے کو پڑھ رہا تھا۔

''اچھا تو تم رائٹر ہو پہلے تمہاری لکھی کوئی فلم ریلیز ہوئی ہے۔ کوئی ڈرامہ آن ایئر ہوا ہے؟'' رمیض یہ سوال سن سن کر تنگ آ چکا تھا۔ آج بھی اس سے پہلا سوال یہی پوچھا گیا تھا۔

''نہیں سر ابھی تو میرا کوئی ڈرامہ آن ایئر نہیں ہوا اور نہ ہی میری لکھی کوئی فلم ریلیز ہوئی ہے۔''

''کیسی تم نئے رائٹر ہو؟''

''جی ابھی تک تو نیا ہی ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا میں پرانا کب ہوں گا۔''

''دو تین ڈرامے اور دو تین فلمیں لکھ لو گے تو پرانے ہو جاؤ گے۔''

''میں نے تو کافی ساری فلمیں اور کافی سارے ڈراموں کے اسکرپٹ لکھ کر الماری میں رکھے ہوئے ہیں لیکن.....''

''میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں برخوردار فلم کروڑوں میں بنتی ہے اور اسکرپٹ فلم یا ڈرامے کی بنیاد ہوتا ہے' اسی لیے ہر کوئی نئے رائٹرز پر رسک لینے سے گھبراتا ہے۔'' فلم پروڈیوسر رمیض کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''سر! آپ نے جو فلمیں پروڈیوس کی ہیں وہ فلمیں جن رائٹرز نے لکھی ہیں وہ بھی کسی وقت نئے ہوں گے ان کو چانس ملا تو وہ پرانے ہوئے۔'' رمیض نے دلائل دے کر فلم پروڈیوسر کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے لیکن نئے رائٹر سے اسکرپٹ لینا بڑے دل گردے کا کام ہے۔''

''سر ابھی کل اخبار میں آپ کا انٹرویو چھپا ہے اس میں آپ نے نئے رائٹرز کو چانس دینے کے حق میں بات کی ہے۔ یہ دیکھئے یہ آپ کا ہی انٹرویو ہے نہ۔'' رمیض نے سنڈے میگزین فلم پروڈیوسر کے آگے رکھ دیا۔ جو وہ اپنے

اسکرپٹ والی فائل میں رکھ کر ساتھ ہی لے آیا تھا۔

''انٹرویو میں کی گئی ساری باتیں درست تھوڑی ہوتی ہیں۔''

''اس میں جو باتیں لکھی ہیں وہ آپ نے نہیں کی تھیں؟''

''کی ہیں لیکن اخبار والے کچھ اپنی طرف سے بھی نمک مرچ لگا دیتے ہیں۔''

''نئے رائٹرز کو چانس دینے والی بات آپ نے نہیں کی؟'' رمیض حیران ہوا۔

''کی ہوں گی لیکن یہ انٹرویو تو اخبار والوں نے ایک مہینہ پہلے لیا تھا چھاپا اب ہے۔ میں نے کیا باتیں اس وقت کی تھیں اب تو میں بالکل بھول گیا ہوں۔''

''ٹھیک ہے سر میں ایسے ہی آپ سے امید لگا کر آ گیا تھا۔'' رمیض اٹھتے ہوئے بولا۔

''رمیض اٹھ کر جانے لگا تو ملک کا ایک مشہور رائٹر فلم پروڈیوسر کے دفتر میں حاضر ہوا اس کے ساتھ اس کا سیکرٹری بھی تھا جس نے چند فائلیں اٹھا رکھی تھیں۔

''آیئے آیئے کاظمی صاحب میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' کاظمی صاحب کو دیکھ کر فلم پروڈیوسر اٹھ کر کھڑا ہو گیا جبکہ جب رمیض فلم پروڈیوسر کے دفتر میں داخل ہوا تھا تو فلم پروڈیوسر نے رمیض کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا اور اپنی نظریں شوبز کے رسالے پر ہی مرکوز رکھی تھیں۔

''ملک صاحب سنا ہے اب آپ نے ڈرامہ انڈسٹری میں کام کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔'' کاظمی صاحب کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''ٹھیک سنا ہے آپ نے کاظمی صاحب فلموں کا تو آج کل برا حال ہے میں نے سوچا کیوں نہ کوئی اچھا سا ڈرامہ سیریل ہی بنایا جائے۔'' فلم پروڈیوسر نے جواب دیا۔

''سر! میرے پاس دو بڑے اچھے ڈرامہ سیریل کے اسکرپٹ بھی لکھے پڑے ہیں اگر آپ پڑھنا چاہیں تو میں لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔'' رمیض جاتے جاتے رک گیا تھا۔

''ٹھیک ہے تم اپنا نمبر مجھے دے جاؤ اگر ضرورت پڑی تو تم کو بلا لوں گا۔'' فلم پروڈیوسر نے بڑی بے رخی سے جواب دیا۔

''سر لکھ لیں میرا نمبر'' رمیض بڑے پرجوش انداز میں بولا یکدم رمیض کے دل میں ایک امید سی پیدا ہو گئی کہ ایک بڑے فلم پروڈیوسر نے اس سے نمبر مانگا ہے۔

''تم نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نہیں چھپوایا؟'' فلم پروڈیوسر حیران ہوا۔

''نہیں سر ابھی تک تو نہیں چھپوایا' سوچتا ہوں میں کار پر لکھواؤں گا کیا۔'' رمیض بولا۔

''بھئی بڑے فخر سے لکھو ڈرامہ نگار محمد رمیض۔''

''میں ابھی ڈرامہ نگار نہیں بنا پھر اپنے کارڈ پر ڈرامہ نگار کیسے لکھ لوں۔''

''تم تو کہتے ہو میں نے بہت سے ڈراموں کے اسکرپٹ لکھ کر الماری میں رکھے ہوئے ہیں۔''

''لکھ کر ہی رکھے ہوئے ہیں کوئی ان میں آن ایئر نہیں گیا اس لیے مناسب نہیں سمجھتا کہ ابھی اپنے نام کے ساتھ ڈرامہ نگار لکھوں۔''

''آدمی تو تم مجھے سچے کھرے' صاف گو اور اصول پسند لگتے ہو۔ ٹھیک ہے اپنا نمبر لکھواؤ۔''

رمیض نے اپنا موبائل نمبر لکھوایا جو فلم پروڈیوسر نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا او رپھر فلم پروڈیوسر نے اپنا وزیٹنگ کارڈ رمیض کو دیا جس پر فلم پروڈیوسر کا نام جلی حروف میں لکھا ہوا تھا' کارڈ پر ان ایوارڈز کی تصاویر بھی بنی ہوئی تھیں جو فلم پروڈیوسر حاصل کر چکا تھا۔ رمیض نے فلم پروڈیوسر کا کارڈ جیب میں ڈالا تو اس کے دل میں امید کی نئی کونپلیں پھوٹ پڑیں۔ رمیض فلم پروڈیوسر کا کارڈ لے کر دفتر سے نکل گیا۔

''یہ کون تھا ملک صاحب؟'' رمیض دفتر سے نکل گیا تو کاظمی صاحب' ملک صاحب سے مخاطب ہوئے۔

''اس کا دعویٰ ہے یہ بھی فلم رائٹر اور ڈرامہ رائٹر ہے اور اس کے پاس بڑے یونیک قسم کے آئیڈیاز ہیں۔'' ملک صاحب کا لہجہ کافی تمسخرانہ تھا۔

''اس جیسے میں نے بہت سے رائٹر دیکھے ہیں جو بغلوں میں فائلیں دبائے مارے مارے پھرتے ہیں اور ہر کوئی اپنے آپ کو منٹو ہی سمجھتا ہے۔'' کاظمی صاحب بھی رمیض کا مذاق اڑانے لگے۔

Digitized by Google

''آپ بتائیں لائے ہیں کسی ڈرامہ سیریل کا اسکرپٹ۔'' ملک صاحب نے کاظمی صاحب سے پوچھا۔

''ملک صاحب میں آج کل بہت بزی ہوں، مجھ سے اسکرپٹ لینا ہے تو تین چار ماہ تک انتظار کرنا پڑے گا۔''

''تین چار ماہ تک۔'' ملک صاحب نے کاظمی صاحب کا جملہ حیران ہو کر دہرایا۔

''جی ملک صاحب تین چینلز پر میرے ڈرامے چل رہے ہیں اور اس وقت میں تین ڈرامہ سیریل کے اسکرپٹ لکھ رہا ہوں، تین چار ماہ تک تو میرے پاس بالکل ٹائم نہیں۔'' کاظمی صاحب نے صاف اور کورا جواب ملک صاحب کو دے دیا۔

''تین چار ماہ تک تو میں انتظار نہیں کر سکتا۔'' ملک صاحب کا لہجہ بھی تھوڑا سخت ہو گیا۔

''نہیں کر سکتے تو نہ کریں میں چلتا ہوں۔'' کاظمی صاحب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''ان فائلوں میں کیا ہے؟'' ملک صاحب نے ان فائلوں کی طرف اشارہ کیا جو ان کا سیکرٹری حنیف پکڑے کھڑا تھا۔

''ان فائلوں میں بھی اسکرپٹ ہی ہیں یہ میں نے آج ہی مکمل کیے ہیں یہ میں نے باجوہ صاحب کو دینے ہیں۔'' کاظمی صاحب نے بتایا۔

''باجوہ صاحب کا ڈرامہ تو آج کل بڑا ہٹ جا رہا ہے سنا ہے بڑی ریٹنگ لے رہا ہے۔'' ملک صاحب باجوہ صاحب کا نام سن کر تھوڑا مرعوب ہوئے۔

''آپ ڈرامہ سیریل ''میرے ہمسفر'' کی بات کر رہے ہیں۔'' کاظمی نے پوچھا۔

''جی بالکل ''میرے ہمسفر'' کی ہی بات کر رہا ہوں۔''

''وہ بھی میرا ہی لکھا ہوا ہے اس وقت ریٹنگ میں نمبر ون ہے۔'' کاظمی صاحب نے بڑے فخر سے بتایا۔

''آپ کا وہ ڈرامہ ''زندگی برباد ہے'' تو بالکل ہی فلاپ گیا۔'' ملک صاحب نے کاظمی صاحب کے غبارے سے ہوا نکالنے کی کوشش کی جو میرے ہمسفر کی کامیابی پر بڑے خوش ہو رہے تھے۔

''وہ تو کامیڈی ڈرامہ تھا اور عمیرہ احمد کے سپرہٹ ڈرامے ''زندگی گلزار ہے'' کی پیروڈی تھا۔

''کاظمی صاحب یہ تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ آپ مزاحیہ اسکرپٹ اچھا نہیں لکھ سکتے۔'' ملک صاحب نے جان بوجھ کر کاظمی صاحب کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''اب تو اچھا مزاحیہ اسکرپٹ ڈاکٹر یونس بٹ سے نہیں لکھا جا رہا۔'' کاظمی صاحب نے اپنے دفاع میں بے تکی دلیل دی۔

''ڈاکٹر یونس بٹ نے بہت سے ہٹ ڈرامے لکھے ہیں۔''

''آپ نے مجھ سے مزاحیہ اسکرپٹ لکھوانا ہے یا سنجیدہ؟''

''میں نے تو سنجیدہ ہی لکھوانا ہے۔''

''پھر آپ کو چار ماہ تک انتظار کرنا پڑے گا۔'' کاظمی صاحب نے ملک صاحب کو صاف جواب دے دیا۔

''واہ مولا تیرے رنگ ہیں کوئی اسکرپٹ دینے کے لیے میرے ترلے منتیں کر رہا تھا اور کسی کے پاس اسکرپٹ لکھنے کے لیے ٹائم نہیں ہے اور میں اسکرپٹ لینے کے لیے اس کے ترلے کر رہا ہوں۔''

''ملک صاحب صبر کریں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔'' کاظمی صاحب نے یہ جملہ بولا اور ان کے دفتر سے باہر نکل گیا۔

کاظمی صاحب جب آپ نے اسکرپٹ ملک صاحب کو دینے ہی نہیں تھے تو ان کو گاڑی میں ہی رہنے دیتے۔'' کاظمی صاحب کا سیکرٹری عثمان دفتر کی سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔

''عثمان! تم میرا طریقہ واردات نہیں سمجھتے، اس طرح کرنے سے پروڈیوسر پر رائٹر کا رعب پڑتا ہے۔ پھر وہ رائٹر کو منہ مانگا معاوضہ دینے پر راضی ہو جاتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں ملک صاحب اسکرپٹ لینے کے لیے کتنا تڑپ رہے تھے۔''

''کاظمی صاحب یہ نہ ہو ملک صاحب چار ماہ انتظار نہ کریں اور کسی نئے رائٹر سے اسکرپٹ لے لیں۔ ابھی ملک صاحب کے پاس سے ایک نیا رائٹر ہو کر بھی گیا ہے۔'' کاظمی صاحب کے سیکرٹری نے خدشہ ظاہر کیا۔

''میں شوبز کے ڈائریکٹرز اور پروڈیوسرز کی سائیکی بڑی اچھی طرح سمجھتا ہوں یہ نامور رائٹر سے گھسا پٹا

Digitized by Google

اسکرپٹ لے لیں گے لیکن نئے رائٹر کا یونیک قسم کا سکرپٹ بھی ری جیکٹ کردیں گے۔''

''ہاں کاظمی صاحب آپ کی یہ بات تو سو فیصد درست ہے۔'' عثمان نے کاظمی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''میرے پاس کئی نئے رائٹر اپنے اسکرپٹ لے کر آتے ہیں میں ان کے اسکرپٹ پڑھ کر حیران رہ جاتا ہوں' ایک سے بڑھ کر ایک اسکرپٹ ہوتا ہے پھر یہی اسکرپٹ لے کر جب نیا رائٹر کسی پروڈکشن ہاؤس میں جاتا ہے تو اس کا اسکرپٹ یہ سوچ کر ری جیکٹ کردیتے ہیں کہ یہ نیا رائٹر ہے' اس کے کریڈٹ پر کوئی ہٹ ڈرامہ سیریل نہیں ہے۔ ان لکیر کے فقیر پروڈیوسروں کی وجہ سے مجھ جیسے سنیئر رائٹر کی روزی روٹی چل رہی ہے جو نئے رائٹرز پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔''

دونوں اب چلتے چلتے سڑک پر آگئے تھے جہاں کاظمی صاحب کی کار اک درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ اچانک ہی آسمان پر کالے بادل چھا گئے اور تیز بارش شروع ہوگئی۔ کاظمی صاحب اور اس کے سیکرٹری نے گاڑی کے دروازے کھولے اور جلدی جلدی گاڑی کے اندر بیٹھ گئے۔ بارش بہت تیز ہورہی تھی۔ رمیض بھی سڑک کے کنارے کھڑا ویگن کے انتظار میں تھا' بارش شروع ہوئی تو رمیض بھی اس درخت کے نیچے آکر کھڑا ہوگیا جس کے نیچے کاظمی صاحب کی گاڑی کھڑی تھی۔ بارش بہت تیز تھی جس کی وجہ سے کاظمی صاحب نے اپنے سیکرٹری کو ابھی گاڑی اسٹارٹ کرنے سے منع کردیا کیونکہ تیز بارش کی وجہ سے بیس قدم آگے دیکھنا مشکل ہورہا تھا۔ اوپر سے سیاہ کالے بادلوں سے آسمان بھر گیا تھا جس کی وجہ سے دوپہر کا وقت بھی شام کا وقت لگ رہا تھا۔ چند منٹ تک تو جس درخت کے نیچے رمیض کھڑا تھا اس درخت نے رمیض کو بارش سے بچائے رکھا لیکن پھر درخت کی شاخوں سے بھی پانی گرنے لگا۔ رمیض کو اپنے بھیگنے کا کوئی ڈر نہیں تھا لیکن اس کے ہاتھ میں جو اسکرپٹ والی فائل تھی وہ اس کو اپنی جان سے بھی پیاری تھی اس کو اپنے اسکرپٹ اپنی جان سے بھی پیارے تھے کیونکہ وہ اسکرپٹ اس نے بڑی محنت سے اور مغز ماری کر کے لکھے تھے۔ اس سے اسکرپٹ کوئی لیتا تو نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ اسکرپٹ اس کے لیے سرمایہ تھے۔

AANCHALPK.COM
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے
ماہنامہ آنچل کراچی
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول' ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔
عشنا کوثر سردار کا ایک لازوال ناول' ایک پڑھے لکھے گھرانے کا احوال جو لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف تھا
خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا
AANCHALNOVEL.COM

اب درخت کی شاخوں سے پانی بہت زیادہ گرنے لگا تھا' رمیض وہ فائل بھی قمیض کے نیچے کرتا کبھی بغل میں لے لیتا لیکن اب پانی اتنا زیادہ برس رہا تھا کہ فائل کو بھیگنے سے بچانا مشکل ہو رہا تھا۔ اگر فائل بھیگ جاتی تو اس کا سارا اسکرپٹ ضائع ہونے کا خدشہ تھا' کیونکہ اس اسکرپٹ کی اس نے ابھی تک کوئی فوٹو کاپی بھی ابھی نہیں کروائی تھی یہ اسکرپٹ اس نے چند دن پہلے ہی مکمل کیا تھا' بارش کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ جب رمیض کو محسوس ہو گیا کہ اب اپنے اسکرپٹ کو بارش سے بچانا اس کے لیے ناممکن ہے تو اس نے کاظمی صاحب کی گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کیونکہ گاڑی کی پچھلی سیٹ خالی تھی جبکہ اگلی سیٹ پر کاظمی صاحب اور اس کا سیکرٹری عثمان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا جو بارش کم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

''کون ہو تم بھئی بلا اجازت گاڑی میں کیوں گھس آئے ہو؟'' کاظمی صاحب نے گردن گھما کر گاڑی کی پچھلی سیٹ کو دیکھا جہاں رمیض بھیگے کپڑوں کی ساتھ بیٹھا تھا لیکن اس نے اپنے اسکرپٹ کو بھیگنے سے ابھی تک بچایا ہوا تھا۔

''جی میرا نام رمیض ہے' میں ایک رائٹر ہوں' میرے پاس میرا اسکرپٹ ہے۔ اسکرپٹ بارش میں بھیگ نہ جائے اس لیے بلا اجازت آپ کی گاڑی میں آ بیٹھا ہوں۔''

''تم وہی ہو نہ جو میرے آنے سے پہلے ملک صاحب کے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے؟''

''جی جی میں وہی ہوں کاظمی صاحب آپ کا تو بڑا نام ہے میرا ابھی کسی جگہ اسکرپٹ اپروو کروا دیں ساری عمر آپ کا احسان مند رہوں گا۔'' رمیض نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔

''ٹھیک ہے تم اپنا اسکرپٹ مجھے دے جاؤ میں کسی جگہ بات کروں گا۔''

رمیض کو امید نہیں تھی اتنی جلدی اس کی امید بر آئے گی۔ اس نے اپنے اسکرپٹ والی فائل کاظمی صاحب کو دے دی۔

''مسٹر تم رہتے کہاں ہو؟'' کاظمی صاحب نے رمیض سے فائل لیتے ہوئے پوچھا۔

''میرا ایڈریس اور میرا فون نمبر فائل کے اندر لکھا ہے۔'' رمیض نے خوش ہو کر بتایا۔

اب بارش تھم چکی تھی بارش اتنی زیادہ ہوئی تھی کہ ہر طرف سڑکوں پر پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا' چند منچلے نوجوان گھروں سے نکل کر اس پانی میں نہا رہے تھے۔ سڑک پر لگے درخت بارش میں دھل کر مزید سرسبز لگ رہے تھے۔ درختوں کا سبز رنگ مزید نکھر گیا تھا۔ رمیض نے کاظمی صاحب کو سلام کیا اور گاڑی سے نکل آیا' تو کاظمی صاحب کے سیکرٹری نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی' رمیض نے گاڑی کو دھکا لگایا تو گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔

☺.....☺.....☺

''ہاں بھئی میرے سعادت حسن منٹو میرے منشی پریم چند میرے راجندر سنگھ بیدی آج کل کیا لکھ رہے ہو؟'' رمیض ابھی ابھی اپنے بھیگے ہوئے کپڑے بدل کر اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کا بے تکلف دوست مدثر آ گیا۔

''یاران ناموں کے ساتھ تم خلیل الرحمٰن قمر کا نام بھی لے لیتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔''

''خلیل الرحمٰن قمر تو ڈرامہ انڈسٹری کا نمبر ون اور سب سے مہنگا رائٹر ہے۔ جس کے پیچھے ہر ڈرامہ پروڈیوسر اور ڈائریکٹر پھرتا ہے جبکہ تم ہر پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کے پیچھے پھرتے ہو۔''

''اڑا لو میرا مذاق ایک دن میرا بھی آئے گا' پھر تم نے میرا آٹو گراف لینے کو ترسنا ہے۔''

او دن ڈبا' جدوں گھوڑی چڑھیا کبا''

''یہ کبا تم کو ایک دن گھوڑی چڑھ کر دکھائے گا۔''

''وہ گھوڑی ابھی پیدا نہیں ہوئی جس پر تم نے چڑھنا ہے۔'' مدثر رمیض سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف تھا۔

''آج میں ملک کے مشہور ڈرامہ رائٹر کو اپنا اسکرپٹ دے کر آیا ہوں۔'' رمیض نے بتایا۔

''خلیل الرحمٰن قمر کو دے آئے ہو اپنا اسکرپٹ۔'' مدثر نے فوراً اندازہ لگایا۔

''نہیں کوئی کاظمی صاحب ہیں۔''

Digitized by Google

''پورا نام تم کو پتہ نہیں ہے اور اپنا اسکرپٹ تم اس کو دے آئے ہو اگر اس نے تمہارا اسکرپٹ چوری کرلیا تو کیا کرو گے۔''

''ایسا بھی ہوجاتا ہے؟'' رمیض حیران ہوا۔

''نئے رائٹر کے ساتھ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''نہیں کاظمی صاحب مجھے ایسے نہیں لگتے۔''

''اللہ کرے تمہارا اندازہ درست ہو۔''

😀.....😀.....😀

''ہاں بھئی عثمان صاحب کیسا لگا تم کو نئے رائٹر کا اسکرپٹ؟'' کاظمی صاحب نے رمیض کا اسکرپٹ اپنے سیکرٹری عثمان کو دے دیا تھا تاکہ وہ یہ اسکرپٹ پڑھ کر اپنی رائے دے۔

''رمیض نے اسکرپٹ تو بڑے کمال کا لکھا ہے بس اس اسکرپٹ میں ایک کمی ہے۔''

''وہ کیا؟'' کاظمی صاحب نے حیرت کے سمندر میں گرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ یہ کہ اس اسکرپٹ پر آپ کا نام ہونا چاہیے' اگر اس سکرپٹ پر آپ کا نام آجائے تو یہ اسکرپٹ چٹکی بجاتے ہی بک جائے گا اور اس اسکرپٹ پر بننے والا ڈرامہ سیریل میگا ہٹ ہوگا۔ یہ سکرپٹ تو امجد اسلام امجد کے ڈرامے وارث کی یادیں تازہ کردے گا۔''

''عثمان صاحب آپ زیادہ مبالغے سے کام نہیں لے رہے۔''

''کاظمی صاحب آپ بھی اسے پڑھیں گے تو آپ بھی میری رائے سے اتفاق کریں گے۔''

''اچھا یہ بات ہے۔''

''یہ لڑکا نیچرل رائٹر ہے اس میں اچھا رائٹر بننے کی قدرتی صلاحیتیں ہیں جو چیز گاڈ گفٹڈ ہوتی ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہوتا میری سمجھ سے یہ بات باہر ہے کہ اتنا اچھا اسکرپٹ لکھ کر یہ لڑکا در در ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے۔ دنیا کی ہر منڈی میں مال کی کوالٹی چیک کی جاتی ہے جبکہ شوبز واحد ایسی منڈی ہے جس میں مال کی کوالٹی نہیں صرف نام دیکھا جاتا ہے۔''

''عثمان صاحب آپ میرے سیکرٹری ہیں یا رمیض کے۔''

''سیکرٹری تو کاظمی صاحب میں آپ کا ہوں لیکن حقیقت تھی وہ میں نے بیان کردی۔ مجھے تو اس لڑکے میں بہت بڑا رائٹر نظر آرہا ہے۔''

''یعنی یہ لڑکا ہمارے گئے گوڈوں میں بیٹھے گا۔'' کاظمی صاحب نے خطرے کی بو محسوس کی۔

''کاظمی صاحب اچھے ٹیلنٹ کو پروموٹ کرنا چاہیے آپ اس لڑکے کے لیے کچھ کریں۔''

''اس کا مطلب ہے میں اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مارلوں۔''

''اس کو اگر ایک چانس مل گیا تو پھر یہ لڑکا اپنی جگہ خود بنا تا جائے گا' اور یہ کام آپ کرسکتے ہیں۔''

''آ ببل مجھے ماریہ کام میں نہیں کرسکتا۔''

کاظمی صاحب کا موبائل بجنے لگا کاظمی صاحب نے نمبر دیکھا رمیض کی کال تھی کاظمی نے موبائل عثمان کو پکڑا دیا۔

''کیا کہوں اس کو؟'' عثمان نے پوچھا۔

''کہہ دو کاظمی صاحب مصروف ہیں ابھی بات نہیں کرسکتے۔''

عثمان نے کال پک کی تو رمیض السلام علیکم کہنے کے بعد کاظمی صاحب کا پوچھا تو عثمان بولا۔

''رمیض صاحب کاظمی صاحب اس وقت بہت مصروف ہیں آپ کل بات کیجیے گا میں ان کا سیکرٹری عثمان بول رہا ہوں۔''

''عثمان صاحب میرا اسکرپٹ کیسا لگا آپ کو؟''

''رمیض صاحب آپ کا سکرپٹ بہت اچھا ہے''

''عثمان نے اتنا بولا تو کاظمی صاحب نے عثمان کو گھور کر دیکھا۔

''میرے اسکرپٹ کے بارے میں کاظمی صاحب نے کسی سے بات کی؟''

''آپ کا اسکرپٹ اب اتنا بھی اچھا نہیں کہ کسی سے بات کی جائے۔'' عثمان نے یہ جملہ دل پر پتھر رکھ کر بولا کیونکہ کاظمی صاحب عثمان کو مسلسل گھور رہے تھے پھر کاظمی صاحب کے اشارے پر عثمان نے کال منقطع کردی۔

😀.....😀.....😀

رمیض عثمان کا جواب سن کر بہت زیادہ مایوس

Digitized by Google

ہوگیا' اب اس نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا وہ لاہور شہر میں اپنی قسمت آزمانے آیا تھا' اصل میں وہ ایک گاؤں کا رہائشی تھا' یہ مکان اس نے کرائے پر لے رکھا تھا جس کا کرایہ وہ پانچ ہزار روپے ماہانہ ادا کرتا تھا' اسے رائٹر بننے کا جنون تھا لیکن اس کے ٹیلنٹ کے سامنے بہت سے پتھر گرتے رہتے تھے وہ ان پتھروں سے اپنے لیے کامیابی کا پل نہ بنا سکا بلکہ یہ سارے پتھر اس کے سامنے اس کی ناکامی کی دیوار بن گئے اور پھر اس کے لیے اس دیوار کو پھلانگنا بہت مشکل ہوگیا کہتے ہیں مایوسی گناہ ہے لیکن آج رمیض سے یہ گناہ ہوگیا تھا اس نے اپنے گاؤں واپس جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ رمیض نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹا اور گاؤں جانے کی تیاری کرنے لگا۔

''آج کس پروڈیوسر کے گھر جانے کی تیاری ہے؟'' اچانک ہی مدثر آ گیا۔

''کسی پروڈیوسر کے نہیں میں گاؤں واپس جارہا ہوں۔'' رمیض نے بیگ کندھے پر لٹکایا جس میں کپڑے کم تھے اور اسکرپٹ زیادہ تھے۔

''تم جو یہاں نوکری کی تلاش میں تھے اس کا کیا ہوگا؟''

''مدثر صاحب تیرے شہر کے لوگ بڑے ظالم ہیں' انہوں نے مجھے نوکری دی اور نہ ہی میرے ٹیلنٹ کی قدر کی اب بہت ہوچکا میرے ساتھ میں واپس گاؤں جارہا ہوں' میرے گاؤں میں ایک پرائیویٹ اسکول کھلا ہے وہاں سے مجھے آفر آئی ہے فی الحال بیس ہزار روپے تنخواہ دے رہے ہیں۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر تو میں تجھے نہیں روکوں گا۔'' مدثر رمیض کی نوکری والی بات سن کر لاجواب ہوگیا۔ رمیض نے اپنا بھاری بھرکم بیگ کندھے پر لٹکایا اور جانے لگا تو مالک مکان آ گیا اس نے آتے ہی کرائے کا تقاضہ کیا رمیض کی جیب سے صرف تین ہزار روپے نکلے دو ہزار روپے اس کو مدثر نے دیئے اس طرح پانچ ہزار روپے مکان کا کرایہ پورا ہوا۔ جب رمیض جانے لگا تو ایک ہزار روپے کا نوٹ مدثر نے زبردستی اس کی جیب میں ڈال دیا تاکہ وہ اپنے گاؤں پہنچ جائے رمیض چلا گیا تو اس کے جاتے ہی ایک نیا کرایہ دار آ گیا اتفاق سے اس کرائے دار کا نام بھی رمیض ہی تھا' یہ رمیض نامی لڑکا شہر پڑھنے آیا تھا' ایک مہینہ وہ اس مکان میں رہا پھر ایک دن اس کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ سڑک پر ہی جاں بحق ہوگیا۔ ایک دن کاظمی صاحب کی گاڑی رمیض کے گھر کے سامنے آ کر رکی' رمیض کے گھر پر تالا لگا ہوا تھا۔ کاظمی صاحب کی گاڑی کو دیکھ کر مالک مکان بھاگا بھاگا آیا۔

''صاحب جی آپ کو مکان کرایہ پر چاہیے۔'' مالک مکان نے کاظمی صاحب کی گاڑی کے پاس آتے ہی پوچھا۔

''اس مکان میں ایک لڑکا رہتا تھا وہ کہاں گیا؟''

''آپ رمیض کا پوچھ رہے ہیں؟'' مالک مکان نے پوچھا۔

''جی میں رمیض کا ہی پوچھ رہا ہوں۔''

''دس دن پہلے اس کا انتقال ہوگیا۔''

''کیا ہوا اسے؟'' کاظمی صاحب کو ایک جھٹکا لگا۔

''ایکسیڈنٹ موٹر سائیکل پر جارہا تھا ایک ویگن اس کی موٹر سائیکل پر چڑھ گئی اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہوگیا۔''

کاظمی صاحب نے اسے وہی رمیض سمجھا جو اس کو اسکرپٹ دے کر گیا تھا' کاظمی صاحب نے اب دل ہی دل میں ایک نیا پلان بنالیا تھا آج گھر واپس پہنچتے ہی انہوں نے رمیض کا اسکرپٹ اپنی سیف سے نکال کر پڑھنا شروع کردیا۔ کاظمی صاحب جیسے جیسے اسکرپٹ پڑھتے جارہے تھے انہیں اپنے سیکرٹری عثمان کی رائے حرف بحرف سچ لگ رہی تھی۔ اب اس اسکرپٹ کا تخلیق کار ان کی نظر میں اس دنیا میں نہیں تھا کیونکہ رمیض شہر سے جانے کے بعد اتنا بددل ہوا تھا کہ اس نے کاظمی صاحب کو دوبارہ کبھی فون بھی نہیں کیا تھا۔ اس لیے کاظمی صاحب کو رمیض کی موت کا یقین ہوگیا تھا۔ کاظمی صاحب نے رمیض کے اسکرپٹ پر سے رمیض کا نام کاٹا اس پر اپنا نام لکھا اور یہ اسکرپٹ ملک صاحب کو دے دیا۔ ایک سال کے قلیل عرصے میں یہ اسکرپٹ جس کا نام ''لاوارث'' تھا تیار ہو کر آن ایئر ہونا بھی شروع ہوگیا۔ ''لاوارث'' ڈرامہ سیریل کی کل اقساط چھبیس تھیں اس کی پہلی قسط نے ناظرین کو اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا' اس ڈرامے کے مکالمے اتنے اچھے تھے کہ ہر کوئی ان مکالموں کی تعریف کررہا تھا۔ مدثر نے جب اس

ڈرامے کی پہلی قسط دیکھی تو اس کا ماتھا ٹھنکا تھا' کیونکہ اس نے رمیض سے یہ اسکرپٹ لے کر سارا پڑھا ہوا تھا پھر جیسے جیسے اس کی اقساط آن ایئر ہوتی گئیں تو اس کو یقین ہو گیا یہ تو رمیض کا ہی اسکرپٹ ہے۔ جس دن ''لاوارث'' ڈرامے کی آخری قسط آن ایئر ہوئی تھی اس نے رمیض کو فون کیا۔

''کیسے ہو میرے منٹو؟'' رمیض نے کال پک کی تو مدثر فوراً بولا۔

''ٹھیک ہوں یار تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے اور آج ڈیڑھ سال بعد مجھے فون کرنے کا خیال تم کو کیسے آ گیا؟''

''یار تم ڈرامہ لاوارث دیکھ رہے ہو ریٹنگ کے اعتبار سے نمبر ون جا رہا ہے۔''

''جب سے میں نے ڈرامے لکھنے چھوڑے ہیں ڈرامے دیکھنے بھی چھوڑ دیئے۔''

''لاوارث ڈرامہ تو ضرور دیکھو آج اسکی آخری قسط آن ایئر ہونی ہے۔'' مدثر نے کہا۔

''اس ڈرامے میں کیا خاص بات ہے؟''

''بس ہے خاص بات دیکھو گے تو پتہ چل جائے گا۔''

''پھر بھی کیا خاص بات ہے؟'' رمیض نے اصرار کیا۔

''یار یہ سارا ڈرامہ سیریل تمہارے اسکرپٹ لاوارث کی کاپی ہے۔ اس کے رائٹر نے اس کا نام تبدیل کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔''

''لاوارث ڈرامہ لکھا کس نے ہے؟''

''اختر کاظمی صاحب نے۔''

اختر کاظمی صاحب کا نام سن کر رمیض کو ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ کیونکہ اس نے کاظمی صاحب کو جو اسکرپٹ دیا تھا اس کا نام لاوارث ہی تھا پھر رمیض نے رات آٹھ بجے لاوارث ڈرامے کی آخری قسط دیکھی تو وہ ہو بہو بالکل اس کا لکھا ہی سکرپٹ تھا تین ماہ بعد ہی ملک کا سب سے بڑا ایوارڈ شو ہونے والا تھا جس میں بیسٹ ڈرامہ سیریل رائٹر کے نام سے اختر کاظمی کی نامزدگی بھی شامل تھی۔ رمیض کے ڈرامہ اسکرپٹ کا نام لاوارث تھا اور اس کو لاوارث سمجھ کر ہی اختر کاظمی اس کا وارث بن گیا تھا۔ پورے پاکستان میں مدثر اور عثمان کے بعد کوئی اور نہیں جانتا تھا کہ اس ڈرامہ سیریل کا اصل رائٹر محمد رمیض ہے۔

تین ماہ بعد جب ایوارڈ کی تقریب لاہور میں ہوئی مدثر زبردستی رمیض کو گاؤں سے لے کر شہر آیا تھا اور اس سے زبردستی رمیض کو اس ایوارڈ شو میں شرکت کروائی تاکہ وہ احتجاج ریکارڈ کروائے لیکن رمیض بہت بددل ہو چکا تھا کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے پتہ تھا اس کی بات کا کوئی یقین نہیں کرے گا کیونکہ اس فیلڈ میں اختر کاظمی کا بڑا نام تھا اور رمیض کو ڈرامہ انڈسٹری میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔

جب بیسٹ ڈرامہ سیریل رائٹر کے لیے اختر کاظمی صاحب کا نام پکارا گیا تو سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا سارا ہال تالیاں بجا کر اختر کاظمی کو داد دے رہا تھا۔ اس ہال میں صرف مدثر اور عثمان کے ہاتھ ساکت تھے ان کو پتہ تھا جس ڈرامے کا اسکرپٹ کا اختر کاظمی آج وارث بنا بیٹھا ہے وہ اسکرپٹ اس کا نہیں ہے جیسے ہی اختر کاظمی کے ایوارڈ کا اعلان ہوا مدثر نے زبردستی دھکیل کر رمیض کو اسٹیج پر پہنچا دیا اسٹیج پر رمیض کو دیکھ کر اختر کاظمی کا رنگ اڑ گیا اسٹیج پر پہنچ کر رمیض نے بڑا شور مچایا کہ جس اسکرپٹ پر اختر کاظمی کو ایوارڈ دیا جا رہا ہے وہ اصل میں میرا لکھا ہوا ہے۔ رمیض کی آواز تالیوں کے شور میں دب گئی۔ کسی نے بھی رمیض کی بات کا یقین نہ کیا۔ اختر کاظمی تالیوں کے شور میں ایوارڈ وصول کر کے ہال سے نکل گیا اس کے بعد بیسٹ ڈرامہ ایکٹر اور ایکٹریس کے ایوارڈ دیئے گئے پھر یہ ایوارڈ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی لوگ آہستہ آہستہ ہال سے نکل گئے۔ اب سارا ہال خالی ہو چکا تھا' رمیض اسٹیج پر کھڑا تھا سارے ہال کی کرسیاں خالی تھیں' صرف دو کرسیوں پر مدثر اور عثمان بیٹھے تھے جو رمیض کے کرب کا اندازہ لگا سکتے تھے۔

وہ تیس دن

عمارہ خان

قسط نمبر 07

یہ کہانی خودغرضی اور لالچ پر مبنی ہے کہ کیسے کچھ انسان اپنی غرض پوری کرنے کے لیے دوسروں کا احساس کیے بنا ہی کچھ ایسے شرمناک کام انجام دے جاتے ہیں جو رہتی دنیا کے لیے باعث شرم بن جاتے ہیں اپنے حال پر مطمئن رہنا بھی ایک شکر گزاری ہی ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اس کہانی کے کچھ کرداروں کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ وہ غلط تھے یا درست، حالات کے بے رحم سمندر میں بہتے ہوئے کمزور انسان اپنے آپ کو بچانے کی خاطر اکثر فطرت اور ضمیر کے خلاف بھی چلے جاتے ہیں جس کا خمیازہ اس کے ساتھ اولاد کو بھی بھگتنا ہوتا ہے مجھے یعنی صاحب تحریر عمارہ خان کو جیسے بتایا گیا تھا اسے جوں کا توں لکھ دیا ہے ہوسکتا ہے اس کو پڑھ کر آپ اپنے گھر کی بنیاد کے بارے میں بھی مشکوک ہو جائیں کیونکہ یہ کہانی ایک ایسے خونی گھر کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو کسی نے بہت پیار سے اپنی بیوی کے لیے بنوایا تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اس گھر کی بنیاد میں کالے جادو کے کچھ اثرات ہیں جن سے پیچھا چھڑانا بے حد مشکل ہے یہ بھی ممکن ہے کہانی پڑھنے کے دوران آپ کو کچھ سوال الجھن میں ڈال دیں لیکن جیسے جیسے کہانی اپنے انجام کی سمت جائے گی آپ کو سوالوں کے جوابات بھی ملتے جائیں گے اور پھر شاید فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ حقیقتاً قصور وار کون تھا؟ کون تھا جس نے اپنی خواہشات کے منہ زور گھوڑے کو لگام نہیں ڈالی اور کتنے ہی گھروں کو اپنے ساتھ تکلیف میں ڈال دیا قصہ مختصر کرتے ہیں اور اس آسیب زدہ خونی گھر کی کہانی کا حصہ بنتے ہیں

سورج کب کا نکل کر اپنی روشنی پھیلانے میں مصروف تھا لیکن آسیب زدہ گھر میں زندگی کی کوئی رمق نہیں جاگی تھی۔ سونیا گم صم لیٹی ہوئی ابھی تک شاکڈ میں تھی، وقاص لاؤنج میں بے سدھ سو رہا تھا اس کا موبائل بج بج کر خاموش ہو رہا تھا مگر رات بھر کی تھکن وقاص کی آنکھیں نہیں کھلنے دے رہی تھی۔ الماس بچوں کے کمرے میں بے خبر سو رہی تھی۔ بچے الماس کے کمرے میں لیڈو کھیل رہے تھے، لیڈو تین لوگوں کے لیے بچھا ہوا تھا اور کھیلنے والے صرف عمر اور مہر ہی نظر آ رہے تھے، کمرے میں بے فکری کی ہنسی پھیلی ہوئی تھی جو بتا رہی تھی کہ بچے کھیل سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ مہر اور عمر کے علاوہ بھی تیسرے بچے کا مسرت بھرا قہقہہ بھی اس کمرے میں گونجا جو نظر نہیں آ رہا تھا لیکن لیڈو کی چلتی ہوئی گوٹ اس بات کا ثبوت تھی کہ اس جگہ کوئی بچہ ہے جو وجود رکھتا ہے لیکن دکھائی نہیں دیتا۔

خاموش گھر کے عین سامنے والا گھر جس کی کھڑکی میں کھڑی ہوئی رخ تاج حسب معمول چھت کی جانب دیکھ رہی تھیں، وہ اپنے اردگرد سے انجان ہو چکی تھیں۔ شاہ جی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا لیکن اپنی سوچوں میں گم رخ تاج کو نہ ان کے کمرے میں آنے کا علم ہوا اور نہ ہی ان کے ہلکی آواز میں مخاطب کرنے کا احساس ہوا۔

"آپ صبح صبح ایسے کسی کے گھر کیوں تاکا جھانکی کر رہی ہیں۔" کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے شاہ جی نے بھی سرسری سی نگاہ سامنے ڈالی۔

"اُف شاہ جی۔ اتنی بری طرح ڈرا دیا آپ نے۔" رخ تاج نے اتھلی پتھلی سانسوں کو قابو کرتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"آپ کو آواز دی تھی لیکن آپ سامنے دیکھتے ہوئے اتنی گم ہو جاتی ہیں کہ......" شاہ جی نے کندھے اچکا کر لاچاری سے جواب دیا۔

"وہ میں سوچ رہی تھی کہ......"

"یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے بیگم صاحبہ آپ اکثر سوچتی رہتی ہیں، یقیناً یہ نئی سوچ بھی اسی گھر کے متعلق ہوگی۔" شاہ جی نے مسکراتے ہوئے وقاص کے گھر کی جانب اشارہ دیا۔

"آپ ہر بات مذاق میں نہ لے جایا کریں، میں دراصل یہ سوچ رہی تھی کہ کیوں نا کسی بہانے ان کے گھر جایا جائے تا کہ معلوم تو ہو خیریت رہی رات میں یا......" شاہ کو اچھی طرح اندازہ تھا رخ تاج کی اگلی بات کیا ہوگی۔

"میں پوری رات بے تاب رہی ہوں شاہ جی ہماری خاموشی سے کوئی انسانی جان......"

"کتنی بار ایک ہی بات دہرانی پڑے گی رخ تاج ہماری بات پر کوئی یقین نہیں کرتا۔" شاہ جی نے گہری سانس لیتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔ اب یہ بات الگ تھی کہ ان کے لہجے میں چھپی ہوئی رضامندی بھانپ کے رخ تاج ایک دم پرجوش ہو گئی۔

"ہمارا فرض تو ادا ہو جاتا ہے نا یہ کافی نہیں ہے شاہ جی۔"

"لیکن......!"

"جانے دیں شاہ جی...... اب عمر ہی کتنی بچی ہے ہماری جو یہ حساب کتاب رکھیں کہ کون ہماری بات پر یقین رکھتا ہے یا نہیں زیادہ سے زیادہ یہ لوگ بھی پچھلے کرائے داروں کی طرح ہم پر الزام دھر دیں گے کہ ان کی پرائیویسی خراب کرنے ہم من گھڑت کہانی گھڑ رہے ہیں کرنے دیں لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے یہ لوگ ہماری بات سمجھ جائیں۔"

شاہ جی نے نیم رضامندی سے سر ہلایا اور تھکے ہوئے لہجے میں رخ تاج کو مخاطب کیا۔

"رخ اب مسائل جھیلنے کی سکت نہیں رہی ہم میں۔"

"اُدھر دو دو بچے بھی ساتھ ہیں۔" رخ تاج نے تیزی سے گرہ لگائی۔

"ضدی تو تم شروع سے ہی رہی ہو، اپنی کر کے ہی رہتی ہو۔" شاہ جی نے مسکراتے ہوئے رخ تاج کو دیکھا جو ان کی بات سن کر جھینپ گئی تھیں۔

"ہمارے پڑوسی ہیں وہ ان کا حق ہے ہم پہ۔ پھر ہمارا فرض بھی تو ہے نا۔" دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ رخ تاج نے شاہ کو دیکھا اور اپنی قسمت پہ نازاں ہوئیں، جو اس عمر میں بھی شوہر کی الفت کی حق دار تھیں۔

"اپنے وقت پہ سب کچھ یاد آ جاتا ہے تم کو۔" شاہ نے

Digitized by Google

ٹھنڈی آہ بھر کر بیوی کو دیکھا۔

"اچھا اچھا بس اب مجھے جانے دیں۔ آدمی تو ہوتے ہی الگ مزاج کے ہیں لیکن وہ لڑکی مجھے اچھی سلجھی ہوئی لگتی ہے۔ مجھے امید ہے وہ میری بات دھیان سے سنے گی ماں ہے وہ جب اسے معلوم ہوگا کہ بچے خطرے میں ہیں تو یقیناً وہ سیریس لے گی اس کو۔" شاہ جی خاموشی سے ان کو دیکھتے رہے۔

"اور دیکھیں نا، آج صبح سے کیسے ان کے گھر سناٹا چھایا ہوا ہے ویرانی برس رہی ہے جیسے...... جیسے......!" رخ تاج نے ہونٹ بھینچ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"خیر کے کلمات نکالو منہ سے آسان نہیں ہے ایسے حالات میں رہنا۔" شاہ جی نے فوراً ہی ان کو ٹوک دیا۔

"میں بس آج ہی جاتی ہوں ادھر، معلوم بھی تو ہو کل رات کیا ہوا۔ وہ کس کو دکھائی دیا اس بار۔" رخ تاج نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی پلاننگ شاہ جی کو بتائی، وہ سر ہلاتے ہوئے اپنی کتاب کھول چکے تھے۔

❁......☆❁☆......❁

مسلسل بجتے ہوئے فون نے بالآخر وقاص کو جگا ہی دیا۔ مندی ہوئی آنکھوں سے وقاص نے فون اٹھایا اور دوسری طرف کی بات سن کے فوراً ہی بوکھلا کے اٹھ گیا۔

"اوہ یس یس...... میں راستے میں ہوں۔ بس آرہا ہوں۔ یار وہ ٹریفک میں پھنس گیا تھا۔ ارے آواز تو...... کچھ نزلہ محسوس ہو رہا ہے اسی لیے بھاری ہو رہی ہے ڈونٹ وری میٹنگ شروع ہونے سے پہلے ہی میں ادھر ہوں گا۔ اوکے اوکے تھینک یو صدیقی...... بس سمجھو پہنچ گیا۔"

فون بند کرتے ہوئے وقاص نے وقت دیکھا اور بڑبڑاتے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھا۔

"او گاڈ، اتنا وقت ہوگیا اور میری آنکھ ہی نہیں کھلی حد ہوگئی۔" سوئی ہوئی سونیا پر ایک نظر ڈالتے ہوئے وقاص نے الماری کھولی اور اپنا ایک پریس کیا ہوا سوٹ نکال کر بیڈ پر رکھا پھرتی کے ساتھ باتھ روم گیا ضروریات سے فارغ ہو کر کپڑے بدلنے کمرے میں آیا لیکن سامنے بیڈ پہ کپڑے نہیں تھے۔

"اف کیا مصیبت ہے یار، کپڑے پتہ نہیں نکالے بھی تھے یا نہیں۔" وقاص نے سر جھٹکتے کے فوراً ہی دوسرے کپڑے نکالے اور پہن کر آفس جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔

وقاص نے تیزی کے ساتھ گھر کا مرکزی دروازہ کھو[لا] اور گاڑی کو پارکنگ ایریا سے نکالنے کے لیے اس کی طرف بڑھنے لگا اسی اثناء میں وقاص کا فون ایک بار پھر بجنا شروع ہوگیا۔

"ہیلو۔"

"شہیر بول رہا ہوں وقاص۔"

"ہاں شہیر بولو۔" وقاص نے جلدی سے دروازہ بند کی[ا] اور تیز قدموں کے ساتھ گاڑی کی سمت بڑھا۔

"دیتا ہوں یار آج تم کو کرایہ، بس آفس کی وجہ سے ذ[را] مصروف ہوگیا تھا۔" گاڑی اسٹارٹ کر کے باہر کی سمت ریورس کی

"کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔"۔ شہیر نے تیزی سے وقاص کی تسلی کرانی چاہی ایسے ہی کال کرلی تھی۔ سب خیر ہے نا۔"

"اوہ شٹ۔" وقاص کراہا گاڑی کا ٹائر پنچر تھا۔

"کیا ہوا۔" شہیر نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں وہ بس سونیا۔ اٹس اوکے کوئی خاص بات نہیں۔"

وقاص نے فوراً ہی گاڑی سے اتر کر ڈگی سے ایکسٹرا ٹائر نکالا اور بدلنے کی تیاری پکڑی۔

"ہاں ہاں کیا ہوا بتاؤ مجھے۔" تجسس بھری ہوئی آواز میں شہیر نے سوال داغا۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں شہیر ڈونٹ وری خیر میں آتا ہوں رات کو تمہارے پاس ابھی تھوڑا جلدی ہوں میں۔"

شہیر نے بھی وقاص کے انداز سے عجلت کا انداز لگالیا۔

"اوکے اوکے لیکن کوئی بات ہو تو سب سے پہلے مجھے ہی بتانا نا چھپانا۔" شہیر نے اپنی سی کوشش جاری رکھی۔

"ہاں اوکے۔" وقاص نے فون بند کر کے ڈیش بورڈ پر رکھا اور پنچر ٹائر نکال کر بدلنے لگا۔ جتنی جلدی ہو اتنی ہی دیر ہوتی ہے۔

جھنجلایا ہوا وقاص اس وقت واقعی قابل رحم لگ رہا تھا

Digitized by Google

بالآخر ہر ممکن تیزی کے ساتھ اس نے ٹائر واپس ڈگی میں رکھا اور گاڑی باہر نکال کے دروازہ بند کرنے لگا۔

''السلام علیکم..... برخوردار۔'' ایک نرمی میں ڈوبی ہوئی آواز سن کے وقاص ایک دم چونک گیا۔

''وعلیکم السلام۔'' سوالیہ نظروں سے وقاص نے ان کا احاطہ کیا۔

صاف ستھری شلوار قمیض ہاتھ میں پکڑی ہوئی واکنگ اسٹک اور سر پہ جناح کیپ لگائے معقول نظر آنے والے ادھیڑ عمر شخص نے مسکراتے وقاص کو اپنا جائزہ لیتا دیکھا۔

''میں آپ کا پڑوسی ہوں۔'' شاہ نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے گھر کی جانب دیکھا۔

''اوہ اچھا اچھا۔'' وقاص نے پڑوسی کے ہاتھ کے اشارے کی سمت دیکھا جو عین اس کے گھر کے سامنے والا گھر ہی تھا۔

''سوری مجھے آنا چاہیے تھا ملنے، لیکن بس وہ.....'' شرمندگی سے وقاص نے تیزی سے بات پوری کی اور بجتے ہوئے موبائل پر ایک نظر ڈالی۔

''کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔ بس ایسے ہی تم پر نظر پڑ گئی تو سوچا سلام دعا کرلوں پڑوسی ہوں آخر۔''

''بہت اچھا کیا انکل اچھا لگا آپ سے مل کے۔'' وقاص نے اجازت طلب کرنے کے انداز میں انہیں دیکھا۔

''میں..... وہ..... دراصل.....''

''کچھ کہنا چاہ رہے ہیں آپ۔'' وقاص نے چونکتے ہوئے ان کی سمت دیکھا۔

''جی لیکن مجھے ڈر ہے آپ برا نا مان جائیں۔'' وقاص کی حیرت بھانپ کر انہوں نے ایک نظر مکان پر ڈالی اور دوسری نظر وقاص پر جو انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ نے غور کیا ہے اتنا بڑا اور اچھا مکان کم کرائے پر کیسے مل گیا وہ بھی اتنی اچھی لوکیشن پر اور ہاں یہ بھی نوٹ کیا آپ نے کہ ہر کچھ دن بعد شہیر آپ کو فون کر کے خیریت کیوں پوچھتا ہے کیا اس سے پہلے کسی اسٹیٹ ایجنٹ نے یہ حرکت کی ہے۔'' شاہ نے رکے بغیر ہی پے در پے سوال کر کے سکون سے سانس لی۔

''کک..... کیا..... مطلب۔'' وقاص ہکلا کر رہ گیا۔

''آپ کو شہیر کا نام کیسے معلوم اور فون کا بھی آپ ہیں کون۔''

''نام تو میرا..... خیر سب شاہ جی ہی بولتے ہیں اور جیسا کہ عرض کیا ہے صاحبزادے کہ ہم آپ کے پڑوسی ہیں۔''

''آپ مجھے کنفیوز کر رہے ہیں انکل۔''

''خیر میں چلتا ہوں لیکن چلتے چلتے یہ بھی بتا دوں میں ہی وہ بڈھا ہوں جس کے بارے میں شہیر نے سختی سے منع کیا ہوگا ملنے سے کہیں میں تم کو اس مکان کے بارے میں عجیب و غریب اور من گھڑت کہانیاں نا سنانا شروع کر دوں۔'' وقاص حقیقتاً اس بار بوکھلا ہی گیا۔

''آپ..... آپ..... آپ.....!''

''ہاں مجھے معلوم ہے شہیر میرے بارے میں کیا کیا باتیں مشہور کرتا ہے لیکن مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اس چیز سے۔''

''وہ کیوں ایسا بولتا ہے۔'' وقاص آفس اور میٹنگ ہر چیز بھول چکا تھا اس وقت.....!''

''تمہیں دیر ہو رہی ہے، اسی لیے میں اس وقت تم سے صرف دو باتیں پوچھوں گا فیصلہ کرنے کا پورا اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

جواب وقاص کے چہرے پر ہی لکھا ہوا تھا۔ اسی لیے شاہ جی نے بنا کسی توقف کے سوال دہرائے۔

''پہلا سوال یہ مکان اتنے کم کرائے پر کیوں ہے دوسرا شہیر کیوں تم سے فون پہ خیریت پوچھتا ہے۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وقاص نے الجھتے ہوئے سامنے کھڑے پرسکون شاہ جی کو دیکھا۔

''کیا اس سے پہلے کسی اسٹیٹ ایجنٹ نے تم کو ایسے فون کیے ہیں۔'' وقاص کا سر بے ساختہ ہی نفی میں ہل گیا۔

''تو پہلے ان دو سوالوں کے جواب کھوجو پھر میں تم کو آگے کی بات بتاؤں گا کہ کیوں شہیر نے مجھ سے دور رہنے کو کہا ہے۔ کیا ہے اس گھر میں جو شہیر کو خوف زدہ رکھتا ہے اور تم لوگوں کی خیریت پوچھنے کے لیے وہ بے چین ہو جاتا ہے۔'' شاہ جی نرمی سے ہونٹ بنے وقاص کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے آگے بڑھ گئے لیکن پیچھے کافی سارے سوالوں کے جوابات سوچنے وقاص کھڑا رہ گیا۔

.....☆.....

سونیا نے دکھتے ہوئے سر کے ساتھ آنکھیں کھولیں اور بے خیالی میں کمرے میں نظریں گھمانے لگی۔ دھیرے دھیرے اسے رات کی باتیں یاد آنے لگیں بے یقینی کے ساتھ وہ فوراً ہی اٹھ کر کمرے کی کھڑکی سے لان کی وہ جگہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں وہ اور وقاص رات میں بیٹھے تھے اور اسی وقت ڈور بیل کی آواز سن کر اس نے گیٹ کھولا تھا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے سونیا نے کمرے سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ سامنے ڈریسنگ پر اپنا عکس دیکھ کر اس کے بڑھتے قدم اٹھنے سے انکاری ہو گئے تھے۔ بکھرے سے بال، مسکے ہوئے کپڑے۔ ویران چہرہ۔ یہ رات بھر میں وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی سونیا روبوٹ کی مانند چلتی ہوئی باہر نکلی اور سیدھی وہاں جا بیٹھی جہاں کالے کپڑوں والے وقاص کے ساتھ بیٹھی تھی لمحہ بھر بیٹھنے کے بعد ایک دم وہ چونک گئی اور فوراً ہی اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے لگی جیسے کسی کی تلاش ہو "ہاں میں نے اور وقاص نے چائے پی تھی ادھر بیٹھ کر اگر وہ خواب نہیں تو کپ ہونے چاہیے ادھر ہی۔"

بینچ کے پاس ٹرے تو نہیں ملی لیکن چائے کے کپ کے نشان ضرور مل گئے تھے سونیا اس نشان پر انگلی پھیرتے ہوئے بڑبڑانے لگی۔

"میں پاگل نہیں ہوں، نہ ہی جھوٹ بول رہی ہوں۔"

اسی وقت مرکزی دروازے سے منسلک چھوٹا دروازہ کھلا اور رخ تاج نے اندر جھانکا سامنے سونیا کو دیکھ کر وہ جھجکتی ہوئی مکمل اندر آ کر سونیا کے پاس کھڑی ہو گئیں سونیا اپنی ہی سوچوں میں گم تھی، اسے علم نہیں ہوا کب رخ تاج اس کے پاس آ گئی ہیں۔

رخ تاج نے دھیرے سے کھنکھار کر اس کی توجہ اپنی سمت کرانی چاہی، سونیا نے چونک کر انہیں دیکھا اور بتدریج اس کی نگاہوں کا زاویہ رخ تاج کے گھر کی سمت ہو گیا، کھڑکی پر نظر جما کر جیسے وہ کنفرم کرنا چاہ رہی تھی۔

"آپ وہی ہیں جو سامنے کھڑی رہتی ہیں۔"

رخ تاج نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ گویا سونیا کی تسلی کرائی۔

"ہاں میں وہی ہوں۔" ساتھ ہی اشارے سے بینچ کی طرف اشارہ کیا۔ جیسے بیٹھنے کی اجازت طلب کر رہی ہوں۔ سونیا نے ذرا سا کھسک کر ان کے لیے جگہ بنائی اور خاموشی سے ان کو دیکھنے لگی۔

"سوری بیٹا، وہ بس گیٹ کھلا تھا تو رہا نہیں گیا میں بے اختیار اندر داخل ہو گئی۔" رخ تاج نے دھیرے سے بات شروع کی۔

"آئیں اندر چل کر بیٹھیں۔" سونیا کو میزبانی کے آداب یاد آ گئے۔

"نہیں نہیں ادھر ہی ٹھیک ہے میں آرام سے ہوں لیکن تم کچھ پریشان لگ رہی ہو بیٹا۔"

نرم لہجہ سن کر سونیا کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آ گئے۔

آنسو پیتی ہوئی سونیا نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

"نہیں..... نہیں کچھ خاص نہیں۔ آپ پلیز اندر چلیں۔ ایسے کچھ مناسب نہیں لگتا۔ پہلی بار آئی ہیں۔"

"نہیں میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ بند کمروں سے ایسی کھلی جگہ زیادہ سکون بخش لگتی ہے نا۔"

"آپ صحیح بول رہی ہیں۔" سونیا نے بلا جھجک ان کی بات پر لبیک کہا اور سر جھکا کر چائے کے کپ کے نشان پر انگلی پھیرنے لگی۔

"میں..... وہ..... وہ..... میں..... دراصل.....!"

رخ تاج جھجک گئیں۔ "میں اس مکان کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی تھی لیکن ڈر ہے تم اسے جھوٹ نہ سمجھو۔" سونیا ایک دم چونک گئی۔

"کک..... کی..... کیا..... مطلب؟"

"میرا مقصد تم کو ڈرانا نہیں ہے بیٹی۔" متوقع ردعمل دیکھ کر رخ تاج نے ایک بار پھر نرمی سے سونیا کو مخاطب کیا۔

"مکان کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہیں آپ۔" سونیا نے بڑبڑاتے ہوئے ان سے پوچھا۔ "کیا آپ جانتی ہے اس گھر کے بارے میں کچھ.....!"

"میں بہت کچھ جانتی ہوں، یہ میرے سامنے ہی بنا تھا۔" یاسیت سے کہتی ہوئی رخ تاج کی آواز ایک دم بھرا گئی۔

"اس کی ایک ایک چیز میرے سامنے ہی لائی گئی تھی

Digitized by Google

جس بینچ پر ہم بیٹھے ہوئے ہیں یہ اس لان کی سب سے پہلے خریدی ہوئی چیز تھی۔" رخ تاج نے پیار سے اس بینچ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سونیا کو حیران کر دیا۔

"آپ کون ہیں؟" سرسراتی ہوئی آواز سن کر رخ تاج نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"میں کون ہوں وقت آنے پر یہ بھی معلوم ہو جائے گا لیکن اس سے اہم بات یہ ہے کہ تم کو مکان کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے یہ گھر..... یہ گھر نارمل نہیں ہے۔"

"ہاں اس مکان میں ایسا کچھ ہے جو اصل نہیں ہے کچھ الگ ہے اس میں۔" کھوئے کھوئے انداز میں سونیا نے رخ تاج کی بات آگے بڑھائی۔ "میں محسوس کرتی ہوں اس گھر میں ہم اکیلے نہیں ہیں کوئی ہے اس گھر میں۔"

"ہاں ایسا ہی ہے بالکل ایسا ہی ہے۔" رخ تاج نے فوری طور پر اس کی بات مانتے ہوئے اتفاق کیا۔

"لیکن کوئی میری بات پر یقین نہیں کرتا۔ وہ سمجھتے ہیں میں کسی غلط فہمی کا شکار ہوں۔" بے بسی سے بولتی ہوئی سونیا رخ تاج کو اداس کر گئی۔

"میں یقین کرتی ہوں تم پر مجھے بتاؤ کھل کر بتاؤ کل کیا ہوا۔" رخ تاج نے آہستگی سے سونیا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے حوصلہ دیا۔

"کل۔" سونیا نے چونک کر ان کو دیکھا۔

"کل رات ہاں کل رات ہی تو....."

"کچھ ہوا نا کل رات مجھے بتاؤ شاید میں کچھ مدد کر سکوں۔"

"آپ کو یہ سب کیسے معلوم۔"

"میں نے کہا نا بعد میں بتا دوں گی فکر نہیں کرو۔ ابھی کل رات والی بات بتاؤ کیا تم کو نظر آیا کوئی۔ اس نے کچھ کہا۔ مجھے یقین ہے کچھ انہونی ہوئی ہوگی کل کیونکہ کل چاند کی چودہ تھی۔" سونیا نے سرگوشی کے انداز میں خود کلامی کی۔

"چاند کی چودہ۔ ہاں وہ بھی تو یہ ہی بول رہا تھا۔"

"وہ کون..... کون بول رہا تھا۔ کیا تم کو نظر آیا وہ اور کچھ کہا اس نے۔" رخ تاج نے ہیجانی لہجے میں سونیا کے ہاتھ سختی سے دباتے ہوئے کہا تو وہ ایک ٹک ان کو دیکھتی چلی گئی۔

"مجھ پہ بھروسہ کرو، میں تمہارے لیے نقصان دہ نہیں ہوں اور میں تم پر یقین رکھتی ہوں۔" اپنا ہاتھ سونیا کے ہاتھ پر رکھ کر اسے تسلی دیتی ہوئی رخ تاج کے ایک ایک لفظ سے سچائی ٹپک رہی تھی۔

"آپ..... آپ میری بات پر یقین رکھتی ہیں؟"

"ہاں بالکل تم نے جو بھی کل دیکھا وہ بالکل سچائی پر مبنی ہے۔"

"لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"سب ہو سکتا ہے، سب ممکن ہے۔ یہ انسان پر منحصر ہے وہ کب کس حقیقت کو مان لے کب کسی کو جھٹلا دے تم مجھے بتاؤ پلیز تمہارے ساتھ کیا ہوا وہ کیا بول کر گیا ہے شاید میں اس بار کسی کو بچا لوں۔"

"کل میرے شوہر کافی لیٹ ہو گئے تو میں نے ان کو کال کرنی چاہی، نیٹ ورک کے سبب کال نہیں لگی تو میں نے ان کو ٹیکسٹ کر دیا اور خود کام کرنے لگی تھوڑی ہی دیر بعد، وہ بند لاؤنج سے پتا نہیں کیسے میرے بالکل پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے معلوم ہی نہیں ہوا۔ کچھ الگ لگ رہے تھے وہ، میں محسوس کر سکتی تھی لیکن بتا نہیں سکتی پھر میں نے ان سے کھانے کا پوچھا لیکن انہوں نے منع کر دیا اور بولے چائے بنا کر باہر لے آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

گہری سانس لیتی سونیا نے رخ تاج سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور ماتھے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا۔ "اور میں چائے بنا کر باہر لے آئی تو وہ ادھر بیٹھے ہوئے ایک ٹک چاند کو دیکھ رہے تھے اور..... اور..... اور.....!" سونیا ایک دم سسک اٹھی۔

رخ تاج نے اس کو تسلی دینے کے انداز میں کندھے پر ہاتھ رکھا اور آگے بڑھنے کا اشارہ کیا سونیا جو شاید ان کی موجودگی بھول بیٹھی تھی ایک دم ان کی سمت متوجہ ہوئی پھر میں نے ادھر ٹرے رکھی اور وقاص سے کہا پی لیں لیکن وہ کسی رات کے متعلق بولتے رہے کہ ایسی عجیب باتیں جو آج سے پہلے میں نے ان کے منہ سے کبھی نہیں سنی تھیں۔ میں نے حیرت سے ان کو ٹوکا بھی لیکن انہیں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اسی اثناء میں ڈور بیل بجی میں نے جا کر دیکھا تو وہاں وہ..... وہ..... وقاص....." سونیا بے اختیار رو پڑی۔

رخ تاج نے اسے اپنے سے لگا کر تسلی دینا چاہی۔ کچھ

Digitized by Google

لمحے بعد سونیا نے خود پر قابو پایا۔ ''میں نے گیٹ کھولا وہاں الماس میری چھوٹی بہن کھڑی ہوئی تھی اور سامنے گاڑی میں وقاص بیٹھے ہوئے تھے جیتے جاگتے دوسرے وقاص میں نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا تو پہلے والا وقاص غائب تھا اگر وہ وقاص تھے تو میں کس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی پھر اور اگر میرے ساتھ لان میں وقاص تھے تو الماس کس کے ساتھ آئی تھی گھر۔'' سونیا نے سوالیہ نظروں سے رخ تاج کو دیکھا جیسے وہ اس پہیلی کو سلجھادیں گی۔

''ایسا کیسے ممکن ہے ایک ہی انسان دو الگ جگہ پر موجود ہو اور غائب بھی ہو جائے یہ خواب نہیں ہے۔ حقیقت ہے جیسے ابھی آپ میرے سامنے بیٹھی ہیں باتیں کر رہی ہیں میرا یقین کریں آنٹی میں پاگل نہیں ہوں۔ میں سچ بول رہی ہوں۔ ایسا سچ جس پر میرا بھی یقین مشکوک ہے لیکن میں بالکل ادھر اسی جگہ بیٹھی تھی کل اور وقاص تھا میرے ساتھ لیکن پھر وہ ایک دم گیٹ پر کیسے چلا گیا اور......اور......اور...... یہ دیکھیں یہ وہ رات والا نشان ٹرے رکھنے کا ہے یہ۔'' رکے بنا ہی سونیا نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔

''اوں......'' رخ تاج نے گہری سانس لی۔

''مجھے اسی بات کا ڈر تھا۔''

''ڈر...... کس چیز کا ڈر۔'' سونیا نے ناسمجھی سے ان کو دیکھا جو اداسی کے ساتھ مایوس بھی لگ رہی تھیں۔

''یہ نہیں ہونا چاہیے تھا دیر ہوگئی بہت ہی دیر ہوگئی۔''

''کیا کہہ رہی ہیں آپ کس چیز کی دیر ہوگئی۔'' الجھے ہوئے انداز میں سونیا نے سامنے بیٹھی رخ تاج کو دیکھا۔

''مجھے معاف کر دو بیٹا۔ یقیناً مجھے جلدی آنا چاہیے تھا لیکن مجھے...... مجھے ڈر تھا تم میری بات پر یقین نہیں کرو گی جیسے تم سے پہلے والے کرائے دار نہیں کرتے تھے۔''

''لیکن کس بات پر یقین...... کیا ہوا ہے۔''

''یہ گھر...... یہ گھر دراصل آسیب زدہ ہے۔''

''کیا...... کیا...... مطلب ہوا اس بات کا۔ یہ گھر آسیب زدہ ہے یعنی کوئی سایہ ہے اس گھر میں۔'' سونیا نے حیرت سے رخ تاج کو دیکھا اور ایک نظر اپنے گھر کی سمت دیکھا۔ رخ تاج کا ہلتا ہوا سر دیکھ کر سونیا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے میں رہتی ہوں ادھر، میرے بچے ہیں شوہر ہے۔ بہن ہے کوئی آسیب کیسے آسکتا ہے ادھر۔''

''وہ پہلے سے ہے ادھر تمہارے آنے سے بھی بہت پہلے سے کیسے بتاؤں تمہیں کیا تم یقین کرلوگی جو میں......''

''یعنی مجھے جو محسوس ہوتا تھا وہ احساس غلط نہیں تھا۔'' ہکا بکا سونیا نے رخ تاج کو دیکھا جو آنکھوں میں آنسو لیے اسے ہی کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہم اس جگہ اکیلے نہیں ہیں۔'' سونیا نے خود کلامی جاری رکھی۔ ''کوئی ہے جو نظر نہیں آرہا لیکن اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے کیا میرے بچے خطرے میں ہیں۔'' ماں کو فوری طور پر اپنے بچوں کا خیال آیا۔

''وہ نہیں ہیں۔''

''تو پھر کون ہے؟''

''کوئی اور خطرے میں ہے۔''

''اب اور کوئی خطرے میں نہیں ہے۔''

''اب......کیا مطلب۔''

''مطلب اب صرف تم خطرے میں ہو سونیا۔'' رخ تاج نے جھکی ہوئی نظروں سے سچائی بیان کی۔

❀......☆❀☆......❀

''جی بھائی۔ باجی تو نارمل ہی ہیں ارے آپ فکر نہ کریں۔ میں کچھ آرڈر کر دوں گی، بھائی جان بالکل بے فکر رہیں آپ۔''

الماس ایک نظر سونیا کو دیکھ کر اب اپنے کمرے کی جانب جا رہی تھی جب وقاص کا اسے فون آیا۔

''جی بچے۔''

الماس نے مسکراتے ہوئے بچوں کے کمرے کا دروازہ کھولا وہ لوگ بلاکس سے کھیل رہے تھے اور سائیڈ میں لوڈو بھی سجا ہوا تھا۔

''جی بچے تو کھیل میں مگن ہیں آپ بات کریں گے کیا۔ چلیں او کے پھر۔''

مہر نے اشارے سے الماس کو بھی کھیلنے کے لیے بلایا لیکن وہ پھرتی سے سر نفی میں ہلاتی ہوئی وقاص سے بات کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی مہر کی توجہ لمحہ بھر بھٹکی اور عمر نے فوراً ہی ہاتھ دکھا دیا لیکن مہر نے اسے پکڑ لیا تھا اور فوراً ہی ٹوک دیا۔

URDU TUBE ENTERTAINMENT

Digitized by Google

"چیٹر چیٹر۔"

"جی نہیں میں نے کوئی چیٹنگ نہیں کی۔" عمر نے بوکھلا کر گواہی دینی چاہی پوچھ لو چاہے فرینڈ سے ہے نا؟"

لیکن یہ بات الگ تھی کہ اس نے آنکھ مار کر فرینڈ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش ضرور کی تھی مہر نے فرینڈ کو دیکھا جہاں چمکتی ہوئی بال نظر آرہی تھی لیکن کوئی وجود نہیں تھا جسے فرینڈ کہہ کے مخاطب کیا گیا تھا۔

"یہ بلاک ادھر تھا ابھی میں نے خود دیکھا تھا ہے نا فرینڈ، عمر نے چیٹنگ کی ہے نا؟" مہر نے بھی فرینڈ کو بیچ میں ڈالا۔

"اچھا چھوڑو لیڈو کھیلتے ہیں۔" عمر نے پکڑے جانے کے بعد گیم ہی بدلنا چاہا کیونکہ وہ تقریباً ہار چکا تھا۔

"لیکن اب چیٹنگ نہیں ہوگی۔" مہر نے گھورتے ہوئے عمر کو دھمکی دی۔

"جب ہارتے ہو ایسے ہی کرتے ہو بھائی۔"

"دیکھتے ہیں۔" عمر نے زبان چڑاتے ہوئے مہر کو مزید چھیڑا۔

"لیڈو تین لوگوں کے لیے لگایا گیا اور ایک بار پھر تیسرا وجود نظر نہیں آرہا تھا۔

"عمر بابا بلا رہے ہیں۔" ایک بار پھر الماس کی آواز بلند ہوئی اور عمر نے منہ بنایا۔

"خالہ میں کھیل رہا ہوں۔"

"لیں بھائی۔" الماس نے موبائل عمر کی طرف بڑھایا اور خود بچے ہوئے لیڈو کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ارے تم دونوں نے میرے لیے کیوں گوٹیں لگائی ہیں مجھے نہیں کھیلنا۔"

"خالہ یہ آپ کے لیے تھوڑی ہے۔" مہر نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے خالہ کی غلط فہمی دور کرنی چاہی۔ "یہ تو.....!"

"خالہ بابا۔" عمر نے خراب موڈ کے ساتھ الماس کا پلو پکڑ کر زور سے ہلایا۔

"کیا ڈانٹ پڑ گئی جو.....!" الماس نے عمر کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے اس کے بال بکھرا دیے اور کارپٹ پر پڑی ہوئی کتابوں کو اٹھا کر ان کی جگہ رکھنے لگی۔

"باجی سو رہی ہیں بھائی جان او کے چلیں میں بتاتی رہوں گی۔"

"کیا ہوا بھائی۔" مہر نے عمر کے موڈ کا اندازہ لگایا اور سرگوشی میں سوال پوچھا۔

"بابا بول رہے تھے، چھت پر نہیں جانا اور نا ہی ماما کے پاس۔"

"ہنہ..... چلو تم کھیلو۔"

الماس نے اِدھر اُدھر پڑی چیزیں اٹھا کر کمرہ سمیٹا اور بچوں پر ایک نظر ڈالتی ہوئی باہر کی سمت بڑھنے لگی۔ عمر اور مہر خاموشی کے ساتھ لیڈو کھیل رہے تھے کمرے سے نکلتے نکلتے مہر اور عمر کی ہنسی کی آواز سن کر جاتی ہوئی الماس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔

مہر..... عمر ہنستے ہوئے تیسری بچی ہوئی گوٹ کو دیکھ رہے تھے جو الماس کے حساب سے اس کے لیے رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے جاتے ہی سامنے رکھے ہوئے ڈریسنگ کے آئینے میں عمر مہر کے ساتھ، انہی کی عمر کے بچے کا ہیولہ نظر آنے لگا، وہ ملن سا بیٹھا ہوا اپنی گیند کے ساتھ کھیلتا ہوا لیڈو بھی انجوائے کر رہا تھا۔

❁.....☆❁☆.....❁

رات کا اندھیرا چھا رہا تھا جب وقاص نے گاڑی پارک کی اور تھکے ہوئے انداز میں گاڑی سے اُتر کر اپنے کندھے دبائے، انگڑائی لے کر تھکن اتارنے کی کوشش کی اور آنکھیں مسلتا ہوا گھر کے اندرونی دروازے کی سمت قدم بڑھانے لگا۔ لاؤنج گہرے سناٹے میں گھرا ہوا تھا، وقاص نے خاموشی کے ساتھ لیپ ٹاپ اور گاڑی کی چابی سینٹر ٹیبل پر رکھی اور کچھ کھانے کی تلاش میں کچن کی طرف بڑھنے لگا۔

"ہیلو۔" سامنے ہی کھڑی الماس نے ہاتھ میں پکڑے دودھ کے گلاس اٹھا کر ٹرے میں رکھے اور بے آواز اسٹائل میں ہاتھ لہرا کر ہیلو کہا۔

وقاص نے بھی مسکراتے ہوئے جوابی ہیلو کہا اور اپنے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سونیا کی طبیعت پوچھی، ساتھ ہی کھانے کا اشارہ کیا جیسے جاننا چاہ رہا ہو سب کھانا کھا چکے ہیں۔

الماس نے سکون سے سر ہلاتے ہوئے اس کی تسلی کرائی اور سونیا کے کمرے کی جانب آنکھیں موند کر بتا دیا

وہ سو رہی ہے۔

وقاص نے گہری سانس لے کر کچن کاؤنٹر پر بیٹھ جانے میں ہی عافیت دیکھی، الماس نے اوون میں سالن گرم کیا اور ہاٹ پاٹ آگے بڑھا کر دودھ کی ٹرے اٹھالی۔

"شش...... شش۔" جاتی ہوئی الماس کو وقاص نے دھیمی آواز میں اپنی جانب متوجہ کیا، سوالیہ نظروں سے الماس نے پلٹ کے وقاص کو دیکھا جو چائے پینے کا اشارہ دے رہا تھا۔ مصنوعی منہ بناتی ہوئی الماس نے اس اشارے کا مطلب سمجھ کر اسے گھورا لیکن ساتھ ہی واپس آنے کا بولتی ہوئی سیڑھیوں کی جانب رخ کر گئی

الماس کے جانے کے بعد وقاص نے لقمہ بناتے بناتے سونیا کو دیکھنا چاہا اور دھیرے دھیرے اپنے کمرے کی سمت بڑھا، خاموشی اور سکون کے ساتھ بند دروازہ کھول کر سامنے دیکھا جہاں سونیا دروازے کی طرف سے پشت کیے ہوئے لیٹی تھی یا شاید سو رہی تھی، وقاص نے اسے دیکھ کر اطمینان محسوس کیا اور ایک بار پھر کھانا کھانے میں مشغول ہوگیا۔ وہ اگر چند قدم آگے جا کر دیکھتا تو اسے سونیا کے چہرے پر چھائی بے بسی اور خوف صاف دکھائی دے جاتا جو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے دیوار پر بننے والا ہیولہ دیکھ رہی تھی۔

❀......☆❀☆......❀

الماس، وقاص کو چائے دے کے گنگناتی اپنے کمرے میں داخل ہوئی اس کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جو وہ بند کر کے گئی تھی۔ الماس منہ بناتی کھڑکی بند کرنے بڑھی، لحہ بھر پہلے ایک کالی بلی اس کھلی کھڑکی میں بیٹھ کر اسے دیکھ رہی تھی لیکن الماس نے جیسے ہی کھڑکی کو ہاتھ لگایا وہ غائب ہو چکی تھی۔ کھڑکی بند کرنے سے پہلے الماس نے ٹھنڈی ہوا محسوس کرنے کے لیے اپنا چہرہ ذرا باہر نکالا اور پرسکون انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

نیچے لان میں بیٹھی کالی بلی نے چمکتی آنکھوں سے الماس کا خوبصورت چہرہ دیکھا، جو چاند کی دلفریب روشنی میں دمک رہا تھا۔

الماس نے گہری سانس لیتے ہوئے اپنی ذہنی تھکن دور کرنی چاہی۔ ایک دم دروازہ کھلنے کی آواز سن کر الماس نے چونک کر آنکھیں کھولی اور فوراً ہی پلٹ کر دیکھا تو دروازہ بند تھا۔ کندھے اچکا کر اس نے کھڑکی بند کی اور سونے کے لیے بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔

بند کھڑکی کے عین پیچھے دو سلگتی ہوئی آنکھیں الماس پر جمی تھیں۔

❀......☆❀☆......❀

فیصل ذہنی طور پہ خود کو بیمار محسوس کرنے لگا تھا، اس نے شام ڈھلتے ہی کاؤنٹر پر بتا کر لان میں جانے کا فیصلہ کیا اور اب کافی دیر سے مسلسل چہل قدمی کرنے کے باوجود وہ اپنی بے چینی ختم نہیں کر پا رہا تھا کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایک جگہ بیٹھ کر موبائل نکالا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"کل کیا ہوا۔"

"وہی جو ہوتا ہے۔"

"اب کس کو۔"

"بچوں کی ماں کو۔"

شہیر کی دھیمی آواز سن کر فیصل کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ جانتا تھا یہی ہونا ہے لیکن شاید وہ کسی معجزے کی تلاش میں تھا آہ، پھر ایک ماں۔

"سر آخر کب تک میرا مطلب تھا کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔"

"بس یہ آخری کرایہ دار ہیں شہیر میں نے بتایا تھا نا تم کو۔"

"اوہ سوری میں بھول گیا تھا۔" شہیر نے افسوس کرتے جواب دیا۔

"میں بھی تو تھک گیا ہوں یار۔ بے گناہ لوگوں کو اپنی بیوی کی بھینٹ چڑھاتے چڑھاتے تھک گیا ہوں۔ میں مجبور ہوں نا شہیر تم تو جانتے ہو میں کتنا پیار کرتا ہوں اپنی بیوی سے ایسے کیسے مرنے دے سکتا ہوں اسے۔" بے ربط بولتے ہوئے فیصل نے ایک ہاتھ سے اپنا سر دبانا جاری رکھا۔ "میں یہ سب جان کر نہیں کر رہا، میرے پاس کوئی آپشن ہی نہیں۔ تم جانتے ہونا۔"

"سب ہی مجبور ہیں۔" سامنے رکھی ہوئی الشبہ کی تصویر دیکھتے ہوئے شہیر بڑبڑایا۔

"اتنے اخراجات کیسے پورے کر سکتا تھا میں بھلا لیکن دیکھو ہم نے کسی کو مجبور تو نہیں کیا نا بھی اس گھر میں رہنے کے لیے جو بھی آیا اپنی مرضی سے آیا اور اپنی ہی مرضی سے

URDU TUBE ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

گیا۔"
شہیر نے خاموشی سے سر ہلا کر اس بات کی تائید کی۔
"پھر کیا کریں گے اس مکان کو۔"
"جلا دوں گا شہیر اور کیا کروں گا۔ شاید اس آسیب سے اسی طرح پیچھا چھوٹ جائے۔" فیصل نے حتمی انداز اپنایا۔
"مکان جلا دیں گے تو خود کہاں جائیں گے۔" شہیر نے ناسمجھی سے سوال کیا۔ "دوسرا مکان بنانا آسان نہیں ہے آج کل۔"
فیصل نے خود پر ہنستے ہوئے شہیر کی تسلی کرائی۔
"میں کہاں جاؤں گا۔ میں واپس اماں ابا کے پاس چلا جاؤں گا۔ ان کو بھی کافی سزا دے دی ہے اس بڑھاپے میں اور پھر تم بھی سکون سے رہنا۔ بہت لے لی اس مکان نے انسانی جانوں کی قربانیاں۔ بس اب اور نہیں، کچھ ہی دنوں کی بات ہے یقیناً ہم سکون کی نیند سویا کریں گے پھر۔" فیصل نے دکھتے ہوئے قدموں پر ایک بار پھر کھڑے ہوتے بات ختم کی اور ثمن کے پاس جانے لگا۔

❁......☆❁☆......❁

"میں اتنے دنوں سے تمہاری کال کا انتظار کر رہی تھی۔" اشبہ نے جیسے ہی راحیل کی آواز سنی فوراً ہی شکوہ کر ڈالا۔
"ہر جگہ میسج چھوڑا لیکن تم نے......" بھرائی ہوئی آواز اس سے زیادہ اس کا ساتھ نہیں دے سکی۔
"اوہ کم آن اشبہ۔ ابھی تو جاگا ہوں اور اٹھتے ہی تمہیں کال کر رہا ہوں۔" راحیل نے بےزاری سے جواب دیا۔
"تمہاری یہ رونے والی آواز سننے کے لیے تو فون نہیں کیا نا۔"
"سوری...... سوری۔ وہ بس ایسے، اتنے ہی دنوں کی ٹینشن تھی نا یو نو۔" اشبہ جھجک کر پوری بات نہیں کہہ پائی کہ وہ یہ سمجھ رہی تھی اب راحیل اس سے کترا رہا ہے اسی لیے اگنور کر رہے ہیں۔
"کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہی تھیں میں تم کو بھول گیا۔" راحیل بہت گھاگ تھا، اڑتی چڑیا کے پر گن سکتا تھا۔
"نن...... نہ...... نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" اشبہ کے دل کا چور پکڑا گیا۔
"دیکھو سوئٹی ہمارے طبقے میں مصروفیات اتنی ہوتی ہیں کہ بندہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہیں کرتا سمجھیں۔ میں تم کو پسند کرتا ہوں اتنا کافی نہیں ہے کیا؟ اور پھر دیکھو نا کل ہی تو دبئی سے آیا ہوں اور آتے ہی ممی نے کہہ دیا ان کے ساتھ شاپنگ پر جانا ہے اب بتاؤ ماں کو کون منع کر سکتا ہے۔"
"ہاں ماں ہو تو انہیں کوئی منع نہیں کر سکتا۔" اشبہ نے دل ہی دل میں جواب دیا۔
"سوڈونٹ وری میں تمہارا ہی ہوں کچھ بزی ضرور ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تم کو بھول گیا ہوں۔" راحیل نے پاس لیٹی ہوئی روبی کے بالوں سے کھیلتے ہوئے سکون سے اشبہ کو تسلی دی۔
"میں تم کو نہیں بھول سکتا، یقین کرو اس کا اور بتاؤ کیا چل رہا ہے۔"
"سب ٹھیک ہے راحیل۔" اشبہ نے بوکھلائی ہوئی آواز میں اسے جواب دیا۔ وہ جس کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی فون پر بات کر رہی تھی وہاں سے شہیر آتا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔
"اچھا وہ میتھس کا اسائمنٹ کہاں تک پہنچا۔ یار ایک فیور تو دو ڈارلنگ۔" راحیل کا شہد لگا انداز، پاس آتا شہیر دونوں نے اشبہ کے حواس اڑا دیے تھے۔
"بولو...... بولو۔"
"تم اپنا اسائمنٹ بنا کر مجھے فوٹو کاپی کرا دو گی نا۔"
"شیور راحیل یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، میں آل ریڈی تمہارے لیے فوٹو کاپی کرا چکی ہوں۔" اشبہ نے فوراً ہی راحیل کی تسلی کرائی اور بائیک پارک کرتے ہوئے شہیر کو دیکھ کر اندازہ لگانے لگی کتنی دیر تک بات جاری رکھی جا سکتی ہے۔
"اوہ آئی لو یو جانی۔" موبائل پر ہی پرجوش بوسے کی آواز سن کر اشبہ کے گال تمتما اٹھے۔
"تو وہ اسائمنٹ میں آج لے لوں تم سے۔"
"آج۔" اشبہ کو یاد آیا اس نے شہیر کو منع کر دیا تھا وہ آج کوچنگ نہیں جائے گی اسی لیے وہ جلدی آ رہا تھا اور اشبہ با آسانی دیکھ سکتی تھی بائیک کے دونوں ہینڈل پر مختلف شاپرز لٹک رہے ہیں جس میں یقیناً کھانے پینے کی چیزیں

Digitized by Google

ہوں گی تاکہ باپ بیٹی ساتھ وقت بتا سکیں۔

"لیس ٹوڈے مجھے رات کی فلائٹ سے ممی کے ساتھ جانا ہے نا۔" روبی نے کسمساتے ہوئے ایک آنکھ ترچھی کرتے ہوئے راحیل کو دیکھا جو منہ بناتے ہوئے فون پہ لگا ہوا تھا۔

"کون ہے ہنی۔" نیند میں ڈوبی ہوئی زنانہ آواز سن کر الشبہ کو لگا اس کی سماعت نے اسے دھوکہ دیا ہے۔

"اوہ میری ممی جاگ گئیں او کے سویٹ ہارٹ، میں آج تم سے وہ اسائمنٹ لے لوں گا۔ اینڈ لو یو۔" راحیل نے ایک آنکھ میچ کر روبی کو لو یو بولا اور فون بند کر کے اسے اپنے قریب کر لیا۔

"ممی تھیں اور میں بھی کیا سمجھ رہی تھی۔" الشبہ نے فون بند کرتے ہوئے اپنے سر پر دھپ لگائی اور کوچنگ جانے کا بہانہ سوچنے لگی جو ابھی شہیر کو بتانا تھا۔

❁......☆❁☆......❁

وقاص نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا اور لیپ ٹاپ بند کیا۔ ایک نظر گھر پر ڈالی، فالتو لائٹس بند کی اور دروازہ چیک کرنے لگا۔ گھر کا اندرونی گیٹ بند کرنے سے پہلے اسے کھول کر لان کا جائزہ لیا۔ ٹھنڈی ہوا نے ایک دم اس کے تھکے ہوئے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔

"ہوں، مناسب گھر ہے، آدھا کرایہ تو اس ٹھنڈی اور فریش ہوا کا ہی ہونا چاہیے۔"

چہل قدمی کرتے کرتے وقاص کی نظریں سامنے بنے ہوئے گھر کی جانب اٹھ گئیں اور اسی کے ساتھ صبح والا واقعہ بھی یادداشت میں تازہ ہو گیا۔

"میں ہی وہ بڈھا ہوں جس کے بارے میں شہیر نے سختی سے ساتھ منع کیا ہو گا ملنے سے۔ کہیں میں تم کو اس مکان کے بارے میں عجیب وغریب اور من گھڑت کہانیاں نہ سنانا شروع کر دوں۔"

تو یہ ہے وہ گھر جہاں شاہ جی نامی صاحب رہتے ہیں، لیکن انہوں نے ایسی باتیں کیوں کیں۔ وقاص نے بے دھیانی میں اپنی نظریں گھر پر جمائے جمائے خود کلامی کی۔

"کیا اس سے پہلے کسی اسٹیٹ ایجنٹ نے تم کو ایسے فون کیے ہیں۔"

ہاں واقعی اس سے پہلے تو کسی نے مڑ کر پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی پھر شہیر کیوں فون کرتا ہے وقاص سوچ میں پڑ گیا تھا۔

پہلے ان دو سوالوں کے جواب کھوجو پھر میں تم کو آگے کی بات بتاؤں گا کہ کیوں شہیر نے مجھے بڈھے سے دور رہنے کو کہا ہے۔

سوال تو واقعی ایسے تھے جن کا جواب ملنا چاہیے، آخر اتنا اچھا گھر کم کرائے پر کیوں ہے، آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے اور پڑوسیوں سے نہ ملنے کی سختی سے تاکید کیوں ہے وہ بھی ان ایجڈ میاں بیوی سے۔ دیکھنے میں تو معقول ہی لگ رہے تھے۔

چلو صبح باقی سوچ بچار کریں گے، وقاص صاحب سونے کی کیجیے صبح آفس ہے میاں۔

وقاص اگر اس وقت اپنے پیچھے گھر کی چھت کو ایک نظر دیکھ لیتا تو یقیناً اسے اپنے ایک سوال کا جواب تو مل جاتا جہاں بچے کا عکس نمایاں تھا اور وہ بال سے کھیل رہا تھا جبکہ اس وقت لان میں کوئی بچہ موجود نہیں تھا جس کا عکس چھت کی سمت پڑ رہا تھا۔

❁......☆❁☆......❁

"ممی؟ سیریس لی۔" ناز سے بھری ہوئی خمار کھاتی آواز نے راحیل کو اپنی طرف متوجہ کی۔

"اوہ ڈارلنگ، سمجھا کرو نا۔" راحیل نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر پاس نیم دراز روبی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"اگر جھوٹ نہیں بولتا تو وہ لڑکی سر کھاتی رہتی۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتا تم اسے لفٹ کراتے کیوں ہو شکل دیکھی ہے اس کی اوہ مائی گاڈ۔" روبی نے جھرجھری لیتے ادا سے اپنی آنکھیں موندی۔

"شکل سے کیا لینا دینا ہنی جن آنکھوں میں روبی بسی ہو اس میں کوئی اور کیسے بس سکتا ہے بھلا۔" ایک پیار بھرا بوسہ روبی کی پیشانی پہ ثبت کرتے راحیل نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا لیکن وہ ذہین بلا کی ہے، اسی لیے کوچنگ میں سب اس کی سنتے ہیں اور ہمارے لیے وہ آسان ٹارگٹ بھی ہے، مڈل کلاس کی سیدھی سادی سی بیچاری لڑکی یو نو۔"

"اوہ یس یس تو کیا اسے تمہارے بارے میں معلوم نہیں ہوا ابھی تک۔" روبی نے حیران نگاہوں سے راحیل

Digitized by Google

کو دیکھا۔

"اب ہو بھی جائے تو مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی ہوش ربا پکچرز میرے پاس آچکی ہیں۔"

"اوہ۔" بلند و بانگ قہقہے نے بنت حوا کی عزت کی بولی لگائی تھی۔

"بس اس سے اسائمنٹ لے لوں پھر اپنا کام شروع کردوں گا، اس ماہ کی کھیپ بھی تو نکالنی ہے نا۔"

"یو نائی بوائے۔" روبی نے راحیل کی بانہوں میں کسمساتے ہوئے کہا۔

❁......☆❁☆......❁

صبح کاذب کی حسین ٹھنڈی ہوا اور دلفریب روشنی ہر سمت پھیل رہی تھی، ایسے میں مخصوص الارم کی آواز سے سونیا کی آنکھ کھلی بھاری سر کے ساتھ اس نے ہاتھ بڑھا کر الارم بند کیا اور اٹھنے کے لیے ارادہ باندھا۔

"تم ٹھیک ہو سونیا اور اپنے بچوں کی خاطر تم کو ہمت پکڑنی ہی ہوگی ورنہ ان کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔" سونیا نے رات کا کیا ہوا فیصلہ دہرایا اور خود کو تسلی دیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وقاص کی اوڑھی ہوئی چادر آدھی بیڈ سے نیچے گری ہوئی تھی اسے اٹھا کر وقاص پر ڈالی اور فیصلہ کن انداز میں باتھ روم کی سمت قدم بڑھانے لگی منہ ہاتھ دھو کر ہیئر برش کیا اور سکون کے ساتھ اپنے استری شدہ کپڑے نکالے اس کا ارادہ آج بچوں کو اسکول خود چھوڑنے کا تھا۔ آہستگی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بچوں کے کمرے کی جانب بڑھی لیکن ایک دم ٹھٹک گئی۔ بچوں کے کمرے سے ان کی باتوں کی آواز آرہی تھی۔ سونیا نے ڈرتے ڈرتے ان کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر ہی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

بچے بالکل تیار کھڑے اسی کو دیکھ رہے تھے نک سک سے اسکول جانے کے تیار بچے، جو اٹھنے کے لیے دو چکر لگواتے تھے اب صبح بغیر کسی کے اٹھائے وہ جوتے تک پہنے ہوئے تھے۔

"یہ...... یہ کیا ہے......" سونیا نے حیرت سے ان کو دیکھا اور ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

"کیسا ماما؟" بچوں نے سونیا کو دیکھا اور بھاگتے ہوئے اس سے لپٹ گئے۔

"کیسا لگا ماما سرپرائز۔" مہر نے جگمگاتی نگاہوں سے سونیا کو پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم خود ہی اٹھ گئے۔"

"ہاں اچھا لگا لل...... لیکن، تم لوگ اٹھ کیسے گئے اتنی جلدی۔"

"ہمارا فرینڈ ہے نا۔" مہر نے روانی سے بتانا شروع کیا ہی تھا کہ عمر نے اسے ٹوک دیا۔

"ماما آپ کی طبیعت کیسی ہے خالہ نے بتایا تھا رات میں ہی اسی لیے ہم نے خود اٹھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔" عمر نے مہر کو گھورتے ہوئے کہا لیکن سونیا اس کا مہر کو ٹوکنا اور گھورنا دونوں نوٹ کرچکی تھی۔

"تھینک یو بچوں مجھے ایک بات بتاؤ۔" سونیا نے دونوں کو اپنے ساتھ لگاتے بیڈ پر بیٹھ جانے کو فوقیت دی اور وقت دیکھتے ہوئے ان سے سیدھا سبھاؤ پوچھا۔

"کیا اس گھر میں تم دونوں کے علاوہ بھی کوئی بچہ ہے۔"

مہر اور عمر نے ایک دوسرے کو دیکھ کے سر جھکا لیا۔

"ٹیل می پلیز۔" سونیا نے روہانسے لہجے میں منت کی۔

"دیکھو مجھے بتاؤ، میں بالکل غصہ نہیں کروں گی بلکہ میں بھی اس کے ساتھ کھیلوں گی۔" سونیا نے لالچ دیتے ہوئے مہر کو دیکھا لیکن وہ دونوں خاموشی سے کھڑے رہے۔

"سوری ماما بٹ۔" عمر نے سونیا کے پیچھے دیکھتے ہوئے نظریں جھکا لی۔

"پلیز مجھے بتاؤ نا۔۔ دیکھو ماما بہت پریشان ہیں تنگ نہیں کرو۔" سونیا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"وہ منع کر رہا ہے ماما۔" مہر نے سونیا کی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے جواب دیا جسے سن کر وہ سن رہ گئی۔ "اس نے کہا تھا اگر کسی کو بتایا تو انکل اسے ماریں گے۔"

"کون سے انکل۔" سونیا نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ایک بار پھر سوال کیا اور اپنی نظروں کو پورے کمرے میں گھمانے لگی شاید کہیں کوئی سراغ مل جائے۔

"وہ جو کالا سوٹ پہنتے ہیں ماما۔" عمر کے جواب سے

Digitized by Google

سونیا کو بے اختیار کھڑے ہو جانے پہ مجبور کر دیا۔

"کیا کہہ رہے ہو عمر۔"

"یس ماما! مجھے انکل ہیں وہ، لیکن فرینڈ نے کہا تھا وہ گندے ہیں۔ اگر کسی کو نظر آجائیں تو اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ہمیں ان کا فیس بھی نظر نہیں آتا۔" سونیا کے کان سنسنا رہے تھے، ہاتھ پاؤں سے جیسے جان نکل رہی تھی۔

"ہمارا فرینڈ بہت اچھا ہے ماما۔ ہمارے ساتھ کھیلتا ہے، سوتا بھی ہے اور ابھی نا، اسی نے جگایا تھا کہ تمہاری ماما کی طبیعت خراب ہے خود ریڈی ہو جاؤ۔" مہر نے فخر سے سونیا کو بتایا۔

"یس ماما، وہ اپنی چاکلیٹ بھی دیتا ہے ہمیں اور یہ بال بھی اسی نے دی تھی۔" عمر نے تابوت میں آخری کیل گاڑ دی۔

سونیا نے چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ اپنے حواس برقرار رکھنا چاہے لیکن دھواں دھواں ہوتا شعور اسے لاشعوری طور پر اندھیرے کی سمت کھینچ رہا تھا۔ بالآخر سونیا نے بند ہوتی نگاہوں سے آخری بار عمر کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی بال دیکھی اور اسی کے ساتھ اپنے پیچھے دیکھا جہاں بچے مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے ہی دیوار پر سات آٹھ سال کے بچے کا عکس نمایاں تھا اور سونیا لہرا کر نیچے گر گئی۔

❁.....☆❁☆.....❁

شاہ جی تھکے ہارے گھر میں داخل ہوئے، پورا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ان کو ایک دم گھبراہٹ ہونے لگی۔

"رخ تاج، رخ تاج۔ کہاں ہو بھئی۔" شاہ جی نے بے ساختہ ان کو آوازیں لگانا شروع کر دی۔

"میں آگیا ہوں گھر پوچھو گی نہیں کیا حال ہے اس کا۔" شاہ جی نے جیسے لاچ دی ہو لیکن جواب میں سناٹا ہی ملا شاہ جی نے لاؤنج سے منسلک کچن اور کچن سے لان میں کھلنے والا دروازہ کھولا لیکن ادھر بھی ویرانی ہی برس رہی تھی۔

"کہاں چلی گئی۔" شاہ جی نے زیر لب خود کلامی کی۔ سیڑھیوں کی جانب رخ کرتے ہوئے وہ اب جھنجلانے لگے۔ ان کے خیال کے مطابق رخ تاج شاید پڑوسیوں کے گھر تھیں اور اب وہاں سے بے عزت ہو کر آئیں گی۔

"منع کیا ہوا ہے مجھ سے پوچھے بغیر کسی پڑوسی کی طرف نہیں جاؤ لیکن یہ بیویاں جتنی بھی مرضی پرانی ہو جائیں سنتی ہی نہیں۔

سیڑھیوں پر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے شاہ جی کوفت کا شکار تھے۔ پوری کالونی کے گھروں کا نقشہ ایک ہی جیسا تھا۔ انہوں نے نیچے کا ماسٹر بیڈ روم بند کر کے اوپر والا کمرہ اپنے لیے کھولا ہوا تھا۔ ٹیرس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے انہوں نے کمرے کا دروازہ کھولا اور کمرے میں چاروں طرف بکھرے کپڑے دیکھ کے دھک سے رہ گئے۔

❁.....☆❁☆.....❁

"بابا..... خالہ..... خالہ..... بابا..... ماما..... ماما اٹھیں ماما اٹھیں۔"

بچوں کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر گہری نیند سے جاگتی ہوئی الماس نے فوراً ہی بچوں کے کمرے کی طرف دوڑ لگائی، نیچے سے وقاص بھی شور مچاتی ہوئی آواز سن کر اٹھ گیا تھا دوسرے لمحے ہی حواس برقرار کیے اور اوپر کی جانب لپکا۔

"باجی کیا ہو گیا باجی آنکھیں کھولو یار۔ جاؤ بھائی جان کو اٹھاؤ۔"

"میں آگیا ہوں کیا ہوا۔" حیرت میں ڈوبی آواز سن کر الماس نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا، وقاص نے نیچے گری سونیا کو دیکھ کر الماس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا اور سونیا کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔

"پتا نہیں بھائی جان میں بچوں کی آواز سے اٹھی ہوں ابھی اور ادھر آئی تو یہ....." الماس نے سونیا کی جانب اشارہ کیا اور مہر عمر کو دیکھنے لگی جو اسکول جانے کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔

"کیا ہوا عمر تم بتاؤ۔" وقاص نے سونیا کو بیڈ پر لٹاتے ہوئے سوال پوچھا۔

"کچھ نہیں بابا۔"

"یس بابا ہم سے بات کر رہی تھیں اور ایک دم نیچے گر گئیں۔" مہر نے روتے ہوئے الماس سے لپٹتے ہوئے جواب دیا۔

"اوکے..... اوکے..... رونے کی کوئی بات نہیں۔"

"لیکن....." وقاص نے سونیا کی لرزتی ہوئی پلکوں کو دیکھتے کچھ بولنا چاہا لیکن خود کو روک لیا۔

Digitized by Google

"چلو تم لوگ نیچے چلو وین آتی ہوگی۔" الماس نے بچوں کو بہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکالا اور خود بھی ان کے ساتھ ہی آگے بڑھ گئی۔

"میں آتی ہوں بھائی جان۔"

سر ہلاتے ہوئے وقاص نے کمرے کا جائزہ لیا لیکن کوئی بھی چیز خلاف معمول نہیں تھی بکھرا ہوا بیڈ، بچوں کے اتارے ہوئے کپڑے، کچھ کتابیں جوتے اور کھلونے ہر چیز معمول کے مطابق تھی تو ایسا کیا ہوا جو سونیا بے ہوش ہوگئی۔ ہونٹ بھینچ کر وقاص نے سونیا کو آوازیں دینا شروع کی۔

❀......☆❀☆......❀

"اوہ رخ تاج تم......"

"آج اس کی سالگرہ ہے شاہ جی۔" رخ تاج نے نو دس سال کے بچے کے کپڑے اپنی آنکھوں سے لگا رکھے تھے اور ان کے آس پاس کھلونے اور کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔

"تم کب تک۔" شاہ چاہ کر بھی سختی سے نا بول سکے۔

"مجھے وہ نہیں بھولتا شاہ جی میرا جگر گوشہ، اس کے ننھے ہاتھ مجھے ابھی تک اپنے ہاتھوں میں محسوس ہوتے ہیں۔" روتے روتے رخ تاج کی آنکھیں سوج چکی تھیں۔

"وہ......وہ......!"

"ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے رخ۔ جس کی امانت تھی اس نے لے لی۔ صبر کرو۔"

"وہی تو نہیں ہوتا۔" رخ تاج نے بڑبڑاتے ہوئے پاس رکھا ہوا اسکول بیگ اٹھایا اور محبت سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"یہ دیا تھا نا آپ نے اسے آخری سالگرہ پر، کتنا خوش تھا میرا بچہ۔" سسکتی ہوئی رخ تاج کو دیکھ کر شاہ جی ہونٹ بھینچ کر رہ گئے۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں کچھ چائے پانی دو۔" شاہ جی نے دل پر جبر کر کے رخ تاج سے روکھے انداز میں بات کی۔

"تمہیں معلوم ہے صبح کی واک سے تھک کے آتا ہوں میں اور تم......"

"بس اٹھ ہی رہی تھی۔" آنسو پیتی رخ تاج نے کپڑے تہہ کرنے شروع کر دیے۔

"تم گئی تھیں پڑوس میں۔" شاہ جی نے ایک بار پھر رخ تاج کا ذہن کہیں اور لگانا چاہا اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔

"میں گئی تھی۔" دھیمی آواز میں رخ تاج نے جواب دی[a] اور گہری سانس لے کر شاہ کو دیکھا جو سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"کوئی یقین نہیں کر رہا اس بے چاری پر۔"

"بے چاری۔" شاہ جی نے چونک کے دہرایا۔

"عورت کو دکھائی دیا وہ اس بار۔"

"آہ میرے اللہ پھر ایک عورت یعنی ماں۔" شاہ نے اداس ہوتے ہوئے رخ تاج کو دیکھا۔

"لیکن وہاں تو دو لڑکیاں ہیں، پھر تم کو کیسے معلوم ماں ہی تھی وہ۔"

"میں گئی تھی نا، بات کی اس سے۔ بالکل پہلے کی طرح شوہر کے روپ میں آیا وہ کالے کپڑوں والا۔ میں چاہ رہی تھی ایک بار اور جاؤں اور اس کو تسلی دوں۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔" شاہ جی گھبرا کر کھڑے ہوئے یعنی ہمارے پاس اگلے چاند کی تاریخ تک وقت ہے لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"بے چاری قسمیں کھا رہی تھی وہ جھوٹ نہیں بول رہی لیکن کوئی اس کی بات سننے کا بھی روادار نہیں یقین کرنا تو دور کی بات ہے۔"

"کون یقین کر سکتا ہے بھلا آج کل کے سائنسی دو[ر] میں کوئی نہیں مانتا ایسی باتیں۔" فکر مندی سے شاہ جی نے کمرے کی محدود جگہ پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ "آسیب اور جن بھوت کو مذاق سمجھتے ہیں لوگ۔"

"ہم بھی کون سا مان گئے تھے شاہ جی۔" رخ تاج نے ان کو کچھ یاد دلاتے ہوئے کہا۔

شاہ جی کی چہل قدمی ایک دم ختم ہوگئی۔

"ہاں رخ اسی کی تو سزا بھگت رہے ہیں بس کاش ہم نے ہی سن لی ہوتی تو یہ دن نہیں دیکھنا پڑتا۔" اداسی سے کہتے شاہ جی کھلی ہوئی کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے جہاں لوگوں کی موجودگی میں بھی سامنے کھڑا گھر ویران لگ[تا] تھا۔ ایک اداسی تھی جو اس گھر پر چھائی ہوئی تھی۔

Digitized by Google

''نجانے یہ سب کب ختم ہوگی شاہ جی۔'' رخ تاج نے بے بسی سے کہتے گم صم کھڑے شاہ سے سوال کیا جس کا جواب ان کے پاس بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

''کچھ بتایا باجی نے۔'' الماس نے چائے کا کپ وقاص کے سامنے رکھا اور خود بیڈ کے دوسرے کونے پر جا بیٹھی۔

''عجیب بہکی ہوئی باتیں کررہی ہیں، کہتی ہیں بچوں کے کمرے میں کوئی بچہ ہے جو ان کے ساتھ کھیلتا ہے اور ساتھ ہی رہتا ہے۔''

''کیا۔'' الماس نے باتھ روم کا بند دروازہ دیکھا جس کے پیچھے سونیا تھی۔

''کیا مطلب ہوا اس بات کا بھائی جان۔''

''مجھے خود نہیں معلوم تو تمہیں کیا بتاؤں یار۔'' وقاص نے بے بسی سے کندھے اچکا کر اسے دیکھا۔ بقول تمہاری باجی کے اس نے اپنی آنکھوں سے اس بچے کا عکس دیکھا ہے اور وہ بال جو مہر کے پاس ہے وہ بھی اسی نے دی ہے۔''

''کیا ہوگیا باجی کو۔'' الماس نے پریشان ہوتے ہوئے وقاص کو دیکھا۔

اسی وقت باتھ روم کا دروازہ کھلا اور بدحواس سی سونیا برآمد ہوئی اور الماس کو دیکھ کر بے ساختہ اسی کی جانب لپکی۔

''الماس یقین کرو میں جھوٹ نہیں بول رہی، تم خود پوچھ لو عمر سے اسی نے بتایا ہے بلاؤ اسے۔''

''باجی وہ اسکول جاچکے ہیں۔'' الماس نے نرمی سے اپنی بہن کو پاس بیٹھا کر اس کو تسلی دی۔

''آپ کیوں پریشان ہورہی ہیں اور ہمیں بھی کررہی ہیں۔''

''کوئی ہے اس گھر میں پلیز مان لو میری بات۔ چلو ادھر سے۔'' سونیا نے وقاص کی منت کی۔

وقاص گہری سانس لے کر چائے کا خالی کپ بیڈ پر رکھی ٹرے میں رکھ کر کھڑا ہوگیا۔

''سمجھاؤ اپنی بہن کو اتنا آسان نہیں ہے ایسے کہہ دیا اور ہم چلے گئے پورا سامان بھی مکمل طور پر سیٹ نہیں ہوا اور خاتون کو جانے کی پڑگئی۔''

''الماس پلیز سمجھاؤ ان کو۔ میں پاگل نہیں ہوں جو جانتے بوجھتے ایسی بات کررہی ہوں۔'' سونیا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''کوئی بچہ ہے اس کمرے میں اور وہ کالے لباس والا آدمی بھی ہے۔''

''اُف...... سونیا پلیز بند کرو یہ تماشہ پہلے میرا ہم شکل، پھر بچہ اور اب یہ کالے سوٹ والا آدمی۔ پتہ نہیں کتنے لوگوں کو جمع کرلو گی تم لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو، میں ادھر سے موو نہیں کروں گا۔'' وقاص نے جھنجلاتے ہوئے سونیا کو دیکھا اور ایک دم چپ ہوگیا۔

''پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ، بچوں نے مذاق کیا ہوگا اور تم نے سچ سمجھ لیا۔ حد ہوگئی بچپنے کی بھی۔'' وقاص نے پاؤں پٹختے ہوئے کمرے سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

''الماس سمجھاؤ اسے میں ویسے ہی پریشان ہوں باقی کسر یہ پوری کرنے لگی ہے، میری پرموشن کا سوال ہے میں آفس کا کام کروں یا ادھر بیٹھ کر پہیلیاں حل کروں کہ آج یہ نظر آیا کل وہ نظر آیا۔'' تیز قدموں سے وقاص کمرے سے باہر نکل گیا پیچھے سونیا نے ایک دم اپنا منہ ہاتھوں میں چھپا کر رونا شروع کردیا۔

''بولو تم بھی بولو۔ میں بے وقوف ہوں جاہل ہوں جو یہ سب قصے سنا رہی ہوں نا کیوں جھوٹ بولوں گی تم بتاؤ الماس۔ مجھے کیا مل رہا ہے گھر کا ماحول خراب کرکے۔''

''او کے باجی او کے ریلیکس پلیز۔'' الماس گھبرا گئی۔

''لیکن ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم، بس اتنا معلوم ہے اس گھر میں کچھ ہے جو نارمل نہیں ہے۔'' سونیا نے ایک جھٹکے سے اپنے آنسو صاف کیے اور اگر میرے بچوں کو کچھ ہوا تو میں وقاص کے ساتھ تم کو بھی معاف نہیں کروں گی یاد رکھنا اس بات کو۔''

''باجی۔'' الماس نے گھبراتے ہوئے سونیا کو پکارا لیکن وہ کہاں سن رہی تھی۔

''میرے بچے میری جان ہیں۔'' معصوم بچے وقاص کی ضد کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی میں۔ آسیب زدہ گھر ہے یہ، میں کب سے کہہ رہی ہوں لیکن تم دونوں میری بات نہیں مان رہے ہو، اگر کل کلاں کو کوئی جانی نقصان

Digitized by Google

ہوگیا تو کون بھرے گا اس کا خمیازہ بتاؤ بولو۔" بلند آواز میں بولتی سونیا آپے سے باہر ہوتی جارہی تھی۔

"آج سے اس کمرے میں میں خود سوؤں گی یا تم سو۔ بچے بالکل بھی اکیلے نہیں رہیں گے۔"

"اوکے......اوکے میں سو جاؤں گی آپ ریلیکس کریں پلیز۔" بوکھلائی ہوئی الماس خود بھی پریشان ہی تھی۔

"میرا یقین کرو الماس، میں غلط نہیں کہہ رہی اس گھر میں کچھ ہے، کوئی ہے جو ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔"

الماس خاموشی سے بہن کو بکھرتے ہوئے دیکھتی چلی گئی جو ہورہا تھا اور جو ہونے والا تھا اس کو روکنا الماس کے دائرہ اختیار سے باہر تھا۔

"جاؤ تم بھی جاؤ، مجھے اکیلا چھوڑ دو بس۔" سونیا نے ہونٹ بھینچ کر الماس کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

"باجی۔"

"جاؤ الماس۔ لیکن یاد رکھنا، مجھے کچھ ہوگیا تو بچوں کا خیال تم نے ہی رکھنا ہے۔" گھٹے گھٹے انداز میں اپنا رونا برداشت کرتے ہوئے سونیا اس وقت یقیناً بے بسی کا اعلیٰ نمونہ ہی لگ رہی تھی۔

❁......☆❁☆......❁

الماس دل ہی دل میں گھبراتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی، سامنے ہی سر ہاتھوں پر گرائے وقاص بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وقاص نے آہٹ پا کر الماس کی سمت نگاہیں کی، جیسے منتظر ہو ابھی وہ مسکراتی ہوئی اسے بتائے گی۔ وہ ایک بھیانک خواب دیکھ رہا تھا لیکن الماس کے چہرے پر پھیلی ہوئی وحشت دیکھ کر وہ خاموش ہی رہ گیا۔

"بھائی۔" جھجکتے ہوئے الماس نے بات کا آغاز کیا۔

"پلیز یار، ایسی کوئی بات نہیں کہنا جو مزید پاگل بنا دے۔"

"لل......لیکن......یہ سب کیا ہورہا ہے۔"

"اپنی بہن سے ہی پوچھو تنگ کردیا ہے اس نے دو ہی دن میں۔"

"مگر......بھائی......وہ......!"

وقاص نے بنا کچھ کہے بھویں اچکا کر سامنے بیٹھی الماس کو دیکھا جو سہمے ہوئے انداز میں لاؤنج سے منسلک کھڑکی سے باہر کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وقاص نے اس کی نظروں کا پیچھا کیا۔

سامنے ہی لان میں ایک کالی بلی نمایاں انداز میں دونوں کو گھور رہی تھی، وقاص کے جسم میں سنسنی سی دوڑ... ایک ٹک اس بلی کو دیکھ وقاص نے سر جھٹکا اور اگلے ہی... وہ بلی اپنی جگہ سے غائب تھی۔ وقاص نے خاموشی... نظریں پھیریں اور الماس کی جانب سوالیہ نظروں... دیکھا۔

"بھائی......وہ بھائی......مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے، جیسے......وہ......" الماس نے اپنی بدحواسی پر قابو پا... وقاص کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر پھیلی برہمی دیکھ کر... بات ادھوری چھوڑ دی۔ وقاص جیسے کراہ اٹھا۔

"اوہ پلیز اب تم نہ شروع ہوجانا الماس۔ میں پہلے... سونیا کی وجہ سے بہت پریشان ہوں، تم بھی جانتی ہو آف... کے حالات۔ اس پر تم۔" وقاص نے ہونٹ بھینچ کر... بال ہاتھوں میں جکڑے۔

"ابھی تک اس گھر کی سیٹنگ مکمل نہیں ہوئی اور......"

الماس بے ساختہ ہی شرمندہ ہوگئی۔

"سوری بھائی جان۔ وہ بس باجی کی حالت دیکھ کر... پریشان ہوگئی تھی۔" وقاص کی قابل ترس شکل دیکھ کر رہ گئی...

"بھائی ایسی ہی کالی بلی میں اکثر و بیشتر اپنے کمرے... کھڑکی سے بھی دیکھتی ہوں جو اچانک نظر آتی ہے اور ا... دم ہی غائب ہوجاتی ہے ویسے اگر ہم یہ مکان......یونو...... باجی......!"

"کیا تم بچوں والی باتیں کررہی ہو بھئی۔" وقاص... ایک جھٹکے سے سر اونچا کیا اور بے یقینی سے الماس کو دیکھا...

"تم واقعی......اُفف۔"

"پھر بھی بھائی، اگر ہم......!"

"کیا یہ سب اتنا آسان ہے؟"

"ہے تو نہیں لیکن باجی کی خاطر اگر......!"

"الماس بات سنو اس گھر میں کچھ نہیں ہے سونیا کو... ہوگیا ہے، دوسرا یقیناً میں اسے ٹائم نہیں دے پارہا تو وہ... اکیلی سی ہوگئی ہے، پورا گھر اس پر آ گیا ہے میں سمجھ... ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کوئی جن بھوت آ کر ر... لگا ہو ہمارے ساتھ اور ہاں بھول جاؤ اس بات کو اب بہ... مشکل سے یہ گھر ملا ہے اور میرا پراجیکٹ بھی ختم نہیں ہ...

Digitized by Google

جس کی وجہ سے ہم ادھر شفٹ ہوئے ہیں۔ یاد رکھو اس بات کو۔'' ایک گہری سانس لے کر نشست سے ٹیک لگاتے وقاص نے اپنے لہجے کو مدہم کیا۔

''اور تم جانتی ہو آفس میں کس قدر کام ہے، اگر وقت پر پراجیکٹ مکمل نہیں ہوا تو میرا ٹرانسفر یہ لوگ کسی دوسرے شہر کردیں گے۔ وہ میں افورڈ نہیں کرسکتا۔ میری فیملی ہے، تم ہو، بچوں کے اسکول ہیں جن کی برانچ ابھی ابھی بدلی ہے۔ اور وہ وہاں ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کررہے ہیں اور میں ایک بے بنیاد بات پر یہ ساری چیزیں ریوائنڈ کردوں یعنی ایک بار پھر ہم نئے سرے سے یہ سب برداشت کریں کم از کم تم تو ایسی باتیں کرکے مجھے ٹینشن نہ دو۔'' وقاص نے بات مکمل کرکے الماس کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا۔

''تم اتنا آسان سمجھتی ہو یہ سب کرنا؟ دوبارہ آفس سے آف لے کر مکان ڈھونڈنا، پھر یہ سب سامان شفٹ کرنا۔ بچوں کا اسکول ایک بار پھر بدلنا اور پھر اگر ادھر بھی سونیا کو کوئی دوسرا ''میں'' دکھائی دینے لگا تو کیا تیسرا مکان تلاش کرنے لگ جاؤں گا؟ یا ایسا کرتا ہوں، آفس چھوڑ چھاڑ کر بس مکانوں کی تلاش میں لگ جاتا ہوں۔'' بولتے بولتے وقاص کی آواز نا چاہتے ہوئے بھی بلند ہوتی چلی گئی۔

''کیا ہوگیا بھائی جان، میرا وہ مطلب نہیں تھا۔'' الماس روہانسی ہوگئی۔ ''ایسے ہی ایک بات کہی تھی میں نے۔'' الماس کا بھرایا ہوا لہجہ سن کر وقاص ایکدم ہی ٹھنڈا ہوگیا۔

''آئی ایم سوری یار پتا نہیں کیا ہوگیا تھا مجھے لگتا ہے دماغ ماؤف سا ہوگیا ہے کچھ سمجھ نہیں آرہا میں کیا کررہا ہوں کیا بول رہا ہوں۔''

''ریلیکس کریں پلیز سب ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے گرم گرم چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وقاص نے جبری مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے الماس کو دیکھا۔

الماس نے کچن کی سمت قدم بڑھائے کچن میں پہلا قدم رکھتے ہی وہ ٹھٹک گئی سامنے سلیب پر پہلے ہی سے چولہے کے پاس پتیلی اور دو کپ ٹرے میں رکھے تھے جیسے کسی نے الماس کی آمد کا سن کر چائے کی تیاری کردی ہو۔

الماس یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی فوراً ہی بھاگتے ہوئے لاؤنج میں آگئی۔ وقاص نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر سر اٹھایا، بدحواس سی الماس کو دیکھا۔

''کیا ہوا، کیا میں کچن میں آگیا ہوں۔ یا کوئی بچہ نکل آیا کسی کیبنٹ سے۔''

''نن..... نہی..... نہیں۔'' وقاص کو پرسکون انداز میں بیٹھا دیکھ کر الماس ازخود ہی خاموش ہوگئی۔

''کک..... کک..... کچھ نہیں..... کچھ نہیں وہ میں پوچھنا چاہ رہی تھی، آپ چائے کے ساتھ کچھ لیں گے۔'' الماس نے کن انکھیوں سے کچن کی جانب نگاہیں کی اور سوال پوچھا۔

''نہی یار، بس چائے پھر آفس کے لیے نکلوں گا۔''

''اچھا اوکے۔''

''تھینک یو الماس۔ گھر دیکھنے کے لیے تم سے بڑا حوصلہ ہوجاتا ہے۔'' الماس جو ڈرتے ڈرتے کچن کی سمت قدم بڑھا رہی تھی ایک دم اسے حوصلہ ہوا اس نے پلٹ کر مسکراتے ہوئے وقاص کو دیکھا۔

''یہ میرا بھی گھر ہے بھائی جان۔'' وقاص نے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی سمت دیکھا اور آنکھیں موند کر صوفے پر لیٹ گیا۔

الماس ہمت جٹاتے ہوئے کچن میں آئی۔ پورے کچن کا بغور معائنہ کیا اور بڑبڑاتی ہوئی چائے بنانے لگی۔

''یہ باجی نے رکھی ہوگی۔ میں بھی ایسے ہی ڈر گئی ہوں۔ باجی کو ناشتہ بھی تو بنانا تھا نا انہوں نے اپنے لیے نکال کر رکھا ہوگا حد ہوگئی الماس، اب تم اتنی بچی بھی نہیں ہو جو ایسی معمولی باتوں سے ڈر جاؤ گی۔'' الماس نے اپنے اندر کے خوف کو دور کرنے کے لیے بڑبڑاہٹ جاری رکھی اور تیزی سے فریج سے دودھ کا پیکٹ نکالنے کے لیے مڑی۔ اس کے مڑتے ہی چولہا اپنے آپ بجھ گیا۔

''ارے۔'' الماس نے بند برنر کو دیکھ کر سر پر ہاتھ مارا۔ ''باجی نے بتایا بھی تھا، پائپ گڑبڑ کررہا ہے اور ہم نے دھیان نہیں دیا ٹھیک ہے باجی ڈپریشن کا شکار ہوگئی ہیں۔ ہم نے ان کو بالکل اکیلا کردیا تھا، سارے گھر کی ذمہ داری ان پر پڑگئی تو ایسا ہی ہونا تھا نا۔ چولہے کو جلا کر الماس نے افسوس سے سر ہلایا۔ سوری باجی مجھے آپ پر دھیان دینا

Digitized by Google

چاہیے تھا آج سے میں کوشش کروں گی، گھر کے کاموں میں کچھ ہاتھ بٹادوں۔'' چائے کے ابلتے ہی الماس نے کپ نکالے اور ٹرے میں رکھ کر باہر کی سمت نکلی اس کے باہر نکلتے ہی بجھا ہوا چولہا فل رفتار سے جل اٹھا، لمحہ بہ لمحہ اس کی تپش تیز ہوتی جارہی تھی۔

وقاص نے اپنی ذہنی پریشانی چھپاتے ہوئے بمشکل مسکرانے کو ترجیح دی اور ہلکے پھلکے انداز میں الماس کو دیکھا۔

''ہاں بھئی میں کچن میں تو نہیں آیا نا۔''

''اوہ کم آن بھائی جان اب اتنی بھی اندھی نہیں ہوگئی ہوئی۔'' الماس جو کچھ دیر پہلے گھبرائی ہوئی تھی، اب کافی حد تک وہ خود پر قابو پا چکی تھی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''کوئی انہونی تو نہیں ہوئی نا کچن میں۔''

''نہیں لیکن چولہا واقعی کچھ خراب ہو چکا ہے۔ بار بار بجھ رہا تھا۔''

''ارے ہاں سونیا نے کہا بھی تھا۔'' وقاص نے شرمندہ ہوتے ہوئے اقرار کیا۔ ''اس ویک اینڈ پر کوشش کرتے ہیں گھر کے یہ چھوٹے چھوٹے کام نمٹا دیئے جائیں۔''

''میں سوچ رہی تھی بھائی جان باجی بالکل اکیلی ہوگئی تھی پچھلے دنوں۔''

''میں بھی تو یہ ہی بول رہا ہوں کوئی بھوت پریت نہیں ہے اس گھر میں وہ صرف تھک گئی ہے، کچھ نیا علاقہ بھی ہے، کوئی جان پہچان کے لوگ نہیں جہاں جا کر وہ وقت گزار سکتی۔

الماس جھینپ کر سر جھکا گئی۔

''آپ ٹھیک بول رہے ہیں لیکن میں کوشش کروں گی اب ان کا دھیان رکھوں۔''

''ہاں یار، پلیز ڈوسم تھنگ میں بہت پھنسا ہوا ہوں اس پراجیکٹ کو لے کر اسی پر ہمارا مستقبل ہے نا۔ تم تو سمجھ سکتی ہو اس بات کو۔ جان بوجھ کر کون اپنا گھر اگنور کرتا ہے۔'' وقاص نے لاچاری سے بولتے ہوئے چائے کی چسکی لی۔

''میں سمجھ سکتی ہوں بھائی جان ڈونٹ یو وری ویسے آپ ساتھ کچھ لے لیتے تو اچھا رہتا۔ ایسے خالی.....''

''نہیں.....نہیں.....اٹس اوکے چلو میں چلتا ہوں پھر تم ایسا کرو.....''

''میں دیکھ لوں گی بھائی جان۔'' الماس نے فور وقاص کو ٹوک دیا۔

''کھانا اور بچے دونوں کو دیکھ لوں گی۔''

''مجھے اب ڈیٹ بھی دیتی رہنا پلیز۔''

''اوکے۔''

''اور ہاں۔'' وقاص نے اپنے کمرے کی سمت بڑ ہوئے کچھ یاد آنے پر فوراً ہی پلٹ کر الماس کو دیکھا جو کی جانب جارہی تھی۔

''جی بھائی جان۔''

''شام کو کوشش کروں گا جلدی آجاؤں تو کہیں چلیں گے سونیا بھی فریش فیل کرے گی۔''

''ایسا ہو جائے تو کیا ہی بات ہوگی بھائی جان۔''

''ہم چلو مجھے چار بجے یاد دلا دینا۔'' وقاص نے ہلاتے ہوئے اسے کہا۔

''تم بھی یہ چھوڑو اور جا کر سونیا کو دیکھو ذرا۔''

''اوکے۔'' سونیا نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے رکھی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

اگر وہ دونوں اس وقت کچن کی سمت نگاہیں کر لیے دیکھتے کچن سے سرخ رنگ کے ہیولے نکل کر ہوا میں گر کرتے ہوئے باہر نکل رہے تھے کچن کے ساتھ ہی دروازہ مستقل ہل رہا تھا، جولان میں کھلتا تھا۔ اس کے سامنے کالی بلی بیٹھی ہوئی ان گردش کرتے سائے کو نفر سے دیکھ رہی تھی اور مستقل غرا رہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ

Digitized by Google

نحوست

عرفان رامے

خوشی اور غم سب کچھ قدرت کے ہاتھ میں ہے اس کی مرضی کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا، یہ حقیقت جاننے کے باوجود اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو تمام واقعات اور حادثات کو دیوی دیوتاؤں کی خوشی اور ناراضگی سے جوڑتے ہیں ایسے ہی لوگوں کا قضیہ۔

ایک چھوٹی سی خوب صورت قیمتی مورتی کی کہانی، نحوست کی ایک طویل داستان اس کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔

شام ڈھلتے ہی سرد ہواؤں نے ہر چیز کو منجمد کر دیا تھا۔ شنکر نے سارا دن گھر میں گزارا تھا۔ انیتا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ شام کو اس سے ملنے ضرور آئے گی.... مگر نہ تو وہ خود پہنچی تھی اور نہ ہی اس نے کال کر کے اپنے نہ آنے کی اطلاع دی تھی۔

شنکر نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر شیشے سے باہر دیکھا تو ہر سو ٹھٹھرتی تاریکی کی حکمرانی تھی۔ اب اس کے لیے مزید صبر اور انتظار ممکن نہیں تھا۔ انیتا کا خیال ذہن میں آتے ہی شنکر کے دل و دماغ پر مدہوشی سی طاری ہونے لگی تھی۔ چناں چہ وہ اپنا اوورکوٹ پہن کر دروازے کی طرف بڑھا۔

ٹھنڈی ہوا کا جھونکا جسم سے ٹکراتے ہی اس نے اوورکوٹ کے کالر کھڑے کر لیے اور تیز قدموں سے اپنی کار کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر ہیٹر آن کر لیا۔ رات بہت سرد تھی، لیکن وہ اپنے جذبات کی گرمی کو موسم کی نذر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان لمحات میں انیتا کی نرم گرم حدت کا متمنی تھا۔

”آج کی رات تنہا گزارنا خود پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ مجھے ہر صورت انیتا سے ملنا ہوگا۔“ شنکر نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

انیتا کا مکان وہاں سے کافی دور تھا۔ عام طور پر شنکر اسے ہفتے کی رات کو کارخانے سے لوٹتے ہوئے ساتھ اپنے گھر لے آتا تھا۔ یوں ہر ویک اینڈ ان کے لیے مسرتوں کی رات ہوتی تھی۔ انیتا کو قریب پا کر اسے یوں لگتا تھا جیسے دنیا بھر کی خوشیاں اس کی بانہوں میں سمٹ آئی ہوں۔

کار اپنی منزل کی جانب بڑھ رہی تھی اور انیتا کے تصور سے ہی شنکر کے خون میں حدت پیدا ہونے لگی تھی۔

”جانے آج وہ کیوں نہیں آئی.... کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہی۔“ شنکر بڑبڑایا۔

ہفتے کی رات آندھی ہو یا طوفان انیتا ضرور آتی تھی۔ عام دنوں میں بھی وہ وقت نکال کر مل لیا کرتے تھے۔ لیکن ہفتہ کی رات تو ان کی اپنی ہوتی تھی۔

انیتا کی عمر تیس کے لگ بھگ تھی۔ اس کی شادی بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اور صرف دو سال بعد وہ بیوہ ہوگئی تھی۔

شنکر کی طرح اب اس کا بھی دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ انیتا کی شادی اس کے ماموں نے کروائی تھی۔ لیکن بیوہ ہونے کے بعد انھوں نے بھی اس کی کفالت سے انکار کر دیا تھا۔

Digitized by Google

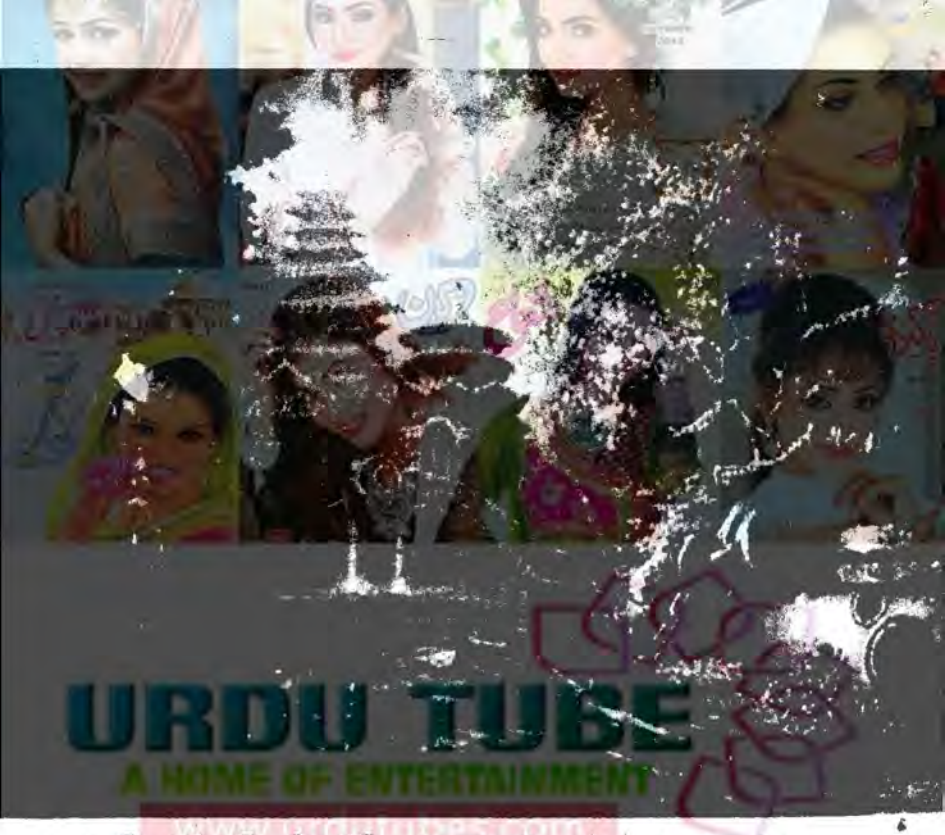

مرحوم شوہر نے اس کے لیے پوش علاقے میں ایک مکان چھوڑا تھا۔ سر چھپانے کے لیے ٹھکانہ تو موجود تھا لیکن پیٹ کا جہنم بھی تو بھرنا تھا.... چناں چہ انیتا نے کسی پر بوجھ بننے کے بجائے ایک کمپنی میں ملازمت کرلی۔

شنکر سے اس کی پہلی ملاقات ایک کاروباری میٹنگ کے دوران ہوئی تھی۔ جلد ہی فاصلے مٹتے چلے گئے اور انھوں نے اس تعلق کو دوستی کا نام دے دیا۔ ملازمت ملنے کے بعد معاشی پریشانی دور ہوگئی تھی تو شنکر سے ملاقات کے بعد انیتا شوہر کی ضرورت سے بھی بے نیاز ہوگئی۔ بقول انیتا اسے شنکر سے محبت ہوگئی تھی یہی وجہ تھی کہ اس نے خود کو شنکر کے سپرد کردیا تھا۔

اہم بات یہ کہ اس نے کبھی شنکر سے شادی کرنے پر دباؤ نہیں ڈالا تھا اور نہ ہی اسے شنکر کے مال و دولت سے دلچسپی تھی.... انیتا کی بہت سی خوبیوں میں سے یہی دو خوبیاں شنکر کو پسند تھیں۔ شنکر خود بھی آزاد پنچھی تھا۔ اس نے کبھی شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا، انیتا جیسی محبت کرنے والی عورت سے بھی نہیں۔

دوسری جانب انیتا بھی شادی کے بندھن کو قید سے تشبیہ دیتی تھی۔ اس کی شادی ایک اُدھیڑ عمر مرد سے ہوئی تھی جسے صرف اس کے جسم سے دلچسپی تھی۔ اس نے کبھی انیتا سے اچھا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انیتا بھی اپنے شوہر کی موت کے بعد شادی سے بددل ہوگئی تھی۔

دونوں کی پسند ناپسند ایک سی تھی۔ زندگی گزارنے کے نظریات ایک سے تھے اس لیے وہ ایک دوسرے سے بہت مطمئن دکھائی دیتے تھے۔

شنکر نے گھر سے نکلتے ہی کار کی رفتار بڑھا دی۔ وہ جلد از جلد انیتا کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ جواب بھی اس سے میلوں دور تھی۔

Digitized by Google

کار کے شیشے چاروں طرف سے بند تھے اور ہیٹر آن تھا۔ لیکن سردی نہ جانے کون سے راستے سے اندر گھس رہی تھی۔ وہ سردی کے احساس کو مٹانے کے لیے انتہا کے گرم وجود کا تصور کرنے لگا۔ سنسان سڑک پر ہیڈ لائٹس کی روشنی دور تک جھانک رہی تھی۔ وہ پرسکون انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا کہ اچانک بریک پر پاؤں کا دباؤ بڑھانا پڑ گیا۔

تیز رفتار کار ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ اب روشنی کے دائروں میں ایک جسم واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا جو سڑک کے درمیان میں پڑا تھا۔

یہ غیر متوقع منظر دیکھ کر شنکر کے دل میں طرح طرح کے شبہات جنم لینے لگے۔ اسے سنسان سڑکوں پر لوٹنے والے وہ جرائم پیشہ لوگ بھی یاد آ گئے جو پہلے کسی بہانے گاڑی رکواتے تھے اور پھر ڈرائیور کے باہر نکلتے ہی اس پر قابو پا لیتے تھے۔

ان دنوں شہر کے حالات زیادہ اچھے نہیں تھے۔ وہ کار میں بیٹھا اس بے سدھ پڑے وجود کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی تیز نظریں مسلسل اردگرد کے ماحول کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سڑک پر لیٹے ہوئے شخص کے ساتھی کسی بھی لمحے درختوں کے عقب سے نکل کر اس پر حملہ کر دیتے۔

جب کئی منٹ گزر گئے اور ایسی کوئی بات نہ ہوئی تو شنکر کی سوچ کا دھارا بدلنے لگا۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے کوئی سنگدل گاڑی والا اسے ٹکر مار کر فرار ہو گیا ہو ....اور واقعی اسے مدد کی ضرورت ہو۔ یہ سوچتے ہی وہ ہمت کر کے نیچے اُتر آیا۔

شنکر سخت دل نہیں تھا۔ کسی کو مصیبت میں دیکھ کر اس سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے سڑک پر گرا ہوا شخص زخمی ہو اور اُسے مدد کی ضرورت ہو۔

وہ آگے بڑھا اور ٹھنڈی سڑک پر پڑے گٹھڑی نما جسم کے پاس پہنچ گیا.... وہ کوئی خستہ حال بوڑھا تھا جس کا لباس اور حلیہ بھی گداگروں جیسا تھا۔ شنکر اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ وہ بغور اسے دیکھ کر سانسوں کی روانی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر بوڑھے کے منہ سے نکلنے والی ہلکی سی کراہ سن کر شنکر کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی.... وہ زندہ تھا۔ شنکر نے اپنے قیمتی سوٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے جھک کر بوڑھے کو بازوؤں پر اُٹھا لیا اور تیزی سے اپنی کار کے نزدیک لے آیا۔ بوڑھا اب باقاعدہ کراہنے لگا تھا۔

شنکر نے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر بوڑھے کو اندر بٹھا دیا۔ بوڑھا اُکھڑی اُکھڑی آواز میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ شنکر نے جھک کر اس کی بات سمجھنا چاہی تو وہ بولا:

''مجھے سڑک کے پار مکان میں پہنچا دو۔''

شنکر نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ بائیں طرف آبادی نہیں تھی البتہ سڑک کے داہنی سمت کچھ فاصلے پر آبادی دکھائی دے رہی تھی۔

شنکر کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔ بوڑھا کوئی بے گھر فقیر نہیں تھا۔ میدان کے دوسری طرف کی آبادی میں دکھائی دینے والے مکان اتنے برے بھی نہیں تھے کہ انھیں کچی آبادی کہا جا سکے۔

سردی بہت زیادہ تھی۔ شنکر نے کار اسٹارٹ کر کے سڑک کے دائیں جانب موڑ دی۔ چند لمحوں کے بعد وہ اس کے بتائے ہوئے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔

''مجھے اندر لے چلو....''

بوڑھے نے ہانپتے ہوئے کہا تو شنکر نے شانے اُچکائے اور نیچے اُتر کر گیٹ کھول دیا۔ سامنے چھوٹا سا پورچ دکھائی دے رہا تھا۔ شنکر اپنی کار کو اندر لے گیا۔ اس نے کار روک کر دروازہ کھولا اور سہارا دے کر بوڑھے کو گھر کے اندر لے گیا۔

''سوئچ دروازے کے پاس ہے....'' بوڑھے نے کہا اور شنکر نے سوئچ آن کر دیا۔ پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے یہاں بھی شنکر نے روشنی کر دی۔

کمرے کی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ سب کچھ بے ترتیبی سے رکھا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ بان سے بنی ہوئی ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر میلا کچیلا بستر بچھا ہوا تھا۔ بوڑھے کو بستر پر لٹا کر شنکر اس کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا اور نرم لہجے میں بولا:

''اگر آپ کی حالت زیادہ خراب ہے تو میں ڈاکٹر کو بلا لاؤں؟''

Digitized by Google

"نہیں بیٹا! بھگوان تمھیں خوش رکھے.... سامنے آتش دان پر میری دوا رکھی ہے۔ اس کے پاس گلاس اور پانی بھی موجود ہے۔ دوا کی ایک خوراک مجھے دے دو.... بہت شرمندہ ہوں کہ سرد رات میں تمھیں تکلیف دی۔"

شنکر نے کوئی جواب نہ دیا اور آتشدان کی طرف بڑھ گیا۔ آتشدان پر دوا کی شیشی اور گلاس کے علاوہ ایک چیز اور بھی تھی.... اس چیز کو دیکھ کر شنکر کی آنکھوں میں حیرت کے سائے لہرانے لگے۔

یہ پتھر کی ایک مورتی تھی۔ اس کے جسم میں جگہ جگہ ننھے ننھے نقطے روشن تھے۔ رنگین اور چمک دار نقطے..... شنکر نے غور سے مورتی کو دیکھا۔ اس کی گردن میں انتہائی خوب صورت ہار بھی تھا۔ اگر شنکر کا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ ہار بیش قیمت تھا۔ مورتی پر گرد جمی ہوئی تھی۔ لیکن اس گرد کے باوجود چمکتے ہوئے رنگین موتیوں کے بارے شنکر نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ قیمتی ہیرے ہیں۔

صرف چند لمحے وہ اس حیرت انگیز مورتی کو دیکھنے کے لیے رُکا اور پھر گلاس میں پانی انڈیل کر بوڑھے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے غور سے بوڑھے کو دیکھا۔ بے ترتیب داڑھی اور سر کے بالوں نے اُسے کریہہ شکل بنادیا تھا۔ شنکر نے اُسے سہارا دے کر بٹھایا اور دوا پلادی۔ دوا پلانے کے بعد اس نے بوڑھے کو دوبارہ لٹا کر میلا سا لحاف اُوڑھا دیا۔

اب شنکر گلاس رکھنے کے لیے واپس آتش دان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک مرتبہ پھر غور سے اس مورتی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ قیمتی مورتی بڑی بے پروائی سے رکھی گئی تھی۔ اگر شنکر کا اندازہ درست تھا تو یہ کافی قیمتی ہوسکتی تھی۔ اس مکان میں شاید بوڑھے کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا۔ ایسے میں کوئی بھی چور آسانی سے اس مورتی کو چرا سکتا تھا۔

وہ بوڑھے کی کراہ سن کر چونک پڑا اور واپس اس کے قریب پہنچ گیا۔ بوڑھے نے پاؤں سکوڑ کر اسے بیٹھنے کے لیے جگہ دے دی۔ شنکر خاموشی سے وہاں بیٹھ گیا۔ وقتی طور انیتا کا بھوت اُتر گیا تھا۔ انسانی ہمدردی نفسانی خواہش پر غالب آگئی تھی۔ وجہ یہی تھی کہ وہ فطری طور پر برا آدمی نہیں تھا۔

ماہنامہ آنچل کراچی
ماہنامہ حجاب کراچی

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان ... 850 روپے

امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

میڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے

7000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔

0316-0128216

0300-8264242

0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

+922-35620771-2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

Digitized by Google

'میں تمھارا شکر گزار ہوں۔ اگر تم مدد نہ کرتے تو شاید میں اسی سڑک پر دم توڑ جاتا۔'' بوڑھے نے کانپتی آواز میں کہا۔ اب وہ کافی حد تک پرسکون نظر آرہا تھا۔

''یہ میرا فرض تھا بابا.... کیا اس مکان میں آپ تنہا رہتے ہیں۔''

''ہاں میرے بچے۔ میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں تنہا ہوں۔''

''یہ مکان آپ کا اپنا ہے؟''

''ہاں سر چھپانے کی یہی ایک جگہ رہ گئی ہے۔ باقی سب کچھ تو ختم ہوگیا۔'' بوڑھے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

کمرے کا ماحول بہت حیران کن تھا۔ یہاں کوئی چیز درست حالت میں نہیں تھی۔ یہاں تک کہ بوڑھے کا بستر بھی بوسیدہ تھا۔ اس کی غربت واضح دکھائی دے رہی تھی.... لیکن یہ کیسا غریب آدمی تھا جو ایک خوب صورت مکان کا مالک تھا، جس کے کمرے میں ایک قیمتی مورتی اتنی بے پروائی سے رکھی ہوئی تھی کہ کوئی بھی اسے چرا لے جائے۔

شنکر کی نظریں پھر مورتی کی طرف اُٹھ گئیں۔ جس میں جڑے ہیرے اب بھی چمک رہے تھے۔ بوڑھے نے شاید اس کی الجھن کو محسوس کرلیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی:

''تم غالباً اس مورتی کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہو۔'' اس کی آواز ابھری اور شنکر چونک گیا اور اس نے کہا:

''میں سوچ رہا ہوں کہ آپ نے اس قیمتی مورتی کو اتنی بے پروائی سے رکھ چھوڑا ہے۔ اس کا رنگ بھی خراب ہو رہا ہے.... اور یہاں سے تو کوئی بھی اسے چرا سکتا ہے۔''

''کاش ایسا ہوسکتا.... کاش کوئی بدقسمت چور اسے چرا لے جائے۔ میری دلی خواہش ہے میرے بچے کہ کوئی اسے چرا لے.... آہ! یہی مورتی میری قاتل ہے۔ اسی نے مجھے تباہ و برباد کیا ہے۔ اس کی طرف توجہ اور دلچسپی سے نہ دیکھو یہ نحوست کی دیوی ہے۔ جس کی آغوش میں بد نصیبی کے طوفان چھپے ہیں۔ اس میں دلچسپی لینے والا بھیانک تنہائیوں کا شکار ہوجائے گا۔''

شنکر نے حیرت سے بوڑھے کی باتیں سنیں اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاید کمزور بوڑھا سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کی مدد کرنے والا مورتی یہاں سے اُڑا نہ لے جائے۔ ظاہر ہے بوڑھا مدافعت نہیں کرسکتا تھا۔ اسی لیے اس نے شنکر کو مورتی کی طرف سے خوفزدہ کرنا شروع کردیا تھا۔

''آپ اطمینان رکھیں بابا۔ مجھے اس مورتی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا.... آپ شاید یہ سوچ رہے ہیں کہ میں آپ کی بے بسی سے فائدہ اُٹھا کر اسے لے جانے کی کوشش کروں گا۔''

''غلط مت سوچو بیٹا.... اس بدنصیب بوڑھے کو جھوٹا مت سمجھو۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں اس کی نحوست کا شکار ہوں۔ کاش میں یہ مورتی تمھیں تحفے میں دے سکتا۔ اگر میں تمھیں یہ تحفہ دے دوں تو تمھارے احسان کے بدلے میں دشمنی ہوگی۔''

''وہ کیوں....؟'' شنکر نے دلچسپی سے پوچھا۔

''تم بھی اسی نحوست کا شکار ہو جاؤ گے۔ یہ دیوی دیہولا کی امانت ہے۔ جس کے پاس یہ مجسمہ ہوگا اس پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اسے دیہولا کنڈ میں پہنچائے.... ورنہ خوفناک نحوستوں کا شکار ہونے کے لیے تیار ہوجائے۔'' بوڑھے نے بتایا۔

''آپ کی ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' شنکر نے الجھتے ہوئے کہا۔

''اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے تمھیں ایک کہانی سننا ہوگی۔ کیا تمھارے پاس اتنا وقت ہے.... کیا تم مجھ بد نصیب کی کہانی سنو گے؟''

شنکر نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا.... سوا بارہ بج رہے تھے۔ پورے تین گھنٹے یہاں صرف ہوگئے تھے:

''اب تک تو انیتا بھی گہری نیند سو چکی ہوگی۔ اس کا فلیٹ یہاں سے بارہ تیرہ کلومیٹر دور تھا۔''

سرد رات نے شنکر کی اُمنگیں بھی سرد کردی تھیں۔ چناں چہ اس نے مزید کچھ وقت بوڑھے کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کیا۔ شنکر کو ہمیشہ سے محیر العقول کہانیوں سے دلچسپی رہی تھی اور بوڑھا بھی پراسرار تھا۔ اس کی کہانی

Digitized by Google

یقیناً دلچسپ ہوگی۔

''میں اس خوب صورت مورتی کی کہانی سننے کے لیے تیار ہوں....''

اس نے کہا اور بوڑھا گہری گہری سانسیں لے کر خود کو کہانی سنانے کے لیے تیار کرنے لگا۔ چند منٹ کے بعد وہ قدرے صاف آواز میں بولا:

''میرا نام موہن داس ہے.... شاید تم نے کبھی میرا نام سنا ہو۔ ایک مہم جو کی حیثیت سے میرا نام اخبارات میں چھپتا رہتا تھا۔ لیکن وہ بہت پہلے کی بات ہے۔ میں زمیندار خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ عیش و عشرت کی زندگی اور بے فکری بہت سے شوق پیدا کر دیتی ہے۔ مجھے بھی مہم جوئی کا شوق تھا۔ اس شوق کو دولت کا سہارا حاصل تھا۔ لہٰذا کوئی رکاوٹ نہ ہوئی اور میں دنیا کے پر اسرار علاقوں کی سیر کرتا رہا.... میں نے چند دوسرے ہمت لوگوں کو ساتھ شامل کر لیا اور بہت سے پہاڑوں کی چوٹیاں سر کیں۔ خطرناک علاقوں میں داخل ہو کر خزانے تلاش کیے.... یہ دوسری بات کہ ہم کوئی بھی خزانہ حاصل نہ کر سکے۔ میری ساری جوانی اسی آوارہ گردی میں گزر گئی۔ سال دو سال میں ایک آدھ بار اپنے وطن آجاتا تھا جہاں میرے والد اور دو بڑے بھائی تھے۔ وہ مجھ سے سخت نالاں تھے۔ جائیداد کا کام انھیں کے سپرد تھا.... ایک بار میں وطن آیا تو علم ہوا کہ والد صاحب اس دنیا سے چل بسے ہیں۔ مجھے پہلی بار بڑے صدمے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ میں اپنے فضول شوق کی وجہ سے آخری وقت میں والد کی شکل دیکھنے سے بھی محروم رہا۔ میں نے کافی دن وطن میں گزارے لیکن والد صاحب کی موت کا صدمہ کم ہوتے ہی میرا شوق پھر اُبھر آیا۔ بھائیوں کی خواہش تھی کہ میں بھی ان کے ساتھ کام سنبھالوں۔ لیکن مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

میں پھر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ مجھے ہمالیہ کی ترائی میں پھیلے ہوئے پر اسرار علاقوں کو دیکھنے کا شوق تھا۔ ایک روز کچھ باہمت دوستوں کے ساتھ میں اسی طرف چل پڑا۔

میں اور میری ٹیم کے تین افراد تبت کی سرحد کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ بدھ بھکشوؤں اور لاموں کا یہ دیس بے حد پر اسرار تھا۔ اس پر اسرار علاقے کی ایک ایک چیز حیرت انگیز تھی۔

ہم آگے بڑھتے رہے اور ایک دن اس جگہ پہنچ جہاں چاروں طرف سیاہ رنگ کی کائی زدہ چٹانیں ہوئی تھیں۔ یہ بہت ویران علاقہ تھا۔ ہر طرف عجیب اُداسی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ ان اطراف میں ہم پرندے تو کیا حشرات الارض تک نہ دیکھے تھے۔ یہ جا یہ علاقہ جانداروں سے کیوں خالی تھا۔ میرے ساتھی علاقے سے ہول کھانے لگے۔ کچھ دیر کے لیے تو مجھے اس علاقے سے وحشت محسوس ہوئی لیکن پھر میں اس ایک انجانی سی کشش محسوس کرنے لگا۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ ہم نے رات وہ گزارنے کا فیصلہ کیا اور ایک مناسب جگہ کیمپ لگا میرے ساتھی سرشام ہی کیمپ میں گھس گئے۔ وہ خوف تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد چاند نکل آیا۔ میں نے ا ساتھیوں سے کہا کہ ہم چاندرات میں ان چٹانوں کی س کریں گے لیکن ان میں سے کوئی تیار نہیں تھا۔ دن روشنی میں وہ چٹانیں اس قدر بھیانک لگ رہی تھیں رات میں کیا حال ہوتا ہوگا۔ یہی سوچ کر وہ رُک تھے۔

میں ان کی بزدلی پر جھنجلا کر تنہا باہر نکل آیا۔ میں اپنی حفاظت کے لیے رائفل ساتھ لے لی تھی۔ ہمیں ا علاقے میں کوئی خونخوار درندہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس لیے زیادہ فکرمند نہیں تھا۔

کیمپ سے باہر کا ماحول بے حد خوفناک تھا۔ چٹانیں شیطانی مخلوق دکھائی دے رہی تھیں۔ میں ا چٹانوں کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھتا رہا اور کیمپ سے کافی دور نکل آیا۔ تھوڑی دیر گھومنے کے بعد میرا خوف دور ہو گیا۔ اب یہ ماحول مجھے بے حد دلچسپ لگ تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا۔

جب میں ایک بڑی چٹان سے اُتر رہا تھا کہ کا فاصلے پر ایک اُونچی سی چٹان کے سرے پر روشنی کا ایک نق سا نقطہ چمکتا نظر آیا۔ میں حیران رہ گیا تھا:

''یہاں کون ہو سکتا ہے....'' میں نے سوچا۔'' روشن نقطہ یقیناً کوئی چراغ ہے۔ شاید کوئی بدھ راہب اس

Digitized by Google

ویران علاقے میں عبادت کر رہا ہوگا۔'' میری دلچسپی بڑھ گئی۔

راہبوں کے بارے میں بھی میں نے بڑی دلچسپ داستانیں سن رکھی تھیں۔ اب میرے دل میں اسے دیکھنے کا شوق پیدا ہوگیا اور میں چٹانیں پھلانگتا ہوا اس روشنی کی طرف بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اس مینار نما چٹان کے پاس پہنچ گیا جو نیچے سے ناہموار اور بے ہنگم تھی اور اُوپر ایک نوکدار شکل اختیار کر گئی تھی۔ اس طرح یہ دور سے مینار سا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے اوپر سرے پر وہ چراغ روشن تھا۔ چراغ کی مدھم روشنی مینار کے داخلی دروازے کو بھی منور کر رہی تھی۔

بلا شبہ یہ چٹان قدرتی تھی۔ کسی بدھ راہب نے اسے اپنے رہنے کا ٹھکانہ بنا لیا تھا۔ میں اس گول سوراخ کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو اندر صاف شفاف فرش تھا۔ میں ہمت کر کے سوراخ کے اندر داخل ہوگیا۔ مینار نما چٹان کا حجم چند گز تھا لیکن اندر کوئی نہیں تھا۔

میں نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھا تو گول سوراخ کے بالکل برابر والی دیوار میں دو چیزیں نظر آئیں.... ایک پتھر کا مجسمہ تھا جو سیاہ چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ مجسمہ ایک ہیبت ناک شکل کی عورت کا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تھالی اور دوسرے ہاتھ میں کرپان نما چیز تھی جو آدھی ٹوٹ جانے کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ دوسری چیز یہ مورتی تھی.... ہاں یہی مورتی عورت کے مجسمے کے نزدیک ایک طاق میں رکھی گئی تھی۔ اس میں لگے ہوئے رنگین پتھر چمک رہے تھے اور گردن میں پڑے ہوئے ہار جگمگا رہے تھے۔

میں اسے دیکھ کر مبہوت ہوگیا۔ میں نے قریب پہنچ کر اس مورتی کا بغور جائزہ لیا۔ اس کی گردن میں پہنے ہوئے ہار دیکھے اور ان کی قیمت کا اندازہ لگایا۔ بلا شبہ یہ انتہائی قیمتی چیز تھی۔ ہار بھی نایاب تھے۔ یہ بہت بڑا خزانہ نہیں تھا لیکن بہر حال ایک نادر چیز تھی اور اس ویران علاقے میں اس کا کوئی مالک نہیں تھا.... پھر میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا:

''یہاں چراغ روشن کرنے والا کہاں گیا.... کسی نے تو یہ چراغ روشن کیا ہوگا.... اگر وہ واپس آگیا تو میں یہ مورتی حاصل نہیں کر سکوں گا۔''

میں نے سوچا اور فیصلہ کیا کہ مورتی اُٹھا کر جلدی دور نکل جاؤں۔ میں نے عورت کے مجسمے کی طرف دیکھا۔ نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ عورت مجھے غضبناک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اس کا کرپان والا ہاتھ ہلتا محسوس ہوا.... میں چند لمحوں کے لیے سہم گیا۔ لیکن پھر سوچا کہ یہ میرا وہم ہے۔ یہ پتھر کا بت میرا کیا بگاڑ سکتا ہے.... میں نے ہاتھ بڑھا کر مورتی کو طاق سے اُٹھا لیا۔ مورتی اُٹھاتے ہی ایک عجیب سی سنسنی میرے جسم میں دوڑ گئی۔ یہ کیفیت صرف چند لمحے رہی اور میں نارمل ہوگیا۔ اب میں مورتی لے کر سوراخ نما دروازے سے نکل آیا تھا۔

یہ قیمتی مورتی حاصل کر کے میں بہت خوش تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ مورتی اپنے ساتھیوں کی نظروں سے چھپا کر رکھوں گا.... ورنہ وہ بھی اپنا حق جتائیں گے۔

واپس پہنچتے ہی میں نے پہلے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ سب بے خبر سو رہے تھے میں نے مورتی اپنے سوٹ کیس میں کپڑوں کے نیچے رکھ دی اور آرام سے لیٹ گیا۔

اس مہم کے دوران پہلی بار کوئی قیمتی چیز میرے ہاتھ لگی تھی۔ میں بہت مسرور تھا۔

اگلے دن ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ ایک ماہ تک گھومنے کے بعد واپسی کا پروگرام بنا لیا اور اپنے وطن واپس آگئے۔ اس دوران میں وہ مورتی اپنے ساتھیوں سے بچانے میں کامیاب رہا تھا۔ میں نے انھیں ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ جب میرے دوست اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو میں نے سکون کا سانس لیا۔ دوسرے دن مجھے اپنے علاقے میں واپس جانا تھا، یہ رات میں نے وہاں کے ایک ہوٹل میں گزاری۔ میں مورتی کو دوبارہ دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے احتیاط سے دروازہ بند کیا اور سوٹ کیس سے مورتی نکال لی۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ بلب کی تیز روشنی میں میں

Digitized by Google

نے اس قیمتی مورتی کو نکالا اور دلچسپی و مسرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ اب اس کے نقوش بالکل واضح تھے۔ بلاشبہ یہ ایک حسین چیز تھی۔ اس میں لگے ہوئے قیمتی ہیرے چمک رہے تھے اور گردن میں پڑے ہوئے ہار اپنی قیمت بتا رہے تھے۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر میری انگلی مورتی کی پشت پر ابھری ہوئی جگہ سے ٹکرائی۔ یہ جگہ دبنے لگی تو میں چونک پڑا۔ میں نے اسے زور سے دبایا تو مورتی کی پشت کسی خانے کی طرح کھل گئی۔ میں نے جلدی سے اس کھلے ہوئے خلا میں انگلیاں ڈالیں تو میرا ہاتھ ایک عجیب چیز سے ٹکرایا۔ میں نے وہ چیز نکال لی۔ یہ چمڑے کا ٹکڑا تھا جس کی چار تہیں کی ہوئی تھیں۔ میں نے دھڑکتے دل سے اس چمڑے کی تہہ کھولی کہ شاید یہ کسی خزانے کا نقشہ ہو۔ لیکن چمڑے پر کوئی نقشہ نہیں بلکہ ایک تحریر تھی۔ ہندی زبان میں کسی عجیب چیز سے لکھی ہوئی تحریر جو چمک رہی تھی:

بوڑھا موہن داس چند لمحوں کے لیے رُک گیا۔ شنکر بے چینی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے بوڑھے کی کہانی بے حد دلچسپ لگی تھی۔ میں نے وہ تحریر پڑھی اور حیران رہ گیا۔

"یہ مجسمہ نحوست کی دیوی دیہولا کی ملکیت ہے.... ہر اس شخص کو انتباہ ہے جو اسے پانے اور حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ اس مجسمے کو کوئی قیمتی چیز سمجھ کر لے جانے کی کوشش کرے گا تو سخت نحوست کا شکار ہو جائے گا۔ اسے ایسی ایسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا کہ وہ زندگی سے پناہ مانگے گا۔ جب تک وہ اس مورتی کو واپس دیہولا کنڈ میں نہیں پہنچا دے گا نحوست کا شکار رہے گا۔"

تحریر پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیے مجھے بہت خوف محسوس ہوا۔ میں نے سوچا کہیں یہ تحریر حقیقت نہ ہو لیکن پھر میں اپنی حماقت پر ہنس پڑا۔ میں نے سوچا دیکھوں گا کہ یہ نحوست کی دیوی دیہولا میرا کیا بگاڑتی ہے.... میں نے واپس اسے سوٹ کیس میں رکھا اور آرام سے سو گیا۔

اگلے دن میں ٹرین کے ذریعے اپنے قصبے میں پہنچ گیا۔ یہاں آ کر مجھے اپنے بھائی اور دوسرے عزیزوں

آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
امید اور ناامیدی کے درمیان پرورش پاتی حسین داستانیں
ماہنامہ
حجاب کراچی
شائع ہوگیا ہے
میرے خواب زندہ ہیں
شب آرزو تیری چاہ میں
عشق دی بازی
اس کے علاوہ دنیا ادب کے نئے ستارے ہر ماہ اس میں شامل ہیں
nfoohijab@gmail.com
021-35620771/2
0300-8264242

Digitized by Google

سے ملنے کی مسرت نے گھیر لیا۔ جب میں اپنے گاؤں میں داخل ہوا تو چند جاننے والوں نے مجھے ایک روح فرسا خبر سنائی جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے بتایا کہ پڑوس کے زمینداروں سے میرے بھائیوں کا زمین کا تنازعہ تھا۔ ایک دن یہ تنازعہ خونریز تصادم کی شکل اختیار کر گیا اور دونوں گروہ بھڑ گئے۔ گولیاں چلیں اور میرا ایک بھائی اس تصادم میں ہلاک ہو گیا۔ دوسرے بھائی نے دشمن گروہ کے چھے آدمی ہلاک کر دیے۔ اس لیے وہ بھی گرفتار ہو گیا اور جیل میں ہے۔

یہ خوفناک خبر سن کر میں حواس باختہ ہو گیا اور اپنے گھر کی طرف دوڑا۔

گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر عورتیں بین کرنے لگیں۔ بھابیوں کا سہاگ لٹ چکا تھا۔ میں نے بمشکل خود پر قابو پایا اور اپنے بھائی کے لیے تگ و دو کرنے لگا جو قتل کے الزام میں گرفتار تھا۔

میں نے پانی کی طرح دولت بہائی۔ زمینیں بیچیں، گھر کا سامان بک گیا، بھابیوں کے زیورات بیچے یہاں تک کہ اپنا آبائی مکان بھی بیچ دیا.... لیکن میں اپنے بھائی کو پھانسی سے نہ بچا سکا۔

میرا خاندان تباہ ہو گیا تھا۔ بھابیوں نے بچی کھچی چیزیں تقسیم کر لیں۔ اب میرے پاس کچھ نہ رہا۔ چناں چہ میں اپنا مختصر سا سامان لے کر شہر آ گیا۔ میرے پاس یہ مورتی بھی تھی۔ ان پریشانیوں سے نجات حاصل کر کے میں نے طویل عرصہ کے بعد مورتی کو دیکھا تو وہ تحریر یاد آ گئی۔ بلاشبہ جو کچھ ہوا تھا وہ ایسا سانحہ تھا جو زندگی بھر رُلانے کے لیے کافی تھا۔

میں نے سوچا کہ کیا یہ سب کچھ اس مورتی کی نحوست تھی.... کیا اس کے اندر رکھی ہوئی تحریر درست تھی.... تب خیال آیا کہ اسے اُٹھا کر پھینک دوں۔ پھر اس میں جڑے ہوئے قیمتی ہیروں اور اس کی گردن میں پڑے ہوئے ہار کو دیکھ کر لالچ آ گیا۔

میں اب قلاش ہو گیا تھا۔ جو نحوست آنی تھی آ چکی تھی۔ اب میرا کیا بگڑے گا.... میں نے اسے رہنے دیا۔ زندگی گزارنے کے لیے سہارا ضروری ہوتا ہے۔ میں اپنا غم بھول کر ملازمت تلاش کرنے لگا، لیکن مجھے ملازمت نہ ملی۔ میں در در کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔

ایک دن میں نے اس مورتی کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا اور لے کر بازار میں نکل آیا۔ میں نے ایک جوہری کو مورتی دکھائی، وہ بھی اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جوہری نے اس کی قیمت پانچ لاکھ روپے لگائی تو میرا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ میں اس جوہری کو پاگل سمجھ رہا تھا۔

میرے ہاں کرنے پر اس نے پانچ لاکھ روپے کی رقم میرے سامنے رکھ دی۔ میری زندگی نے ایک نیا رُخ بدلا تو میں نے یہ گھر خرید لیا اور اپنی نئی زندگی کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔

زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ وہ جوہری اپنے چند آدمیوں کے ہمراہ میرے گھر آ گیا۔ جانے کس طرح اس نے میرا پتہ لگا لیا تھا۔ جوہری بہت لال پیلا ہو رہا تھا۔ اس نے دھمکیاں دیں کہ وہ مجھے پولیس کے حوالے کر دے گا.... اس نے بتایا کہ جب سے اس نے یہ مورتی خریدی ہے اس کی دکان میں دو بار چوری ہو چکی ہے جس میں بیس لاکھ روپے کا سامان چلا گیا۔

جوہری کا بیٹا اسکول سے آتے ہوئے ٹرک کے حادثے کا شکار ہو کر چل بسا تھا۔ ابھی نہ جانے اور کیا ہونا تھا کہ جوہری نے کسی طرح مورتی کے اندر رکھی ہوئی تحریر دریافت کر لی اور اُسے پڑھنے کے بعد مجھے تلاش کرنے لگا۔ جوہری نے مجھ سے کہا کہ یہ مورتی لے کر اس کی رقم واپس کر دوں۔ تب میں نے اس سے کہا:

”اب یہ ممکن نہیں۔ اس رقم کا ایک حصہ تو میں خرچ بھی کر چکا ہوں۔ میرے پاس صرف دو لاکھ روپے باقی بچے ہیں....“

تھوڑی بحث کے بعد جوہری نے اسی رقم پر قناعت کر لی۔ اس نے مجھ سے دو لاکھ روپے کا چیک لے لیا اور مورتی میرے سر پر مار کر واپس چلا گیا۔

میرے تمام منصوبے چوپٹ ہو گئے۔ مجھے بے چارے جوہری پر رحم بھی آیا جو میری وجہ سے نحوست کا شکار ہوا تھا۔ بہرحال میں نے دوبارہ اس مورتی کو بیچنے کی کوشش نہ کی.... فاقے دوبارہ شروع ہو گئے۔ میری صحت گرنے لگی بہت سی بیماریوں نے آگھیرا اور اب میں اس ویران گھر میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہا

Digitized by Google

ہوں۔"

بوڑھا خاموش ہو گیا تو شنکر اس کی پراسرار کہانی پر غور کرنے لگا:

"کیا یہ سب حقیقت ہے.... کیا اس بے جان مورتی میں ایسی قوتیں پوشیدہ ہیں.... یہ سب کچھ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے.... ممکن ہے جس نے یہ مورتی چٹان نما مینار میں رکھی ہو گی اس نے چوری سے بچانے کے لیے یہ تحریر رکھ دی ہو.... بوڑھے کے بھائی ایک جھگڑے میں پھنسے ہوئے تھے جو زمین کا تھا، اس میں مورتی کا کیا قصور.... جوہری کی دکان میں چوری ہوئی تھی، اس کا لڑکا ایکسیڈنٹ میں مرا تھا۔ یہ سب کچھ مورتی نے تو نہیں کیا تھا....." شنکر ہر پہلو پر غور کر رہا تھا۔ وہ اسے نحوست قرار دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"اب آپ اس کے بارے میں کیا ارادہ رکھتے ہیں۔" شنکر نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... میرے لیے یہ ایک بے کار شے ہے۔ نہ تو میرے حالات ایسے ہیں کہ اسے واپس اس کی جگہ پہنچا سکوں اور نہ میں اس کی ہمت کر سکتا ہوں.... میری خواہش ہے کہ کوئی چور اسے چرا لے جائے۔ میں خود اسے کسی کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ میں جسے بھی دوں گا وہ اس کی نحوست کا شکار ہو جائے گا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"اگر یہ بے کار شے ہے تو آپ اسے میرے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟" شنکر نے مسکراتے ہوئے کہا کہا تو بوڑھا چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں اس مورتی کی نحوست آزمانا چاہتا ہوں۔" شنکر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے.... لیکن تم میرے محسن ہو، تم اگر اس سرد رات میں مجھے وہاں سے نہ اُٹھا لاتے تو میں سردی سے اکڑ کر مر جاتا۔ کئی دنوں کے فاقوں کے بعد آج میں اس ارادے سے باہر نکلا تھا کہ بھیک مانگوں لیکن سردی کی وجہ سے سڑک سنسان پڑی تھی.... مجھے کچھ نہ ملا تو واپس چل پڑا۔ بھوک اور نقاہت نے مجھے نڈھال کر دیا اور میں بے ہوش ہو کر سڑک پر گر پڑا.... ہوش اس وقت آیا جب تم مجھے سڑک سے اُٹھا رہے تھے۔ تم نے میرے اوپر احسان کیا ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں تم اس کی نحوست سے دور رہو۔"

"اوہ...." شنکر چونک پڑا۔ "آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ بھوکے ہیں۔ رات بہت گزر گئی ہے۔ میں کچھ کھانے کے لیے تلاش کر کے لاتا ہوں۔" شنکر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے بوڑھے موہن داس سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

"نہیں نہیں میرے اُوپر احسانوں کا مزید بوجھ نہ لادو۔ میں اسے برداشت نہ کر سکوں گا۔" موہن داس نے شنکر کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ انسانی ہمدردی میں سردی کے احساس کو فراموش کر چکا تھا۔ شنکر کار لے کر چل پڑا۔ بڑے ہوٹل ابھی تک کھلے ہوئے تھے۔ اس نے ایک ہوٹل سے کھانے کا سامان پیک کرایا اور واپس آ گیا۔

اس کے ذہن میں موہن داس کی کہانی گونج رہی تھی۔ عجیب و غریب اور پراسرار کہانی۔ بقول موہن داس وہ مورتی سے بیزار تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کوئی چور اسے چرا لے جائے۔ مورتی بہت خوب صورت اور قیمتی تھی۔ اگر بوڑھے نے اسے کوئی من گھڑت کہانی نہیں سنائی تھی تو وہ خود بھی اس مورتی کی نحوست کو آزمانا چاہتا تھا۔

شنکر نے سوچا کہ وہ موہن داس سے یہ مورتی خرید لے گا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بوڑھے کے پاس واپس پہنچ گیا۔ بوڑھا اسی طرح بستر میں دبکا پڑا تھا۔ اس کے جسم میں سردی کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ شنکر نے کھانا بوڑھے کے سامنے رکھا تو اس کی آنکھوں میں فرطِ ممنونیت سے آنسو نکل آئے۔

"میں تمہارے احسان کو ہمیشہ یاد رکھوں گا بیٹا۔" اس نے کہا۔

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا بابا۔ آپ کھانا کھائیے۔"

کھانا کھانے کے بعد بوڑھا بستر پر لیٹ گیا۔ شنکر نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی اور بولا:

"اب مجھے اجازت دیں بابا.... بہت دیر ہو گئی۔"

Digitized by Google

''اچھا بیٹے، میں ایک بار پھر تمھارا....''

''چھوڑیئے ان باتوں کو، میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور کہو بیٹے!''

''آپ نے جو کہانی مجھے سنائی.... کیا وہ سچ تھی؟''

''ہاں میرے بچے میں جھوٹ نہیں بولتا۔'' بوڑھے نے لرزتی آواز میں کہا۔

''آپ نے کہا تھا کہ اس مورتی سے بے زار ہیں.... اور آپ کی خواہش ہے کہ کوئی چور اِسے چرا لے جائے۔''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا.... مجھے اس قیمتی مورتی سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''تب پھر آپ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔''

''کیا....؟'' بوڑھا چونکا ''میں اسے تمھارے قدموں میں ڈال سکتا ہوں میرے بچے.... لیکن میں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم بھی میری طرح مصیبتوں کا شکار ہو جاؤ.... تم اسے اپنے ہاتھوں سے توڑ کر دریا پر پھینک دو، مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن اسے اپنے پاس رکھنے کی کوشش مت کرنا۔''

''میں اس کی نحوست کو آزمانا چاہتا ہوں۔'' شنکر نے جیب سے پرس نکالتے ہوئے کہا۔ پرس میں جتنی رقم موجود تھی شنکر نے بوڑھے کے بستر پر رکھ دی:

''یہ اس مورتی کی قیمت ہے.... جب بھی یہ رقم ختم ہو جائے آپ مجھ سے اس چتے پرل سکتے ہیں....'' اس نے اپنا کارڈ نکال کر بوڑھے کے سامنے رکھ دیا۔

بوڑھے کے چہرے پر عجیب سے اثرات نظر آ رہے تھے۔ چند منٹوں تک وہ خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا پھر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا:

''میری بات مان لو میرے بچے.... مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ تم میرے محسن ہو۔ میں تمھاری زندگی کی خیر چاہتا ہوں۔''

''میری زندگی کے بارے میں آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں.... ہاں اگر آپ مورتی مجھے نہیں دینا چاہتے تو میں مجبور نہیں کروں گا۔'' شنکر نے کہا۔

''یہ بات نہیں.... اگر تم بضد ہو تو لے جاؤ، لیکن میری درخواست ہے کہ اگر تم اپنے حالات میں کسی قسم کی تبدیلی دیکھو تو اسے واپس کر دینا.... اور ہاں یہ رقم رکھ لو۔ میں اچھا وقت دیکھے ہوئے ہوں۔ دولت کی میری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں ہے۔''

''اس رقم پر آپ کا حق ہے۔ اسے اپنے پاس رکھیں.... اب میں اجازت چاہتا ہوں۔''

''سنو.... سنو....''

بوڑھا اسے آوازیں دیتا رہا لیکن شنکر مورتی اُٹھا کر باہر نکل گیا۔ بوڑھے کے چہرے پر تشویش کے گہرے آثار تھے۔

-☆-

شنکر کا چھوٹا سا کارخانہ تھا جو نہایت عمدگی سے چل رہا تھا۔ کھانے پینے اور عیش کرنے کے علاوہ اسے کوئی فکر نہ تھی۔ انتا سے دوستی کے بعد تو اس کے خیال میں زندگی مکمل ہو چکی تھی۔

اپنے بیڈ روم میں آرام دہ بستر پر لیٹ کر وہ مینٹل پیس پر رکھی ہوئی مورتی کو دیکھتا رہا۔ اتنی حسین اور قیمتی مورتی منحوس کیسے ہو سکتی تھی۔ موہن داس صرف اسے خوف زدہ کر رہا تھا۔

شنکر ایک ہندو تھا۔ دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتا تھا مگر یوں پتھر کے مجسموں کی نحوست کا قائل نہیں تھا۔ وہ ایسے کئی مجسمے خرید کر نفع پر فروخت کر چکا تھا جو نوادرات میں شمار ہوتے تھے۔

پھر کسی خیال سے وہ اُٹھا اور مورتی کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے مورتی کی پشت پر ابھار تلاش کرنے کی کوشش کی جو اسے مل گیا۔ اسے دبانے سے پشت پر موجود خانہ کھل گیا تو شنکر نے اس میں رکھا ہوا چمڑے کا ٹکڑا نکال لیا جس میں نہ جانے کیسی چمکدار سیاہی سے وہی عبارت لکھی ہوئی تھی جو بوڑھے موہن داس نے بتائی تھی۔

شنکر اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس نے چمڑے کا ٹکڑا واپس خانے میں رکھ کر بند کر دیا اور بستر پر آ لیٹا۔ مورتی کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے نیند آ گئی۔ رات کو خواب میں اس نے تبت کے سرحدی علاقے میں پھیلی ہوئی سیاہ چٹانیں دیکھیں۔ جن میں ایک چٹان مینار کی

Digitized by Google

طرح بلند تھی۔ اس میں چراغ روشن تھا۔ اس کے کانوں میں ایک تیز آواز گونجی:

''دیہولا کی امانت لوٹا دو.... اسے لوٹا دو ورنہ وہ تمھارے اُوپر تباہی نازل کرے گی.... دیہولا کی امانت لوٹادو۔''

آنکھ کھلتے ہی وہ بے چینی محسوس کرنے لگا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ دل خوف سے دھڑک رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے حواس واپس آ گئے اور وہ مسکرا دیا۔ بوڑھے موہن داس کی پراسرار کہانی اس پر مسلط ہو گئی تھی۔ اس نے مینٹل پیس پر رکھی ہوئی مورتی کو دیکھا۔ مورتی میں جڑے ہوئے قیمتی پتھر چمک رہے تھے۔ وہ پانی پینے کے بعد پھر لیٹ گیا لیکن نیند نہ آسکی۔

اگلی صبح ناشتے کی میز پر بھی وہ کھویا کھویا تھا۔ اب وہ انیتا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ جا کر اس کی خیریت معلوم کرے۔ اسی لمحے گھر کی اطلاعی گھنٹی بجی اور ملازم نے انیتا کی آمد کی اطلاع دی۔

انیتا کا نام سنتے ہی شنکر کھل اُٹھا تھا۔ نسوانی حسن سے لبریز انیتا مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تو شنکر نے اُٹھ کر اس کا استقبال کیا۔

''ہونا تو یہ چاہیے کہ میں کئی ہفتے تم سے ملاقات نہ کروں.... لیکن کیا کروں مجبوری ہے، تمھارا قیامت خیز حسن ہر رنجش کو مٹا دیتا ہے۔'' وہ انیتا کی کمر کے گرد ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔

''مجھے تمھاری پریشانی کا احساس ہے شنکر.... بس ایسی مجبوری آن پڑی کہ کل گھر سے نکل نہ پائی۔ پڑوس میں ایک موت ہو گئی تھی۔ بہت اچھے تعلقات ہیں میرے ان سے، اس لیے رکنا ضروری تھا۔'' انیتا نے وجہ بتائی۔

''اگر ایسی بات تھی تو پھر تمھاری غیر موجودگی میں تم سے ناراض ہوا جا سکتا ہے موجودگی میں نہیں....'' شنکر اس پر جھکتے ہوئے بولا تو انیتا مسکرا دی۔ اس نے اپنی کمر کے گرد کسے ہوئے مضبوط ہاتھ دیکھے تو سرگوشی کے انداز میں بولی:

''تم نے تو مجھے قید کر لیا ہے.... کیا بیٹھنے بھی نہیں دو گے۔'' انیتا نے پیار بھرے لہجے میں کہا ''میں نے تو ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا۔ آنکھ کھلتے ہی تم سے ملنے دوڑی چلی آئی ہوں۔''

''ارے.... پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' شنکر نے چونک کر کہا۔ ''میں ابھی ملازم کو بھیج کر تمھاری پسند کا ناشتہ منگواتا ہوں۔''

وہ اسے چھوڑ کر باہر نکل گیا تو صوفے پر بیٹھتے ہوئے انیتا کی نظر مینٹل پیس پر رکھی ہوئی خوب صورت مورتی پر پڑی۔ اگلے ہی لمحے وہ مورتی کے قریب موجود تھی۔ گرد آلود مورتی بہت خوب صورت تھی۔ وہ اس کی گردن میں پڑے ہوئے ہار اور ان میں جڑے ہیرے دیکھنے لگی۔ مورتی انیتا کو بہت پسند آئی تھی۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے شنکر کو آواز دی۔ شنکر کمرے میں داخل ہوا تو انیتا کو مورتی کے نزدیک دیکھ کر مسکرا دیا۔

''یہ مورتی کب خریدی تم نے؟'' انیتا نے پوچھا۔

''یہ امانت ہے میرے پاس۔'' شنکر مسکراتے ہوئے بولا۔

''کس کی امانت؟''

''دیہولا کی....''

''کون دیہولا....؟'' انیتا نے حیرانی سے پوچھا۔

''دیوی دیہولا....''

''بہت خوب صورت اور قیمتی مورتی ہے۔ مگر تم نے اس کے بارے میں بڑی اُوٹ پٹانگ بات کی ہے۔ مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ میں نے پہلے اسے تمھارے پاس نہیں دیکھا۔'' انیتا کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

''میں یہ کل رات گھر میں لایا ہوں۔''

''میرے خیال ہے اس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں.... یار بھی قیمتی معلوم ہوتے ہیں.... کیا یہ نقلی ہیں؟''

''انھیں نقلی کہہ کر تم دیوی دیہولا کی توہین کر رہی ہو لڑکی.... بقول دیہولا کے یہ اس کی امانت ہے اور.... دیہولا نحوست کی دیوی ہے۔'' شنکر نے بتایا تو انیتا نے چڑ کر ناک سکوڑ لی۔

''اگر تم ایسی باتیں کرو گے تو میں کچھ نہیں پوچھوں گی اس کے بارے....'' اس نے منہ بنا لیا۔

''یقین کرو میں درست کہہ رہا ہوں....'' شنکر نے کہا اور پھر اس نے مورتی کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی

Digitized by Google

۔انیتا پہلے تو حیران رہ گئی پھر عجیب سے لہجہ میں بولی۔

''تم اس سے خوفزدہ نہیں ہو.....؟''

''پاگل مت بنو انیتا.... آج کل ایسی باتیں قصہ کہانیوں میں ضرور ملتی ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔''

''ممکن ہے بوڑھے نے جھوٹ بولا ہو۔'' انیتا نے کہا ''مجھے یہ مورتی بہت پسند آئی ہے۔''

''بس اتنی سی بات.... تو سمجھو آج سے یہ دیہولا کی بجائے تمھاری ملکیت ہے۔'' شنکر نے کہا اور انیتا کی آنکھوں سے مسرت جھلکنے لگی۔

انیتا نے اس سے زندگی میں کبھی کوئی چیز نہیں مانگی تھی۔ وہ اس معاملے میں بہت خوددار تھی۔ شنکر نے جب بھی اسے مہنگا تحفہ دینا چاہا اس نے صاف انکار کر دیا۔ آج جب خود اس نے مورتی میں دلچسپی کا اظہار کیا تو شنکر کو اسے تحفہ دینے کا موقع مل گیا۔

ناشتے کے بعد وہ گھومنے کے لیے نکل گئے۔ شنکر نے مورتی کار میں رکھ لی تھی۔ دن بھر تفریح کے بعد انھوں نے رات کا کھانا ایک مہنگے ریسٹورنٹ میں کھایا اور پھر شنکر اسے گھر چھوڑنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

''کل کی غلطی تو معاف کر دی گئی.... مگر آئندہ ہفتے میں کوئی عذر نہیں سنوں گا۔'' شنکر نے پیار بھرے لہجے میں کہا تو انیتا نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔

گھر پہنچتے ہی وہ مورتی اُٹھا کر کار سے باہر نکل آئی۔ اس کے اندر جاتے ہی شنکر نے کار موڑ لی اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ وہ انیتا کے تصور میں سرشار کار دوڑا رہا تھا کہ ایک موڑ پر سامنے سے آنے والے تیز رفتار ٹرک کو دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھا۔ بدحواسی میں موڑ کاٹتے ہوئے اس کے پاؤں کا دباؤ ایکسیلیٹر پر مزید بڑھ گیا اور کار کی رفتار طوفانی ہو گئی۔

شنکر کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپنے لگے۔ دوسرے ہی لمحے اس کی کار سڑک سے اتر کر ایک درخت کی جانب لپکی.... ایک خوفناک دھماکا ہوا اور پھر ہر سو جان لیوا خاموشی چھا گئی۔

-☆-

انیتا نے مورتی کو سامنے میز پر رکھ دیا۔ مورتی کے آجانے سے اس کے کمرے کی زینت بہت بڑھ گئی تھی۔ بلاشبہ یہ قیمتی مورتی تھی جس کی قیمت اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھی۔ اگر وہ اسے فروخت کرتی تو خاصی رقم مل سکتی تھی.... لیکن وہ اسے فروخت کیوں کرتی۔ وہ تو اس کے محبوب کا تحفہ تھا۔

لباس تبدیل کر کے وہ بستر پر لیٹ گئی۔ اس کے ذہن میں شنکر کی سنائی ہوئی کہانی گونجنے لگی۔ نحوست کی دیوی جانے کون تھی۔ ممکن ہے یہ شنکر کی شرارت ہو۔ اس نے خوامخواہ اسے خوفزدہ کیا ہو۔ وہ مورتی میں جڑے جگمگاتے ہیروں کو دیکھتے دیکھتے سو گئی اور پھر اس نے خواب میں ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھا۔ عجیب ویران اور پراسرار ماحول تھا۔ چاروں طرف سیاہ چٹانیں تھیں۔ ان میں ایک مینار نما نوکدار چٹان تھی اور چٹان کے اُوپری سرے پر ایک چراغ روشن تھا۔ پھر ایک کرخت آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''دیہولا کی امانت واپس لوٹا دو.... ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔''

ایک پراسرار آواز.... اور انیتا خوفزدہ ہو کر جاگ گئی۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے مورتی کی طرف دیکھا۔ اس میں جڑے ہوئے ہیرے پراسرار انداز میں چمک رہے تھے۔ اس کے بعد وہ رات بھر نہ سو سکی۔

صبح ناشتے کے بعد وہ آفس پہنچی تو رات کا خواب اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ دوپہر کو اسے خیال آیا کہ شنکر کو فون کیا جائے اور اس سے شکایت کی جائے کہ مورتی کے بارے میں اس نے ایسی خوفناک کہانی سنائی کہ وہ رات بھر نہیں سو سکی۔

شنکر کا موبائل فون بند تھا۔ اس نے دفتر کے نمبر پر ڈائل کیا تو دوسری طرف سے ایک اجنبی آواز سنائی دی:

''آپ کون محترمہ بول رہی ہیں؟''

''میں ان کی دوست انیتا ہوں۔''

''انیتا صاحبہ! مسٹر شنکر کا رات کو ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اسپتال میں ان کی حالت بہت نازک ہے۔''

یہ خبر سن کر انیتا پر بجلی سی گر گئی۔ اس نے بمشکل تمام اسپتال کا نام معلوم کیا اور دفتر سے چھٹی لے کر باہر نکل آئی۔ انیتا کی آنکھوں میں تاریکی پھیل رہی تھی۔ دماغ

Digitized by Google

چکرا رہا تھا۔ سخت پریشانی کے عالم میں وہ اسپتال پہنچی تو ڈاکٹروں نے اسے مریض سے ملنے کی اجازت نہ دی.... البتہ یہ معلوم ہو گیا تھا کہ شنکر کو ابھی ابھی آپریشن تھیٹر سے باہر لایا گیا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں چور چور ہو گئی تھیں جنھیں کاٹنا پڑا تھا۔ شنکر کے سر پر بھی شدید چوٹ آئی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔

انتا بلک بلک کر رو پڑی۔ اس کا دل بجھ گیا تھا۔ شنکر کو انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھا گیا تھا جہاں اس سے ملنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مایوس ہو کر واپس گھر آ گئی مگر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

-☆-

جونی نے محتاط انداز میں چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ ہر سو تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ یہ تاریکی جونی کی ہمیشہ دوست رہی تھی۔

وہ ایک عرصہ سے لوگوں کے گھروں میں چوری کر رہا تھا مگر آج تک پکڑا نہیں گیا تھا۔ وہ اپنے کام میں اتنا ماہر تھا کہ لوگ اسے اُستاد جونی کہتے تھے۔ جونی کل دغارت کے حق میں نہیں تھا لیکن اس کا اصول تھا کہ گرفتاری سے بچنے کے لیے ہر کام کر ڈالو۔ ضرورت پڑے تو خون بھی....

جونی بہت بڑے پیمانے پر ڈاکے نہیں مارتا تھا۔ بس متوسط طبقے کو ہی نشانہ بناتا تھا۔ کسی مناسب مکان کو تاکا اور پھر جو کچھ ملا حاصل کر لیا۔

اس گھر کے بارے میں اس نے چند دن پہلے معلومات حاصل کی تھیں۔ یہاں ایک جوان عورت اکیلی رہتی تھی۔ وہ کسی دفتر میں ملازمت کرتی تھی۔ معلومات کے مطابق عورت کی مالی حالت کافی مستحکم تھی۔ جونی کو ایسے ہی گھروں کی تلاش رہتی تھی.... چناں چہ موقع ملتے ہی وہ دیوار پھلانگ کر گھر کے اندر داخل ہو گیا۔

یہ تین کمروں کا خوب صورت مکان تھا جس کے صرف ایک کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ جونی اسی کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازے کو تھوڑا سا دھکیلا تو اندر روشنی تھی۔ سامنے بیڈ پر پردہ عورت سو رہی تھی جس کے بارے میں جونی نے معلومات حاصل کی تھیں۔

جونی نے کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور ایک الماری کی طرف بڑھ گیا۔ الماری کے دراز لاک نہیں تھے۔ اس نے الماری کھولی اور اپنے مطلب کی چیزیں تلاش کرنے لگا۔

اسی وقت ہلکا سا کھٹکا ہوا۔ جونی چونک کر مڑا تو لڑکی بستر پر بیٹھی خوفزدہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی اور بال منتشر تھے۔ جونی کو اس کی کیفیت سے کیا دلچسپی تھی۔ اس نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر تیز دھار چاقو نکال لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ لڑکی کے قریب پہنچ گیا:

''اگر ذرا بھی آواز نکالی تو گردن کاٹ دوں گا....''

جونی غرایا تو لڑکی خوف سے چیخ پڑی۔

''میں کہتا ہوں منہ بند رکھو....''

جونی بھنچی بھنچی آواز میں بولا تو لڑکی بیڈ کے دوسری طرف کود گئی اور چیختی ہوئی دروازے کی طرف بھاگی۔

جونی نے چیتے کی طرح جست لگائی اور لڑکی کو جا لیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا چاقو والا ہاتھ بلند ہوا، ساتھ ہی اس نے دوسرے ہاتھ سے لڑکی کا منہ بند کیا اور تیز دھار چاقو اس کے سینے میں اتار دیا۔ جونی نے اس کی آخری چیخ بھی نہیں نکلنے دی تھی۔

جونی نے پے در پے کئی وار کیے۔ لڑکی ٹھنڈی ہو گئی تو جونی نے حقارت سے اس کی لاش دیکھی اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔ الماری کی درازوں سے اسے بیس ہزار روپے نقد اور کچھ زیورات ملے۔

مال سمیٹ کر جونی مڑا ہی تھا کہ سامنے میز پر رکھی مورتی دیکھ کر چونک گیا۔ مورتی کے گلے میں قیمتی ہار اور جسم پر جگہ جگہ رنگین پتھر جڑے ہوئے تھے.... جونی کے قدم خود بخود اس کی طرف اُٹھ گئے۔ اس کی تجربہ کار نگاہوں نے بھانپ لیا کہ مورتی بے حد قیمتی ہے۔ اس نے فوراً مورتی اُٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈال لی۔

آج وہ بہت خوش تھا۔ گو اس کے ہاتھوں سے ایک خون ہو گیا تھا لیکن اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ جونی تیز تاریک گلیوں سے گزرتا ہوا جونہی ایک سڑک پر نکلا سامنے سے اس پر تیز روشنی پڑی۔

وہ ایک دم گھبرا گیا۔ یہ پولیس کی گشتی گاڑی تھی۔ اس نے روشنی سے بچنے کے لیے سڑک کے دوسری جانب

Digitized by Google

چھلانگ لگادی۔ اس دوران پولیس والے اسے دیکھ چکے تھے۔ پھر ایک پولیس والے کی آواز سنائی دی:

''خبردار! رُک جاؤ.... ورنہ گولی ماردوں گا۔''

اب سیٹیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ جونی بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔ پولیس والے بھی اس کا تعاقب کرتے رہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ پولیس نے اسے گھیر لیا۔ اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

جونی کے لباس پر خون کے دھبے دیکھ کر پولیس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس نے کسی کا خون کردیا ہے۔

انسپکٹر وکرم سے علاقے کے مجرموں کی روح کانپتی تھی۔ پھر جونی کی کیا حیثیت تھی.... انسپکٹر وکرم نے چند گھنٹوں میں ہی اس سے اگلوا لیا کہ خون کس کا کیا ہے۔ جلد ہی انسپکٹر جیپ لے کر اس مکان کے سامنے پہنچ گیا جہاں لاش موجود تھی۔ پولیس نے ضروری کارروائی کے بعد لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوادی۔

مرنے والی عورت کا نام انیتا تھا۔ وہ ایک فرم میں کام کرتی تھی۔ معاملہ نبٹا کر انسپکٹر وکرم واپس تھانے آگیا۔ اس نے کیس کا روزنامچہ دیکھ کر اس سامان کی تفصیل طلب کرلی جو جونی سے برآمد ہوا تھا۔

نقدی اور زیورات کے بعد اس نے وہ مورتی بھی دیکھی جو بہت قیمتی معلوم ہورہی تھی۔ انسپکٹر وکرم حیران تھا کہ اس عورت کے پاس یہ قیمتی مورتی کہاں سے آئی۔ وہ مورتی اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ مالیت کی تھی۔

سوچ کا دھارا بدلا تو نیت بھی بدل گئی:

''اگر روزنامچہ سے اس قیمتی مورتی کا ذکر خارج کر دیا جائے تو کیا حرج ہے.... ایسی نایاب چیزیں حکومتی تحویل میں دینا فضول ہے۔''

لالچ جڑ پکڑ گیا تو انسپکٹر وکرم نے اپنے اسسٹنٹ کو ہدایت کردی کہ مجرم جونی کے پاس سے صرف نقدی اور زیورات ملے ہیں۔ مورتی کا ذکر روزنامچے سے اُڑا دیا جائے۔

اس طرح دیبوالا کی مورتی انسپکٹر وکرم کے ڈرائنگ روم کی زینت بن گئی۔ انسپکٹر اسے حاصل کر کے بہت خوش تھا۔ رات کو اس کی بیوی نے فرمائش کردی کہ مورتی کے گلے سے ہار اُتار کر اس میں کچھ تبدیلیاں کرائی جائیں.... وہ یہ ہار خود استعمال کرے گی۔

''بڑا قیمتی ہار ہے یہ.... آپ کی موٹی گردن میں خوب جچے گا۔'' انسپکٹر وکرم نے بیوی کو چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ برا مان گئی۔

بیوی کو منانے کے لیے انسپکٹر نے مورتی کے گلے سے ہار اُتارنے کی کوشش کی۔ اسی وقت مورتی کی ابھری ہوئی جگہ دب گئی اور پشت پر خانہ کھل گیا۔

انسپکٹر وکرم نے کھلے ہوئے خانے کو حیرت سے دیکھا اور اس میں انگلیاں ڈال کر چمڑے کا ٹکڑا نکال لیا۔ چمڑے پر لکھی تحریر پڑھتے ہی انسپکٹر وکرم کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں نمودار ہوگئیں۔ وہ بہت توہم پرست تھا۔ اس نے تحریر اپنی بیوی کو پڑھ کر سنائی اور بولا:

''میں یہ ہار تمھیں ہرگز نہیں پہننے دوں گا۔ اگر تمھیں کچھ ہوگیا تو....''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور کچھ سوچ کر بولا: ''سنو! آج کچھ عجیب و غریب انکشافات ہوئے ہیں۔ جولڑکی قتل ہوئی ہے اس کا عاشق قتل سے ایک دن پہلے کار حادثے کا شکار ہوگیا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ یہ بات مجھے تفتیش کے دوران معلوم ہوئیں لیکن میں نے اس بات کو اہمیت نہیں دی.... اس تحریر کو پڑھ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ممکن ہے پہلے یہ مورتی اسی شخص کے پاس ہو۔ جب یہ لڑکی کے پاس تھا تو وہ قتل ہوگئی.... اور پھر جس چور نے اسے چرایا وہ بھی پھنس گیا۔ اسے پھانسی سے کم سزا نہیں ہوگی.... اور اب....''

''چپ ہو جائیں پلیز! صبح جاتے ہی یہ مورتی پولیس ہیڈ کوارٹر میں جمع کرادیں۔'' انسپکٹر وکرم کی بیوی نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا۔ انسپکٹر خود بھی خوفزدہ تھا۔ اس نے خشک گلے کو تھوک سے تر کرتے ہوئے کہا:

''میں کل ہی اسے جمع کرادوں گا۔''

کافی دیر تک میاں بیوی اس پر گفتگو کرتے رہے۔ مورتی کو اس نے دوسرے کمرے میں منتقل کردیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے انسپکٹر وکرم کی بیوی ان ہاروں کو اپنے گلے کی زینت بنانا چاہتی تھی۔ لیکن اب وہ انھیں سامنے دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔

اسی رات ان کا شبہ عملی شکل اختیار کر گیا۔ دیوی

Digitized by Google

دیہولا اس شخص کو ہرگز معاف نہیں کرتی تھی جو تھوڑی دیر کے لیے بھی اس مورتی کا مالک رہا ہو۔

رات کے دو بجے انسپکٹر وکرم کے گھر کے اُوپری حصے سے شور سنائی دیا۔ یہ شور اس طرف سے اُٹھ رہا تھا جہاں اس کا بھائی اور بھابی رہتے تھے۔ انسپکٹر وکرم تیزی سے باہر نکلا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ عمارت کا وہ حصہ آگ کی لپیٹ میں تھا۔ آگ بجلی کے تاروں سے لگی تھی اور گھر والوں کو اس وقت خبر ہوئی جب آگ پھیل گئی تھی۔

محلے کے لوگ بھی گھر کے باہر جمع ہو گئے تھے۔ اس کے بھائی بھابی آگ میں پھنس گئے تھے اور ان کو نکالنے کی کوئی ترکیب سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ انسپکٹر وکرم نے جلدی سے فائر اسٹیشن فون کر دیا۔

جلدی ہی آگ بجھانے والا عملہ موقع پر پہنچ گیا اور اندر پھنسے لوگوں کو شدید زخمی حالت میں باہر نکال لیا گیا۔ مکان کا وہ حصہ بالکل تباہ ہو چکا تھا۔

-☆-

سینئر پولیس آفیسر اشوک مہرا نے انسپکٹر وکرم کی زبانی تفصیل سنی تو حیران رہ گیا۔ وہ ایک روشن خیال شخص تھا ایسی باتوں پر کیسے یقین کر سکتا تھا۔ اس نے سامنے رکھی مورتی کو اُٹھا کر اس کی پشت پر خانہ کھولا اور چمڑے پر لکھی تحریر پڑھنے کے بعد بولا:

''جو حالات تم نے سنائے ہیں وہ عبرتناک ہیں۔ اتفاقات بعض اوقات ایسی ایسی کہانیوں کو جنم دیتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حالانکہ دور جدید میں ان کہانیوں کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔''

''پھر بھی جناب! ہم ہندو لوگ ہیں۔ دیوی دیوتاؤں کے قہر سے انکار نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی جادو ٹونے کی دنیا میں ان کہانیوں کی پوری پوری گنجائش موجود ہے.... میں آپ کو کوئی بھی جھوٹی کہانی سنا سکتا تھا۔ لیکن میں جھوٹ بول کر مزید کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا.... میں پہلے ہی بہت سزا بھگت چکا ہوں۔ اب یہ مورتی آپ کے حوالے ہے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ اسے کسی طرح دیہولا کنڈ پہنچا دیا جائے۔ یہ جگہ تبت کے سرحدی علاقے میں ہے۔ میں نے کل سے اس دیوی پر کافی تحقیق کی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں اس بارے میں کچھ سوچوں گا.... فی الحال میں اسے تمھاری طرف سے جمع کیے لیتا ہوں۔ تم بیان میں یہی کہو گے کہ یہ تمھیں اس عورت کے مکان سے ملی تھی۔''

''ٹھیک ہے جناب....''

انسپکٹر وکرم جان چھوٹنے پر خوش ہو گیا۔ وہ خود تو باہر نکل گیا مگر اشوک مہرا کو اُلجھن میں ڈال گیا تھا۔ اتنی قیمتی اور خوب صورت مورتی کو توہمات کی نذر کر دینا حماقت تھی۔ اس نے اپنے اسسٹنٹ کو بلوا کر مورتی کو مال خانے میں بھجوا دیا۔

رات کو اشوک مہرا نے اس بات کا ذکر اپنی بیوی سے کیا تو وہ سہم کر بولی:

''اس کا مطلب ہے کہ اب وہ آپ کے قبضے میں ہے.... آپ اسے جلدی ٹھکانے لگا دیں۔ کہیں ہم بھی کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔''

''مورتی میرے قبضے میں کہاں ہے.... وہ تو سرکاری مال خانے میں ہے۔ لیکن میں اس کے لیے فکرمند ضرور ہوں۔ اس دور میں یہ کہانیاں عجیب لگتی ہیں۔ اگر وہ صرف وہم ہے تو ان تمام لوگوں کے ساتھ ایسے عجیب و غریب حالات کیوں پیدا ہوئے۔''

کافی دیر تک دونوں اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے اور پھر سو گئے۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ اشوک مہرا کے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ کال ہیڈ کوارٹر سے آ رہی تھی۔ اس نے نیند ٹوٹ جانے کی وجہ سے جھلائے ہوئے انداز میں فون اُٹھایا اور کان سے لگاتے ہوئے بولا:

''ہاں کیا بات ہے....؟''

''قیدیوں نے حوالات کا دروازہ توڑ دیا ہے جناب! انھوں نے سپاہیوں سے رائفلیں بھی چھین لی ہیں.... اب یہاں فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا ہے۔''

اشوک مہرا سکتے میں آ گیا۔ اس نے بیوی کو جگا کر مختصر تفصیل بتائی اور ہیڈ کوارٹر روانہ ہو گیا۔ جب وہ اپنے دفتر پہنچا تو پولیس ہیڈ کوارٹر کا ماحول پرسکون ہو چکا تھا۔ البتہ وہاں پانچ پولیس والوں اور چھ قیدیوں کی لاشیں اس کی منتظر تھیں۔ جبکہ دس قیدی فرار ہو چکے تھے۔

Digitized by Google

پولیس حکام اس واقعہ کو مشتعل قیدیوں کی حرکت قرار دے رہے تھے مگر اشوک مہرا جانتا تھا کہ اس کا تعلق ضرور اسی منحوس مورتی سے ہے.... اس نے اگلے روز ہی انسپکٹر وکرم کو طلب کر کے اس معاملے کی جلد از جلد مکمل چھان بین کرنے کی ذمہ داری سونپ دی۔ انسپکٹر وکرم کو تفتیش خفیہ رکھنے کی بھی ہدایت کی گئی تھی۔

انسپکٹر وکرم نے حکم ملتے ہی معاملے کی کڑیاں ملانا شروع کر دیں۔ اسپتال میں شنکر کے بیان کے بعد وہ بوڑھے موہن داس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس نے پورا واقعہ تفصیل سے اس کے گوش گزار کر دیا۔

یہ بات واضح ہو گئی کہ مورتی کو واپس مندر تک پہنچائے بغیر اس کی نحوست سے چھٹکارہ ممکن نہیں۔

اشوک مہرا خود بھی مہم جوئی کا شوقین رہا تھا۔ وہ تبت کے سرحدی علاقوں کی سیاحت کر چکا تھا اور وہاں کے زمینی حقائق سے واقف تھا.... بہت غور و فکر کے بعد اس نے تبت میں اپنے ایک پولیس آفیسر دوست ڈیوڈ سے رابطہ کر کے اس بارے میں مشاورت کی اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔

☆

ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کا نام فرانسس تھا.... وہ تبت کے سرحدی علاقے کا باشندہ تھا جس کا انتخاب اور انتظام اشوک مہرا کے دوست اور تبت کے اعلیٰ پولیس آفیسر ڈیوڈ نے کیا تھا۔

فرانسس کو اس جگہ کا علم تھا جہاں دیہولا کا مندر تھا۔ وہ تجربہ کار پائلٹ تھا اور کافی عرصے تک ہمالیہ کے قریب سرحدوں کی نگرانی پر تعینات رہا ہے۔ آخری ملاقات میں ڈیوڈ نے اشوک مہرا کو یقین دلایا:

"ہم فرانسس پر مکمل اعتماد کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کو بحفاظت وہاں پہنچا دے گا.... اس کے بعد آپ مورتی کو دیہولا کنڈ میں رکھ کر واپس آ جائیں۔"

"کیا آپ نے فرانسس کو اس مشن کی تفصیل سے آگاہ کیا ہے؟" اشوک مہرا نے سوال کیا۔

"جی نہیں.... اس مشن کو آپ کی ہدایت کے مطابق خفیہ رکھا گیا ہے۔ فرانسس کو حقیقت اسی وقت معلوم ہو گی جب آپ مورتی مندر میں رکھ آئیں گے۔ اسے فی الحال یہی بتایا گیا ہے کہ آپ اس مندر میں پوجا کرنا چاہتے ہیں۔" ڈیوڈ نے جواب دیا۔

اگلے روز اشوک مہرا اور فرانسس مورتی لے کر روانہ ہو گئے۔ ہیلی کاپٹر انھیں لے کر فضا میں پرواز کر رہا تھا۔ اس کا رُخ ہمالیہ کی طرف تھا۔ بلاشبہ فرانسس ایک بہترین پائلٹ تھا۔ تبت کی دشوار گزار پرواز آسان نہ تھی۔ وہ مہارت سے اپنا کام انجام دے رہا تھا۔

اشوک مہرا خود بھی محتاط آدمی تھا۔ وہ فضول باتوں سے پرہیز کرتا تھا۔ لیکن اس طویل سفر میں جبکہ اس کا ہمسفر فرانسس کے علاوہ کوئی نہیں تھا اس نے کچھ بنیادی معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور بولا:

"یہ دیہولا کنڈ کیا جگہ ہے....؟"

"یہ ویران پہاڑی علاقے میں ایک چھوٹا سا مندر ہے۔ دیہولا نحوست کی دیوی کہلاتی ہے۔ اس کے قرب و جوار میں رہنے والے اس سے منسوب خوفناک روایات سے بہت خوفزدہ رہتے ہیں.... مجھے حیرت ہے کہ آپ وہاں پوجا کرنے کے لیے کیوں جا رہے ہیں۔" تفصیل بتا کر فرانسس نے سوال داغ دیا۔

"میں وہاں پوجا کے لیے نہیں جا رہا بلکہ دیہولا کی امانت لوٹانے جا رہا ہوں۔ ہمارے ملک کا ایک مہم جو اس مندر سے ایک مورتی چرا کر لے گیا تھا جس کی وجہ سے ہمارے لوگوں کو بہت نقصان اُٹھانا پڑا۔ اب میں وہ مورتی واپس مندر میں چھوڑنے جا رہا ہوں۔" اشوک مہرا نے جواب دیا۔

"کمال ہے! آپ لوگ بھی ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں.... ویسے کیا میں وہ مورتی ایک نظر دیکھ سکتا ہوں جس نے آپ کے ہاں نحوست پھیلا دی۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ اب جبکہ ہم وہاں پہنچنے والے ہیں اس مورتی کو دیکھنے میں کیا نقصان ہو سکتا ہے۔" اشوک مہرا نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیگ کی زپ کھول کر مورتی نکال لی۔

فرانسس نے گردن گھما کر حیرت سے اس خوب صورت مورتی کو دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا کر سامنے دیکھنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ان کا ہیلی کاپٹر سیاہ چٹانوں

کے درمیان ایک جگہ اُتر گیا۔ فرانس کے چہرے پر عجیب سے اثرات تھے۔

''یہاں سے مندر کتنی دور ہے....؟'' اشوک مہرا نے پوچھا۔

''زیادہ دور نہیں....آپ کے سامنے ہے۔''

اس نے دائیں جانب ایک نوکدر چٹان کی طرف اشارہ کیا۔ اشوک مہرا حیرت سے اس چٹان کو دیکھنے لگا۔

''فرانس کیا تم بھی اس جگہ سے خوفزدہ ہو....؟''

''بالکل نہیں .... میں نے اسی علاقے میں پرورش پائی ہے۔ یہاں کچھ بھی میرے لیے اجنبی نہیں ....البتہ میں آپ سے ایک اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔'' فرانس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا....؟'' اشوک مہرا نے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ یہ مورتی مجھے دے دیں....اس قیمتی مورتی کو یوں ویرانے میں چھوڑ دینا حماقت ہوگی۔'' فرانس نے جواب دیا۔

''یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو.... میں بہت دور سے اس کام کو انجام دینے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اسے ادھورا نہیں چھوڑ سکتا۔'' اشوک مہرا نے سخت لہجے میں کہا۔

''تب پھر مجبوری ہے....میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے گلہ نہیں کریں گے۔'' فرانس نے ریوالور نکال کر اس پر تان لیا۔

''کیا تم ہوش میں ہو فرانس۔'' اشوک مہرا چونک پڑا۔

''میں نے اس مورتی کے بارے بہت کچھ سنا ہے۔ اب میں ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

اس سے پہلے کہ فرانس کی بات مکمل ہوتی اشوک مہرا نے قریب پڑا پتھر اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیا۔ پتھر فرانس کی پیشانی پر لگا اور وہ چیختا ہوا زمین پر بیٹھ گیا۔

موقع ملتے ہی اشوک مہرا اس پر ٹوٹ پڑا تھا۔ فرانس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اشوک مہرا اس طرح حملہ کردے گا۔ اشوک مہرا ایسے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اب وہ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ ریوالور ابھی تک فرانس کے ہاتھ میں تھا جسے چھیننے کی اشوک مہرا پوری کوشش کر رہا تھا۔ کشمکش کافی دیر جاری رہی

اور پھر فائر کی آواز دھماکے کی طرح سنائی دی۔

گولی نے اشوک مہرا کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیے تھے اور اس کی آخری چیخ بھی نہ نکل سکی تھی۔

فرانس نے دھکیل کر اشوک مہرا کی لاش کو پھینکا اور قریب پڑا بیگ اُٹھا لیا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مورتی اس کے ہاتھوں میں تھی۔

فرانس کو اس قیمتی مورتی کے ہیرے نکال فروخت کرنے سے اسے کافی دولت حاصل ہو سکتی تھی۔ اب اسے ملازمت کرنے کی ضرورت نہیں تھی.... یوں بھی وہ سرکاری مجرم بن گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ہیلی کاپٹر لے کر یہاں سے نکل جائے گا اور ا... کسی آبادی میں چھوڑ کر ملک کے دور دراز علاقے میں جا کر آباد ہو جائے گا۔

فرانس مورتی ہاتھ میں تھامے ہیلی کاپٹر کی جانب بڑھا اور ہیلی کاپٹر کا انجن اسٹارٹ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔

فرانس نے فضا میں بلند ہو کر ایک چکر لگایا اور ہیلی کاپٹر کو کافی بلندی پر لے گیا.... اچانک اس کے چہرے پر خوف کے سائے رینگنے لگے۔ ہیلی کاپٹر کے انجن میں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ فرانس نے خرابی معلوم کرنے کی بہت کوشش کی مگر انجن بند ہو گیا۔

ہیلی کاپٹر کو آخری جھٹکا لگا اور وہ بے جان پتھر کی طرح نیچے گرنے لگا۔ فرانس بری طرح بوکھلا گیا... اس نے مورتی ہاتھ میں پکڑ کر ہیلی کاپٹر سے چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا....

آن کی آن میں ہیلی کاپٹر دیہولا کے مندر کے نزدیک ایک سنگلاخ چٹان سے ٹکرایا اور دھماکے سے اس کے پرخچے اُڑ گئے۔

فرانس کی لاش ٹکڑوں میں بٹ گئی اور اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مورتی جھٹکے سے نوکدار چٹان میں بنے ہوئے اسی مندر میں جا گری جہاں سے اسے چُرایا گیا تھا۔

Digitized by Google

نئی زندگی

خلیل جبار

اک ایسے نوجوان کی سرگزشت اس نے اپنی جوانی کرائے پر دے رکھی تھی پھر وقت نے اسے ایسا جھٹکا دیا کہ وہ اپنا بھی نہ رہا۔
ایک سچی اور سبق آموز کہانی گو یہ کہانی نئے افق کی روایتوں اور پالیسی سے ہٹ کر ہے لیکن اسے نئی نسل کے لیے سبق کے طور پر شائع کیا جارہا ہے

جیسے ہی دروازے کے پاس پہنچا' دروازے کو کھلا ہوا پایا۔ دروازے کو میں نے لاک کیا اور گھر کے اندر داخل ہوگیا۔ مجھے دروازہ کھلا ہونے پر حیرت ہورہی تھی۔ آج آنٹی نے کیسے بے پروائی کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں جب بھی ان کے گھر پر آتا تھا' دروازہ لاک ہی ملتا تھا۔ پھر آج ان سے یہ بے پروائی کیسے ہوگئی ہے۔

میری جب صحن میں کھڑی آنٹی پر نظر پڑی تو میں چونکے بنا نہ رہ سکا۔ وہ اچھے کپڑے پہنے' میک اَپ کیے ایسے کھڑی تھیں جیسے ابھی انہیں کسی تقریب میں جانا ہو۔

''آنٹی' کیا میں غلط وقت پر آ گیا ہوں؟''

''کون کہہ رہا ہے تم غلط وقت پر آئے ہو؟ تم بالکل درست وقت پر آئے ہو۔'' آنٹی نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔

''جس طرح تیار کھڑی ہو' مجھے شک ہوا کہ کہیں کسی تقریب......''

''میری جان' کیا یہ ضروری ہے کہ تقریب میں جانے کے لیے تیار ہوا جائے؟'' آنٹی نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

''کیا کوئی آرہا ہے؟'' میں نے نظریں نیچی کرتے ہوئے پوچھا۔

''جس کی میں منتظر ہوں' وہ آچکا ہے۔'' آنٹی نے مجھے بانہوں میں بھرتے ہوئے کہا۔

میں نے حیرت سے آنٹی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ مجھ پر جھکیں اور مجھے خاموش کردیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ زیادہ سوال و جواب کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ اس وقت وہ فل رومانی موڈ میں تھیں۔

آج آنٹی کے ساس اور سسر کسی قریبی عزیز کی میت میں گئے تھے۔ بچوں کے اسکول سے آنے میں ابھی وقت تھا' اس لیے ان کے پاس جو وقت تھا' اس کا وہ بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہتی تھیں۔ موبائل پر آنٹی نے مجھ سے پہلے ہی معلوم کرلیا تھا کہ میں صبح میں فارغ ہوں یا کالج جانا ہے۔ میرا آج چھٹی کرنے کا موڈ تھا' اس لیے آنٹی نے مجھے دس بجے اپنے گھر بلایا تھا۔ ان کے پاس دو ڈھائی گھنٹے کا وقت تھا۔ اس وقت کو وہ میری قربت میں گزارنا چاہتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ایک خوب صورت خاتون تھیں مگر جس طرح انہوں نے گہرا میک اَپ کیا تھا' اس میں ان کی خوب صورتی میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ ان کے چہرے سے نظر ہٹانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کسی مورت کی طرح انہیں اپنے سامنے رکھ کر دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔ آنٹی کے پاس جو وقت تھا' اس میں ایسا ممکن نہ تھا۔ وہ کم سے کم وقت میں میری قربت کو بے تاب تھیں۔ ان کے سامنے میری پوزیشن ایسی تھی جو حکم آپ کا سر آنکھوں پر۔

آنٹی کے ساتھ دو گھنٹے ایسے گزر گئے تھے کہ جیسے چند لمحے گزرے ہوں۔ بچوں کے آنے کا وقت ہورہا ہے اس لیے میں آنٹی کو خدا حافظ کہتا ہوا اپنے گھر کو روانہ ہوگیا۔ آنٹی مجھے روکتی ہی رہ گئی کہ کھانا کھا کر چلے جانا۔ میں کھانا

Digitized by Google

کھا سکتا تھا مگر میری کوشش یہی ہوتی تھی کہ کھانا اپنے گھر کھاؤں۔ آنٹی کے گھر زیادہ کھانا' کھانا گھر والوں کو مشکوک بنا سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ میرا داخلہ ان کے گھر بند کر دیا جاتا۔

میرے گھر والے اس معاملے میں بڑے سخت تھے۔ ہمارے خاندان میں جب لڑکا سن بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتا تھا' گھر کے بڑے اس پر غیر محسوس طریقے سے نظر رکھتے تھے کہ کہیں وہ غلط صحبت میں پڑ کر بے راہ روی کی طرف نہ نکل جائے۔ جس لڑکے کو دیکھتے کہ وہ ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے' فوراً اس کی شادی کر دی جاتی تھی۔ جب مجھ پر آنٹی کے حوالے سے طنزیہ باتیں ہونے لگیں' میں نے یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ اب مجھے اتنا وقت نہیں ملتا کہ آنٹی کے گھر جاؤں۔

میری یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی۔ آہستہ آہستہ آنٹی

کے حوالے سے جو ذکر ہوتا تھا' وہ ختم ہو گیا۔ آنٹی کو بھی
نے سمجھا دیا تھا کہ وہ مجھے کال کرنے کے بجائے میسج
کریں۔ ان کا جیسے ہی میسج آتا تھا' میں فوراً ہی
موبائل سے مٹا دیتا تھا۔

زندگی بڑی خوشگوار گزر رہی تھی۔ گھر سے خر
پیسے ملیں یا نہ ملیں' جیب نوٹوں سے بھری رہتی تھی۔ می
دوست' احباب بھی حیران تھے کہ اتنی کم عمری میں می
پاس اتنے پیسے کہاں سے آ جاتے ہیں' جو بے حساب
خرچ کرتا رہتا ہوں' پھر بھی ان میں کمی نہیں آتی۔
میں کسی کو بتا نہیں سکتا تھا۔ بتانے میں رسوائی بھی تھ
میرے پاس جو کھلا خرچ کرنے کو دولت آتی ہے'
ہو جاتی۔ میری مفت کی عیاشی تھی' وہ بھی ختم ہو جاتی۔

مجھ پر قسمت مہربان تھی ورنہ آنٹی سے ملاقات
میری حالت بڑی خستہ تھی۔ میرے دوست گھر سے

پیسوں پر خوب عیاشی کرتے تھے اور میں حسرت سے ان کو دیکھا کرتا تھا۔ پیسوں کے معاملے پر میں جب امی جان سے الجھتا، وہ غصے سے کہتیں۔

"میں تمہیں اتنے ہی پیسے دے سکتی ہوں، زیادہ پیسے چاہئیں تو اپنے ابو سے بات کرو۔"

ابو کا نام سن کر میری سٹی گم ہو جاتی تھی۔ کس کی مجال تھی جو کوئی ان کے سامنے بول سکے۔ وہ سخت غصے والے انسان تھے۔ ان کے غصے کے سامنے گھر کا ہر فرد بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ ایسے میں میری کیا مجال تھی جو خرچ کے معاملے میں ان کے سامنے ڈٹ جاتا۔ ایک امی جان ہی تھیں، جن کے سامنے ہم بہن بھائی بات کر لیا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہی تھی کہ آنٹی کے دَم سے میری جیب ہر وقت گرم رہتی تھی۔ جتنا وہ میرا خیال رکھتی تھیں، میں بھی ان کا اتنا ہی خیال رکھتا تھا۔

آنٹی ہماری دور پرے کی بھی رشتے دار نہیں تھیں۔ وہ بس محض ایک اتفاق تھا کہ آنٹی سے ملاقات ہو گئی اور وہ گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس دن چائے کی پتی ختم ہو گئی تھی۔ امی جان نے مجھے چائے کی پتی لینے دکاندار کے پاس بھیج دیا تھا۔ ابو کا یہ معمول تھا کہ شام کو آتے ہی پہلے چائے مانگتے تھے، اس لیے امی جان گھر میں چائے کی پتی ختم ہونے نہیں دیتی تھیں۔ جیسے ہی چائے کی پتی ختم ہوئی اور مجھے پتی لینے بازار بھیج دیتی تھیں۔

ان دنوں میں انٹر میں زیر تعلیم تھا۔ جیسے ہی میں چائے کی پتی لینے دکان پر گیا، وہاں مجھ سے پہلے ہی ایک خاتون موجود تھیں۔ وہ کچھ سامان لینے آئی تھیں اور سامان لے کر جانے والی تھیں۔ دکان دار نے انہیں سودا ایک شاپر میں ڈال کر تھما دیا۔ وہ دکاندار کو پیسے دے کر آگے بڑھ گئیں۔ میں بھی چائے کی پتی لے کر جیسے ہی مڑا، کچھ فاصلے پر ایک بٹوا زمین پر پڑا تھا۔ وہ بٹوا دیکھ کر مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ بٹوا ابھی جو آنٹی سامان لے کر گئی ہیں، ان کا ہے۔ میرے سامنے ہی آنٹی نے اس بٹوے سے پیسے نکال کر دکاندار کو دیئے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر وہ بٹوا اٹھا لیا اور آنٹی کی طرف دیکھا، وہ مجھ سے خاصے فاصلے پر جا چکی تھیں۔ میں بھی تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے ان کی طرف بڑھا۔ جیسے ہی ہم دونوں کا فاصلہ کچھ کم رہ گیا، میں ان سے مخاطب ہوا۔

"آنٹی یہ......"

آنٹی نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔

"کیا تم نے مجھ سے کچھ کہا؟" وہ بولیں۔

"ہاں یہ آپ کا بٹوا گر گیا تھا۔ میں نے دیکھ لیا۔" میں نے کہا۔

"اوہ!! واقعی یہ میرا ہی بٹوا ہے لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ بٹوا میرا ہے؟" وہ بٹوا لیتے ہوئے بولیں۔

"جس دکاندار سے آپ نے سامان لیا تھا، میں بھی وہاں چائے کی پتی لینے گیا اور جب دکاندار کو آپ نے پیسے دیئے میری نظر بٹوے پر پڑ گئی تھی، میں جب چائے کی پتی لے کر دکان سے پلٹا، راستے میں یہ بٹوا پڑا نظر آ گیا۔" میں نے بتایا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس میں کتنی رقم ہے؟" آنٹی نے میرے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"آنٹی، یہ آپ کی امانت ہے، جب آپ نے دکاندار کو پیسے دیئے تھے اس بٹوے میں رکھی رقم پر اتفاق سے میری نظر پڑ گئی تھی، اس لیے میں جلدی سے لپک کر آپ کو بٹوا دینے کو بڑھ گیا تھا کہ کہیں کسی اور کی اس پر نظر پڑنے سے اس کی نیت خراب نہ ہو جائے۔"

"تم مجھے ایماندار لڑکے لگتے ہو ورنہ اس بٹوے میں جتنی رقم موجود ہے اسے دیکھ کر اچھے اچھوں کی نیت خراب ہو سکتی ہے۔"

"دوسروں کی رقم دیکھ کر نیت خراب کر لینا اچھی بات نہیں ہوتی۔" میں نے کہا۔

"تم کہاں رہتے ہو؟" آنٹی نے پوچھا۔

"میں یہاں سے دو گلی چھوڑ کر رہتا ہوں۔"

"اچھا جبھی میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔"

"کیا آپ یہاں نہیں رہتیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں یہ علاقہ میرے شوہر شاہد کا ہے۔ ان کا بچپن اس علاقے میں گزرا ہے، جب سے وہ باہر ملک کمانے کی غرض سے گئے ہیں، ہم نے گھر تبدیل کر لیا ہے اور وہ علاقہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔"

"اچھا......" میں نے فوراً کہا۔

Digitized by Google

AANCHALPK.COM
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے
آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں
ماہنامہ آنچل کراچی
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول' ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔
عشنا کوثر سردار کا ایک لازوال ناول' ایک پڑھے لکھے گھرانے کا احوال جو لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف تھا
خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا
AANCHALNOVEL.COM
03008264242

"میں تمہاری اس نیکی سے بہت خوش ہوئی ہوں۔ تمہارا اتنا حق ضرور بنتا ہے کہ تمہیں ایک کپ چائے پلائی جائے۔" وہ بولیں۔

"آنٹی یہ میرا اخلاقی فرض بنتا تھا کہ آپ کی امانت آپ تک پہنچادوں۔" میں نے کہا۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ تم نے اخلاقی طور پر ایسا کیا۔ میرا بھی اخلاقی فرض بنتا ہے کہ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتی مگر ایک کپ چائے تو پلا سکتی ہوں۔" آنٹی نے چائے کے لیے اصرار کیا۔

مجھے آنٹی کے اصرار پر ان کے ساتھ ان کے گھر جانا پڑ گیا۔ آنٹی کا گھر بہت شاندار تھا۔ ہر طرف سے امیری جھلک رہی تھی۔

"آنٹی ماشاء اللہ تمہارا گھر بہت شاندار ہے۔ لگتا ہے کہ انکل کی نوکری بہت اچھی ہے جبھی گھر میں اتنی قیمتی چیزیں نظر آرہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں میرے شوہر شاہد نے مجھے گھر بہت اچھا بنوا کر دے دیا ہے' کھانے پینے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہے مگر وہ خود مجھ سے بہت دور ہے۔"

"کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ جب انکل پاکستان مستقل آجائیں گے' انہیں مالی طور پر کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"ہاں یہ بات تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر جب تک وہ نہیں آجاتے' پریشانی ہے نا۔ بچوں کو اسکول چھوڑ کر آنا اور پھر لے کر آنا' گھر کا سودا سلف بھی مجھے ہی لانا ہوتا ہے اور گھر کے دیگر معاملات بھی خود ہی کرنا ہوتے ہیں۔" آنٹی نے بتایا۔

"کیا گھر میں کوئی اور نہیں جو گھر کے معاملات دیکھ سکے؟"

"میرے ساس اور سسر ہیں مگر ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔" آنٹی نے بتایا۔

"وہ کیسے؟"

"میری ساس اور سسر دونوں کو جوڑوں میں درد کی شکایت رہتی ہے اس لیے وہ اپنے کمرے تک ہی محدود رہتے ہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہونے پر آواز دے لیتے ہیں ورنہ سارا دن ٹی وی پر پروگرام دیکھ کر اپنا دل بہلاتے

Digitized by Google

رہتے ہیں۔"

"واقعی آنٹی آپ پر بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ ایسا کیوں نہیں کرلیتیں ان کاموں کے لیے کوئی ملازم رکھ لیں۔"

"میں یہ رسک نہیں لے سکتی' تم اخبارات میں پڑھتے ہی رہتے ہوگے کہ گھر کے ملازم ہی ڈکیتی کرادیتے ہیں۔ اکیلی خاتون کو دیکھ کر اسے قتل کر کے مال واسباب لوٹ کر لے گئے۔"

"آنٹی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو' ایسی خبروں سے اخبارات بھرے پڑے ہوتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"اس علاقے میں ہمارا کوئی عزیز رشتہ دار بھی نہیں رہتا' جن کا لڑکا ہمارے گھر کے چھوٹے موٹے کام کردیتا کیا تم میرے چھوٹے موٹے کام کرسکتے ہو' میں تمہاری ایمانداری سے بہت متاثر ہوئی ہوں اور تم پر بھرپور اعتماد کرسکتی ہوں۔" آنٹی نے میرے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آنٹی....." میں نے کہنا چاہا۔

"ہاں بولو رک کیوں گئے؟"

"آنٹی یہ ہوسکتا ہے کہ میرے پاس فرصت ہونے پر آپ کے اخلاقی طور پر کام کردوں مگر میں ملازمت نہیں کرسکتا کیونکہ میں خود تعلیم حاصل کررہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے پتہ ہے کہ تمہاری یہ عمر پڑھنے لکھنے کی ہے' نوکری کرنے کی نہیں۔ میں تمہیں ملازم نہیں رکھ سکتی۔ میں یہ چاہ رہی ہوں کہ جیسے انسان اپنے رشتے داروں کے کام بھاگ بھاگ کر انجام دیتا ہے' تم بھی کردینا اور ہاں میں بھی تمہیں خوش ہوکر خرچی وغیرہ دوں گی۔ اسے تمہیں قبول کرنا ہوگا۔ وہ تمہاری مزدوری نہیں' بس خرچی ہوگی۔"

"خرچی۔" میں چونکا۔

"کیا کسی رشتے دار نے تمہیں خرچی نہیں دی؟" آنٹی نے پوچھا۔

"خرچی دی ہے۔" میں نے اقرار کیا۔

"بس پھر خرچی لینے میں کیسا شرمانا؟" آنٹی نے کہا۔

میرے رضامندی ظاہر کرنے پر وہ خوش ہوگئیں۔

اس طرح میرا آنٹی صفورا کے گھر آنا جانا شروع ہوگیا۔

آنٹی صفورا نے میرا تعارف اپنے ساس سسر سے اس طرح کرایا کہ میں ان کی سہیلی نازش کا چھوٹا بھائی ہوں۔ سہیلی نے ہی مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ جب تک انکل شاہد باہر سے نہ آجائیں' میں ان کے چھوٹے موٹے کام کردیا کروں۔ وہ بھی اس بات پر خوش ہوگئے کہ ان کی سہیلی کتنی اچھی ہے جو صفورا آنٹی کا اتنا خیال رکھ رہی ہے ورنہ اس دور میں کون کسی کا خیال رکھتا ہے۔

آنٹی سے بات چیت کا سلسلہ چل نکلا تھا اور اب دن جیسے گزر رہے تھے' اس سے ایسا لگنے لگا تھا کہ میں ان کے گھر کا ہی کوئی فرد ہوں۔

صفورا آنٹی میرا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ان کا اس طرح خیال رکھنا مجھے بڑی خوشی دیتا تھا۔ وہ سگی آنٹی نہ ہونے پر بھی سگی آنٹی جیسا سلوک کرتی تھیں' خاص طور پر صفورا آنٹی کے ساس اور سسر بھی بہت اچھے لوگ تھے۔ وہ بھی مجھ سے بہت اچھے انداز سے بات کرتے تھے۔ میں جب ان کے پاس جاتا' وہ پہلے میری اور پھر میرے گھر والوں کی خیر خیریت معلوم کرتے اور انہیں سلام بھی کہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میں صفورا آنٹی کے کام ایسے بھاگ بھاگ کر کرتا تھا جیسے اپنے گھر کے کام ہوں۔ وہ اکثر سودے میں بچ جانے والے پیسے میری جیب میں زبردستی رکھ دیتی تھیں۔ میں انکار کرتا ہی رہ جاتا لیکن وہ میری ایک نہ سنتی تھیں۔

کبھی کبھی مجھے صفورا آنٹی پر ترس بھی آتا تھا کہ اتنے بڑے محل نما گھر میں وہ شوہر کے بغیر اکیلی رہ رہی ہیں۔ ان کے بڑے بچے نہ ہونے پر وہ بے چاری تنہا کیسے زندگی گزارتی ہیں۔ گھر میں بچوں کے دم سے ان کا دل بہلا رہتا تھا۔ ان کے بچے شہلا اور تنویر مجھے دیکھتے ہی خوش ہوجاتے تھے۔ وہ لپک کر میرے پاس آتے۔ وہ میرے ساتھ کھیلنے کی ضد کرتے۔ میں انہیں کچھ دیر کو گھر سے باہر لے جاتا تھا' جس سے انہیں بڑی خوشی حاصل ہوجاتی تھی۔

صفورا آنٹی نے مجھے ایک اچھا موبائل بھی دے دیا تھا کہ رابطے میں آسانی رہے۔ میں نے موبائل فون دیکھ کر کہا۔

"آنٹی' یہ بہت مہنگا موبائل ہے۔ کوئی ہلکا موبائل

Digitized by Google

لے کر دے دیں۔"

وہ بولیں۔ "یہ موبائل تم سے زیادہ اچھا نہیں ہے۔ ایسے دس موبائل میں تم پر قربان کر سکتی ہوں۔"

"آنٹی دور اچھا نہیں ہے' اچھے موبائل جلدی چھن جاتے ہیں جبکہ سستے موبائل نہیں چھنتے۔" میں نے وضاحت کی۔

"موبائل چھن جانے پر میں اور موبائل دلا دوں گی تمہیں کس بات کی فکر ہے۔"

ان کی بات سن کر میں لاجواب ہو گیا۔ ان کی ایسی پوزیشن تھی' وہ ایسے ایک نہیں' دس موبائل مجھے خرید کر دے سکتی تھیں۔ میرا آنٹی کے اس طرح خیال رکھنے پر میرا بھی دل کرتا تھا کہ میں ان کی خدمت میں پیش پیش رہوں۔ ان کا ہر حکم ایسے مانتا تھا کہ جیسے کوئی اپنے باس کا حکم مانتا ہے۔ اکثر امی جان مجھ پر طنز کرتی نہ چوکتی تھیں۔ جیسے ہی موبائل کی گھنٹی بجی' امی جان فوراً سے کہتیں۔

"لو بھئی عدنان کی آنٹی کا فون آ گیا ہے' ہم سے اچھی ان کی آنٹی ہے جس کی کال آنے پر یہ دوڑ پڑتا ہے۔"

میں کوئی جواب دیے بغیر ان کی بات پر مسکرا دیتا۔

ایک شام میرے موبائل پر صفورا آنٹی کی کال آ گئی۔ میں اس وقت گھر سے یہ کہہ کر باہر نکلا تھا کہ میں اپنے دوست عباس کے پاس امتحان کی تیاری کرنے جا رہا ہوں' رات دیر ہو جانے پر پریشان نہ ہوں۔ میری بات پر امی جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا تم نے بتا دیا' اب زیادہ پریشانی نہیں ہوگی۔"

"عباس کے انکل رضوان بہت قابل ہیں' وہ ہمیں امتحان کی تیاری ایسے کراتے ہیں' بڑے مشکل مشکل سوالات کے جوابات یوں یاد ہو جاتے ہیں کہ یہ تو بہت آسان تھے۔ ہم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے تھے۔" میں نے کہا۔

"اور ہاں اگر رات دیر تک تیاری کرنے کا پروگرام بن جانے پر موبائل پر کال کر کے بتا دینا تاکہ بے فکری ہو جائے۔" امی جان نے کہا۔

"ٹھیک ہے امی جان۔" میں نے کہا۔

آنٹی کی کال آ جانے پر میرا رخ ان کے گھر کی طرف

امید اور ناامیدی کے درمیان پرورش پاتی حسین داستانیں
ماہنامہ حجاب کراچی
شائع ہوگیا ہے
میرے خواب زندہ ہیں
شب آرزو تیری چاہ میں
عشق دی بازی
اس کے علاوہ دنیا ادب کے نئے ستارے ہر ماہ اس میں شامل ہیں
Infoohijab@gmail.com
021-35620771/2
0300-8264242

Digitized by Google

ہوگیا تھا۔ شاید ان کو کوئی سامان منگوانا ہوگا۔ میں دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ بھی اچھا ہوگیا کہ عباس کے گھر جانے سے پہلے آنٹی کا فون آ گیا ورنہ وہاں سے آنٹی کے پاس جانا پڑ جاتا۔

آنٹی نے بدن پر ایک موٹی سی چادر ڈالی ہوئی تھی۔

''آنٹی اتنی سردی تو نہیں پڑ رہی ہے کہ اتنی موٹی چادر بدن پر ڈال لی ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بدن پر کیا ڈالوں' یہ چادر نظر آئی اور میں نے اوڑھ لی اور دروازہ کھولنے کو آ گئی۔'' صفورا آنٹی نے وضاحت کی۔

''میں اب آ گیا ہوں اس لیے یہ موٹی بھاری چادر اتارو اور کوئی ہلکی چادر بدن پر ڈال لو۔'' میں نے کہا۔

''تم سے کیا پردہ' یہ میں نے محلے والوں کی وجہ سے ڈال لی تھی کہ دروازہ کھولتے ہوئے ان کی بری نظر مجھ پر نہ پڑ جائے۔'' یہ کہتے ہوئے آنٹی نے چادر بدن پر سے اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ میری جو اب صفورا آنٹی پر نظر پڑی' بے اختیار شرم کے مارے اپنی نظریں نیچی کر لیں۔ وہ بدستور مجھے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

آنٹی نے بظاہر جسم پر لباس پہن رکھا تھا' اس کے باوجود ان کا جسم عریاں نظر آ رہا تھا۔

''آنٹی' گھر کے باقی لوگ نظر نہیں آ رہے ہیں؟'' میں نے بات بنائی۔

میں آنٹی سے چادر ہٹانے کا کہہ کر خود ہی شرمندہ ہوگیا تھا۔ مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس طرح کا لباس پہنا ہوگا۔

''امی اور ابو حیدرآباد میں ایک شادی کی تقریب اٹینڈ کرنے گئے ہیں۔ دونوں بہن بھائی بھی ضد کر کے ان کے ساتھ چلے گئے ہیں۔ کل اتوار ہے اور ان کے اسکول کی چھٹی ہے اس لیے وہ آج رات شادی میں شرکت کر کے رات حیدرآباد میں گزار کر صبح میں کراچی آ جائیں گے۔'' آنٹی نے بتایا۔

میرے مسلسل نظریں نیچے کیے رکھنے پر آنٹی سے نہ رہا گیا اور بول پڑیں۔

''کیا تمہاری آنکھوں میں کچھ گر گیا ہے جو نظر نیچے کیے ہوئے ہو؟''

''وہ آپ نے لباس ایسا پہنا ہوا ہے کہ دیکھتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم نے یہ کیا بچوں والی بات کر دی۔ تمہاری عمر اتنی ہوگئی ہے کہ شادی کر دینے پر دو بچوں کے باپ بن جاؤ اور شرما ایسے رہے ہو کہ دو دن کے بچے ہو۔ مرد بنو' نظروں سے نظریں ملا کر بات کرو۔'' آنٹی نے میرا حوصلہ بڑھانے کو کہا۔

''آنٹی کچھ منگوانا ہے؟''

''فی الحال کچھ نہیں منگوانا۔ تم آ گئے میرے لیے یہی کافی ہے۔ میں گھر میں اکیلی بور ہو رہی تھی۔ میرا دل بہلاؤ گے نا؟'' وہ مسکرائیں۔

میں نے نہ سمجھتے ہوئے آنٹی کی طرف دیکھا اور ان کے بدن پر نظر پڑتے ہی پھر سے نظریں نیچی کر لیں۔

میرے کچھ نہ بولنے پر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر صحن سے اپنے بیڈروم میں لے گئیں۔ ٹی وی اسٹارٹ کر کے وہ کچن میں چلی گئیں۔ میرے دل میں گھبراہٹ سی ہو رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ فوراً سے بھاگ جاؤں مگر پھر میں یہ سوچ کر بیٹھا رہا کہ آنٹی میرا اتنا خیال رکھتی ہیں' ایسا کوئی سگی آنٹی بھی کیا خیال رکھے گی۔ وہ اکیلی گھر میں بور ہو رہی ہیں اور انہوں نے اپنی بوریت دور کرنے کو بلا لیا ہے۔ ایسے میں میرا بھاگ جانا کچھ اچھا معلوم نہ ہوگا۔

آنٹی نے میرے لیے خاص اہتمام کیا ہوا تھا۔ شامی کباب' پکوڑے اور دیگر لوازمات وہ لے کر آ گئیں۔

''آنٹی اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے کہا۔

''یہ تکلف نہیں' میں نے خاص طور پر تمہارے لیے تیار کیا ہے۔ تمہیں شامی کباب بہت اچھے لگتے ہیں نا۔'' آنٹی نے پوچھا۔

'ہاں یہ بات تو ہے آنٹی' تم میرا بہت خیال رکھتی ہو اتنا خیال میری سگی آنٹی بھی نہیں کرتیں۔'' میرے دل کی بات زبان پر آ گئی۔

میری بات سن کر مسکرا دیں اور میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑے پیار سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولیں۔

''تم سچ کہہ رہے ہو یا میرا دل رکھنے کو یہ بات کہہ رہے ہو؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں' اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔''

''کیا تم بھی میرا اس طرح خیال رکھو گے؟''

''میں آپ کا خیال رکھتا ہوں' آپ کا ہر حکم فوراً بجالاتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں آج تمہیں آزما کر دیکھ لیتی ہوں۔ کیا تم آج رات میرے گھر میں گزار سکتے ہو؟''

''ٹھیک ہے آنٹی' میں آج رات یہاں گزاروں گا۔'' میں نے کہا۔

''گھر پر کیا بہانہ بناؤ گے؟'' آنٹی نے پوچھا۔

''میں کہہ دوں گا کہ امتحان کی تیاری کے سلسلے میں آج رات عباس کے گھر گزاروں گا۔'' میں نے کہا۔

''میں نے عباس کے گھر نہیں' یہاں کے لیے بولا ہے۔'' آنٹی نے کہا۔

''ہاں میں یہاں رات گزاروں گا لیکن گھر پر عباس کا نام لوں گا۔'' میں نے بتایا۔

''ٹھیک ہے' تم کچھ بھی بہانہ بناؤ مگر رات تمہیں میرے پاس ہی گزارنی ہے۔'' آنٹی نے کہا۔

شامی کباب میری کمزوری تھے۔ انہیں دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی اس لیے میں نے شامی کباب کھانا شروع کر دیے۔ پکوڑوں اور دیگر لوازمات پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ اس دوران آنٹی گرم گرم چائے لے آئی تھیں۔ اس وقت چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ ویسے بھی آنٹی چائے بڑی مزیدار بناتی تھیں۔

آنٹی کے ان کپڑوں میں بار بار میرے سامنے آنے پر مجھے شرمندگی ہو رہی تھی۔ ان کے بار بار آنے پر اب مجھے شرمندگی کم ہونے لگی تھی۔ وہ اپنی اداؤں سے مجھے اپنا جسم دکھا رہی تھیں۔ میں اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کے پس پردہ کیا راز ہے۔ میں نے گھر پر میسج کر دیا تھا کہ مجھے دیر ہو جائے گی اور اس لیے عباس کے گھر پر ہی رک جاؤں گا۔ عباس کا فون آنے پر میں نے آج اس کے گھر آنے سے معذرت کر لی۔

میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ آنٹی گھر میں اکیلی ہیں اس لیے وہ گھبرا رہی ہیں اس لیے مجھے رکنے کو بلا لیا ہے۔ ان کے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے' میں اس بات سے بالکل بے خبر تھا۔

رات میں آنٹی نے ایک ایسی غیر اخلاقی فلم چلا اس فلم کے دیکھنے سے میرے جذبات بھڑک اٹھے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے ایسی فلم چلادی ہے۔ میرے ذہن و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ فلمیں بھی دیکھتی ہوں گی۔ ہم یار دوست بھی کبھار جمع کر ایسی فلم دیکھ لیا کرتے تھے وہ فلم دیکھ کر میں ان

مہکتی کلیاں

❁ دنیا میں بہترین انسان وہ ہے جس کے لیے کوئی روئے اور بدترین انسان وہ ہے جس کی وجہ سے کوئی روئے۔

❁ انسان خود انمول نہیں ہوتا بلکہ اس کردار اسے انمول بناتا ہے۔

❁ جس طرح شبنم کے قطرے مرجھائے ہوئے پھول کو تازگی دیتے ہیں اسی طرح اچھے الفاظ مایوس دلوں کو روشنی دیتے ہیں۔

❁ اپنے آپ کو اچھی صفات اپنانے پر مجبور کرو کیونکہ بری صفات تمہاری فطرت میں شامل ہی نہیں۔

❁ جذباتی لوگ نہ تو خود خوش رہ سکتے اور نہ ہی دوسروں کو خوش رکھ سکتے ہیں۔

❁ اپنی زندگی کا اصول بنا لیجیے کہ کسی سے نفرت کرنے میں کبھی پہل نہ کریں یقین مانیے آپ ہمیشہ سرخرو رہیں گے۔

❁ پہلی ملاقات میں کسی شخص کے متعلق رائے قائم مت کریں' کیا معلوم اس وقت اس کا آپ کے ساتھ اچھا برا پیش آنا وقت اور حالات کا تقاضا ہو۔

❁ اپنی رائے ضرور دیں مگر رائے کو دوسروں پر مسلط کرنے سے گریز کریں۔

نادیہ عباس دیا..... موسیٰ خیل

Digitized by Google

آنکھیں ملاتے ہوئے کترا رہا تھا۔ میں اس وقت صوفے پر بیٹھا تھا۔ آنٹی اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے جسم سے میرا جسم مس ہونے پر میرے دل کی حالت بڑی عجیب ہوگئی تھی۔

''عدنان فلم پسند آئی؟'' وہ میرے چہرے پر جھکتی ہوئی بولیں۔

میں انہیں کیا جواب دوں' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر میں کہتا فلم اچھی ہے تو وہ یہی سمجھیں گی کہ میں اس طرح کی فلمیں دیکھتا رہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ کیسی فلم ہے تو بھی وہ کہیں گی کہ میں کس دَور میں جی رہا ہوں' مجھے کچھ خبر ہی نہیں ہے۔

''کیا ہوا' خاموش کیوں ہو؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ کیا جواب دوں۔'' میں نے کہا۔

''اس میں سوچنے کی کون سی بات ہے۔ صاف صاف کہہ دو کہ پسند آ گئی ہے اور پسند نہیں آئی ہے تو کہہ دو پسند نہیں آئی' کوئی دوسری فلم چلا دو۔'' آنٹی زور سے ہنستے ہوئے بولیں۔

''اچھی تھی۔'' میں نے مختصر اُجواب دیا۔

''میں تمہیں بھی ایسا مرد بنتا دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ بولیں۔

اس سے قبل میں کچھ کہتا' انہوں نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔ وہ مجھ سے کیا چاہتی تھیں' اس میں کسی قسم کے شک و شبہے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ کچھ دیر گزرنے پر میری بھی شرم جاتی رہی اور میں بھی آنٹی کی خواہش پر بے باک ہو چکا تھا۔ پھر صبح ہی میری آنکھ کھلی۔ میں نے سب سے پہلے یہ کام کیا' باتھ روم میں اچھی طرح نہا کر گھر پہنچ گیا۔ گھر جاتے ہوئے آنٹی نے مجھ سے یہ وعدہ بھی لیا کہ ہم آئندہ بھی ایسی کوشش جاری رکھیں گے۔

گھر پہنچ کر میں بہت خوش و مسرور تھا۔ میں ایک نئی لذت سے آشنا ہوا تھا۔ میں آنٹی کو اس سے قبل عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میرے دل میں ان کے لیے بڑی تعظیم تھی لیکن اب وہ تعظیم ختم ہو جانے پر وہ میری ایک اچھی دوست بن گئی تھیں۔ دُنیا دکھاوے وہ میری آنٹی تھیں۔

میں آنٹی سے کیا وعدہ اب پابندی سے نبھا رہا تھا۔ انہیں جب مجھے گھر بلانا ہوتا تھا' وہ دوپہر میں چائے میں خواب آور گولیاں ڈال کر اپنی ساس و سسر سمیت بچوں کو گہری نیند سلا دیتی تھیں تاکہ ہم دونوں اچھی طرح کھیل سکیں اور ہمارے کھیل میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ دن بڑے اچھے گزر رہے تھے۔ میں بغیر نوکری اور شادی کے ایک خوشگوار زندگی گزار رہا تھا۔

ایک دن آنٹی کے سسر کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ دو دن اسپتال میں رہ کر انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کو تین ماہ بھی مشکل سے ہوئے تھے' ایک رات آنٹی کی ساس کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں۔

اب ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ جب بچے اسکول جاتے تھے' میں ملاقات کرنے آنٹی کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ میں بہت خوش تھا۔ اچانک قسمت نے پلٹا کھایا اور آنٹی کے شوہر پاکستان آ گئے۔ وہ انہیں اپنے ساتھ دبئی لے جانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اکیلی کیسے وہاں وقت گزاریں گی۔ ان حالات میں شوہر کا پاس ہونا بہت ضروری ہے۔ میں اس صورت حال سے بہت پریشان ہو گیا تھا کہ آنٹی کے ملک سے چلے جانے پر میری ساری عیاشی کا خاتمہ ہو جانا یقینی تھا۔

ایسے میں آنٹی نے مجھے دلاسہ دیا کہ میں گھبراؤں نہیں' وہ میری عیاشی کا اہتمام کر کے جائیں گی۔ میں حیران تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ملک سے باہر ہوں اور میں یہاں رہ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کروں۔

حقیقت یہی تھی کہ میں کھلا خرچ کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ یہ سب عیش و عشرت آنٹی کے پیسے پر کر رہا تھا۔ میں ان کی ضرورت پوری کر رہا تھا اور وہ میری ضروریات کا خیال رکھتی تھیں۔ میں پہلے بہت ہی کمزور و ناتواں سا لڑکا تھا' ان گزرے پانچ سال میں میرا جسم فربہ ہو چکا تھا۔ چہرہ بھر جانے پر میرا چہرہ بھی کھل اُٹھا تھا۔

ایک شام آنٹی دبئی چلی گئیں لیکن وہ وعدے کی بڑی پکی تھیں۔ مجھ سے انہوں نے جو وعدہ کیا تھا' اسے نبھایا۔ جاتے ہوئے انہوں نے میری ملاقات آنٹی مہوش سے کرادی۔ آنٹی مہوش 45 سالہ خاتون تھیں۔ وہ اتنی عمر کی ہونے کے باوجود 35 سال کی لگتی تھیں۔ ان کی دو بیٹیاں

Digitized by Google

شبانہ‘ فرحان اور ایک سات سالہ ارسلان تھا۔ ان کے شوہر عثمان بھی دبئی میں آنٹی صفورا کے شوہر شاہد کے ساتھ ہی کام کرتے تھے‘ اس لیے ان کی بیگم مہوش کی آنٹی سے دوستی ہوگئی تھی۔

مہوش آنٹی بھی بہت اچھی خاتون تھیں۔ وہ بھی میرا اسی طرح خیال رکھنے لگی تھیں جیسا آنٹی رکھتی تھیں۔ ان کے گھر میں آنٹی کے جیٹھ عبدالغفور کی فیملی بھی رہتی تھی‘ اس لیے وہ مجھے اپنے گھر نہیں بلا سکتی تھیں‘ اس لیے خاص ملاقات کے لیے انہوں نے اپنے علاقے سے دُور ایک پلازہ میں فلیٹ لیا ہوا تھا۔ اس پلازہ کے فلیٹوں میں زیادہ تر لوگوں نے آفس قائم کیے ہوئے تھے‘ اس لیے اس فلیٹ میں آنٹی مہوش سے ملاقات کرنے پر کسی قسم کا کوئی بھی شک نہیں کرسکتا تھا۔ آنٹی مہوش کے فلیٹ کے باہر بیوٹی پارلر کی تختی لگی ہوئی تھی۔ پہلے یہ فلیٹ بیوٹی پارلر کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ بیوٹی پارلر ختم ہو چکا تھا مگر اس کی تختی ابھی تک لگی ہوئی تھی۔ آنٹی مہوش نے بھی اس تختی کو ہٹانا مناسب نہ سمجھا۔

آنٹی مہوش ایک اثر ورسوخ رکھنے والی خاتون تھیں۔ ان کے پاس ایک سال گزارنے پر سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مجھے ایک سرکاری آفس میں کلرک کی نوکری مل گئی تھی۔ میں ان کا بہت احسان مند تھا کہ ان کی دوستی اور مہربانی سے میں برسر روزگار ہو چکا ہوں۔ میں اب اپنی تعلیم کو جاری رکھتے ہوئے بڑی نوکری کے لیے اپلائی کرنے کے قابل ہوسکتا تھا۔

ایک دن میں جب ڈیوٹی پر سے آنٹی مہوش سے ملاقات کرنے پہنچا‘ ان کے پاس ان ہی کی عمر کی ایک خوب صورت خاتون بیٹھی تھیں۔ میں نے انہیں سلام کیا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ آنٹی مہوش نے آنٹی ثمرہ سے میرا تعارف کرایا۔ ان کے شوہر ماجد بھی دبئی میں کام کرتے تھے۔ آنٹی مہوش نے میری طرف خاص اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”عدنان میں ایک کام سے جارہی ہوں‘ تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گی اور آنٹی ثمرہ کا خاص خیال رکھنا‘ مجھے شرمندہ ہونے کا موقع نہ دینا۔“

میں کوئی بچہ نہ تھا جو آنٹی مہوش کا اشارہ نہ سمجھتا۔ میں

عیش دوراں

بے شک عیش دوراں ہمیشہ ساتھ نہیں رہ
انسان کا واسطہ غمِ دوراں سے بھی پڑتا ہے لیکن
جس طرح عیشِ دوراں وقت کے ساتھ ہم سے
دور چلا جاتا ہے اسی طرح غمِ دوراں بھی وقت
دھول میں کبھی گم ہو جائے گا اور وقت عیشِ دوراں
کو پھر سے ہمارے پاس لا پھینکے گا۔ اس
مایوسی گناہ ہے اور صبر کے دامن کے ساتھ انتظ
کی مسافت طے کرنی چاہیے۔

فائزہ‘ بلال‘ اقراء‘ آفرین...... جام پور پنجاب

ماں کے نام

سکھی رکھنا میری ماں کو اے خدا
میرے لب پر رہتی ہے بس یہ دعا
اس کی دعا سے ہوں سرخرو
اس کی بھلائی میری آرزو
ملے گی جہاں میں نہ ماں جیسی چیز
خدا کو بھی ہے اس کی ہستی عزیز
اے میری پیاری ماں (کوثر بتول)

عروسہ پرویز...... کاسیہ

مسکراہٹیں

٭ شیخ کے گھر سے چوہا باہر جارہا تھا۔
”شیخ! کیا لے کر جارہے ہو؟“
چوہا ”بھائی بھوکا مرنے سے تو بہتر ہے بند
ہجرت کرجائے۔“

٭ ایک دوست اپنے ہاتھ پر بلیڈ سے لڑکی
نام لکھ رہا تھا کہ اچانک زور زور سے رونے لگا۔
دوست ”پیار کرتا ہے تو روتا کیوں ہے؟“
دوست! ”یار اسپیلنگ غلط ہوگئی ریحانہ ملک
کی جگہ رحمان ملک لکھ دیا۔“

فریحہ شبیر...... شاہ نک

سمجھ چکا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا ہے۔ ان کے جاتے
آنٹی ثمرہ نے ایک خاص ادا سے مجھے دیکھا تھا۔ میں

Digitized by Google

ایک ماہر ڈرائیور کی طرح آنٹی نمرہ کو ان کی منزل پر بغیر کسی پریشانی کے پہنچا دیا۔ میری ڈرائیونگ سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھیں۔

میرا خیال تھا کہ اب ایسا کوئی مرحلہ نہ آئے گا مگر میری یہ بھول تھی۔ اب یہ معمول بن گیا تھا۔ اب آئے دن مختلف آنٹی آنے لگی تھیں اور مجھے ایک ماہر ڈرائیور کی طرح انہیں ان کی منزل مقصود پر بغیر کسی پریشانی کے پہنچانا میری ذمہ داری بن گیا تھا۔ آنٹی مہوش نے مجھ پر جو احسان کیا تھا' وہ مجھے اس طرح چکانا تھا۔ میں دو سال تک آنٹی مہوش کے اشاروں پر ناچتا رہا۔ جب تک میری نوکری پکی نہ ہو جاتی' میں آنٹی مہوش کو آنکھ دکھانے کی پوزیشن میں نہیں آسکتا' میں مجبور تھا۔ مجھے اس عمل سے گھن آنے لگی تھی۔ بوڑھی' بوڑھی عورتوں کو دیکھ کر کراہیت سی آنے لگی تھی۔

اسی دوران میری شادی ہوگئی۔ میں نے بہت چاہا کہ ابھی شادی نہ ہو مگر والدین نے میری ایک نہ سنی اور میری کزن شبانہ سے شادی کردی۔ شادی کے وقت میری ایسی حالت ہو چکی تھی کہ جیسے لیموں میں سے رس نچوڑ لیا گیا ہو۔ مجھے جیون ساتھی کا ساتھ نبھانے کو گولیوں کا سہارا لینا پڑ رہا تھا۔ میرا ان گولیوں کے بغیر گزارا نہ تھا۔

میں اس دن کو کوستا ہوں جب میری آنٹی مغفورا سے ملاقات ہوئی تھی۔ نہ میری ان سے ملاقات ہوتی اور نہ میں بے راہ روی کی طرف نکلتا۔ میں امانت میں خیانت کا مرتکب ہوا تھا اور اس کی مجھے یہ سزا ملی تھی کہ ازدواجی تعلقات قائم رکھنے کو ادویات کا سہارا لوں۔ میں نے آنٹی مہوش کے کلب سے ناتہ توڑتے ہوئے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرلی ہے کہ اب کبھی اس بے راہ روی کی طرف نہ جاؤں گا' خود کو شبانہ تک محدود رکھوں گا۔

ایک دن میں اپنے دوستوں میں بیٹھا گپ شپ میں مصروف تھا۔ آج صبح آفس جاتے ہوئے شبانہ نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں جب گھر پہنچا' رات کے گیارہ بج چکے ہوتے کیونکہ آفس سے آج میں لیٹ نکلا تھا اور پھر دوستوں میں جا کر بیٹھ گیا۔ مجھے صبح آفس جلدی پہنچنا تھا۔ آفس میں ہمارے ڈائریکٹر صاحب نے آفس صبح جلدی پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ ایک ضروری فائل تیار کر کے انہیں ہیڈ آفس لے جانا تھی۔ میں نے وہ خاص گولی وہیں دوستوں میں بیٹھے کھالی تھی تاکہ میرا وقت ضائع نہ ہو۔

میں جب گھر پہنچا' شبانہ گھر پر نہیں تھی۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ امی جان سے پوچھوں کہ شبانہ کہاں ہے' شبانہ کی کال میرے موبائل پر آگئی۔

''عدنان' امی جان کی طبیعت خراب ہوگئی ہے اور میں اسپتال آگئی ہوں ان کے پاس۔ جیسے ہی ان کی طبیعت بہتر ہوتی ہے' میں گھر آجاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے' اگر امی کی زیادہ طبیعت خراب ہے تو میں بھی اسپتال آجاؤں؟'' میں نے ساس کی طبیعت خراب ہونے کا سن کر کہا۔

''ایسی زیادہ خراب حالت نہیں ہے' انہیں کچھ دیر بعد ابو اسپتال سے گھر لے جائیں گے۔'' شبانہ نے کہا۔

اپنی ساس کی طبیعت خراب ہونے کا سن کر مجھ سے رہا نہ گیا اور اسپتال پہنچ گیا۔ ساس کی حالت زیادہ خراب تھی۔ مجھے نہیں لگ رہا تھا کہ ان کو آج اسپتال سے چھٹی مل جائے۔ میں شبانہ کو وہیں چھوڑ کر گھر چلا آیا۔

میں بہت تھکا ہوا تھا' بیڈ پر لیٹتے ہی مجھے نیند آگئی۔ جب آنکھ کھلی' میں اسپتال میں تھا۔ ہوش میں آنے پر مجھے پتہ چلا کہ میں تین دن بے ہوش پڑا رہا ہوں۔ ڈاکٹر مجھ سے مایوس ہو چکے تھے اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ مجھے ایک دن اور ہوش نہ آنے پر میری زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ سب گھر والے بہت فکرمند تھے اور میری زندگی کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ یہ ان کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ میں ہوش میں آگیا تھا۔ میرے ہوش میں آنے پر سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ شبانہ کی آنکھوں میں خوشی کے مارے آنسو آگئے تھے۔

شبانہ نے مجھے بتایا کہ وہ جب گھر لوٹی' میں سو چکا تھا اس لیے اس نے مجھے اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ صبح ہونے پر بھی میں جب بیدار نہ ہوا' اسے فکر ہوئی۔ مجھے جھنجوڑا' میں ہوش میں کہاں تھا جو اٹھتا۔ سب گھر والے میرے گرد جمع ہوگئے اور مجھے فوری طور پر اسپتال لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے مجھے بچانے کو سر توڑ کوشش کی اور بالآخر وہ مجھے ہوش میں لے آئے۔

میری طبیعت بہتر ہو جانے پر میں گھر آگیا۔ سب

Digitized by Google

لوگ حیران تھے کہ مجھے اچانک یہ کیا ہو گیا تھا۔ کوئی بھی یہ بات نہ جان سکا۔ مگر میرے علم میں یہ بات تھی' میں اچانک کیوں بیمار ہوا تھا۔ اس گولی خاص کے کھانے پر میری شبانہ سے ملاقات نہ ہو سکی تھی اور اس گولی نے یہ کام دکھایا تھا کہ میں طویل بے ہوشی کی حالت کو پہنچ گیا۔ ویسے سوچ رہا تھا کہ اب بہتر ہوں مگر میری یہ بھول تھی۔ جب میرے علم میں یہ بات آئی' میں کانپ کر رہ گیا۔ میں اپنی خاص طاقت کھو بیٹھا تھا۔ یہ بات مجھ پر ایک بم بن کر پھٹی تھی۔ مجھے اب یہ دُنیا پھیکی پھیکی اور بے رنگ سی لگنے لگی تھی۔ میں یہ بات کس طرح سے شبانہ کو بتاتا کہ میں تمہارے قابل نہیں رہا ہوں۔ مشکل یہ تھی کہ میں یہ بات اس سے زیادہ عرصے چھپا بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک نہ ایک دن یہ بات شبانہ پر ظاہر ہونا تھی۔

میں نے اپنے طور پر اپنا علاج کرانا شروع کر دیا تھا۔ میرے دوست ظہیر احمد کے ایک جاننے والے ہومیو پیتھک ڈاکٹر اخلاق احمد بہت اچھے ڈاکٹر تھے۔ ان کے ہاتھوں ایسے کئی مریض اپنی کھوئی ہوئی توانائی حاصل کر چکے تھے۔ میں بھی ظہیر احمد کے ساتھ ان کے پاس چلا گیا اور خود پر بیتنے والے تمام واقعات بتا دیئے تاکہ وہ میرا اچھی طرح سے مرض کو سمجھ کر علاج کر سکیں۔ وہ میری بات مکمل ہو جانے پر مخاطب ہوئے۔

''عدنان میاں' میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہارا علاج ہو جائے۔ اس طرح کے مریض کے ٹھیک ہونے میں نوّے فیصد چانس ہوتے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس مت ہونا۔ تم امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے جس کی تمہیں یہ سزا ملی ہے۔ جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتے' اپنی بیگم سے یہی کہنا کہ کام کی زیادتی اور ذہنی دباؤ کے سبب تم اس کے پاس جانے کی پوزیشن میں نہیں رہے ہو۔ ڈاکٹر سے علاج ہو رہا ہے' جیسے ہی علاج مکمل ہو گا' تم پہلے جیسی حالت میں آ جاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب' جیسا آپ کہیں گے میں ایسا ہی کروں گا۔'' میں نے کہا۔

ڈاکٹر محمد اخلاق احمد سے میرا دو ماہ علاج چلا اور میں بہتر پوزیشن میں آ گیا تھا۔ ڈاکٹر اخلاق نے میری دوائی مزید ایک ماہ دے کر دوائی دینا بند کر دی اور جب دوائی دینا بند کی' وہ بولے۔

''عدنان میاں' میں نے تمہارا علاج کر دیا ہے۔ اپنی اس توانائی کو بچا کر رکھنا اور سوچ سمجھ کر استعمال کرنا کیونکہ دوائیاں بھی ایک حد تک کام کرتی ہیں اور پھر وہ مدت ختم ہو جانے پر دوائیاں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ غلط قسم کی بازاری دوائیاں نہیں کھانی چاہئیں۔ ڈاکٹر کے مشورے سے ادویات کا استعمال کرنا چاہیے۔ اس بار تم ہوش میں آ گئے تھے مگر آئندہ تمہارے ہوش میں آنے کے چانس بہت کم ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب' میں ایسا ہی کروں گا اور غلط ذرائع استعمال کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''اور ہاں' اپنی بیوی سے اپنی ماضی کی کوتاہیوں کا ذکر مت کرنا ورنہ اسے ذہنی طور پر صدمہ پہنچے گا کیونکہ کوئی بھی عورت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر امانت میں خیانت کا مرتکب ہو' اسے صاف صاف کہہ دینا کہ میں جیسا بھی ہوں' تمہارا ہوں اور تمہارا ہی رہوں گا۔ میں جیسا بھی ہوں' تمہیں مجھے اس حالت میں قبول کرنا ہو گا۔'' ڈاکٹر اخلاق نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی شبانہ سے کہوں گا۔'' میں نے کہا۔

جب میں نے ڈاکٹر صاحب کی بات شبانہ کے سامنے دہرائی' وہ مسکرائی۔

''میں خدا کا جتنا بھی شکر ادا کروں' وہ کم ہے کہ اس نے تمہیں نئی زندگی دی اور اس بیماری کے سبب اگر تم میں کچھ نقص بھی ہوا' وہ میں اسے قبول کر لوں گی۔ تم میرے بن کر رہنا' میں ہر پریشانی و غم ہنس ہنس کر سہہ لوں گی۔'' یہ کہتے ہوئے شبانہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے تھے۔

میں نے بے اختیار شبانہ کو اپنی بانہوں میں سمو لیا۔

انتقام

مہتاب خان

جاگیردار معاشرے میں تمام مقدس رشتے آنا پائی کے ترازو میں تولے جاتے ہیں صرف انہی رشتوں کی اہمیت ہوتی ہے جن سے خاندانوں کو منافع ہو ایسے میں خون کے رشتے اپنی موت آپ مرجاتے ہیں۔

اسی معاشرے میں جنم لینے والی ایک دلدوز کہانی، ایک جدی پشتی جاگیردار کا فسانہ، وقت نے اسے انتقام کا نشانہ بنادیا تھا

چوہدری افضل اپنے چھوٹے بھائی چوہدری انور اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ڈیرے پر بیٹھا تھا جب نذیرا اس کتے کو لے کر اس کے قریب آیا تھا اسی وقت ایک بوڑھا شخص جو پھٹے پرانے لباس میں تھا ہاتھ جوڑے چوہدری افضل کے قریب آیا تھا۔

''تو تو پیچھے مر۔'' اس نے غصے سے اسے دیکھا تھا۔

''ہاں تو بتا وہ اس کا کیا مانگ رہے ہیں؟''

''دو لاکھ تو وہ مانگ رہا ہے چوہدری صاحب مگر میرا خیال ہے ڈیڑھ میں سودا ہو جائے گا۔'' نذیرے نے کہا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

''سن نذیرے اس کی تیاری تیری ذمہ داری ہوگی اس سال ہماری ہار نہیں ہونی چاہیے۔''

''خوراک آپ کی محنت میری پھر کیسے ہارے گا..... اصلی نسلی کتا ہے چوہدری صاحب۔'' نذیرے نے عاجزی سے کہا تھا۔

''کیا خیال ہے نکے؟'' اس نے چھوٹے بھائی انور کی طرف دیکھا۔

''لگتا تو ٹھیک ہے بھائی میرا خیال ہے یہ آپ کو پسند آگیا ہے ایسا کر نذیرے اگر وہ ڈیڑھ میں نہ مانے تو کچھ اوپر دے دینا مگر سودا آج ہی کر لینا۔'' نذیرے نے سر ہلایا بوڑھا جو قریب ہی کھڑا تھا دوبارہ چوہدری افضل کے قریب آیا۔

''اس کا کیا مسئلہ ہے؟'' افضل نے کڑے تیوروں سے ایک ملازم سے پوچھا۔

''اس کی بیٹی بیمار ہے سرکار کچھ پیسے لینے آیا ہے۔'' ملازم نے کہا۔

''منشی بابا جان کے ساتھ شہر گیا ہوا ہے بغیر کھاتے میں اندراج کیے کیسے دے دیں اسے پیسے۔''

''چل بھئی پیچھے ہٹ آج تجھے پیسے نہیں مل سکتے سنا نہیں منشی شہر گیا ہوا ہے۔'' ملازم نے بوڑھے کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹا اور پیچھے دھکیل دیا۔

''نکے ایک تو یہ کمی ہمیں ساں ہیں لینے دیتے جہاں بھی دیکھو منہ اٹھائے اور جھولی پھیلائے چلے آتے ہیں۔'' افضل نے ناگواری سے کہا۔

''آپ کے مزارعے ہیں چوہدری صاحب آپ کے پاس نہ آئیں تو اور کہاں جائیں؟'' بوڑھا رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

''جا جا یہاں سے جان چھوڑ ہماری جگو لے کر جا اسے۔'' انور نے ایک ملازم کو اشارہ کیا۔

جگو اس کے قریب گیا اور کہا۔

''سنا نہیں چوہدری صاحب کیا کہہ رہے ہیں کملے بڑے لوگوں کے بڑے خرچے ہوتے ہیں منشی آجائے گا تو مل جائیں گے پیسے آمیرے ساتھ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ لے گیا۔

Digitized by Google

افضل جو کتے کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کے قریب ہی زمین پر بیٹھ گیا اور کہا۔

''دیکھ نذیرے اس کی تیاری بہت اچھی ہونی چاہیے سمجھ گیا نہ تو۔''

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر چوہدری صاحب۔'' نذیر نے کہا۔

''چل اب لے جا اسے۔'' نذیرے نے زنجیر کھینچی اور اسے لے کر چلا گیا افضل دور تک اسے جاتے دیکھتا رہا۔

دو تین دن گزرے تھے جب بڑے چوہدری صاحب اس سہ پہر حویلی پہنچے تھے، ڈرائیور نے اس کی شاندار گاڑی کا دروازہ کھولا تھا تقریباً ساٹھ سالہ چوہدری غفور نے جو سفید براق شلوار قمیض اور بڑی سی پگڑی باندھے جس کا شملہ بہت اونچا تھا، زمیں پر اس طرح قدم رکھے تھے کہ ان کا کروفر ہی نرالا تھا پچاس سالہ دبلا پتلا لیکن پھرتیلا منشی بھی لپک کر پچھلی سیٹ سے اُترا تھا اور ان کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''زمین کے کاغذات والا بیگ سنبھال لیا منشی؟'' چوہدری غفور نے کہا۔

''جی چوہدری صاحب یہ رہا بیگ۔'' اس نے ہاتھ میں تھاما بریف کیس انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔

وہ جیسے ہی مہمان خانے میں داخل ہوئے دونوں بیٹے لپک کر ان کے قریب آ گئے۔

''السلام وعلیکم بابا جان۔'' افضل ان سے بغل گیر ہوتا ہوا بولا۔

''وعلیکم السلام سب خیریت ہے نا؟'' چوہدری غفور ان دونوں سے مل کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''یہاں سب خیریت ہے ہم تو آپ کی طرف سے فکر مند تھے ایک ہفتہ ہو گیا آپ کو شہر گئے کچھ خیر خبر ہی نہیں تھی۔'' افضل نے کہا۔

''دو دن سے آپ کا فون بھی نہیں لگ رہا تھا۔'' انور نے کہا۔

''تم دونوں کے لیے ہی تو شہر گیا تھا کچہری کے معاملات آسان نہیں ہوتے میں نے تمام جاگیر اور زمینیں تقسیم کر دی ہیں۔'' پھر کچھ دیر ٹھہر کر انہوں نے کہا تھا تم لوگ اپنی مرضی سے اپنی بہن کا حصہ اسے دے دیتے تو اچھا تھا۔''

''بابا جان یہ ہماری روایت کے خلاف ہے عورتوں کو جائیداد میں سے حصہ نہیں دیا جاتا پھر آپ نے بھی تو.....''

''بس.....گڑے مردے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ وہی بوڑھا اندر داخل ہوا اور چوہدری غفور کی سمت بڑھا۔

''او.....تو پھر آ گیا ساں تو لینے دے بابا جان کو جگو شیرا کہاں مر گئے سارے نکالو اسے یہاں سے کس نے اسے اندر آنے دیا؟'' افضل پھرتی سے اٹھ کر بوڑھے کے قریب گیا تھا۔

''میری بات تو سنو چوہدری مجھے بڑے چوہدری صاحب سے بات کرنے دو۔'' وہ گھگھیاتا ہوا بولا۔

Digitized by Google

''سنتے ہیں ابھی سنتے ہیں کہہ دیا نہ کچھ کرتے ہیں ادھر بیٹھو جا کر۔'' اس نے دیوار کی سمت اشارہ کیا بوڑھا مایوسی سے سر جھکائے دیوار کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''چٹ ہی جاتے ہیں جان کو۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا باپ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ اسی وقت اچانک حویلی کے اندر سے چیخنے چلانے کی بلند آوازیں آنے لگیں۔

''اللہ خیر کرے۔'' چوہدری غفور مضطرب انداز میں کھڑے ہو گئے وہاں موجود سب افراد ہکا بکا تھے حویلی کے اندر سے ایک ملازمہ دوڑتی ہوئی وہاں آئی تھی اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی الفاظ صحیح طور سے اس کے منہ سے نہیں نکلتے تھے وہ پورے وجود سے کانپ رہی تھی۔

''بڑے چوہدری صاحب وہاں حویلی میں میراں بی بی۔''

''کیا ہوا میراں کو؟'' وہ تیزی سے اندر کی سمت بھاگے ان کے پیچھے افضل اور انور بھی متوحش انداز میں لپکے تھے۔

جوں جوں وہ حویلی کی سمت بڑھ رہے تھے چیخ و پکار اور آہ و بکا کی صدائیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ جیسے ہی صحن میں پہنچے وہاں ایک جانب حویلی کی عورتوں اور ملازمین کا جمگھٹا نظر آیا وہ تیزی سے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کی بیٹی میراں زمین پر پڑی تھی اس طرح کے اس کے اس پاس خون کا ایک چھوٹا سا تالاب سا بن گیا تھا۔

''کیا ہوا میری میراں کو؟'' وہ تیورا کر وہیں گرنے والے تھے کہ افضل نے انہیں سنبھال لیا۔ انور میراں کے قریب بیٹھ گیا اور اسے ہلایا جلایا اس کی نبض چیک کی مگر وہاں زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی میراں مر چکی تھی۔

''میراں گئی بھائی، میراں مر گئی سارے جھگڑے ختم ہو گئے۔'' میراں کی لاش کے پاس بیٹھی ایک ادھیڑ عمر عورت چوہدری غفور کی طرف دیکھ کر چلائی تھی وہ سارا معاملہ سمجھ گیا تھا اس کا دل خوں کے آنسو رو رہا تھا میراں اس کی واحد بیٹی تھی۔

''اس نے چھت سے کود کر جان دے دی سارے جھگڑے مک گئے ہائے میری بچی تو نے یہ کیا کیا؟'' بوڑھی عورت دوبارہ بین کرنے لگی وہ زار و قطار رو رہی تھی دیگر عورتیں بھی آہ و بکا کر رہی تھیں افضل اور انور کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا وہ دونوں سکتے کے عالم میں تھے پھر افضل نے چونک کر بوڑھی عورت سے کہا تھا۔

''ایسی بات نہ کر پھوپھی وہ غلطی سے گری ہوگی۔''

''وہ غلطی سے نہیں گری۔'' چوہدری غفور نے گمبھیر مگر دھیمے لہجے میں آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

ذرا سی دیر میں پوری حویلی آہوں اور سسکیوں میں ڈوب گئی اور آن کی آن میں یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی تھی کہ چوہدری غفور کی بیٹی اور چوہدری افضل اور انور کی اکلوتی بہن حویلی کی چھت سے گر کر مر گئی ہے رات گئے تک اسے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا تھا تدفین کے موقع پر میراں کا شوہر اس کی ساس اور اس کا ڈیڑھ سالہ بیٹا بھی موجود تھا اس کی جواں سال موت پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔

رات کا وہ نجانے کون سا پہر تھا جب چوہدری غفور گاؤں کے اس واحد تھانے میں آیا تھا ایک حوالدار وہاں موجود تھا جو زمین پر چادر بچھائے سو رہا تھا چوہدری جھکا اور اسے جگانے کے لیے اس کا ہاتھ ہلایا۔

''کون..... کون ہے رات کے اس پہر؟'' وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''میں ہوں چوہدری غفور۔''

''اوہ چوہدری صاحب آپ؟'' وہ پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''آیئے آیئے سرکار۔'' اس نے انہیں کرسی پیش کی۔

''بیٹھیے سب خیر تو ہے نا؟''

''تھانیدار کہاں ہے؟'' چوہدری صاحب نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''وہ جی وہ تو اس وقت اپنے کوارٹر میں ہیں میں ابھی ان کو بلواتا ہوں دین محمد..... او دین محمد۔'' اس نے کسی کو آواز دی تھی۔

''آیا جی۔'' دور کہیں سے کسی کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز آئی تھی۔

''پھیتی جا تھانیدار صاحب کو بتا چوہدری غفور آئے ہیں۔'' اس نے بلند آواز سے کہا تھا۔

Digitized by Google

''آپ بیٹھیں نا چوہدری صاحب۔'' حوالدار کی آواز اس کی سماعتوں تک پہنچی ہی نہیں تھی وہ تو دور کہیں اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔

''چوہدری صاحب۔'' اس بار اس نے تیز آواز میں اسے پکارا تو وہ چونکا تھا۔

''آپ بیٹھیں میں تھانیدار صاحب کو خود بلا کر لاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

چوہدری کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح کرسی پر ڈھے سا گیا تھا۔ اس نے اپنا سر سامنے میز سے لگا دیا تھا۔

''چوہدری صاحب آپ؟'' اتنی رات گئے؟ اور آپ نے خود آنے کی زحمت کیوں کی کوئی بندہ بھیج دیا ہوتا میں حاضر ہو جاتا۔'' تھانیدار جو تیزی سے کمرے میں آیا تھا اس کے مقابل کرسی پر بیٹھا کہہ رہا تھا۔ وہ یونہی میز پر سر لگائے بیٹھا رہا۔

''چوہدری صاحب سب خیر تو ہے؟'' اس نے فکر مندی سے کہا تو چوہدری غفور نے سر اٹھا کر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا۔

''سوالات نہ کر ایف آئی آر کاٹ قتل کی۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''ایف آئی آر قتل کی؟ مگر کس کے خلاف اور کس کے قتل کی؟'' تھانیدار حیرانی سے بولا۔

''تو لکھ میں تجھے بتاتا ہوں کہ قاتل کون ہے؟''

''میں سمجھ نہیں پایا چوہدری صاحب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' وہ حیران رہ گیا تھا۔ ''آپ ذرا مجھے تفصیل سے بتائیں۔''

''کاغذ قلم اٹھا۔'' چوہدری صاحب کی آواز اسے کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی تھی اس نے روزنامچہ کھولا۔

''جی فرمائیے۔'' تھانیدار نے کہا۔

''تھانیدار یہ کہانی بیس سال پرانی ہے جب میں دولت اور جوانی کے نشے میں مست تھا۔''

.....☆❀☆.....

چوہدری غفور ان دنوں چوبیس سال کا گھبرو جوان تھا اور اس کی چھوٹی بہن دلشاد اٹھارہ سال کی تھی دولت کی ریل پیل نے اسے لاابالی، بے پروا اور عیاش بنا دیا تھا وہ تمام وقت اپنے آوارہ قسم کے دوستوں کے ساتھ موج مستی میں گزارتا تھا اس دن شام ڈھلے جب وہ حویلی پہنچا تھا تو مہمان خانے میں پڑوسی گاؤں کے ملک دلاور کی ماں کو اپنے والد سے گفتگو کرتے پایا تھا۔

''السلام وعلیکم۔'' کہتا وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''وعلیکم اسلام۔'' اس کے والد اور دلاور کی ماں بیک وقت بولے تھے۔ وہ باپ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ پھر جڑ گیا جو اس کی آمد کی وجہ سے منقطع ہوا تھا۔

''بس چوہدری صاحب ہمیں تو اس گھر سے آپ کی بیٹی چاہیے ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے ایک ہی تو میرا بیٹا ہے دلاور اور اللہ کا دیا ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔''

چوہدری صاحب مسکرائے تھے۔

''میں جانتا ہوں بہن آپ جدی پشتی رئیس ہیں مگر ہم اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ تو رخصت نہیں کریں گے نا جو اس کا حق ہے اسے دیا جائے گا اس کے حصے کی جائیداد اور زمینیں اس کو ملیں گی وہ ہی تو میرے بچے ہیں غفور اور دلشاد ساری جائیداد ان دونوں کی ہی تو ہے۔''

جائیداد کی تقسیم کا سن کر اسے اچنبھا ہوا تھا یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ بہن کی شادی ہو گی تو وہ اپنے ساتھ اپنے حصے کی جائیداد بھی لے جائے گی یہ اسے کسی طرح گوارا نہیں تھا۔

''اچھا آپ یہ بتائیں رشتہ تو پکا ہے نا؟''

''ہاں..... ہاں غفور مٹھائی لے کر آؤ۔'' چوہدری صاحب نے بیٹے کی طرف دیکھا وہ ناگواری کا احساس لیے اٹھ گیا تھا۔

بے حد خوب صورت شادو کا رشتہ گھبرو جوان ملک دلاور سے پکا ہو گیا تھا حویلی میں شادی کے ہنگامے جاری تھے مگر غفور کو ان ہنگاموں سے کوئی سروکار نہیں تھا اسے تو کسی لمحے چین نہ پڑتا تھا اس کی آبائی زمینیں شادو اپنے ساتھ غیر خاندان میں لے جا رہی تھی لیکن وہ سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا چوہدری صاحب زبان دے چکے تھے۔

شادی کے دن قریب آ رہے تھے جب ملک دلاور

نے اپنی کزن کو شادو کے پاس بھیجا تھا۔

''دلاور شادی کے جوڑے اور سامان لینے کل شہر جا رہا ہے اس نے معلوم کرایا ہے کہ تمہاری کوئی خاص پسند ہو تو بتادو۔'' کزن نے اس سے کہا تھا۔

''میں کیا بتاؤں ان سے کہنا اپنی پسند سے لے آئیں۔'' شادو نے شرماتے ہوئے کہا تھا غفور باہر جا رہا تھا جب اس نے انہیں یہ گفتگو کرتے سنا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے میں تمہاری طرف سے اسے بہت سی چیزوں کی فرمائش کردوں گی۔'' اس نے شرارت سے کہا تھا۔

''ہائے اللہ وہ کیا سوچیں گے ایسا نہیں کرنا۔'' اس نے جلدی سے کہا تھا۔

''وہ کچھ نہیں سوچے گا بلکہ خوش ہوگا۔'' کزن نے ہنستے ہوئے کہا تھا پھر کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے وہ چلی گئی تھی۔

ملک دلاور کو آخری بار گاؤں کے اسٹیشن سے ٹرین میں سوار ہوتے دیکھا گیا تھا پھر اس کا کچھ پتا نہیں چلا تھا اسے شہر میں اپنے جس دوست کے پاس ٹھہرنا تھا وہ وہاں بھی نہیں پہنچا تھا شادی کے دونوں گھر ماتم کدہ بن گئے تھے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ کسی لٹیرے نے اسے پیسے کی خاطر مار ڈالا ہے کیونکہ اس کے پاس اچھی خاصی رقم تھی کچھ کا خیال تھا کہ اسے اغوا کیا گیا ہے اور جلد ہی تاوان کا مطالبہ سامنے آئے گا پولیس بھی حرکت میں آگئی تھی اور دونوں طرف کے افراد اور اس کے دوست وغیرہ بھی اسے تلاش کر رہے تھے ان میں غفور اور اس کے دوست بھی شامل تھے مگر وہ تو ایسا غائب ہوا تھا کہ کہیں سراغ نہ ملتا تھا اس کی اور اس کے خاندان کی کسی سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی۔

پولیس نے نامعلوم افراد کے خلاف اغوا کا پرچہ درج کرلیا تھا اسی سلسلے میں وہ تفتیش کر رہی تھی تفتیش کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے انہوں نے غفور اور اس کے دوستوں سے بھی پوچھ گچھ کی تھی جس کا غفور نے بہت برا منایا تھا بہرحال دلاور کا کچھ پتا نہیں چلا تھا کہ اسے آسمان کھا گیا تھا یا زمین نگل گئی تھی شادو کا رو رو کر برا حال تھا اس کی تو دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔

وقت کچھ آگے سرکا تھا کئی سال بیت گئے تھے شادو نے پھر کبھی شادی کے لیے ہامی نہیں بھری تھی اس نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا کچھ عرصہ بعد چوہدری غفور کی بھی دھوم دھام سے شادی ہوگئی تھی اس کے یکے بعد دیگرے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے شادو نے بھائی کے بچوں پر اپنی محبتیں نچھاور کردی تھیں حویلی اور ڈیرے کے تمام انتظامات شادو کے ہاتھ میں تھے۔ اس کے حصے کی زمینیں بھی اس کے پاس تھیں چوہدری غفور پہلے سے بڑھ کر اس کا خیال رکھنے لگا تھا۔

انہی دنوں چوہدری غفور کی بیوی نے ایک بچی کو جنم دیا تھا اور اسی دوران کچھ ایسی پیچیدگی ہوئی تھی کہ وہ جان کی بازی ہار گئی تھی نومولود بچی کو پھوپھی شادو نے سینے سے لگایا تھا پھر اسے ماں بن کر بڑے ناز و نعم سے پالا تھا وقت گزرتا رہا اور میراں بڑی ہوتی گئی وہ اپنی پھوپھی کو ہی اپنی ماں سمجھتی تھی شادو اب بیمار رہنے لگی تھی غفور اس کی صحت کی طرف سے بہت پریشان رہتا تھا ان دنوں بھی وہ بہت بیمار تھی اس کا بخار ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

میراں اس کے سرہانے بیٹھی سر دبا رہی تھی چوہدری غفور بھی قریب ہی بیٹھا تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''شہر چلنے کی تیاری کرو۔'' غفور نے بہن سے کہا تھا۔

''نہیں مجھے شہر نہیں جانا۔'' شادو نے نحیف آواز میں کہا تھا۔

''بس..... بس زیادہ باتیں نہ کرو ہمیں تسلی کرنے دو میراں بیٹا اپنی پھوپھی کو تیار کرو ہم انہیں ابھی شہر کے بڑے اسپتال لے کر جائیں گے۔'' یہ کہتا ہوا وہ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

چوہدری غفور کی دونوں بہوئیں اس بات پر بہت ناراض رہتی تھیں کہ حویلی اور ڈیرے وغیرہ کے تمام انتظامات غفور کی بہن کے ہاتھ میں تھے اسی لیے وہ پھوپھی کو دشمن سمجھتی تھیں بہرحال غفور شادو اور میراں کو لیے شہر کے اس بڑے اور مشہور اسپتال لے کر آیا تھا جہاں شادو کا علاج شروع ہوگیا تھا۔

اس رات ڈاکٹر نے میراں سے کہا تھا۔

Digitized by Google

''ملازم کھانا کھانے گئے ہیں میں لے آئی ہوں اس نے پرچہ ڈاکٹر کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا تھا۔

''تمہیں میراں تم اکیلی نہ جاؤ شیراز آجائے گا تو منگوا لیں گے۔'' پھوپھی نے جلدی سے کہا تھا۔

''میں بس یوں گئی اور یوں آئی پھوپھی دوائیوں کا اسٹور اسپتال کے اندر ہی ہے۔'' وہ بولی تھی۔

''اچھا دھیان سے جانا اور جلدی آنا۔'' پھوپھی نے کہا تھا وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

وہ اسٹور سے دوائیاں خرید رہی تھی جب اس کی نظر اس کے گاؤں کے ایک نوجوان پر پڑی تھی جو اسے ہی حیرت سے دیکھ رہا تھا وہ دوائیاں لے کر تیزی سے مڑی تھی اس کا رخ پھوپھی کے کمرے کی جانب تھا کہ اچانک اسے اپنے پیچھے کسی کی آواز سنائی دی۔

''سنیے۔'' وہ رکی اور پلٹ کر اسے دیکھا وہی نوجوان وہاں کھڑا تھا۔

''آپ میراں بی بی ہیں نا چوہدری صاحب کی بیٹی۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولا تھا اس نے اثبات میں سر ہلایا اور آگے قدم بڑھا دیے وہ تیزی سے اس کے قریب آیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''سب خیر تو ہے کون بیمار ہے؟''

''پھوپھی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''اوہ کون سے وارڈ میں ہیں؟''

''پرائیویٹ ونگ روم نمبر پانچ میں۔''

''میری امی بھی ایڈمٹ ہیں میں کسی وقت آؤں گا انہیں دیکھنے۔'' اس نے کہا تھا اس نے سر اٹھا کر اس خوبرو نوجوان کو دیکھا تھا پھر سر جھکائے آگے بڑھ گئی تھی وہ دور تک اس حسین لڑکی کو دیکھتا رہا تھا جو اس کے دل پر قیامت ڈھا گئی تھی۔

غفور کو کچھ اہم معاملے نمٹانے تھے اسی لیے وہ بہن کے پاس میراں اور دو ملازمین کو چھوڑ کر گاؤں چلا گیا تھا۔

حویلی میں بیٹے اور بہویں خوش گپیوں میں مشغول تھے جب چوہدری غفور وہاں پہنچا تھا۔

''تم لوگ اپنی پھوپھی کے پاس شہر چلے جاؤ وہاں میراں اکیلی ہے۔''

''اکیلی کہاں ہے بابا ملازم ہیں ان کے ساتھ پھر ان کا علاج بھی لمبا ہے ہم سب کام دھندے چھوڑ کر وہاں کیسے رہ سکتے ہیں۔''

''تمہاری بیویاں تو جا سکتی ہیں۔''

''بابا یہاں حویلی اور ڈیرے کا انتظام کون سنبھالے گا۔'' بڑی بہو نے کہا تھا۔

''اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر ہم کیسے جائیں؟'' چھوٹی بہو نے کہا۔ ''انہیں ساتھ لے کر تو نہیں جا سکتے۔''

''ہاں بھئی سب کو اپنے بچے پیارے ہوتے ہیں۔'' سب نے اپنی مجبوریاں بیان کر دی تھیں وہ دکھے دل سے وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

شادو کو اسپتال میں ایڈمٹ ہوئے دو ہفتے ہو گئے تھے شیراز اور اس کی ماں نے ان دونوں کا بڑا خیال رکھا تھا اور ان کے بہت کام آئے تھے چوہدری غفور نے بھی اطمینان کی سانس لی تھی میراں پھوپھی کے پاؤں دبا رہی تھی۔

''سدا خوش رہو اللہ نصیب اچھے کرے۔'' پھوپھی نے اسے دعا دی تھی اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی میراں نے جا کر دروازہ کھولا سامنے شیراز اور اس کی ماں کھڑے تھے وہ دونوں اندر آئے تھے۔

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' شیراز کی ماں

نکاح

اسلام نکاح سے پہلے عشق کی اجازت اس لیے نہیں دیتا کہ انسان اپنی ساری محبتیں اس کے لیے بچا کر رکھے جو ان کا اصل حق دار ہے۔

شادی سے پہلے کی محبت گویا اس طرح کی ہے جیسے ''افطاری سے پہلے کوئی روزہ افطار کر لے۔ افطار کا مزہ بھی نہ رہا گناہ کا مستحق بھی ہوا' کفارے کا خرچ بھی اور سزا کا دھڑکا بھی رہا۔''

عائشہ سلیم ..... فیصل آباد

Digitized by Google

نے شادو سے پوچھا تھا۔

''شکر ہے اللہ کا کافی بہتر ہے۔'' انہوں نے کہا تھا۔ میراں اور شیراز کچھ فاصلے پر بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے جبکہ دونوں خواتین نہ جانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں شیراز کی ماں نے میراں کے لیے اپنی پسندیدگی ظاہر کی تھی یہ سن کر شادو سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اس نے فی الحال یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ وہ بھائی سے بات کرے گی۔ شیراز کا گھرانہ گاؤں کا ایک معزز گھرانہ تھا کھاتے پیتے کاروباری لوگ تھے مگر چوہدری صاحب کی ٹکر کے نہیں تھے۔

شادو صحت مند ہو کر حویلی آ گئی تھی اور بھائی کے کان میں اس رشتے کی بات ڈال دی تھی کچھ عرصہ گزرا تھا جب شیراز کی ماں حویلی آئی تھیں شادو اور چوہدری غفور نے ان کا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا تھا۔

''آپ کے بیٹے نے جو خدمت میری بہن کی ہے وہ میں نہیں بھول سکتا۔''

''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اس نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا ہے ہم اس تعلق کو رشتے میں بدلنے کے لیے آپ کے در پر آئے ہیں میرا مطلب ہے شیراز کو اپنا بیٹا بنا لیں۔'' انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا تو چوہدری غفور نے سنبھل کر کہا تھا۔

''میں اپنے بیٹوں سے مشورہ کروں گا اگر وہ راضی ہوئے تو مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''شیراز بڑا نیک بچہ ہے۔'' شادو نے انہیں چائے پیش کرتے ہوئے کہا تھا پھر کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے وہ بولیں تھیں۔

''ہم آپ کی ہاں کا انتظار کریں گے اب ہمیں اجازت دیجیے یہ کہہ کر وہ اٹھ گئیں۔

''نہ بابا جان نہ..... نہ وہ لوگ ہماری ذات کے ہیں نہ ہمارے برابر کے ہم اپنی بہن کی شادی اس سے نہیں ہونے دیں گے ہم تو کتا بھی نسل دیکھ کر خریدتے ہیں اور مجھے تو یہ لوگ لالچی معلوم ہوتے ہیں۔'' اس نے اپنے بیٹوں سے مشورہ کیا تھا تو چوہدری افضل نے جواب دیا تھا۔

''شیراز بہت شریف اور نیک لڑکا ہے اور وہ گھرانہ اتنا گیا گزرا بھی نہیں انہیں دولت کا کوئی لالچ نہیں ہے۔'' چوہدری غفور نے کہا تھا۔

''بابا جان آپ بہت سادہ ہیں یہ دیکھیں کہ علاج کے لیے داخل چند دنوں میں وہ اتنا متاثر ہوئے کہ رشتے کے لیے گھر پہنچ گئے ان کی نظر ہماری زمینوں پر ہے۔''

''او بدنصیبو اتنی بڑی جائیداد میں سے کچھ تمہاری بہن لے جائے گی تو کیا قیامت آ جائے گی۔'' وہ صدمے سے بولا تھا۔

''بابا جان اگر جائیداد اسی طرح تقسیم کرتے رہے تو تیسری پیڑھی تک ایک کنال بھی نہیں بچے گی۔'' چھوٹا بیٹا بولا تھا۔

''کیوں لڑ رہے ہو تم لوگ؟'' پھوپھی شادو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔ ''کس بات کا جھگڑا ہے؟''

''زمین اور جائیداد ہی ان کے لیے سب کچھ ہے بہن سے انہیں کوئی محبت نہیں۔'' چوہدری غفور غصے سے بولا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں بھائی مجھے معلوم ہے وہ لوگ لالچی نہیں ہیں اور نہ ہی میراں کو زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا چاہیے جس پر نفرت کی فصل اگتی ہو میں تم لوگوں کو ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں جائیداد کو مسئلہ نہ بناؤ بس اس شادی پر سب راضی ہو جاؤ میراں کی شادی نہ روکو۔''

''پھر تو جھگڑا ہی ٹک گیا پھوپھی۔'' افضل خوش ہوتا ہوا بولا۔

''شادی کی تیاری کریں بابا۔''

میراں بہت خوش تھی شادی کے بعد ایک سال تو بہت ہنسی خوشی گزرا تھا وہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی تھی پھر نہ جانے کیا ہوا کہ شیراز کے کاروبار پر زوال آ گیا تھا اسے سنبھالا دینے کے لیے سرمائے کی ضرورت تھی جو اس کے پاس نہیں تھا وہ ان دنوں بہت پریشان تھا۔

''کاروبار ختم ہو گیا تو ہم تباہ ہو جائیں گے تم کہیں سے رقم کا انتظام کرو۔'' شیراز کی ماں نے کہا تھا۔

''کہاں سے انتظام کروں میرے پاس کوئی الہ دین کا چراغ نہیں ہے۔'' شیراز نے جھنجلا کر کہا تھا۔

''اپنی عقل استعمال کرو اگر بہو چاہے تو یہ مسئلہ منٹوں

Digitized by Google

میں حل ہوسکتا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' میراں اور شیراز بیک وقت بولے تھے۔

''وہ ایسے کہ بہو اپنے باپ اور بھائیوں کے پاس جا کر زمینوں میں سے اپنا حصہ لے آئے اس کی قیمت اتنی تو ہوگی کہ تم اپنے کاروبار کو سنبھالا دے سکو گے۔''

''ہاں بھائی جان یہ ہوسکتا ہے۔'' شیراز کی بہن نے کہا تھا۔

''نہیں یہ میں نہیں کرسکتی۔'' میراں نے کہا تھا۔

''کیوں نہیں کرسکتیں بھابی۔'' نند نے تیزی سے کہا ''آپ کے حصے کی جائیداد آپ کے بھائیوں کے قبضے میں ہے اور آپ آرام سے بیٹھی ہیں یہ موقع ایسا ہے کہ آپ کو اپنے شوہر اور بیٹے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''میں آپ لوگوں کو کیا بتاؤں۔'' میراں نے بے چارگی سے کہا تھا۔

''ہاں..... ہاں بتاؤ نہ کیا مجبوری ہے۔'' اس کی ساس نے کہا۔

''شادی کے موقع پر بھائیوں نے یہ بتا دیا تھا کہ وہ میرا حصہ مجھے نہیں دیں گے اسی شرط پر وہ راضی ہوئے تھے۔''

''ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے وہ تمہیں تمہارے حق سے محروم نہیں کرسکتے دیکھو میراں انسان کو اپنا حق کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہیے تم ابھی وہاں جاؤ اور اپنے حصے کا مطالبہ کرو یہ میرا حکم ہے۔'' اس کے محبوب شوہر کی نظریں بدلی ہوئی تھیں وہ حیرت سے اسے تک رہی تھی وہ جانتی تھی کہ بھائی اس کی بات کبھی نہیں مانیں گے بہرحال وہ حویلی آگئی تھی اور جب اس نے اپنے سسرال والوں کا مطالبہ اپنے باپ سے بیان کیا تھا تو وہ اپنے بیٹوں کے پاس آیا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں وہ لوگ ایسا سبق دوں گا کہ ساری زندگی یاد رکھیں گے۔'' چوہدری افضل یہ سب سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

''ہم نے انہیں اپنی بیٹی دی ہے اور بیٹی کا سسرال کے سسرال کے سامنے جھکنا نہیں چاہیے۔'' چوہدری غفور نے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''ہم اپنا سر ان کے سامنے نہیں جھکائیں گے اور اپنی زمین کا ایک ٹکڑا بھی انہیں نہیں دیں گے میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ لالچی لوگ ہیں۔''

''افضل جائیداد کی خاطر اپنی بہن کا گھر مت اجاڑو تھوڑی سی زمین اس کے حصے کی چلی جائے گی تو کوئی قیامت نہیں آئے گی۔'' چوہدری غفور غصے سے بولے تھے۔

''میرا منہ نہ کھلوانا بابا آپ نے بھی تو اپنی بہن کے ساتھ انصاف نہیں کیا بے چاری آج تک کنواری بیٹھی ہے اس کے حصے کی جائیداد آپ ہڑپ کر چکے کبھی آپ کا دل تو نہیں پسیجا اس کے لیے۔'' چوہدری غفور یہ سنتے ہی غصے سے کانپنے لگا۔

''میں تم سب کو عاق کردوں گا اور اپنی بیٹی کا حق اسے ضرور دوں گا۔'' چوہدری غفور چلایا تھا۔

''کسی بھول میں نہ رہنا بابا اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم عدالت میں جائیں گے۔''

''بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں بابا جان۔'' انور نے کہا تھا۔

''چل نکے۔'' افضل نے کہا اور وہاں سے چلا گیا غفور جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا تھا۔

''نہیں..... نہیں میں اتنی آسانی سے ہار نہیں مانوں گا۔'' وہ بڑبڑایا تھا۔

''ہار تو ہو چکی بھائی۔'' اس کی بہن شاد و نہ جانے کب وہاں آئی تھی۔ ''آپ کے ماننے یا نا ماننے سے کیا ہوگا۔''

''نہیں..... نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔'' غفور کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''وقت بڑا ظالم ہوتا ہے بھائی سب کو سبق پڑھاتا ہے..... کسی کا سر بلند نہیں رہنے دیتا۔''

''میں اتنا کمزور نہیں ہوا کہ میرے بیٹے میرے مقابلے کے لیے کھڑے ہوجائیں۔''

''کمزور..... کمزور تو میں تھی بھائی ہمارے باپ تھے..... ہمیں سب پتا تھا۔''

''کک..... کیا پتا تھا؟'' وہ اچنبھے سے بولا۔

Digitized by Google

تھا۔"

غفور کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

"کیا تمہیں مجھ پر شک تھا۔"

"مجھے تو کیا بابا کو بھی شک نہیں پورا یقین تھا مگر نہ وہ اپنا بیٹا کھونا چاہتے تھے اور نہ میں اپنا بھائی ہم تو خاموش رہے مگر اللہ تو ظالم کو نہیں چھوڑتا نا۔"

"اللہ نے انتقام لینا ہے تو مجھ سے لے، شادو میری بیٹی تو معصوم ہے نہیں نہیں میں اس کے ساتھ نہ انصافی نہیں ہونے دوں گا۔" یہ کہتا ہوا وہ تیزی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔

میراں کے سسرال والوں نے اس کا جینا مشکل کر دیا تھا اور اس سے اس کا بیٹا بھی چھین لیا تھا۔ وہ حویلی میں اپنے باپ بھائیوں کے در پر آ پڑی تھی۔ اس کے شوہر نے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ اپنی جائیداد لے کر نہیں آئے گی اس کے دروازے اس پر بند رہیں گے۔ ادھر حویلی میں بھی اس کے لیے حالات سازگار نہیں تھے۔ دونوں بھابیاں اس سے خار کھاتی تھیں اور اسے باتیں سناتی تھیں اس پر بچے کی جدائی اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی، شوہر کی دھمکیاں الگ تھیں، ایک پھوپھی کا دم غنیمت تھا جو اسے دلاسے دیتی رہتی تھیں۔

ان دنوں بابا شہر گئے ہوئے تھے بھائیوں اور بھابیوں نے اس کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ وہ ساری ساری رات روتی رہتی تھی۔ کب صبح ہوتی کب شام اسے پتا نہیں چلتا تھا اور اس دن افضل نے اسے سخت سست سنائی تھیں، حالات نے اسے اتنا دل برداشتہ کر دیا تھا کہ اسے صرف موت میں ہی پناہ نظر آئی تھی اور اس نے حویلی کی چھت سے کود کر جان دے دی تھی۔ جوان بیٹی کی موت نے چوہدری غفور کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"تجھے بہت جلدی تھی میراں میرا انتظار تو کیا ہوتا یہ دیکھ میں تیری زمین لے آیا ہوں۔" اس نے کاغذات اس کی لاش کے پاس رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اٹھ میراں شادو یہ اٹھتی کیوں نہیں جرم میں نے کیا اور سزا ملی میری بیٹی کو یا اللہ یہ کیسا انصاف کیا ہے تو نے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

"دلاور کو میں نے قتل کرایا تھا اس کا قتل میرے حکم پر ہوا تھا میں قاتل ہوں انسپکٹر مجھے گرفتار کرو۔" غفور پولیس اسٹیشن میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"چوہدری صاحب آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی آپ کی بیٹی کی چھت سے گرنے کی اطلاع ہمیں ملی تھی اور آپ برسوں پرانا قصہ سنا رہے ہیں۔" اسی وقت غفور کے دونوں بیٹے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تھانے پہنچے تھے۔

"بابا جان آپ یہاں پہنچے ہوئے ہیں اور ہم آپ کو پورے گاؤں میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں چلیں گھر چلیں۔" چوہدری افضل تیزی سے ان کے قریب آیا تھا اور انہیں تھام کر اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

"چھوڑ مجھے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

"انسپکٹر تو ایف آئی آر لکھ پرچہ درج کر میرا اقبالی بیان لکھ میں قاتل ہوں۔"

"ارے انسپکٹر صاحب بیٹی کی اچانک موت کے صدمے سے بابا کا دماغی توازن....." انور نے اپنی کنپٹی پر انگلی گھمائی۔ انسپکٹر اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔

"آپ لوگ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔" انسپکٹر نے کہا۔

دونوں بیٹوں نے انہیں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور زبردستی کھینچتے ہوئے باہر کی سمت چلے اس طرح کے وہ گھسیٹتا ہوا ان کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔

"میں قاتل ہوں میں قاتل ہوں۔" اور انسپکٹر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ بیٹی کے صدمے سے بوڑھے باپ کا دماغ الٹ گیا ہے۔

Digitized by Google

فن پارے

دیس بدیس نئے اور پرانے لکھاریوں کی
رنگارنگ تحریریں جو آپ کے دل کو چھو لیں گے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

کچی عمر کی پکی محبت	سیدہ عروج فاطمہ
اندھی سوچ	سلمان اسلم
شام محبت	ابن عبداللہ
موراکئی	گل ارباب
کایا پلٹ	عائشہ بٹ

Digitized by Google

یوں لگ رہا تھا کہ جیسے خاموش سی زندگی میں خوشیوں کے رنگ بھر گئے ہیں کچی عمر میں یہ احساس ہی کب ہوتا ہے کہ کون سی راہ صحیح منزل تک لے جائے گی۔ محبت کا خمار سر چڑھ کر بولتا ہے لیکن ابھی یہ سب یکطرفہ تھا وہ بے خبر جانتا ہی نہیں تھا کہ اس کی موجودگی کسی کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔

دو سو سے زائد لوگ آن لائن تھے مگر وہ خاص نام پچھلے چار گھنٹوں سے آف لائن شو ہو رہا تھا۔

''بیٹی کیا بات ہے آج رزلٹ آرہا ہے کیا؟ تمہارے چہرے کا رنگ اتنا پھیکا سا لگ رہا ہے کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ؟'' نورین بیگم اپنی بیٹی عیرہ کو مضطرب سا دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں امی جان اور رزلٹ آنے میں ابھی دیر ہے بس سر میں درد ہے کچھ دیر آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' عیرہ نے خود سے ہی بات بنا دی تھی اور اپنے کمرے میں آتے ہی پھر سے انتظار کی اذیت سہہ رہی تھی۔

''یہ میں کیا کر بیٹھی ہوں خود کو تکلیف پہنچا رہی ہوں لیکن اس کیفیت سے نکلنا بھی نہیں چاہتی ہوں وہ جب سامنے ہوتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے مجھ سے زیادہ خوش نصیب انسان اس پوری دنیا میں کوئی نہیں ہے لیکن جب وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے تو لگتا ہے دل کی دھڑکن تھم جائے گی مجھے اپنا ہونا اچھا نہیں لگتا ہے۔ یہ جو کچھ بھی ہے موت سے زیادہ تکلیف دہ ہے وہ اگر مجھے نہ ملا تو میں کیسے جی پاؤں گی؟'' عیرہ نے خود سے ہمکلامی کی اور تب ہی قسمت مہربان ہوگئی تھی۔ فائق کے نام کے ساتھ سبز نشان اس بات کا ثبوت پیش کر رہا تھا کہ وہ آن لائن ہے۔

''السلام علیکم..... کیسے ہیں آپ؟ اتنے گھنٹوں سے کہاں غائب تھے؟ آپ ٹھیک ہیں؟'' فائق کے ان باکس میں ایک سے زائد سوالات بھیجنے کے بعد عیرہ اب اپنی نادانی پر مسکرا رہی تھی۔

''وعلیکم السلام..... وہ دراصل آج سے اکیڈمی کھل گئی ہے۔ میں نے شاید آپ کو بتایا نہیں کہ میں یونیورسٹی سے سیدھا اکیڈمی جاتا ہوں وہاں بی ایس سی کے اسٹوڈنٹس میرا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔'' فائق نے حقیقت بیان کر دی تھی۔

''آپ تو بہت محنتی ہیں پڑھنے کے ساتھ پڑھا بھی رہے ہیں بہت تھک جاتے ہوں گے نا؟'' عیرہ نے نیا میسج ٹائپ کر کے بھیج دیا تھا۔

''نہیں زندگی کی ٹھوکروں نے مجھے وقت سے پہلے ہی بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ مجھ سے چھوٹی میری دو بہنیں ہیں اور وہ میری ذمہ داری ہیں۔ والد صاحب کا بہت عرصہ قبل انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ اکثر بیمار رہتی ہیں دو دکانوں کا کرایہ آتا ہے۔ ابھی میں نے بہت سے ادھورے کام مکمل کرنے ہیں۔'' فائق نے آج پہلی بار اپنے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔

''بہت افسوس ہوا آپ کے والد صاحب کے بارے میں سن کر اللہ درجات بلند کرے آمین۔'' اب کی بار عیرہ بس اتنی بات ہی کر سکی تھی اور پھر لائٹ چلی گئی وائی فائی کے سگنلز نے ساتھ چھوڑ دیا تھا اور عیرہ حسرت سے اپنے سیل فون کو دیکھ رہی تھی۔

.....☆☆.....

''عیرہ بے وفا لڑکی اتنے دنوں سے میرے گھر ہی نہیں آئی ہو تم سیل فون میں ایسی کون سی نئی ایپ آگئی ہے؟ نئی گیم انسٹال کر لی ہے کیا یا کوئی اور بات ہے؟ اتنی مگن ہوگئی ہو اس میں کہ اب ڈور بیل کی بھی آواز نہیں آتی ہے۔''

ثانیہ نے خفگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میری اچھی دوست میں کسی سے بات کر رہی تھی اور یقین کرو مجھے باہر سے کوئی بھی آواز نہیں آئی ورنہ کیا ایسا ممکن ہے کہ میں اپنی بیسٹ فرینڈ کو نظر انداز کروں؟ اچھا یہ دیکھو سیل فون آف کر دیا ہے میں نے اب جب تک تم میرے ساتھ ہو تم سے ہی بات کروں گی۔'' عبیرہ نے اپنا سیل فون ثانیہ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''تمہارے چہرے پر سب صاف لکھا ہوا ہے۔ اچھا اب یہ بات بتاؤ وہ بہت اچھا لگتا ہے نا؟'' ثانیہ نے عبیرہ کو لاجواب کر دیا تھا۔

''ہاں بہت سے بھی بہت زیادہ اچھا لگتا ہے لیکن محبت کے حصے میں جب خدشے اور وہم آجاتے ہیں تو پھر انسان کو اپنا آپ بنجر زمین جیسا لگتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے سب خسارے ہمارے ہی ہوں گے میرا خود پر بھی اختیار نہیں رہا ہے کبھی کبھار تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا ہے اور جب ہاتھ بڑھا کر اسے محسوس کرنا چاہوں تب وہ کہیں نہیں ہوتا ہے کبھی کبھار میرا وجود کرچیوں کی مانند بکھر جاتا ہے اور چاہ کر بھی خود کو سمیٹ نہیں پاتی ہوں۔'' عبیرہ نے اپنے دل کا حال بیان کر دیا تھا اور اگر وہ یہ سب خود سے نہ بھی بتاتی تب بھی ثانیہ کو معلوم ہو جانا تھا۔

''اچھا تو یہ بات ہے اس مشکل سے جلد نکلنے کی کوشش کرو فیس بک پر اکثریت فیک لوگوں کی ہے میں تمہاری دوست کم اور بہن زیادہ ہوں کبھی کوئی غلط مشورہ نہیں دوں گی۔'' ثانیہ کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات عیاں ہو رہے تھے۔

''نہیں ثانیہ وہ ایسا نہیں ہے یہ میری ہی ضد ہے کہ وہ مجھ سے رابطے میں رہے وہ تو تنہا کٹھن حالات کا سامنا کر رہا ہے اکثر کہتا ہے کہ آپ اپنی پڑھائی پر توجہ دیجیے یہ وقت پھر لوٹ کر نہیں آتا ہے۔'' عبیرہ نے فائق کی مکمل حمایت کی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے یار میں نے تو زندگی کے ہر معاملے میں تمہارا ساتھ نبھایا ہے۔ میں تو آنے والے رزلٹ کی پریشانی کم کرنے آئی تھی خیر اب میں چلتی ہوں اور جب دل چاہے مجھے کال کر لینا۔ اپنا خیال رکھا کرو اللہ نے اتنی پیاری صورت بنائی ہے اس پر اداسی نہیں سجتی۔ خوش رہا کرو تم تو اپنی عمر سے بڑی باتیں کرنے لگ گئی ہو۔'' ثانیہ آخر کار جانے سے پہلے عبیرہ کو ہنسانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

.....☆☆.....

عبیرہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی والد ہاشم صاحب کھی مل کے اونر تھے مگر طبیعت میں بڑی عاجزی تھی ثانیہ کا گھر قریب ہی تھا اور وہ دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں اور اب ایف اے کے رزلٹ کا انتظار کر رہی تھیں عبیرہ اس قدر لاڈلی تھی کہ اگر ہلکا سا بخار بھی ہو جاتا تو فیملی ڈاکٹر کو گھر بلوا لیا جاتا تھا۔

آج پہلی بار گھر کی آسائشیں بڑی بیکار لگ رہی تھیں نہ تو اے سی کی ٹھنڈی ہوا اچھی لگ رہی تھی اور نہ کمرے میں لگی ہوئی قیمتی پینٹنگ اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو رہی تھی خود کو لاکھ سمجھانے کے باوجود عبیرہ نے اپنا سیل فون آن کر لیا اور اتفاق سے فائق آن لائن ہی تھا۔

''السلام علیکم..... کیسے ہیں آپ؟ کل یونیورسٹی جا رہے ہیں؟'' عبیرہ نے میسج ٹائپ کر کے بھیج دیا اور اب پریشانی کے عالم میں شدت سے جواب کی منتظر تھی۔

''جی عبیرہ میں تو روز ہی جاتا ہوں کیوں خیریت آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' فائق کی طرف سے عبیرہ کو جواب جلد ہی مل گیا تھا۔

Digitized by Google

''میں کل آرہی ہوں کہاں ملاقات ہوسکتی ہے آپ سے؟ اپنا سیل نمبر بھی دے دیجیے میں نے سنا ہے یونیورسٹی بہت بڑی ہے اگر کوئی کھو جائے تو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا ہے۔'' عبیرہ نے ہر بار کی طرح سیدھی بات کہی تھی۔

''یہ سیل نمبر ہے میرا اور میری بات مانیں تو آپ نہ ہی آئیں تو بہتر ہے۔ اس طرح گھر سے باہر نہ نکلا کریں آج کل کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔'' فائق نے اپنا نمبر دے دیا تھا لیکن نہ ملنے کی تاکید بھی کر دی تھی۔

''بہت شکریہ اور میں کل ضرور آؤں گی۔'' اب کی بار عبیرہ نے مختصر سا میسج بھیج کر آئی ڈی لاگ آوٹ کر دی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ فائق ملنے پر رضامند نہیں ہوگا۔

اگلی صبح عبیرہ پنک کلر کے جارجٹ کے فراک میں اپسرا لگ رہی تھی ریشمی زلفوں کو ہیئر پن سے چہرے تک پہنچنے سے بچانے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی کیونکہ آج فقط دل کا ہی نہیں باہر کا موسم بھی بہت خوشگوار تھا سیاہ بادل بارش کی نوید سنا رہے تھے عبیرہ نے گھر والوں کو یہ بتایا کہ وہ اپنی کالج فرینڈز کے ساتھ شاپنگ کی غرض سے باہر جا رہی ہے کچھ ہی دیر میں ڈرائیور نے عبیرہ کو یونیورسٹی پہنچا دیا تھا۔

یونیورسٹی میں ہر چہرہ اجنبی تھا پل بھر کے لیے تو عبیرہ پریشان ہوگئی تھی آتے جاتے لڑکے عبیرہ کو دیکھ رہے تھے کیونکہ وہ حد سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی گھبراہٹ میں عبیرہ نے جلدی سے فائق کے نمبر پر کال کی۔

''جی عبیرہ تو آخر آپ آ ہی گئی ہیں کافی ضدی ہیں آپ بات نہیں مانی نا میری۔'' فائق ایسے بات کر رہا تھا کہ جیسے وہ عبیرہ کو دیکھ چکا ہے۔

''جی میں تو بچپن سے ہی بہت ضدی ہوں ویسے کہاں ہیں آپ؟'' عبیرہ نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ سوال کیا تھا۔

''مجھے ڈھونڈنے میں آپ کو مشکل پیش آئے گی۔ وہیں رکیں میں آرہا ہوں۔'' فائق نے عبیرہ کو دیکھتے ساتھ ہی پہچان لیا تھا کیونکہ واٹس اپ پر عبیرہ کی تصویر لگی ہوئی تھی۔

چند ہی ثانیوں بعد فائق عبیرہ کے سامنے موجود تھا نیلے رنگ کی جینز کی پینٹ اور سفید رنگ کی شرٹ میں فائق بے حد خوبصورت لگ رہا تھا عبیرہ نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایک لڑکے میں اس قدر حسن دیکھا تھا۔

''یہاں قریب ہی سینٹرل لائبریری ہے وہاں آجائیں یہاں آتے جاتے سب دیکھ رہے ہیں۔'' فائق نے سچائی بیان کی تھی جس کا علم عبیرہ کو بھی پہلے سے ہی تھا اس لیے وہ فائق کے ہمراہ سینٹرل لائبریری میں آگئی تھی۔

''ماشاء اللہ یہاں تو بہت کتابیں ہیں تین منزلہ عمارت میں جہاں دیکھو کتابیں ہی کتابیں نظر آرہی ہیں۔'' عبیرہ نے لائبریری کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''ان شاء اللہ ایک دن آپ بھی یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئیں گی دل لگا کر تعلیم حاصل کیجیے۔'' فائق کسی ہمدرد کی طرح ہمیشہ اچھے مشورے ہی دیتا تھا۔

''یہاں رش نہیں ہے زیادہ کافی پرسکون جگہ ہے۔'' عبیرہ نے اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے بات مکمل کی۔

''جی موسم گرما کی تعطیلات کی وجہ سے ایسا ہے۔'' فائق کے جواب کے بعد اب مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔

''میں نے تیسری منزل بھی دیکھنی ہے۔ میں اونچائی پر جا کر یونیورسٹی دیکھنا چاہتی ہوں۔'' عبیرہ نے بڑی انوکھی سی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

''جی ٹھیک ہے چلیں دکھاتا ہوں آپ کو علاقہ ممنوعہ۔'' فائق نے رضامندی ظاہر کی تھی اور ہاتھ کے اشارے سے سامنے بیٹھے ہوئے لائبریری انچارج کو اوپر جانے کے متعلق آگاہ کر دیا تھا۔

''یہاں کوئی آتا جاتا نہیں ہے کیا اور یہ علاقہ ممنوعہ کسے کہتے ہیں؟'' عبیرہ نے اوپر آتے ساتھ ہی ذہنی کشمکش ختم

Digitized by Google

کرنے کے لیے فائق کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہاہاہا..... عبیرہ آپ بہت ہی معصوم ہیں وہ سامنے کھڑکی ہے وہاں سے یونیورسٹی کی اندرونی جھلک دیکھ لیجیے پھر یہاں سے چلتے ہیں یہاں زیادہ دیر رکنا مناسب نہیں ہے۔'' فائق نے چہرے پر بجی مسکراہٹ کے ساتھ پھر سے ایک پہیلی سنائی جس کا جواب عبیرہ کے لیے ڈھونڈنا ناممکن تھا۔

''واہ یہاں سے تو یونیورسٹی کا نظارہ ہی بدل گیا ہے کچھ زیادہ ہی اونچائی پر آگئے ہیں ہم۔'' عبیرہ کا موڈ بے حد خوشگوار تھا باہر بھی ہلکی ہلکی بارش برسنا شروع ہوگئی تھی۔ لائٹ جانے کی وجہ سے تیسری منزل پر اندھیرا اور گہرا ہو گیا تھا۔

عبیرہ کو بچپن سے ہی اندھیرے سے ڈر لگتا تھا۔

وہ اب فائق کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ فائق نے جیسے ہی اپنے سیل فون کی ٹارچ لائٹ آن کی عبیرہ کو اپنے روبرو کھڑا پایا۔ کاجل سے سجی ہوئی بڑی آنکھوں میں اب خوف کی لہر تھی نظر آرہی تھی۔

''عبیرہ اب آپ کو اپنے گھر چلے جانا چاہیے کہیں بارش تیز ہی نہ ہو جائے۔'' فائق اب وہاں مزید کچھ اور دیر رکنا نہیں چاہ رہا تھا اس لیے فائق عبیرہ کو وہاں سے واپس لے آیا تھا مگر عبیرہ گھر پہنچنے کے بعد بھی خیالوں میں یونیورسٹی ہی میں گھوم پھر رہی تھی۔

''کاش میں فائق کی کلاس فیلو ہوتی روز دیدار تو نصیب ہو جاتا تھا۔'' عبیرہ نے ٹھنڈی آہ بھری دل کی زمین آنسوؤں کے پانی سے سیراب ہو رہی تھی تب ہی سیل فون پر فائق کا نام چمکنے لگا تھا۔

''السلام علیکم..... فائق کیسے ہیں آپ؟ آج آپ نے خود سے بات کرنے میں پہل کی ہے مجھے بیحد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔'' عبیرہ نے بے یقینی کے عالم میں بات کی تھی۔

''وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟ میں نے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں آپ سے کیا آپ فری ہیں؟'' فائق نے سنجیدگی سے سوال پوچھا تھا۔

''جی آپ بات کیجیے میں سن رہی ہوں۔'' عبیرہ کو یقین واثق تھا کہ آج فائق محبت کا اظہار کرے گا۔

''آپ عمر کے نازک دور سے گزر رہی ہیں ہوسکتا ہے جس شخص میں آپ اپنے آنے والے کل کی خوشیاں دیکھ رہی ہیں وہ آپ کے معیار پر پورا نہ اتر سکے عبیرہ یاد رکھیے گا تمام مرد ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں میں چاہتا تو طویل مدت تک ٹائم پاس کر سکتا تھا لیکن میری اپنی بھی بہنیں ہیں میں کسی کی آہ نہیں لے سکتا ہوں میں نہیں چاہتا ہوں آپ کو لوگوں کی نفرت بھری نگاہوں کا سامنا کرنا پڑے میں وہ تمام آسائشیں آپ کو نہیں دے سکوں گا جس کی آپ حقدار ہیں پھر آپ کو مجھ سے ویسی محبت نہیں رہے گی جیسی اب ہے میرے بعد کسی سے اکیلے میں ملاقات مت کیجیے گا۔ آپ بہت اچھی لڑکی ہیں کیا معلوم اگلا انسان مجھ جیسا نہ ملے آپ کو اس معاملے میں آئندہ بہت احتیاط کیجیے گا۔ میرا نام ونشان مٹا دیجیے کیونکہ جب تک میں نظروں کے سامنے رہا آپ کو پیچھے ہٹنے میں دشواری پیش آئے گی۔'' فائق نے ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''فائق کیا آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے؟ صرف ایک بار مجھے یہ بتا دیں میرا یقین کیجیے میں خاموشی سے بہت دور چلی جاؤں گی صرف ایک بار میرے سوال کا جواب دے دیجیے پھر میں کوئی اور سوال نہیں کروں گی گفتگو کا اختتام آپ کے جواب پر ہوگا۔''

عبیرہ نے بڑی مشکل سے الفاظ ادا کیے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے گلے میں کانٹے چبھ رہے ہیں۔

''بہت محبت کرتا ہوں میں آپ سے۔'' فائق کا یہ جملہ سننے کے بعد عبیرہ نے کال منقطع کر دی ڈھیروں آنسو

Digitized by Google

آنکھوں سے بہہ گئے۔ خوش قسمتی اور بدقسمتی دونوں ایک ساتھ مہربان ہوئی تھیں لرزتے ہاتھوں کے ساتھ آئی ڈی لاگ ان کی اور فائق کو اپنی فرینڈ لسٹ سے ہٹا دیا کیونکہ جدائی نبھانے کے لیے روپوش ہونا پڑتا ہے۔ عبیرہ نے اپنے سیل فون سے سم نکال کر توڑ دی آنسوؤں کے سیلاب سے عبیرہ کا چہرہ تر ہو گیا تھا فائق اکیلا نہیں گیا تھا اپنے ساتھ عبیرہ کی نیند اور سکون بھی لے گیا تھا ہجر کا غم دل کو نوچ رہا تھا ہر طرف پھر سے ایک گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

''عبیرہ میری بچی کیا ہوا ہے تمہیں؟ رات میں نیند نہیں آئی ہے کیا؟'' نورین بیگم عبیرہ کی آنکھوں میں رتجگے کا رنگ دیکھ چکی تھیں۔

''امی میرے حق میں دعا کیا کریں شاید میں کبھی خوش نہ رہ سکوں۔'' عبیرہ اپنی والدہ کے گلے لگ کر زار و قطار رو رہی تھی۔

عبیرہ کی سسکیوں نے نورین بیگم کو پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھیں کہ اصل بات کیا ہے۔

''میری پیاری بیٹی رزلٹ کی فکر نہ کرو تم اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤ گی۔'' ماں کی تسلی سے عبیرہ کو بڑی راحت ملی تھی حالانکہ بات تو کوئی اور تھی لیکن ماں باپ کو اذیت سے بچانا چاہتی تھی کیونکہ عبیرہ کے رونے سے والدہ بھی رنجیدہ ہو جاتی تھیں اور جب یہ خبر عبیرہ کے والد کو ملتی تھی تو وہ اپنا کام چھوڑ کر گھر آ جاتے۔

عبیرہ اب یکسر بدل چکی تھی نہ ضد کرتی تھی اور نہ بے مقصد باہر جاتی تھی اب اللہ کی عبادت میں پہلے سے زیادہ سکون ملنے لگا تھا۔

''ہیلو کزن..... کیسی ہو؟'' عبیرہ کو اپنے عقب سے اظفر کی آواز سنائی دی اور اس سے پہلے کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی اظفر عبیرہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور عبیرہ کا ہاتھ تھام کر بے حد نزدیک آ گیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے اظفر چھوڑو مجھے لگتا ہے تمہیں کسی نے بتایا نہیں ہے کہ لڑکیوں کے کمرے میں جانے سے پہلے دروازے پر دستک دینی چاہیے۔''

عبیرہ نے اپنا ہاتھ اظفر کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے غصے سے کہا۔

''یہ کیا تم مڈل کلاس جیسی لڑکیوں جیسا بی ہیو کر رہی ہو ہر وقت کی تنہائی اچھی نہیں ہوتی ہے تم مجھے اپنا دوست بنا لو بہت خوش رکھوں گا اپنی خالہ کے بیٹے کو اتنا حق تو دے ہی سکتی ہو۔'' اظفر نے پھر سے ایسی بات کہی تھی جسے سن کر عبیرہ اپنے غصے کو ضبط کرنے میں ناکام ہو گئی تھی۔

''مسٹر اظفر میں لڑکوں سے تنہائی میں ملاقات نہیں کرتی ہوں دوبارہ میرے کمرے میں میری اجازت کے بغیر قدم مت رکھنا اب آپ جا سکتے ہیں۔'' عبیرہ نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اظفر کو خود سے دور رہنے کی تلقین کی تھی۔ اظفر کے جانے کے بعد فائق کی یاد نے آج پھر ماضی کے دریچے کھول دیے تھے مگر اب وہ محض اک خواب بن گیا تھا۔

''عبیرہ مبارک ہو تم پاس ہو گئی ہو مجھ سے بھی زیادہ نمبر لیے ہیں تم نے اب بی اے میں بھی خوب دل لگا کر پڑھنا پھر آگے ہم دونوں نے مل کر یونیورسٹی بھی تو جانا ہے۔'' ثانیہ نے گھر آ کر اچانک خوشخبری سنا کر عبیرہ کو خوش رہنے کا ایک بہانہ دے دیا تھا ورنہ اب تو یوں لگنے لگا تھا کہ جیسے نصیب میں فقط غم ہی باقی رہ گئے ہیں۔

''عبیرہ تم نے پھر بھی مجھے فائق کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں۔ ایسا بھی کیا ہوا تھا؟'' ثانیہ نے عبیرہ کی آنکھوں میں موجود نمی کو محسوس کر لیا تھا۔

''ہم دونوں دو مختلف منزلوں کے مسافر تھے یہ بات فائق بخوبی جانتا تھا لیکن مجھے یہ بات سمجھنے میں کچھ وقت لگا اور اب میں سوچتی ہوں اگر میری زندگی میں فائق نہ آتا تو شاید اب بھی میں آزاد ماحول میں کھوئی رہتی۔ فائق نے

Digitized by Google

کسی ہمدرد کی طرح مختصر سے وقت میں مجھے جو باتیں سمجھا دی تھیں وہ ساری عمر میرے کام آئیں گی۔'' عبیرہ کی آنکھوں کے چھلکنے والے آنسو محبت کی گواہی دے رہے تھے اور ثانیہ گم سم سی کھڑی یہ منظر بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ عبیرہ میں واقعی بہت سنجیدگی آ گئی تھی۔

آنے والے دو سالوں میں عبیرہ نے دن رات ایک کر کے خوب محنت کی اور بی اے کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔ یونیورسٹی میں پہلا قدم رکھتے ساتھ ہی فائق کا چہرہ نظروں کے سامنے آ گیا۔ عمارت وہ ہی تھی نظارہ بدل چکا تھا۔ درخت اپنی جگہ پر قائم تھے لیکن دل تو جیسے اپنی جگہ سے ہل چکا تھا اک درد کی ٹیس نے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''عبیرہ تم یہاں کھڑی ہوئی ہو اور میں یہاں وہاں تمہیں ہر سو ڈھونڈ رہی تھی ابھی ایک لڑکی نے مجھے بتایا یہاں ایک علاقہ ممنوع بھی ہے۔ سینٹرل لائبریری کی تیسری منزل سنا ہے کافی سالوں سے بند ہے۔ کسی کو بھی اوپر جانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ وہاں کپلز ملاقات کیا کرتے تھے۔ نجانے لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ وہاں جانے کی ہمت کیسے کر لیتی ہیں۔ سنا ہے لائٹ چلی جائے تو گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ صد افسوس لڑکیاں اپنی عزت کی پروا کیے بغیر لڑکوں سے اکیلے میں ایسی جگہوں پر مل لیتی ہیں شکر ہے ہم لڑکیاں ایسی نہیں ہیں۔'' ثانیہ نے بڑے فخر سے کہا تھا جبکہ عبیرہ کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔

فائق نے ایسی جگہ پر بھی عبیرہ کی عزت کا خیال رکھا تھا جو نام ہی سے بدنام تھی فائق جانے سے پہلے بھی کار آمد مشورے دے گیا تھا جس نے زندگی کے ہر موڑ پر عبیرہ کا ساتھ دیا کچی عمر کی پکی محبت وقت گزرنے کے ساتھ اور بھی پختہ ہو گئی تھی۔ فائق نے جدا رہ کر بھی عبیرہ کے دل میں اپنا اونچا مقام بنا لیا تھا۔

.....☆☆.....

URDU TUBE
A NOVEL ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

اندھی سوچ..... سلمان اسلم

ایک لڑکی میک اپ کر کے، گلے میں دوپٹہ لیے، سج سنور کے، اپنی سہیلیوں کے ساتھ پارک میں بیٹھی خوب ہنس ہنس کر باتیں کرنے میں مصروف تھی، باتیں کرتے، ہنستے ہوئے اس کی نظر اچانک ایک لڑکے پر پڑی جو آنکھوں میں تاریک گوگل لگائے اس کو تک رہا تھا۔

لڑکی کی نظر پڑتے ہی وہ لڑکا اپنے دوستوں سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگا، لڑکے کی اس حرکت کو دیکھ کر لڑکی کی مسکراہٹ کچھ مدھم ہو گئی۔

''چلو ہم وہاں کینٹین کے پاس چلتے ہیں اور کچھ کھانے کو لیتے ہیں۔'' لڑکی نے اپنی سہیلیوں سے کہا اور سب اٹھ کر کینٹین کی طرف چل پڑی، لڑکی نے اٹھتے ہوئے اک نظر لڑکے کو دیکھا جو پھر سے ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا لڑکی نے منہ بنایا اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ کینٹین کے پاس جا کر کچھ کھانے کا آرڈر دے کر بیٹھ گئی اور پھر سے وہی ہنسی مذاق شروع ہو گیا، کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ لڑکوں کی ٹولی کینٹین میں داخل ہوئی اور کھانے کا آرڈر دینے لگے لڑکی کی ان لڑکوں پر نظر پڑی تو وہ لڑکا ان کے ساتھ نہیں تھا، وہ حیران ہوئی اور اس لڑکے کی تلاش میں نظریں ادھر ادھر گمانے لگی تو اک سائیڈ پر بیٹھا ہوا وہ لڑکا پھر اس کی ہی طرف دیکھ رہا تھا، لڑکی کو بہت غصہ آیا، اتنے غصے میں لڑکی کو دیکھ کر سہیلیوں نے پوچھا۔

''کیا ہوا کیوں اتنی لال پیلی ہو رہی ہو۔''

Digitized by Google

''وہ لڑکا کافی ٹائم سے میرا پیچھا کر رہا ہے جہاں جاتی ہوں منہ اٹھا کر آجاتا ہے۔'' سہیلیوں نے لڑکی کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے لڑکے کو دیکھا تو لڑکا بے شرمی سے سب کو اپنی طرف دیکھتا پا کر مسکرانے لگا، لڑکے کو مسکراتا پا کر لڑکی کو اور غصہ آنے لگا اور وہ اٹھی اور اس لنگے کی طرف بڑھنے لگی، لڑکا اسی طرح اس کی طرف دیکھ کر مسکراتا رہا، لڑکی اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی تو وہ لڑکا اس لڑکی کی طرف دیکھنے کی بجائے اس کی سہیلیوں کی ہی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا، لڑکی نے زور سے لڑکے کے منہ پہ تھپڑ مار دیا، تھپڑ پڑتے ہی لڑکے کے تاریک گوگل ایک طرف جا گرے اور اس کی ہنسی ایسے غائب ہوگئی جیسے کبھی آئی ہی نہ ہو۔

''شرم نہیں آتی کسی کی بہن بیٹی کا پیچھا کر رہے ہو اور بے شرموں کی طرح ہنس رہے ہو۔'' اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے اور کمر پہ دونوں ہاتھ رکھ کر لڑکی نے غصے سے کہا۔

اتنے میں لڑکی کی سہیلیاں بھی وہاں پہنچ گئی اور لڑکے کے دوست بھی، لڑکے کا ایک دوست لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''میڈم یہ آپ کیا رہی ہیں، یہ لڑکا اور تم سب ہمارا پیچھا کر رہے ہو اور یہ بدتمیز ہمیں دیکھ کر دانت نکال رہا تھا۔'' لڑکی نے اسی غصے سے کہا۔

لیکن وہ لڑکا لڑکی کی باتوں کو نظر انداز کیے ہوئے اپنے ہاتھ ادھر ادھر ہلا رہا تھا، لڑکے کے دوست نے آگے بڑھ کر اس کا گرا ہوا چشمہ اٹھا کر اس لڑکے کو دیا، ''میڈم یہ لڑکا دیکھ نہیں سکتا اور آپ کو لگتا ہے کہ یہ آپ سب کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔'' لڑکے کے دوست نے بھی غصے سے جواب دیا۔

وہ لڑکی اور اس کی سہلیاں شرمندہ ہونے لگی۔

''آئی ام سوری، ہمیں معاف کردیں۔'' لڑکی نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا اور واپس مڑنے لگی۔

''ایک منٹ میڈم۔'' اپنے تاریک گوگل دوبارہ اپنی آنکھوں پہ لگا کر اپنے دوست کا سہارا لے کر وہ لڑکا اٹھ کر اس لڑکی سے مخاطب ہوا۔

لڑکے کی آواز سن کر وہ لڑکی اور اس کی سہلیاں پلٹی۔

''میڈم، آپ یقیناً میک اپ کیے ہوئے اور اپنا دوپٹہ سر پہ رکھنے کی بجائے گلے میں ڈالی ہوں گی اور آپ کو لگا کہ میں کیا، سب لڑکے ہی صرف آپ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ایسا اس لیے کیوں کہ آپ نے خود کو اس مقام پہ رکھا ہوا ہے۔

''اسلام میں عورت کو پردے کا حکم ہے۔''

''کیوں؟ اس لیے کہ جب آپ پردے میں ہوں گی تو خود کو محفوظ سمجھیں گی اور آخری بات۔'' لڑکے نے اپنے دوست کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اندھا میں نہیں، آپ کی سوچ ہے۔''

.....☆☆.....

شام محبت..... ابن عبداللہ

میں کھڑکی کے قریب کھڑا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت کمزور ہوگئی تھی۔ بیماری سے لڑتے لڑتے اس کا وجود دھوپ میں رکھی برف کی طرح پگھل رہا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی..... نظریں دریچے سے باہر گرتی

برستی بوندوں پر تھیں..... تمہارا پسندیدہ منظر کون سا ہے آمنہ.....'' ایک دن میں نے اس سے پوچھا تھا۔
اپنی انگلی پر موجود رنگ سے کھیلتے ہوئے اس کے ہاتھ چند پل کے لیے رکے تھے۔
''مجھے کھڑکی میں کھڑے ہو کر گرتی بارش کو دیکھنا بہت پسند ہے عارض۔'' وہ مسکرایا تھا۔
آج وہ اپنے پسندیدہ منظر میں کھوئی ہوئی سی تھی اور اس کی مخروطی انگلیاں ہمیشہ کی طرح اپنے رنگ کا طواف کر رہی تھی..... اچانک وہ چونکی اور عارض سمجھ گیا کہ ہمیشہ کی طرح اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ وہاں پاس ہی موجود ہے۔ پتا نہیں وہ کیسے اس کا ہونا ایک دم ہی محسوس کر لیتی تھی اور وہ جب بھی اس بارے میں اس سے پوچھتا تو ہنس کے کہتی تم نہیں سمجھ پاؤ گے..... اور وہ واقعی سمجھ نہیں پاتا تھا..... اس کی نظر کھڑکی کی طرف آئی اور ان دونوں کی نظریں آپس میں چار ہوئیں اور دونوں کے ہی لبوں پر ایک مسکراہٹ نے جنم لیا۔ ایک ایسی مسکراہٹ جس کے پیچھے درد کا سمندر چھپا تھا اور وہ دونوں ہی درد چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے ناں درد کو مسکراہٹ کے پیچھے چھپانا..... وہ آہستہ سے چلتے ہوئے اس کے بیڈ کے کنارے آ کر بیٹھ چکا تھا۔ دونوں ہی خاموش تھے مگر نگاہیں ایک دوسرے پر رہی جمی تھیں اور ان کے درمیان خاموشی..... خاموشی سے کانا پھوسی کر رہی تھی..... کہنے کو بہت کچھ تھا..... سننے کو بہت کچھ تھا..... لیکن وقت نے ان کو اس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا کہ جب وہ بولنے کے لیے ہونٹوں کو جنبش دیتے تو ایک آہ نکل جاتی' اور درد لفظوں میں چیخنے لگتا تھا اور وہ دونوں ہی نہیں چاہتے تھے کہ ان کا درد ایک دوسرے پر عیاں ہو..... محبت کرنے والے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں ناں..... سب کچھ جانتے ہیں پر یوں ظاہر کرتے ہیں گویا لاعلم ہوں..... کچھ بھی تو نہیں..... شاید محبت نام ہی خود فریبی کا ہے۔
''کچھ بولو نا عارض چپ کیوں ہو' مجھے بہار کے قصے سناؤ' بہتی ندیوں کا کوئی ترانہ سناؤ' مجھے تم چپ اچھے نہیں لگتے..... کچھ بولو..... کچھ کہو..... وہ دھیمی آواز میں بے چین لہجے میں بولی۔
میں نے اس کے کملائے ہوئے چہرے کو دیکھا..... ایسا لگتا تھا جیسے گلاب کا کوئی پھول ٹوٹ کر اپنی ہی پتیوں پر بکھر سا گیا۔
''تمہیں یاد ہے آمنہ؟ میں نے تم سے تمہارے پسندیدہ منظر کے بارے میں پوچھا تھا..... تم نے کہا تھا کھڑکی سے باہر گرتی بارش کو دیکھنا..... ! جواب دینے کے بعد یہی سوال تم نے مجھ سے کیا..... اس وقت میں نے بات ٹال دی تھی آج میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں..... میں نے اس سوال کا جواب آج کے دن کے لیے بچا رکھا تھا.....'' عارض کا لہجہ' اس کی آنکھیں' اس کا رواں رواں آمنہ کے لیے محبت چھلکا رہا تھا' آمنہ کی نگاہوں میں موتی سے چمک رہے تھے..... آج تمہیں بتاؤں کہ میرا پسندیدہ منظر کون سا ہے؟ میرا پسندیدہ منظر خاموشی سے تمہیں' چپکے سے دیکھتے رہنا ہے' اور تم نے پوچھا تھا تمہیں دسمبر میں کیا پسند ہے تو سنو' مجھے دسمبر کی سرد شاموں میں تکیے سے ٹیک لگا کر تمہیں سوچنا بہت پسند ہے۔ میری پسند کا معیار بس تم ہو آمنہ..... میری سوچ تمہاری ذات تک ہے بس..... تمہاری ذات کے باہر میرا کوئی وجود نہیں ہے' میں تم سے ہوں' عارض کے اظہار نے اس کے وجود کو اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا' وہ اپنی بے چینی چھپانے کو زبردستی قہقہہ لگا کر ہنسی..... جیسے اس کے اظہار نے آمنہ کو بہت خوشی دی ہو جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔
اور عارض نے اس ہنسی میں موجود بے بسی اور درد کی چیخیں سن لیں پتا نہیں وہ کیا چھپانے کی کوشش کر رہی تھی خود سے یا اس سے۔ عارض نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی نسوں میں بہتی زندگی کو محسوس کرنے کی ناکام کوشش کی..... ان کے پاس وقت کم ہے عارض..... ڈاکٹر کا جملہ اس کے کانوں میں گونج کر زہر گھول گیا..... یہ زہر آہستہ آہستہ ان کی زندگی کو گھول رہا تھا.....!!

Digitized by Google

سنا ہے بہار آئی ہے..... پھول مسکرائے ہیں اور منظروں نے سبزے کی چادر اوڑھ لی ہے کیا اس باغ میں اب بھی وہ تتلیوں کا جوڑا رقص کرتا ہے جہاں میں اور تم ملا کرتے تھے..... جہاں ہماری محبت پروان چڑھی تھی عارض..... کیا میں ان تتلیوں کو الوداعی سلام کر سکتی ہوں..... کیا میں اس درخت کے سائے میں آخری بار تم کو محسوس کر سکتی ہوں، جس کے نیچے ہم بیٹھا کرتے تھے اور مجھے بتاؤ کہ کیا وہ بڑھیا اب بھی وہاں آتی ہے جو ہمیں ڈانٹ دیتی تھی..... اور جب تم اپنا سر میری گود میں رکھتے تو کتنی غصہ ہوتی تھی وہ..... اور وہ باغ کا مالی بھی تو وہیں ہوگا جو ہمیشہ مجھ سے خفا رہتا کہ میں چنبیلی کے پھولوں کو تنگ کرتی ہوں اور کیاریوں کی ترتیب خراب کر دیتی ہوں..... اور کیا وہ چنے والا اسی موڑ پر کھڑا ہے جہاں ہم چنے کھاتے اور ہمیشہ سے ہی وہ میری پلیٹ میں چنے کم ڈالتا' وہ ایسا کیوں کرتا تھا عارض....." اس کا سانس پھول چکا تھا جب سے وہ بیمار پڑی تھی تب سے جب وہ بات کرتی اس کا سانس دھونکنی کی مانند چلنے لگتا..... وہ درد میں مبتلا ہو جاتی..... ایسے لمحات میں عارض کا دل کرتا وہ اس کے وجود سے ساری تکلیف کھینچ لے اور اسے پہلے جیسا کر دے..... کاش کہ میری انگلیوں میں اتنی طاقت ہوتی..... تمہیں چھوتا تو سارا کرب میری پوروں میں اتر آتا..... عارض نے دکھ سے سوچا..... اب اسے اپنی آمنہ کے تمام سوالات کے جوابات بھی دینے تھے۔

وہ بولنا شروع ہوا۔

"سنو میری پیاری..... وہ تتلیوں کا جوڑا اس باغ سے کوچ کر گیا کہ جس پھول کی خوشبو اسے رقص پر مجبور کرتی تھی اسے کسی بے رحم ہاتھ نے نوچ ڈالا ہے..... اور وہ درخت جو بہت سی محبتوں کا امین تھا اداس سا ہے کیونکہ اس کے سائے تلے ہی محبتوں کا سفر قائم رہا..... اور وہ بوڑھی عورت اب وہاں نہیں آتی کہ جس محبت میں وہ اپنی گزری محبت کو دیکھتی تھی وہ قدرت کے بے رحم ہاتھوں تلے پڑی سسک رہی ہے..... تم پوچھتی ہو کہ وہ باغ کا مالی وہیں ہے تو سنو وہ وہی پر ہے لیکن سخت مشکل میں ہے کوئی کیاریوں کی ترتیب کو خراب نہیں کرتا اب..... وہ منہ بسورتا چہرہ وہ کبھی نہیں دیکھ سکتا جو اس کی ڈانٹ کے ردعمل میں تم بنایا کرتی تھیں..... اور تم نے پوچھا ہی نہیں ان چنبیلی کے پھولوں کا جن کی خوشبو باغ کے کونے کونے کو معطر کرتی تھی..... سنو میری پیاری وہ چنبیلی کے پھول وہیں موجود ہیں لیکن ان کی خوشبو میں وہ بات نہیں رہی..... آخر کیسے رہتی کہ جو تازگی اور فرحت وہ تم سے لیتے وہ کہیں اور دستیاب نہیں..... ہاں وہ چنے بیچنے والا ریڑھی بان وہیں موجود ہے' وہ تمہیں پتا ہے کیوں کم چنے دیتا تھا.....؟ اس لیے کہ اس کے دل میں ایک خواہش تھی کہ تم بار بار اسے مخاطب کرو اس کے کان تمہاری آواز کی مٹھاس کو سننے کے لیے بے چین رہتے۔"

میری بات سن کر وہ خاموش ہو گئی اور آنکھیں بند کر کے یادوں کی پگڈنڈی پر چلنے لگی اور میں خاموشی سے اسے دیکھنے لگا وہ چہرہ جو کبھی چاند کی طرح روشن اور چمکدار تھا آج زرد ہو چکا تھا' عارض کے چاند کو گہن لگ چکا تھا۔

محبت کے وہ پل جن میں ان دونوں نے زندگی کو خوبصورتی سے جیا تھا تیزی سے آئے اور گزر گئے جیسے ساون کی بارش لمحوں میں سب کچھ بھگو کر چلی جاتی ہے اور زمین جل تھل ہو جاتی ہے..... اب ان کے وہ دل جو کبھی محبت سے معمور تھے جدائی کے خوف تلے سسک رہے تھے۔

عارض اسے دھیرے دھیرے کھو رہا تھا' وہ بند مٹھی سے پانی کے قطروں کی طرح اس سے دور ہوتی جا رہی تھی اور وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا..... دھیرے دھیرے کھو دینے کا احساس بھی کتنا قاتل ہوتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے کوئی ریشمی کپڑے کو کانٹے دار جھاڑیوں پر پھینک کر واپس بے دردی سے کھینچ لے..... یہی احساس کسی کو کھو دینے کا تھا یہ احساس بھی روح کے گوشوں کو ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔

Digitized by Google

''کیا سوچ رہے ہو عارض..... کیا ان پلوں کو سوچ رہے ہو جب محبت ہم پر مہربان ہوئی تھی اور میں اور تم باغ میں بیٹھے مستقبل کے حسین سپنے بن رہے تھے..... اب مت سوچو گزرے کل کے ان خوبصورت لمحات کو جو حال کا ناسور بن چکے ہیں..... تھک جاؤ گے عارض..... پتا ہے عارض کچھ کہانیوں کا آغاز بڑا دلفریب ہوتا ہے انسان سوچنے لگتا ہے اس کہانی میں بس مسکراہٹیں اور قہقہے ہوں یہ کہانی بہار کی ہوگی اور کبھی بھی خزاں کا سایہ نہ دیکھنا ہوگا' جدائی کی کوئی ساعت نہیں ہوگی ہر پل ساتھ اور پاس کا ہوگا' پر پتا نہیں کیوں عارض ہماری سوچیں بس سوچیں ہی رہ جاتی ہیں۔ ہمارے خواب تعبیر کے زینے کبھی نہیں چڑھ پاتے..... مجھے بتاؤ تو سہی عارض کیوں ایسا ہوتا ہے.....!

''ہم کیوں خواب دیکھتے ہیں ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ کچھ لوگوں کی ہنسی بہت مختصر ہوتی ہے..... آؤ عارض ان مسکراہٹوں کا نوحہ کہیں جو لبوں تک کا سرطے کرنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہیں..... وہ خواب جو آنکھوں میں ٹوٹ کر ہمیشہ کے لیے آنسو بن جاتے ہیں..... وہ خواہشیں جو سینوں میں مرجاتی ہیں..... وہ سفر جن کی منزلیں نہیں ملتیں..... وہ احساس جو قتل کر لیے جاتے ہیں..... وہ باتیں جو کبھی کہی نہیں جاسکتی..... وہ جذبے جن کو اظہار کا موقع نہیں ملتا..... آؤ آج ان سب پر نوحہ کہیں عارض ان سب کی دلخراش موت پر ماتم کریں۔ دیکھو تو سہی منظروں نے خزاں کی چادر اتار پھینکی اور بہار نے منظروں کو ہریالی کا لباس پہنا دیا..... درختوں پر پتے جاگ گئے اور پھول مسکرانے لگے..... اور تتلیاں پھولوں سے سرگوشیاں کرنے لگی مجھے..... پرندوں کی چہک آمد بہار کا مژدہ سنا رہی ہے..... شہر میں پھولوں کا طوفان برپا اور ہم بہار کی گود میں بیٹھے خزاں کی وحشت کو محسوس کر رہے ہیں..... کیا یہی زندگی ہے عارض' ہاں یہی زندگی کی داستان ہے جس کی سیاہی انسان کے آنسو ہیں۔''

''مجھ سے کچھ مت پوچھو میری پیاری' بس میرے پہلو میں بیٹھی رہو اور میرے دل کی دھڑکنوں میں اس خوف کو محسوس کرو جو تمہاری جدائی سے وابستہ ہے اس درد کو سنو جو میری رگوں میں چیخ رہا ہے۔ اس وقت تم میرے اتنے پاس ہو کہ میں تمہاری سانسوں کی خوشگوار مہک کو اپنے سینے میں محسوس کرتا ہوں..... تمہارے وجود کی دلکشی میری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے اور تمہارے بلوری ہونٹ محبت کے جام سے لبالب بھرے میں دیکھ سکتا ہوں..... تمہارا حسین پیکر میرے خیالوں کو کہیں بھٹکنے نہیں دیتا..... تیری آنکھوں میں مجھے جنت دکھائی دی اور تمہاری آواز جیسے بلندیوں سے گرتا جھرنا..... جو روح کی لطیف تاروں کو جھنجوڑ دیتا ہے۔ اے حسن و جوانی کی پیکر لطیف تمہاری محبت میرا سرمایہ حیات ہے جو پل تمہارے ساتھ کے تھے ان پلوں میں میں نے اپنی ساری زندگی جی لی..... اور اب ایک خوف کے سایہ میں جی رہا ہوں ایک خلش ہے جو تمہاری دوری سے وابستہ ہے سنو میری پیاری مجھے اپنے محبت بھرے سینے سے چمٹا لو..... اور اپنے مقدس لبوں سے میری پیشانی پر آخری فرحت آمیز بوسہ ثبت کرو..... ان گالوں کو چوم جن پر اشکوں نے غم کو واضح کر دیا..... اور ان پلکوں کو تازگی دو جو تمہارے خوابوں کے بوجھ تلے دبی سی ہیں۔ کچھ غم مت کرو کہ تمہاری محبت مجھے زندہ رکھے گی جیسے سورج کی کرنیں گلوں کو زندگی دیتی ہیں..... تم میری زندگی میں ہر جگہ ہوگی تمہارا ہونا میں یوں محسوس کروں گا جیسے بچہ اپنی ماں کا لمس محسوس کرتا ہے..... عارض کے الفاظ دل کی گہرائیوں سے نکلے اور جذبات میں ڈوبے' یہ الفاظ آمنہ نے بڑے غور سے سنے اور اس کا زرد پڑتا چہرہ یوں تمتما اٹھا جیسے افق کے کنارے سورج کی الوداعی کرنوں پر چمک اٹھتے ہیں۔''

عارض اور وہ اب خاموشی سے ماضی کے راستوں پر سفر کر رہے تھے' وہ ان دنوں کو یاد کر رہے تھے جب وہ سایہ دار درختوں کی چھاؤں میں ایک جگہ جمع ہوتے اور محبت ان کے گرد ہالہ بنائے ہوئے ہوتی تھی..... وہ پہروں ایک دوسرے کو دیکھتے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے محبت کی شاہراہ پر چلتے رہتے..... ہر انسان کا ایک خوبصورت ماضی ہوتا ہے..... جب حال کی خوفناکی ڈراتی ہے تو وہ ماضی کے ان خوبصورت لمحات میں چلے جاتے ہیں اور حال کی

Digitized by Google

لمحوں سے کچھ دیر کے لیے غافل ہو جاتے ہیں..... عارض اور آمنہ بھی اس وقت یہی کر رہے تھے۔ وہ ماضی کی چھتری تلے حال کی دھوپ سے فراموش ہو رہے تھے۔

جولائی کا مہینہ ختم ہو گیا۔ اس دوران میں مسلسل اس سے ملنے جاتا رہا..... ہم دونوں باتیں کرتے اور ماضی کی شاہراہ پر قدم بہ قدم ساتھ چلتے میں اس کے دل کی خاموش فریادوں کو سنتا اور اس کے صبر پر متعجب ہوتا۔

ان آخری دنوں میں وہ میرے لیے ایک کتاب کی طرح تھی..... جسے میں روز پڑھتا اور اس کی ہر عبارت کو اپنے حافظے میں محفوظ کرتا' بستر مرگ پر لیٹی اس لڑکی کی حسرتوں کو سوچتا اور پھر آنکھوں سے اشکوں کو گرنے سے روکتا۔

آج میں اس کو ملنے پہنچا تو شام چھا چکی تھی اور فضا میں ہوا یوں اکھڑے اکھڑے سے سانس لے رہی تھی جیسے دم آخر کوئی مریض.....!

آج وہ خلاف معمول پرسکون سی تھی..... مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک ملکوتی تبسم نے جنم لیا اور جب میں اس کے پاس بیٹھا تو کہنے لگی۔

''آ گئے عارض..... آج بہت دیر کر دی کہاں تھے؟''

راستے میں دیر ہو گئی مہر ماہ..... اس وقت سب کو گھر لوٹنے کی جلدی ہوتی ہے سڑک پر ٹریفک کا زور ہوتا ہے۔

اس نے میری بات سنی اور مسکرا دی۔

خاموشی کا ایک مختصر سا وقفہ آیا اور وہ کسی سوچ میں کھو سی گئی۔ میں نے اس کے چہرے کو دیکھا..... ستاروں کی طرح چمکدار آنکھیں اندر کو دھنس چکی تھیں' وہ چہرہ جو کبھی بہار کی صبح کی طرح روشن تھا اب غم کی پرچھائیوں میں کہیں گم ہو چکا تھا..... گلابی ہونٹوں پر سفیدی غالب آ چکی تھی اور لمبی صراحی دار گردن بیماری کے بوجھ تلے جھک گئی تھی۔ اس کا چہرہ یکسر بدل چکا تھا۔ پر میرے لیے وہ اب بھی پہلے جیسی تھی بس وقت نے اس کے چہرے پر درد کا نقاب ڈال دیا تھا..... وہ میرے لیے بادلوں میں گزرتے چاند کی طرح تھی..... وہ چاند جسے گہن لگ چکا تھا۔

میں اس کو دیکھتا رہا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا وہاں نمی تھی..... اس نے ان آنسوؤں کو آنکھوں کے فرش تک ہی محدود رکھنے کی ناکام کوشش کی..... پھر میرا ہاتھ تھاما۔

عارض..... مجھے بھولنا مت..... میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے لیے حیات بہت تھوڑی بانٹی گئی..... مگر پھر بھی میں خوش ہوں کہ مجھے تمہارا بھرپور ساتھ ملا..... مجھے کوئی حسرت نہیں..... سوائے اس کے کہ کاش میں کسی سے کچھ زندگی ادھار لے سکتی اور کچھ دیر اور تمہارے ساتھ چل سکتی..... پر قدرت کو ہمارا ساتھ منظور نہیں نا..... وہ نہیں چاہتی کہ میں تمہاری محبت کے سائے میں مزید رکوں اور کچھ دیر اور تمہارا ہاتھ تھام کر چلوں۔ اس کی آواز شدت غم سے بھرا سی گئی تھی۔

میں نے اس کی آواز سنی اور جواب دینے لگا۔

میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں ماہ بھلا خشک باغ بہار کو بھول سکتے ہیں' کیسے ممکن ہے پیاسا پانی کو بھول جائے یا موجیں ساحل کو بھول جائیں..... میں تمہیں یاد رکھوں گا ہمیشہ جیسے آنکھیں خوابوں کو یاد رکھتی ہیں اور دل دھڑکنا یاد رکھتا ہے۔''

اس نے میرے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کی جیسے یقین کرنا چاہتی ہو کہ میں اس کے پاس ہوں اور وہ کبھی اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے نہیں چھوڑے گی' پھر مضطرب لہجے میں کہنے لگی۔

Digitized by Google

''تمہیں پتا ہے نا عارض مجھے تنہائی سے بہت ڈر لگتا ہے' اکیلے پن سے مجھے خوف آتا ہے' تمہیں یاد ہے نا جب ایک بار تم مجھے لائبریری میں اکیلا چھوڑ گئے تھے کتنا روئی تھی نا میں اس دن وہاں کوئی بھی نہیں تھا جو مجھے گھر چھوڑ آتا..... اس دن مجھے پتا چلا میں کتنی بزدل ہوں..... میں تو ایک قدم بھی اکیلی نہیں چل سکتی..... اور جب تم واپس آئے تو مجھے سیڑھیوں پر پایا تھا..... میں بہت روئی تھی نا عارض..... اس دن تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ماہ میں کبھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا..... تمہیں یاد ہے نا عارض اپنا وہ وعدہ.....''

میں نے سر اثبات میں ہلا دیا تو اس کے لبوں پر ایک بے کیف سی مسکراہٹ نے جنم لیا' اور وہ پھر دھیرے سے کہنے لگی۔

''پتا ہے عارض میں تمہیں وہ وعدہ کیوں یاد دلا رہی ہوں' اس لیے کہ جب میں نہ رہوں تو مجھے شہر سے دور مت لے کر جانا..... میں یہاں سے دور نہیں جانا چاہتی' مجھے اس شہر سے محبت ہے اس کی گلیوں میں میرا بچپن اب بھی کھیلتا دکھائی دیتا ہے' میرے خواب اس شہر میں چلتے ہیں اور میں ان کی چاپ کو سننا چاہتی ہوں ہمیشہ..... اس کی فضا میں میرے نوعمر قہقہے گونجتے سنائی دیتے ہیں اس کی دیواروں پر تمہارے ساتھ کے سنہری پل لکھے ہیں اور اس کی روشنیوں سے مجھے محبت ہے کہ قبر کی تاریکیوں میں شاید وہ مجھے دکھائی دیں..... اس کے باغوں میں کھلتے پھولوں میں بہت سی محبتیں سانس لیتی ہیں اور اس شہر کے کچھ دلوں میں مردہ محبتوں کا مزار ہے ہو سکتا ہے وہ کبھی میری تربت پر آئیں اور میری تنہائی کو کم کر دیں یہ شہر میرا محبوب ہے' کیونکہ اس میں تم ہو..... میں تمہارے ساتھ تو زیادہ نہیں چل سکتی پر اس شہر کی مٹی میں دفن ہو کر تمہاری سانسوں کی مہک کو محسوس کرنا چاہتی ہوں وہ مہک جو اس شہر ہوا میں رچی بسی مجھے محسوس ہوتی ہے..... مجھے یہیں قریب ہی کہیں دفنانا..... تاکہ میں کبھی خود کو اکیلا محسوس نہ کروں' میں شہر میں چلتے لوگوں کی آوازیں سن سکوں' میں تمہارا وہاں ہونا محسوس کر سکوں..... مجھے دور مت لے جانا عارض مجھے تنہائی سے ڈر لگتا ہے۔''

عارض کا دل شدت غم سے پگھل سا گیا' اپنی موت کا ذکر کرتے ہوئے اس کا لہجہ آہوں سے لبریز تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے ضبط کو سنبھالا..... اور کانپتے لہجے میں کہنے لگا۔

''تم کبھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرو گی آمنہ میری یادوں کے قافلے تمہاری سمت چلتے رہیں گے..... میری روح تمہارے مزار پر مجاور ہو گی..... تمہاری محبت مجھے جینے کا سہارا دے گی اور میرا وجود تیری یادوں کا گھر ہو گا..... میرے دل میں تیری جدائی کا غم ہمیشہ جوان رہے گا..... تمہاری محبت کو میں سینے سے لگائے رکھوں گا' جیسے ماں اپنے نومولود بچے کو اپنے سینے سے چمٹائے رکھتی ہے..... جب زندگی مجھے تھکا دے گی میں تمہاری محبت کی چھاؤں میں ستانے بیٹھ جاؤں گا..... جب بارشیں برسیں گی تب میرا دل تیرا ہونا محسوس کرے گا..... جب خزاں کائنات پر مسلط ہو گی اور پتے درختوں سے جدا ہو رہے ہوں گے اور پھول ٹہنیوں پر سوکھ جائیں گے' تب تم مجھے بے تحاشا یاد آیا کرو گی کہ تم بھی ان پتوں کی طرح بچھڑ گئی تھی اور پھولوں کی طرح مرجھا گئی تھیں۔

یہ الفاظ میری روح کی گہرائیوں سے نکلے اور آمنہ کی سماعت نے ان کو چن لیا۔ وہ آنکھوں میں نمی لیے اب کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی جہاں آج اس کا پسندیدہ منظر کہیں بھی نہیں تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی اور وہ خاموشی سے اسے گزرتا دیکھ رہے تھے۔

رات اپنے نصف میں تھی جب آمنہ کی طبیعت یک دم بگڑی اور اس نے مجھے پکارا..... عارض نے آخری بار اس کے لبوں سے اپنا نام سنا..... جب تک ڈاکٹر آتے اس کی قوتیں جواب دے چکی تھیں' اس کے ہونٹ دم آخر کچھ کہنے کو لرز رہے تھے..... اس کی نظریں کمرے کی چھت پر کسی غیر مرئی وجود پر جم گئی تھیں۔

آخر اس نے ہچکی لی جسم بری طرح کانپا اور ساکت ہو گیا..... چہرے پر زردی گھنڈ گئی اور آنکھیں بے نور ہوتی چلی گئیں۔

میرا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھوں میں دبا تھا..... جیسے وہ مجھے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی..... اس کا سر دپڑتا ہاتھ آہستہ سے میرے ہاتھ سے نکلا اور جھول گیا..... میں نے آخری بار اس کے چہرے کو دیکھا..... اس کی آنکھوں کے کناروں پر آنسو چمک رہے تھے۔

یہ آنسو شاید اس کا اپنی محبت کو آخری خراج تھا۔

میرے ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور میں اس کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

.....☆☆.....

موراکئی..... گل ارباب

جب سے موراکئی کا انتقال ہوا تھا وہ داجی سے بھی بہت دور ہو گئی تھی بظاہر موت تو ایک کی ہوئی تھی مگر اس ایک موت نے اس سے دور شتے چھین لیے تھے موراکئی بھی اور داجی بھی وہ اب پہلے کی طرح داجی کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے گول گپے اور چنا چاٹ کھانے کی فرمائش نہیں کرتی تھی۔ نہ اس کے ہاتھ سے ہمیشہ کی طرح نسوار کی رنگین ڈبیا چھین کر بھاگتی تھی اسے نسوار کی ڈبیا پہ لگا ڈھکنا بہت اچھا لگتا تھا ڈھکنے میں شیشہ لگا ہوا تھا جس میں دیکھ کر داجی اکثر چھوٹی سی قینچی سے اپنی مونچھیں ٹھیک کیا کرتا تھا۔ مگر اب وہ اس ڈبیہ کے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھ کر موراکئی کی نقل میں اپنے چھوٹے چھوٹے دانتوں پہ دندانہ نہیں ملتی تھی بلکہ داجی کے قدموں کی آہٹ پا کر بھی انجان بنی چپ چاپ گھر کے کسی کونے میں گھٹنوں میں سر دیے ماضی کے در یچوں میں جھانکتی رہتی تھی اس آس پہ کہ کسی در یچے سے موراکئی اس کی اداسی اور تنہائی دیکھ کر لوٹ آئے گی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ جس دیس وہ گئی تھی اس دیس جانے والے واپس کبھی نہیں آتے۔

''جب واپس آنا نہیں ہوتا تو پیچھے رہ جانے والوں کو ہی پاس بلا لیں۔'' وہ خود سے کلام کرنا بھی سیکھ چکی تھی جب کوئی سننے والا نہ ہو تو خود سے ہی بات کرنے کو جی چاہتا ہے بلکہ بات کرنے کے لیے کبھی کبھی تو اپنا آپ بھی دستیاب نہیں ہوتا اس پہ ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ خود سے بات نہ کر سکتی بلکہ اس نے تو خود کو دریافت ہی موراکئی کی موت اور داجی سے دوری کے بعد کیا تھا داجی اپنی نئی نویلی بیوی میں یوں مگن نظر آتا جیسے کوئی بچہ اپنا من پسند کھلونا بڑی مشکل سے حاصل کر کے اسے خود سے پل بھر کے لیے دور نہیں ہونے دیتا کاش ہم تینوں کے درمیان کوئی اور نہ آتا اور میں یوں بھری دنیا میں اکیلی نہ رہ جاتی اک ٹھنڈی آہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں سے آزادی پائی موراکئی کی موت تو اس نے خود مانگی تھی اس کی اذیت وہ دیکھ نہیں سکتی تھی وہ منظر شیریں گل کی بھیگی آنکھوں میں جم سا گیا تھا جب اس نے عصر کی نماز پڑھ کر خون کی الٹیاں کرتی ماں کے پلنگ کی طرف دیکھا جہاں ماں کی جگہ ہڈیوں کا اک ڈھانچہ پڑا ہوا تھا اک ایسا ڈھانچہ جو پتھر ہو گیا تھا پتھر ہی تو خود ہلنے کی طاقت نہیں رکھتے کینسر جیسے موذی مرض کا زہر اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا وہ اپنا سب کچھ کھو چکی تھی بالکل بے حس و حرکت سہارے کے بنا کروٹ بھی بدلنا ممکن نہیں تھا سارے بال جھڑ چکے تھے اور اب اس کی بھویں، پلکیں اور سر بھی بالکل گنجا ہو چکا تھا پہلے پہل تو وہ داجی اور دوسرے لوگوں سے سر چھپانے کے لیے اک رومال کس کر سر پہ باندھتی تھی لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اپنا ایک ہاتھ اٹھانے کی بھی سکت کھو بیٹھی تھی بس پلکوں سے خالی پپوٹوں کا بوجھ اٹھا سکتی

Digitized by Google

تھیں اس کی نیم وا ویران آنکھیں داجی اس کے گنجے سر کی طرف دیکھ کر منہ پھیر لیتا تھا شاید اس میں بھی اسے اس حال میں دیکھنے کی ہمت نہ تھی شیرین کو اچھی طرح یاد تھا اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر مورا کئی کی تکلیف دور ہونے کی دعا مانگی تھی وہ ہمیشہ اسے سمجھاتی تھی۔

''شیرین گل! میرا بچہ رو کر دعا مانگو تو اسی وقت قبول ہوتی ہے خدا کو آنسوؤں سے دھلی دعا بہت پسند ہے وہ جب بھی دعا مانگتی تھی رونے کی کوشش ضرور کرتی تھی اس کی دعائیں بھی کیا ہوتی تھیں؟ رزلٹ آنے والا ہوتا تو اپنی کامیابی سے زیادہ گلونہ کے کم نمبروں کے لیے دعا مانگتی رونا نہیں آتا تھا تو گلونہ کا پچھلے رزلٹ والا مغرور چہرہ تصور میں لاتی اور اس کی اکڑی گردن کے تصور سے اس کا دل بھر آتا مس کی آواز آتی۔

''گلونہ فرسٹ اور شیرین گل سیکنڈ۔'' وہ اس کے ساتھ کھڑی اسے کہنی مار کے متوجہ کرتی۔

''میں نے کہا تھا ناکہ پہلا نمبر میرا ہوگا۔'' یہ سب سوچتے ہوئے بے ساختہ آنکھیں بھیگ جاتیں اور جلدی جلدی جتنی دعائیں یاد ہوتیں مانگنے لگتی۔

''یا اللہ غرور کا سر نیچا کرنا بے شک ایک نمبر زیادہ ہو گلونہ سے لیکن کم نہ دینا جب جوانی کی دہلیز پہ پہلا قدم رکھا تو گال سرخ دانوں سے بھر گئے تھے سہیلیاں مذاق اڑاتیں۔

''چاند پہ داغ تو سنا تھا دیکھ بھی لیا ہے منہ پہ دانے تو ہوتے ہیں لیکن پہلی بار دیکھا ہے کہ دانوں میں سے کہیں کہیں منہ جھانک رہا ہے۔'' یہ باتیں اس کا ننھا سا دل چیر دیتیں وہ نماز کے بعد ہاتھ پھیلاتی۔

''شبینہ کا کھلا کھلا چہرہ اور صاف ستھری جلد تصور میں لا کر رشک سے زیادہ حسد اور جلاپے کے آنسو آنکھوں میں بھر کر دعا کرتی اللہ میاں میرے دانے ٹھیک نہیں کرنے بے شک نہ کر لیکن شبینہ کا چہرہ بھی دانوں سے بھر دے تاکہ میرا دل بھی خوش ہو جائے اس دن مورا کئی کو خون کی الٹیاں کرتا دیکھ کر دعا مانگتے ہوئے اسے رونا نہیں آرہا تھا سارے آنسو تو اس کی بیماری کی خبر اور پھر اس کی روز بہ روز گرتی صحت اور قابل رحم حالت پہ بہا چکی تھی۔ اس نے آنکھیں موند کر تصور میں چند ماہ پہلے والی مورا کئی کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی ابھی کچھ ماہ پہلے ہی کی تو بات تھی کیسی کھلی کھلی رنگت اور بھرا بھرا بدن تھا ستاروں سی روشن آنکھیں تھی وہ اوڑھنی اتار کر سنہری ریشم سی زلفوں کی مینڈھیاں کھولتی تو کمر سے نیچے تک پھیلا ریشم کا اک ڈھیر دیکھ کر وہ سوچتی مورا کئی اگر ٹی وی پر شیمپو کے اشتہار میں کام کرے تو وہ شیمپو کتنا بکے گا؟ لمبی لمبی پلکوں کے سائے تلے چمکتی آنکھوں میں جب وہ سلائیاں بھر بھر کر سرمہ لگاتی تو وہ پیار سے دیکھتی رہتی اسے بچپن سے مورا کئی کی نیلی آنکھیں بہت اچھی لگتی تھیں اور اکثر افسوس بھی کرتی کہ میری آنکھیں آپ کی آنکھوں جیسی کیوں نہیں ہیں؟ مورا کئی مسکرا کر محبت سے اکلوتی بیٹی کو دیکھتی اور شرارت بھرے انداز میں کہتی۔

''تیری آنکھوں جیسی آنکھیں اس دنیا میں تو کسی کی نہیں ہاں میں نے سنا ہے کہ پرستان میں پریوں کی اک حسین ملکہ ہے جس کی آنکھیں تمہاری آنکھوں جیسی ہیں شیرین یہ سن کر کھل جاتی جب مورا کئی داجی کے ساتھ چولہے کے پاس بیٹھ کر قہوہ پیتے دھیمی دھیمی آواز میں باتیں کرتے ہوئے بے ساختہ اونچا قہقہہ لگاتی تب پاس پڑی چارپائی پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر ہوم ورک کرتے ہوئے شیرین گل کام چھوڑ کر اس کی نیلی آنکھوں اور سات رنگوں کی دھنک سے سجے گالوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگتی تھی چولہے میں جلتی لکڑیوں اور دہکتے انگاروں کی حدت اور نارنجی شعلوں کی روشنی دیکھتے ہی دیکھتے مورا کئی کے چہرے پر اک عجیب سا رنگوں کا رقص شروع ہو جاتا ہلکا ہلکا سا دھواں اس کے چہرے کا طواف کرتا رہتا تھا ان لمحوں میں وہ پینسل دانتوں میں دبائے مورا کئی کے چہرے پر رقصاں رنگوں کا تعاقب کرتی رہتی تھی اس کا جی چاہتا یونہی داجی دھیمے لہجے میں مورا کئی کے کانوں میں سرگوشیاں کرتا رہے اور

Digitized by Google

مورا کئی یونہی بے ساختہ قہقہے لگاتی رہے. بہت ہنسنے سے اس کی آنکھوں میں جب پانی آجاتا تو شیرین کو بارش کے بعد کا چمکیلا آسمان یاد آجاتا نیلے صاف شفاف آسمان کی طرح اس کی نیلی آنکھوں کی چمک بھی بڑھ جاتی تھی۔ بیماری کے بعد تو اس کا سارا وجود ہی آنکھوں کے ہم رنگ ہو چکا تھا۔ وہ پہلے والی مورا کئی کا اور اب بستر پہ پڑی اس جیتی جاگتی لاش کا مقابلہ کرتے کرتے ایکدم رونے لگی تھی روتے ہوئے دعا کی قبولیت پہ پکا یقین تھا سو دل سے دعا مانگی۔

"یا اللہ میری مورا کئی کو اس اذیت اس رات دن کی تکلیف سے نجات دے دو اللہ جی آج ہی ابھی ہی۔"

یہ دعا مانگتے ہوئے آنسو اس کے گالوں سے قطروں کی صورت ہتھیلیوں پر گرنے لگے تھے۔ اس نے دعا مانگ کر منہ پر ہاتھ پھیرے اور دعا کی قبولیت کی تصدیق کے لیے مڑ کر ماں کے پلنگ کی طرف نظر کی تب اسے احساس ہوا کہ اس کا وجود بالکل ساکت ہے سانس جو تیز تیز چل رہی تھی اب رکی ہوئی تھی ماں تو یہاں رہی ہی نہیں۔ وہ تو کہیں دور اس دنیا سے دور اک بہت اچھی دنیا کی طرف محو سفر تھی۔ اسے پتہ تھا مورا کئی جانے والی ہے لیکن یوں ایک پل میں اس قدر خاموشی سے چلے جانے کا تو اس نے سوچا نہ تھا۔ گلو نہ کہتی تھی موت کی بہت تکلیف ہوتی ہے اتنی اذیت کہ جیسے نازک ریشمی کپڑے کو کانٹوں میں الجھا کر کھینچتے رہو جب تک کہ وہ لیر لیر نہ ہو جائے اس کی دادی کا انتقال کچھ دن پہلے ہوا تھا تب وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر دادی کی تکلیف بیان کرتی تھی تو کیا مورا کئی کی زندگی اتنی تکلیف دہ تھی کہ اسے موت کی اذیت کوئی اذیت ہی نہ لگی اگر اسے موت کی تکلیف ہوتی تو اک آہ تو بھرتی نا؟ اک سسکی تو نکلتی اس کے لبوں سے اسے مورا کئی کے مرنے کا دکھ ویسا نہیں تھا جیسے بھلی چنگی ماں کے دنیا سے چلے جانے کا اولاد کو ہوتا ہے اس کے لیے تو کب کی وہ ہنستی مسکراتی پیار لٹاتی مورا کئی مر چکی تھی یہ عورت جو کفن میں لپٹی بس کچھ ہی لمحوں کی مہمان تھی اس آنگن میں عورتیں. جس کی جوان مرگی پر بین کرتے اسے رونے کا کہہ رہی تھیں یہ تو اس کی خوب صورت مورا کئی نہیں تھی یہ تو کوئی اور تھی مورا کئی کو دعاؤں پر بڑا بھروسہ تھا وہ نماز سے زیادہ وقت دعا میں لگاتی تھی اسے یاد آیا وہ کہتی تھی۔

"شیرینو! رب سے مانگتے ہوئے مکمل اور جامع دعا مانگنی چاہیے۔ کبھی بھی صرف پھول نہ مانگو گلدستہ بھی نہ مانگو بلکہ پورا گلستان مانگ لو لیکن مانگنے کا ہنر سیکھ کر مانگو اور یہ بھی جان کر مانگو کہ دعاؤں کا ثمر ہمارے لیے بہتر ہے کہ نہیں بعض اوقات ہم اپنے لیے وہ مانگتے ہیں جو ہمارے لیے مناسب نہیں ہوتا۔" وہ خود کلامی کرنے لگی۔

"کاش میں یہ کہتی کہ اللہ جی میری ماں کو صحت اور زندگی عطا فرما دے تب آج وہ بالکل ٹھیک ہوتی اپنی دعا اس کے ضمیر پہ اک بوجھ بن گئی تھی مورا کئی کیا گئی داجی بھی کھو گئے میت والے دن تو اسے کچھ ہوش نہیں تھا لیکن تیسرے دن تک اس نے خود کو سنبھال لیا تھا یہ سوچ کر کہ اب اس کی مرحومہ مورا کئی کئی مہینوں بعد پر سکون ہوئی ہو گی رات دن کی تکلیف سے اس کی جان چھوٹ چکی ہے لیکن آس پاس ہونے والی رشتے دار خواتین کی سرگوشیاں سن کر اور کچھ کھلے عام کیے گئے تبصرے اسے یہ سمجھا گئے تھے کہ اس کی مورا کئی کی موت کا ذمہ دار صرف کینسر اور اس کی غلط دعا نہیں بلکہ داجی بھی ہے۔ پہلے تو اس نے دل میں سوچا شاید ان عورتوں کو یہ نہیں معلوم کہ میں نے غلط دعا مانگ لی تھی اس لیے وہ مر گئی یہ لوگ تو داجی کو اس کا ذمے دار سمجھ رہے ہیں۔ اس نے سنا چاچی اک عورت کو بتا رہی تھی۔

"چھاتی کا کینسر تھا ابھی تو بات بگڑی نہیں تھی ڈاکٹروں نے کہا کہ اگر ایک چھاتی آپریشن کر کے کاٹ لیں تو مریضہ بچ جائے گی بلکہ پہلے کی طرح بالکل ٹھیک ہو جائے گی اس طرح کینسر پھیلے گا نہیں لیکن اس کے خوب صورت وجود کا ہی تو دیوانہ تھا میرا جیٹھ وہ نہیں مانا کہنے لگا نا مکمل اور بد صورت ہو کر جینا بھی کوئی جینا ہے؟ اس سے تو مرنا بہتر ہے بہت سمجھایا سب نے مگر وہ ہر دلیل رد کرتا رہا وہ بھی بڑی غیرت مند عورت تھی نہ شوہر کے سامنے ہاتھ جوڑے نہ

Digitized by Google

روگی نہ چلائی نہ کوئی ضد کی اپنی زندگی شوہر کی ضد پر قربان کردی۔

ہم عورتیں اپنی زندگی پر اختیار بھی تو نہیں رکھتیں نا وہ اسے مزاروں پہ لے کر پھرتا رہا لیکن کوئی جن تھوڑی تھا کہ اتر جاتا تھوڑے ہی عرصے میں ناسور سارے جسم میں پھیلتا گیا وہ نامکمل ہو کر ہی مری نہ وہ بال رہے نہ وہ جسم کا گداز رہا نہ وہ آنکھوں کی روشنی رہی آخری وقت تو آواز بھی ساتھ چھوڑ گئی تھی۔'' شیرین کی سمجھ میں ساری بات آگئی تھی اسے داجی سے عجیب قسم کی نفرت یا ضد سی ہوگئی تھی اس کا دل چاہتا وہ انہیں بہت اذیت دے۔ اتنی اذیت جتنی مورا کئی نے سہی اتنا درد جتنا اس کی ماں کو تڑپا تا رہا تھا۔ اتنی بدصورتی جو اس کی ماں کا مقدر بنی لیکن وہ بے بس تھی اونچا لمبا داجی چوڑے شانو پر چادر ڈالے جب تک گھر میں ہوتا موبائل فون پر سرگوشیاں کرتا رہتا یہ نہیں کیوں شیرین گل کو پکا یقین تھا کہ دوسری طرف ضرور ترور بی بی ہوگی کیونکہ داجی کے چہرے پر اک پھیلی ہلکی سی مخصوص مسکراہٹ ترور بی بی کو دیکھ کر یا اس کا ذکر کرتے ہوئے ہی آتی تھی اس کا یقین حقیقت بن کر سامنے اس وقت کھڑا ہوگیا جب بیوی کی موت کے صرف تین ماہ بعد داجی نے اس کی خالہ کو مورا کئی کی جگہ لا کر بیٹھا دیا۔ اسی پلنگ پر جس پر وہ ان دونوں کے درمیان ضد کر کے لیٹ جایا کرتی تھی مورا کئی کے سینے سے چمٹ کر وہ بھی لمبی سانسیں لیتی اور اس کے وجود سے اٹھتی بھینی بھینی خوشبو اندر اتارتی رہتی۔

''مورا کئی کبھی تم نے عطر لگائی نہ خوشبو دار تیل لگایا پھر بھی کتنی پیاری خوشبو تمہارے کپڑوں سے آتی ہے۔'' وہ ہنس کر جواب دیتی۔

''یہ خوشبو تو محبت کی ہے شیرین گلے یہ صرف ماں کے وجود سے پھوٹتی ہے اور صرف اولاد ہی اس خوشبو کو محسوس کر سکتی ہے۔'' مورا کئی کے ہاتھ کی کڑھی ہوئی سرخ چادر پیٹی سے نکال کر چاچی نے اس پلنگ پہ بچھانی چاہی تو شیرین نے وہ چادر چاچی کے ہاتھ سے چھین لی۔

''مورا کئی نے کہا تھا یہ شیرین گل کی شادی کے لیے بنائی ہے۔'' وہ چادر سینے سے لگائے شیرنی بنی انہیں گھورے جا رہی تھی۔

''بارہ سال عمر ہے اس لڑکی کی لیکن کتنی پکی ہے۔'' چاچی اس کے ہاتھوں سے چادر کھینچ کر بڑبڑاتے ہوئے پلنگ پر بچھانے لگی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا چیخیں مار مار کر کہا ماتم کرے خوب روئے بال کھول کر بین کرے لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے آنسوؤں کو یوں اپنے آنچل میں سمیٹنے والی کہ جیسے قیمتی موتی ہوں اب اس دنیا میں نہیں رہی داجی نے دندناتے سے رنگے نارنجی ہونٹوں والی نئی نویلی دلہن کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''شیرین گل بچے! آج سے یہ ترور بی بی نہیں ہے بلکہ مورا کئی ہے سمجھ گئی۔''

''نہیں داجی! یہ ترور بی بی ہی ہے مورا کئی مرگئی ہے اور مرے ہوئے لوگ واپس نہیں آتے۔'' اس نے بزدلی کا چولا اتار پھینکا اور پہلی بار داجی کی آنکھوں میں یوں آنکھیں ڈال کر بولی کہ سب اسے حیران نظروں سے دیکھنے لگے اس کی بات سن کر ترور بی بی کا رنگ پھیکا پڑ گیا لیکن وہ بولی کچھ نہیں جبکہ چاچی نے بات سنبھالتے ہوئے داجی سے کہا۔

''لالہ بچی ہے ماں سے بہت محبت کرتی تھی اتنی جلدی نہ کرو ابھی تو تین مہینے ہی ہوئے ہیں کچھ وقت لگے گا سب ٹھیک ہونے میں۔'' اسے اپنی یہ خالہ شروع سے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی وہ مورا کئی کے چمکیلے اور قیمتی کپڑوں زیورات اور خوبصورتی سے جلتی تھی پتہ نہیں کیوں اسے یہ بات سمجھ آگئی تھی لیکن وہ بہن کو نہ سمجھ پائی ترور بی بی آئے دن ان کے گھر پہنچ جاتی تھی مورا کئی اسے داجی کے ساتھ آتا دیکھ کر خوش ہو جاتی لیکن وہ دیکھتی تھی کہ جب مورا کئی

Digitized by Google

سامنے نہ ہوتی تو ترور بی بی مسکرا مسکرا کر اس کے داجی کی طرف دیکھتی رہتی تھی اور ایک دفعہ تو اس نے دونوں کو ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکراتے ہوئے بھی دیکھا تھا وہ نا سمجھ تو تھی لیکن اتنی بھی نہیں کہ کچھ سمجھ نہ پاتی اسے یہ منظر بہت برا لگا تھا اور اس کا جی چاہا تھا کہ باورچی خانے میں پڑی وہ پکی اینٹ اٹھا کر ترور بی بی کے سر میں مار دے جو چاول دم پر رکھتے ہوئے مورا کئی بڑے پتیلے کے ڈھکنے پہ رکھتی تھی لیکن وہ مجبور تھی کیونکہ مورا کئی کو اپنی چھوٹی بہن سے بہت محبت تھی۔ شادی کے بعد سارے گھر پہ ترور بی بی کی حکومت قائم ہو گئی تھی سب سے زیادہ دکھ شیرین گل کو اس دن ہوا تھا جب مورا کئی کے سارے کپڑے ترور بی بی نے اپنی الماری میں رکھ لیے پھر تو ہر دن اس کے لیے اک نئی اذیت لے کر آتا تھا ہر صبح وہ اٹھتی تو اس کی خوش لباس ماں کا اک نیا جوڑا پہنے وہ گھر میں چلتی پھرتی اتراتی بل کھاتی نظر آتی۔ اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی مگر وہ بالکل بے بس تھی۔ داجی کا غصہ اسے چپ رہنے پر مجبور کرتا تھا اس کے بس میں صرف خود کو جلانا ہی تھا سو وہ رات دن جلتی رہتی تھی وہ اسی چارپائی پر بیٹھ کر اسی تکیے سے ٹیک لگائے اسکول کا کام کرتی اور سامنے باورچی خانے میں مورا کئی کی جگہ ترور بی بی کے ناز و انداز اور داجی کی سرگوشیوں کے جواب میں کھلکھلاتا ہوا قہقہہ یہ جلاد آوازیں اس کی سماعتوں پہ تازیانے برساتی رہتیں اور بصارتیں اس منظر پر اپنے ہونے کا ماتم کرتی رہتیں وہ لکھنا چھوڑ کر کاپی پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگتی ڈرائنگ بناتے ہوئے پھول کی جگہ کبھی سانپ یا چڑیل کی تصویر بنا لیتی کبھی لومڑی کی جب آنکھیں بند کرتی تو جلتے ہوئے دل پہ ٹھنڈے چھینٹے مارتی ماں کی آواز اس کی تکلیف کم کر دیتی تھی۔

"خوب پڑھ لکھ کر میری بیٹی ڈاکٹر بنے گی پھر اپنی ماں کا علاج کرے گی تب وہ بیمار نہیں تھی۔ مورا کئی تم تو ایکدم فٹ ہو تمہیں کوئی بیماری نہیں ہونے والی۔" سرخ گالوں اور صحت مند مظبوط جسم والی مورا کئی کو وہ شرارت سے دیکھ کر کہتی۔

"جب تو ڈاکٹر بنے گی تب تیری ماں بوڑھی ہو چکی ہو گی اور بڑھاپے کے ساتھ بیماری تو لازم ہے۔" وہ بے خبر تھی کہ کبھی کبھی بیماری کا عفریت جوانی کو بھی کھا جاتا ہے کچھ دن بعد داجی ایک دن اسپتال سے پنک کمبل میں لپٹی چھوٹی سی گڑیا اٹھا لائے اور اس کی گود میں دے کر بولے یہ تمہاری چھوٹی بہن ہے اس کا خیال رکھنا اور نام بھی تم رکھو اسے تو دنیا میں سب سے زیادہ مورا کئی کا نام پسند تھا اس نے نیلی آنکھوں والی اس بچی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں اس کا نام پلوشہ رکھنا چاہتی ہوں۔" تب ترور بی بی نے اس کی گود سے بچی کو چھینتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

"خدا نہ کرے کہ آپا کی طرح میری بیٹی کی منحوس قسمت ہو یہ نام تمہاری ماں کا تھا اب اس کے ساتھ گیا میں یہ نام اپنی بیٹی کا کبھی نہیں رکھوں گی نام کا اثر انسان پر ضرور پڑتا ہے داجی بھی چپ تھے سو وہ بھی ضد نہ کر سکی۔ وقت گزرنے لگا وہ پڑھائی پر ساری توجہ مرکوز کر کے اپنے دکھی دل کو بہلانے کی کوشش کرتی رہتی تھی اس دن اس کا ساتویں کا رزلٹ آیا تھا وہ بہت خوش تھی گلونہ سے پورے چالیس نمبر زیادہ لے کر پوری کلاس میں پہلے نمبر پر آئی تھی وہ بیگ رکھ کر داجی کو یہ خوشخبری سنانے ان کے کمرے کی طرف بڑھی تو اندر سے آتی دبی دبی سرگوشیوں اور بیچ بیچ میں تیز ہنسی کی آواز نے اس کے قدموں کو پکڑ لیا۔

"ویسے تم نے اچھا نہیں کیا میری بہن کے ساتھ۔" یہ ترور بی بی کی آواز تھی "اس بے چاری کو مار کر ہی چھوڑا۔ اگر اسے اس طرح ادھورے بچے کا بہانہ بنا کر آپریشن سے نہ روکتا تو نہ وہ اتنی جلدی مرتی اور نہ تم میرے دل کے ساتھ گھر کی ملکہ بن کر میری زندگی میں اتنی آسانی سے آتیں داجی کی معنی خیز ہنسی اور ان کے منہ سے نکلے الفاظ اسے سر سے پاؤں تک بھسم کر گئے تھے۔

URDU TUBE
Digitized by Google

''ہائے بے چاری میری بہن سمجھ ہی نہ سکی کہ ہم دونوں کے بیچ کیا چل رہا تھا اگر سمجھ جاتی تو کچھ دن پہلے ہی مر جاتی اور ہمیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑتا۔'' اف نفرت اور کراہیت کے احساس سے اس کا دل بند ہونے لگا تھا۔

''کاش وہ تیری بہن نہ ہوتی تو میں اسے کبھی نہ جانے دیتا اور تم سے نکاح کر لیتا لیکن سالی کو پانے کے لیے گھر والی کی قربانی تو دینی ہی پڑتی ہے نا؟'' دونوں کی مکروہ ہنسی کی آواز اس کی سماعتوں کو پگھلے ہوئے سیسے کی طرح جلا رہی تھی اس کے ہاتھ میں پکڑا سر ٹیفکیٹ زمین پر گر چکا تھا وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے زمین پہ بیٹھی کر لمبے لمبے سانس لینے لگی اسے اپنی بے بسی پر شدید غصہ آرہا تھا ان دونوں نے مل کر میری معصوم مورا کئی کو مار دیا اور میں ان سے انتقام بھی نہیں لے سکتی انہیں ان کے اتنے سنگین جرم کی سزا بھی نہیں دے سکتی شدید بے بسی کا یہ احساس اسے تڑپا رہا تھا۔ وہ بہت دیر تک وہیں دیوار سے ٹیک لگائے زمین پہ بیٹھی رہی خود کو خود ہی سنبھالنا تھا سو اپنے بکھرے ہوئے وجود کے ٹکڑے چن چن کر دوبارہ سے شیرین گل کی تعمیر شروع کر دی وہ جانتی تھی جو لوگ خود کو سمیٹنے کا ہنر سیکھ لیتے ہیں انہیں کوئی ہرا نہیں سکتا اگلی جیت یقینی ان کی ہوتی ہے وہ گھر کے کسی فرد سے کھل کر بات نہیں کرتی تھی۔ تر ور بی بی واجی اور چھوٹی نور بی بی میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جس کے وہ قریب ہوتی۔ اس نے پڑھائی پہ سارا دھیان لگا دیا ماں کی خواہش اس کے اندر مزید محنت کی تحریک پیدا کرتی اور وہ اک نئے عزم کے ساتھ مزید کامیابیوں کی تگ و دو میں مصروف ہو جاتی۔ تر ور بی بی اور واجی دونوں کی شکلیں کئی کئی دن تک نہ دیکھتی لیکن ایک ہی گھر میں رہ کر انہیں نہ دیکھنا بھی ممکن نہیں تھا۔ نور بی بی پڑھائی کا شوق نہیں رکھتی تھی اس نے میٹرک کے بعد پڑھائی چھوڑ دی تھی جبکہ وہ ڈاکٹر بن کر قریبی اسپتال میں جاب کر رہی تھی اس دوران بہت سے رشتے آئے مگر وہ انکار کرتی رہی کچھ تو دل ہاتھوں میں لیے پیچھے پھرتے رہے مگر مرد کی محبت پر اس کا اعتبار ختم کرنے میں واجی کا کردار ہی بہت تھا اسے محبت اور شادی کے نام سے ہی نفرت تھی۔ واجی کے بہت دباؤ پہ اس نے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تھا۔

''میری ماں کو شادی کر کے کیا ملا تھا واجی۔'' واجی نے ایک لمحے کے لیے نظریں چرائی تھیں لیکن دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھال کر پوچھا ''بیماری تو اللہ کی طرف سے آتی ہے اس میں بندوں کا کیا عمل دخل۔'' اس نے ایک جلتی ہوئی طنزیہ نظر باپ پر ڈالی اور بزبان خاموشی وہ سب کہہ گئی جو وہ سننا نہیں چاہتا تھا گھر میں ان دنوں نور بی بی کی شادی کی تیاریاں لگی ہوئی تھیں اسے بار بار چھٹیاں لینے کا کہا جا رہا تھا اسے ان معاملات یا گھر کے مکینوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اس سے تیرہ سال چھوٹی نور بی بی کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہو گئی تھی وہ بے دلی سے شادی کی رسموں میں نہ ہونے کے برابر شامل رہی چونکہ اتنے سالوں میں وقت بدل چکا تھا اب واجی کے پاس دولت کی ریل پیل تھی کاروبار خوب ترقی کر چکا تھا طور خم پر اس کے کئی ٹرک چل رہے تھے لڑکے والے بھی بہت اونچے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ہر لحاظ سے اچھے لوگ تھے شیرین کے لیے بھی رشتوں کی لائن لگی رہتی تھی وہ خوبصورت بھی تھی قابل بھی سب سے بڑھ کر مال دار باپ کی بیٹی تھی لیکن وہ اچھے سے اچھے رشتے کو انکار کر دیتی اب وہ ہر لحاظ سے خود مختار تھی اس کے چہرے پہ بچی سنجیدگی کی دبیز تہہ نے اسے بہت معتبر بنا دیا تھا۔ زیورات سے لدی پھندی نور بی بی شادی کے بعد پہلی بار گھر آئی تھی۔ اسے آج کے دن کا بڑی شدت سے انتظار تھا۔ آج بہت بڑی دعوت تھی وہ اسپتال سے آکر بہت توجہ سے تیار ہوئی وہ اپنی جسمانی نزاکت کی وجہ سے اصل عمر سے بہت کم نظر آتی تھی اسے اپنے ریشمی سنہری بالوں سے بہت پیار تھا ہو بہو مورا کئی جیسے بال ہیں میرے اس نے بڑے پیار اور نرمی سے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بناتے ہوئے سوچا۔ دروازے پہ دستک ہوئی۔ شیرین بی بی جلدی سے آجائیں کھانا لگنے والا ہے۔ ملازمہ اسے بلانے آئی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے نیچے اتری تو سبھی نگاہوں کا مرکز بن گئی تھی۔ سب کے ساتھ مل کر وہ نور بی بی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ اس کا میاں بھی بیٹھا تھا۔ تر ور بی بی اور واجی داماد اور اس

Digitized by Google

نے خاندان کے سامنے بچھے جا رہے تھے۔ دونوں بی بی کے عیش اور خوشی دیکھ کر بہت خوش تھے ان کی ہر ادا سے اطمینان جھلک رہا تھا اس نے اک پل کے لیے آنکھیں موند کر مورا کئی کو یاد کیا نظروں کے سامنے مورا کئی کا بے بس وجود اپنی بربادی پر فریاد کناں پوچھ رہا تھا۔

''شیرین گلے! کیا میرے قاتل ہمیشہ خوش اور آباد رہیں گے؟'' شیرین کے اندر جلتی انتقام کی وہ آگ جسے وقت کے چھینٹے بجھانے لگے تھے نفرت کی ہواؤں سے دوبارہ جلنے لگی تھی شعلے بلند ہوئے اور اس نے چپکے سے پونی میں قید اپنے خوبصورت ریشمی سنہری بالوں کو آزاد کرتے ہوئے ساتھ بیٹھے بہنوئی کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف متوجہ پا کر غیر محسوس انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اس لمحے اس کے ہونٹوں پہ اک عجیب سی فاتحانہ قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

......☆☆......

کایا پلٹ...... عائشہ بٹ

فرحانہ نے کبھی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کا شوہر کیا کام کرتا ہے۔ اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ صرف ایک بار افتادِ طبع کی خاطر اس نے اپنے شوہر جمیل سے پوچھا تھا۔ ''اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات تو بتائیں۔''

''پوچھو...... ملکہ عالیہ۔ بندہ منتظر ہے کہ آپ کے منہ سے کون سی پھلجڑی چھوٹتی ہے۔'' جمیل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

ایسی آنکھوں کی تاب نہ لا کر وہ ہمیشہ گھبرا جایا کرتی تھی کیونکہ ان آنکھوں میں گویا پیار کا ایک ساگر تھا' جس میں وہ ڈوب ڈوب جایا کرتی تھی اور اسے اپنی ذات بھی ان آنکھوں میں ڈوبتی اُبھرتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے ڈھال کے طور پر اپنی سہیلی نجمہ کو رکھتے ہوئے کہا۔

''نجمہ کہہ رہی تھی کہ اس کا شوہر اپنے دفتر کی ایک ایک بات اسے بتاتا ہے۔''

''تمہارے خیال میں یہ کوئی اچھی بات ہے؟'' جمیل نے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''چلیں چھوڑیں۔ میں وہ سوال واپس لیتی ہوں۔ جو کرنا چاہتی تھی۔'' فرحانہ نے اپنی ازدواجی محبت بھری جمیل میں ارتعاش محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو فرحانہ۔'' جمیل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے' نا کہ پیڑ گننے سے۔''

''ٹھیک ہے جناب۔ آئی ایم ویری سوری۔'' اس کے بعد بات آئی گئی ہو گئی تھی۔

اور فرحانہ نے کبھی بھی یہ سوال اپنے شوہر سے نہیں کیا کہ وہ کام کیا کرتا ہے۔

زندگی آرام سے گزر رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں سرشار تھے۔ جمیل نے گویا اسے چھتری کی طرح بغل میں داب کر نگر نگر کی سیر کروائی۔ اس طرح وقت نے چھ ماہ کی مسافت طے کر لی۔

ایک صبح فرحانہ کی آنکھ ذرا جلدی کھل گئی۔

اس نے دیکھا کہ جمیل کمرے میں نہیں ہے۔ وہ سردیوں کے دن تھے۔ سردی عروج پر تھی۔

فرحانہ نے سوچا کہ ہو سکتا ہے جمیل واش روم میں ہو لیکن اگلے ہی لمحے یہ سوچ پانی کے بلبلے کی طرح اس کے

Digitized by Google

ذہن سے اُڑ گئی کیونکہ واش روم کی لائٹ تو بند تھی۔ وہ یخ بستہ سی رضائی گھٹنوں پر رکھے بیٹھی رہی لیکن جب پندرہ منٹ کا عرصہ گزر گیا تو اس کے ذہن کو وسوسے کسی سانپ کی طرح ڈسنے لگے۔ رات کو جمیل ایک بجے گھر آیا تھا۔

''یا اللہ خیر کرنا۔ اس وقت جمیل کہاں جا سکتا ہے۔'' باہر سرد ہوائیں خطرے کی گھنٹی بجا رہی تھیں۔ ہر چیز سرد تھی۔

رات جمیل کا دیر سے آنا اسے اب پراسرار لگ رہا تھا۔

اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی رو رہا ہو..... گڑگڑا رہا ہو۔ اس ٹھنڈی ٹھار رات میں بھی اس کے مساموں نے گرم گرم پسینہ اُگل دیا۔

اس نے رضائی کو آہستہ سے ایک طرف کیا اور کمرے میں جلتے زیرو بلب کی ملگجی روشنی میں چارپائی سے نیچے اُتر کر گھر میں پہننے والی جوتی پاؤں میں اُڑسی اور دروازہ کھول کر برآمدے میں نکل آئی۔

آوازیں وہاں سے آ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا' وہ اسے حواس باختہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

جمیل گرم کمبل میں لپٹا کہہ رہا تھا۔ ''اے ربِ کائنات' اے دو جہاں کے والی' مجھے معاف کر دیں' حالانکہ میں اس قابل تو نہیں ہوں' میں قاتل ہوں' میں قاتل ہوں.....''

فرحانہ تیزی سے جا کر اس کے اوپر گر سی گئی۔

''جمیل کیا بات ہے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ اور قاتل..... میرے کانوں کو یقین نہیں آ رہا۔''

فرحانہ نے دیکھا کہ جمیل کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی طرح آنسو برسا رہے ہیں جو اس کی اُٹھے ہوئے ہاتھوں کو اس طرح دھو رہے تھے جیسے سفید پتھروں کو موتی دھو رہے ہوں۔

پھر جمیل اسے اپنے ساتھ لپٹائے ہوئے ہچکیاں لے کر رونے لگا۔

''جمیل..... میری جان' مجھے بتائیں کیا بات ہے؟ آپ کو کیا دُکھ ہے۔ آپ نے کس کو اور کیوں قتل کر دیا ہے؟'' اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور کس طرح الفاظ اس کی زبان سے نکل رہے ہیں۔

''فرحانہ..... آج تم سارے سوال مجھ سے کرو۔ میں ہر سوال کا جواب دوں گا۔ مجھے آج احساس ہوا ہے کہ بیوی کا حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے پوچھے کہ وہ کیا کام کرتا ہے' کدھر جاتا ہے۔ آ' اندر چلتے ہیں۔ آج میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔''

پھر کمرے کے بیڈ پر بیٹھ کر جمیل نے ہر بات' ہر واقعہ' تمام حالات اس کے گوش گزار کر دیے۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

''فرحانہ..... تمہیں پتہ ہے کہ میں تم سے بہت پہلے سے محبت کرتا ہوں' کالج کے دَور سے' اور تم بھی مجھے اس وقت سے چاہتی ہو۔ پھر ہماری تعلیم مکمل ہو گئی اور ہماری ملاقاتیں محدود ہو گئیں۔ میں ابھی تہی دامن تھا۔ میرے پاس کوئی وسیلہ' روزگار نہیں تھا۔ میں نے ہر جگہ قسمت آزمائی کی نوکری کے لیے' ہر اس دَر پر دستک دی جہاں نوکری ملنے کے چانس تھے۔ میں نے درجنوں سی وی تیار کیں' انہیں مختلف جگہوں پر بھیجا' خود بھی گیا لیکن کہیں سے بھی مجھے مثبت جواب نہ ملا کیونکہ کالج ہر سال ہزاروں لڑکوں کو اپنی فیسیں کھری کر کے تعلیم کی ڈگری دے کر معاشرے میں اُگل دیتے ہیں لیکن اتنی تعداد میں آگے جاب نہیں ہوتی۔ ایک ایک ویکنسی کے لیے سیکڑوں درخواستیں ہوتی ہیں۔ پھر زیادہ تر نوکریاں سفارش' رشوت اور اقربا پروری نگل لیتی ہیں' جو تیاں چٹخا چٹخا کر میرا ذہن باغیانہ ہو گیا۔ میں تمہارے بغیر ادھورا تھا اور یہ تکمیل شادی کرنے سے ہی ہو سکتی تھی لیکن میں کس منہ سے خالی دامن لیے اپنی امی کو تمہارے گھر بھیجتا۔ وہ سب سے پہلے یہ پوچھتے کہ لڑکا کام کیا کرتا ہے' کتنی اس کی آمدن ہے' اس کی کیا حیثیت

ہے۔ میرا دوست امجد ایک دن مجھے کہنے لگا کہ جمیل چھوڑو دفتروں کے چکر' ہم جیسے غریب عوام کو نوکری نہیں ملے گی۔ ہم صرف پرچی پر مہر لگانے کے لیے ہیں۔ زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگانے کے لیے ہیں۔ تم بھی وہی کام کرو جو میں کرتا ہوں۔''

میں نے حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کون سا کام؟''

''جیب تراشی۔'' اس نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جیب تراشی.....'' میں نے اس طرح اس کی طرف دیکھا جیسے اس نے مجھے گالی دی ہو۔

''بالکل۔ میرے بھولے بادشاہ' یہ دُنیا بڑی ظالم ہے۔ یہ طوائفوں پر دولت لٹا دیتے ہیں لیکن اپنے غریب پڑوسی کو ایک روپیہ دینے کے روادار نہیں ہیں۔

''یار..... یہ تو جرم ہے۔'' میں نے دل میں قائل ہوتے ہوئے ایک اندیشے کی طرف اشارہ کیا۔

''چھوڑو یار۔ میں زیادہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتا ورنہ تمہارے کانوں سے دھواں نکلنے لگے گا۔

دھواں تو واقعی نکل رہا تھا لیکن یہ دھواں کانوں سے نہیں' دل سے نکل رہا تھا۔ جلتے ارمانوں کا دھواں۔ ناکام حسرتوں کا دھواں۔ دل میں مچلتے جذبوں کا دھواں..... قصہ مختصر یہ کہ امجد نے مجھے قائل کرلیا۔ میں نے تعلیمی اسناد رکھ دیں اور امجد کے ساتھ مل کر جیب تراشی کا دھندا شروع کردیا۔

میں نے اپنی بھولی بھالی امی کو بتایا کہ مجھے نوکری مل گئی ہے۔ اس وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے' جب امی نے مجھے کہا۔ ''جمیل جا بازار سے مٹھائی لے آ' میں اس خوشی میں محلے میں مٹھائی بانٹوں گی۔''

میرے اندر اتنی جرأت نہیں تھی کہ میں انہیں حقیقت حال سے باخبر کرتا۔ وہ بہت ہمت والی تھیں۔ والد کے مرنے کے بعد انہوں نے محنت مزدوری کر کے میری تعلیم مکمل کروائی تھی۔ میں اپنی منحوس زبان سے انہیں اپنے دھندے کے متعلق نہیں بتا سکتا تھا۔ انہیں بہت دُکھ ہوتا۔ وہ ٹوٹ پھوٹ جاتیں۔ بہرحال جب پیسے جمع ہوگئے تو میں نے انہیں تمہارے متعلق بتا کر رشتہ مانگنے کے لیے راضی کرلیا۔

وہ اولاد سے پیار کرنی والی تھیں' اس لیے انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور ہماری شادی ہوگئی۔ تمہارے گھر والوں نے بھی یہ سوال نہیں کیا کہ لڑکا کیا کام کرتا ہے۔'' فرحانہ نے یہاں بولنا مناسب سمجھتے ہوئے کہا۔

''دراصل جمیل میں نے کافی عرصہ پہلے انہیں بتا دیا تھا کہ میں تم سے شادی کروں گی ورنہ ساری عمر کنواری رہوں گی۔'' یہ بات کرنے کے بعد فرحانہ کے کان اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہوگئے' جو کہہ رہا تھا۔

''فرحانہ' امی شاید میری شادی کا ہی انتظار کر رہی تھیں۔ تمہیں تو پتہ ہے کہ شادی کے پانچویں دن وہ اچانک ہیضہ ہوجانے کی وجہ سے ہمیں اکیلا چھوڑ گئیں۔'' اس کے ساتھ ہی جمیل رونے لگا۔

فرحانہ نے اس کے آنسو اپنے دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھیں اللہ کی رضا اس میں تھی۔ ہمیں ان کی بہت ضرورت تھی لیکن..... خیر آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیں۔''

جمیل نے دوبارہ ٹوٹے سلسلے کو جوڑتے ہوئے کہا۔

''ایک طرح سے اچھا ہی ہوا فرحانہ کہ وہ یہ دن دیکھنے سے پہلے ہی اپنی آخری منزل پر پہنچ گئیں ورنہ یہ سب میں انہیں کیسے بتاتا کہ میں کیا کرتا رہا ہوں۔ بہرحال کل صبح میں نے ایک آدمی کی جیب کاٹی اور اس کی کٹی ہوئی جیب اپنی جیب میں منتقل کرتے ہوئے ہجوم میں غائب ہوگیا۔ ''محفوظ'' مقام پر پہنچ کر میں نے جب مال غنیمت کا جائزہ لیا تو میری باچھیں کھل گئیں۔ یہ ایک بہت بڑی رقم تھی۔ رقم کے ساتھ ایک لفافہ بھی تھا' جو لٹنے والا شخص شاید پوسٹ کرنا چاہتا تھا۔ کسی جذبے اور غیر مرئی قوت نے مجھے لفافہ کھولنے پر مجبور کردیا۔ پہلے میں تمہیں خط کا مضمون

Digitized by Google

سنادوں۔

''از.....

میری پیاری شریک حیات.....

السلام علیکم! میں نے آج تک تم سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ اپنی زندگی کا یہ راز بھی تمہیں بتا رہا ہوں لیکن تم نے اس راز کو اپنے تک رکھنا ہے۔ بچوں کو بھی نہیں بتانا۔ کنیز فاطمہ کی شادی کے سلسلے میں' میں نے پیسوں کے لیے بہت تگ ودو کی' فیکٹری میں لون کے لیے بھی اپلائی کیا لیکن کہیں سے بھی گوہر مراد حاصل نہ ہوا۔ کنیز فاطمہ کی سسرال والے رخصتی کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں۔ (یہ بات تمہارے خط کے ذریعے معلوم ہوئی) اس لیے میں نے اپنا ایک گردہ بیچ دیا ہے۔ تم بالکل فکرمند نہ ہونا۔ انسان ایک گردے سے بھی جی سکتا ہے۔ بہرحال اس خط کے ساتھ میں رقم منی آرڈر کر رہا ہوں' ملنے پر اطلاع دینا اور ہاں رقم ملتے ہی شادی کی تیاری شروع کر دینا اور اگلے چاند کی پندرہ تاریخ رخصتی کے لیے دے دینا۔ میں ان شاء اللہ چھٹی لے کر اگلے چاند کی سات' آٹھ تاریخ تک تمہارے پاس ہوں گا۔

والسلام۔ افتخار۔''

فرحانہ..... خط پڑھ کر میری جو حالت ہوئی' وہ بیان سے باہر ہے۔ لفظ اس کیفیت کے سامنے لولے لنگڑے لگتے ہیں۔ اپاہج محسوس ہوتے ہیں۔ بہرحال لفافے کے اوپر لکھے پتے پر میں نے پوری رقم منی آرڈر کر دی اور پیچھے لکھے پتے پر میں شام کو پہنچا تو یہ بری خبر میری منتظر تھی کہ افتخار نے خودکشی کر لی ہے۔ لوگ چہ مگوئیاں کر رہے تھے کہ پتہ نہیں کیوں افتخار نے خودکشی کی ہے۔ فرحانہ' مجھے تو احساس ہے' مجھے تو پتہ ہے کہ افتخار نے کیوں خودکشی کی ہے۔ میں اس کا قاتل ہوں۔ فرحانہ تم نہ بولو' میں نے تمہارے چہرے پر لکھے سوال کو پڑھ لیا ہے تو سنو' میں نے غیر ارادی طور پر رقم تو منی آرڈر کر دی تھی لیکن مجھے چین نہیں آیا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ لٹنے والے شخص کے پاس جاؤں اور ساری صورت حال اس کے سامنے رکھ کر کہوں کہ مجھے جو چاہے سزا دو' مجھے منظور ہوگی۔ لیکن..... ہاں ایک بات اور بتا دوں کہ خط بھی میں نے پوسٹ کر دیا ہے۔''

فرحانہ نے مجھے اپنی یہ کہانی سنانے کے بعد کہا۔ ''عائشہ' میں نے اس کے بعد بڑی مشکل سے اپنے شوہر کو سنبھالا تھا۔ وہ تو خودکشی کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔''

آج اس واقعے کو دس سال گزر گئے ہیں۔ ہمارے تین بچے ہیں۔ ہمیں رہائش کمپنی کی طرف سے ملی ہوئی ہے۔ میرے شوہر کی اس وقت معقول تنخواہ ہے۔ ہاں کچھ باتیں اور بھی ہیں۔ اس واقعے کے بعد میرے شوہر نے محنت مزدوری کی تھی' پھر قسمت کی دیوی ہمارے اوپر مہربان ہو گئی۔ آج وہ کمپنی کی ایک مل میں جنرل منیجر ہیں۔

Digitized by Google

ذوق آگہی

سباس گل

ذرا سی مسکراہٹ

ایک شخص نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ ''آقا اس دنیا میں خدا کو ڈھونڈا جائے تو کہاں پر نظر آئے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فجر کی نماز پڑھ کر مسکراتے ہوئے اپنی ماں کی طرف دیکھو گے تو اس میں خدا کی جھلک نظر آئے گی'' سبحان اللہ۔

زندگی.....شاہ نکڈر

شہادت

حضرت جابر بن عتیکؓ سے (ایک طویل حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ شہادت کسے شمار کرتے ہو عرض کیا گیا کہ خدا کے راستے میں قتل ہو جانے کو۔

آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے راستے میں قتل ہو جانے کے علاوہ سات شہادتیں ہیں۔

☆ مرض ہیضہ میں مرنے والا۔

☆ ڈوب کر مرنے والا۔

☆ ذات الجنب (نمونیہ) سے مرنے والا۔

☆ طاعون سے مرنے والا۔

☆ جل کر مرنے والا۔

☆ عمارت کے نیچے دب کر مرنے والا۔

☆ وہ عورت جو بچہ کے پیٹ ہی میں رہ جانے اور پیدا نہ ہونے کی وجہ سے مر جائے یہ سب شہید ہیں۔

بحوالہ: (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، معارف الحدیث)

(کتاب: اسوۂ رسول اکرم ﷺ)

ایس حبیب خان.....کراچی

کیس

ایک شخص پولیس کی ملازمت کا امیدوار تھا ممتحن نے پوچھا ''ابراہیم لنکن کو کس نے قتل کیا؟''

وہ کچھ دیر بعد سوچ کر بولا۔ ''مجھے اس کا جواب دینے کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔''

ممتحن نے کہا ''ٹھیک ہے آپ جائیں کل درست جواب لائیں'' وہ گھر آیا تو بیوی نے پوچھا ''کیسا رہا امتحان ملازمت مل گئی۔''

وہ شخص بولا ''معلوم تو یہی ہوتا ہے فوراً ہی انہوں نے ایک قتل کا کیس دے دیا ہے اور قاتل کی تلاش پر مامور کر دیا ہے۔''

پرنس افضل شاہین.....بہاولنگر

درخت لگائیے

سرسبز پاکستان ہم سب پاکستانیوں کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں اس کے لیے ہم سب کو درخت لگانے کی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

درخت لگانے کے جہاں فائدے ہیں وہاں ہم ثواب بھی حاصل کرتے ہیں درخت لگانے سے فضائی آلودگی میں کمی ہوتی ہے اور عالمی ماحول کے درجہ حرارت میں بھی کمی ہوتی ہے یہ ہمیں آکسیجن فراہم کرتے ہیں ماحول کو ٹھنڈا رکھتے ہیں اور سیلاب سے بچاتے ہیں ان سے زمین زرخیز ہوتی ہے پھل اور سبزیاں حاصل ہوتی ہیں یہ صدقہ جاریہ ہے اس سے جو پرندہ انسان یا چوپایہ کھائے تو وہ اس کی طرف سے صدقہ ہوگا ہم سب اپنے حصے کے درخت لگائیں اور پاکستان کو سرسبز اور شاداب بنائیں۔

ایم رفاقت.....واہ کینٹ

سنہری باتیں

❖ دنیا کے سامنے مسکرایا کرو اور اللہ کے سامنے رویا کرو کیونکہ دنیا مسکرانے والوں کو پسند کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ رونے والوں کو

❖ تکبر سے پاک گفتگو لالچ سے پاک خدمت اور خود غرضی سے پاک دعا اللہ سے قریب ہونے کی دلیل ہے۔

❖ سائل کو دینے کے لیے اگر کچھ نہ بھی ہو تو نرمی اور خوش دلی سے معذرت کر لیجیے تاکہ کچھ نہ پا کر بھی وہ آپ کو دعائیں دے۔

❖ زندگی کی خوب صورتی رشتوں سے ہے اور رشتے تب تک قائم رہتے ہیں جب ہم معاف کرنا اور درگزر کرنا سیکھ جاتے ہیں

❖ آج کی مفت نصیحت جو قبول نہیں کرے گا کل اسے

Digitized by Google

مہنگے داموں افسوس خریدنا پڑے گا۔

❖ غیر تعلیم یافتہ ہونا شرم کی بات نہیں لیکن اس سے بھی زیادہ شرم کی بات یہ ہے کہ انسان کوئی کام ٹھیک سے انجام دینا بھی نہ سیکھ سکے۔

عبدالجبار رومی انصاری..... بورے والا

سقراط کا حوصلہ

جب سقراط کو زہر کا پیالہ دیا جانے لگا تو اس کا شاگرد زاروقطار رونے لگا۔

سقراط نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا پوچھا۔

''اے میرے ہونہار شاگرد تم کیوں رو رہے ہو؟''

شاگرد نے جواب دیا۔

''اے میرے محترم استاد میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ آپ بے گناہ مارے جا رہے ہیں۔''

سقراط نے کہا۔

''ارے بے وقوف کیا چاہتے ہو کہ میں گناہگار مارا جاؤں۔''

ہر شخص اپنے وقت کا سقراط ہے یہاں
پیتا نہیں ہے زہر کا پیالہ مگر کوئی

ریاض بٹ..... حسن ابدال

مٹی

انسان کے لیے پانی آگ اور ہوا جیسے عناصر کے ساتھ ساتھ مٹی بھی لازم وملزوم کی حیثیت رکھتی ہے زندگانی کے سفر میں ہر ذی روح کے لیے خوراک اور اس پر بسنے کے لیے (زمین) مٹی نہایت ضروری ہے اس کے علاوہ کئی ایک معدنیات کوئلہ، جپسم پتھر ریت نمک اور کئی ایک چیزیں مٹی سے حاصل ہوتی ہیں انسان چرند پرند، حشرات الارض کو رہنے اور بسنے کے لیے خداوند کریم نے زمین کا فرش قرار دیا مٹی ہی کی بدولت انسان نے بلند وبالا عمارت تعمیر کیے پہاڑ دریا کھیتیاں درخت پیڑ پھل پھول سبھی مٹی ہی پر ایستادہ ہیں اور مٹی پر ہی پھلتے پھولتے ہیں انسان حیوان چرند پرند سبھی کی خوراک اور رہائش مٹی ہی کے مرہون منت ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ انسان کا آغاز اور تخلیق مٹی ہی سے ہوئی اور برسہا برس جینے کے بعد وہ مٹی ہی میں سما دیا جائے گا اس پر اکڑ کر چلنے والے بھی بستے ہیں اور عجز وانکساری سے چلنے والے بھی اس نے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کی پناہ دی جو داتا گنج بخش، بابا فرید الدین، سخی شہباز قلندر کہلائے اور غرور وتکبر اور خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون، نمرود شداد اور یزید جیسے منکرین حق کو بھی اپنے اندر سماتے ہوئے اف تک نہ کی۔

گرجا گر مندر اور پوجا پاٹ بھی اسی مٹی پر کی جاتی ہے مسجدیں درگاہیں اور عبادت گاہیں بھی یہاں تک کہ خانہ خدا اور مسجد نبوی ﷺ بھی اسی مٹی پر ایستادہ ہیں جہاں لاکھوں کروڑوں لوگ خدا کے حضور سر بسجود ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے فلاح پاتے ہیں۔

مٹی ہی کی بدولت انسان میلوں کا سفر گھنٹوں منٹوں میں طے کرتا ہے ہر سواری مٹی کے سینے پر دوڑتی ہے انسان مٹی ہی پر ناچتا گاتا اور جھنگڑے ڈالتا ہے تو اسی مٹی پر بیٹھ کر روتے ہوئے آہیں بھر کر آنسو بہاتا ہے۔

مٹی کی تخلیق آخر کار ایک روز مٹی ہی میں ضم ہو جاتی ہے پیدا ہونے اور مر کر مٹی میں سمانے کا یہ عمل صدیوں سے برقرار رہے مگر اس مٹی نے آج تک ذرہ بھر احتجاج نہیں کیا اور نہ ہی اکھاڑنے بکھیرنے اور برابر کرنے پر زور دیا ہے یہ عمل روز اول سے یونہی جاری وساری ہے اور صدیاں گزرنے پر بھی اسی طرح چلا آ رہا ہے۔

مٹی (زمین) ماں کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی حفاظت بھی ہمارے لیے نہایت ضروری ہے تبھی انسان اس کے لیے ہمیشہ سر بکفن رہتا ہے اور اس کی حفاظت اور حصول کے لیے مرنے مارنے پر تل جاتا ہے کیونکہ یہ نہیں ہوگی تو انسان اور جانداروں کے لیے بسنا اور زندگی گزارنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہوگا۔

آؤ.....

ہم سبھی مل کر عہد کریں اس کی حفاظت کے لیے اپنا تن من دھن سبھی کچھ اس پر قربان کرتے ہوئے اس پر کبھی آنچ تک نہیں آنے دیں گے اس کا تقدس اور احترام سدا برقرار رکھیں گے۔

ایم حسن نظامی..... قبولہ شریف

ماں

خلوص، محبت، چاہت، دریا دلی اور انکساری کا پیکر میری والدہ میری کل کائنات ہیں اور سچ کہوں تو وہ میرا پہلا پیار ہیں، میں آج جو کچھ بھی ہوں، اپنی پیاری، دلاری ماں

Digitized by Google

کی دعاؤں اور تربیت ہی کی بدولت ہوں ماں کی باتیں دہرانا شروع کروں تو بس اک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوتا ہے، مگر ساری باتوں کا خلاصہ کرو اک لفظ میں سمو دو تو صرف ''ماں'' کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ ایک ایسا میٹھا، با معنی لفظ ہے جو لبوں سے ادا ہوتا ہے تو جیسے چار سو محبت کی لہریں سی پھیلنے لگتی ہیں۔

ملک جواد نواز.....ڈیرہ اسماعیل خان

دس سورتوں کے دس خواص

۱۔ سورۃ الفاتحہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچاتی ہے۔
۲۔ سورۃ یٰسین قیامت کے دن پیاسا رہنے سے بچائے گی۔
۳۔ سورۃ الدخان قیامت کی ہولناکیوں سے بچانے والی ہے۔
۴۔ سورۃ الواقعہ فقر و فاقہ سے بچاتی ہے۔
۵۔ سورۃ الملک عذاب قبر سے بچانے والی ہے۔
۶۔ سورۃ الکوثر دشمنوں کی دشمنی سے بچاتی ہے۔
۷۔ سورۃ الکافرون موت کے وقت کفر سے بچاتی ہے۔
۸۔ سورۃ الاخلاص منافقت سے بچاتی ہے۔
۹۔ سورۃ الفلق حاسدوں کے حسد سے بچاتی ہے۔
۱۰۔ سورۃ الناس وسوسوں سے بچاتی ہے۔

(بحوالہ: الکنز المدفون صفحہ ۹۸)

محمود آغاز.....کراچی

دوست سے ملاقات

حضرت ابی رزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا میں تجھ کو اس امر (دین) کی جڑ بتا دوں کہ تو اس کے ذریعہ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی کو حاصل کر سکے۔

۱۔ تو اہل ذکر کی مجلسوں میں بیٹھا کر (یعنی ان لوگوں کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں)۔
۲۔ اور جب تنہا ہو تو جس قدر ممکن ہو خدا تعالیٰ کی یاد میں اپنی زبان کو حرکت میں رکھ۔
۳۔ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے محبت کر اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے لیے بغض رکھ۔

اے ابو زرین کیا تو جانتا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو زیارت و ملاقات کے ارادے سے گھر سے نکلتا ہے تو کیا ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے لیے دعا و استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ''اے پروردگار اس شخص نے محض تیری رضا کے لیے ملاقات کی تو اس کو اپنی رحمت اور شفقت سے ملا دے۔'' پس اگر تجھ سے یہ ممکن ہو یعنی اپنے بھائی مسلمان سے ملاقات کے لیے جانا تو ایسا کر (یعنی اپنے بھائی مسلمان سے ملاقات کر)۔

(بیہقی۔ مشکوٰۃ)

سعید خان.....کراچی

انمول جواہر

❁ پریشانی میں پریشان ہونا پریشانی سے زیادہ خراب ہے۔

(حضرت علیؓ)

❁ خدا کے نزدیک سے سے پیاری بات والدین کی اطاعت ہے۔

(حضرت جنید بغدادیؒ)

❁ جس میں برداشت کی قوت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔

(لقمان)

❁ میں نے خدا کو ارادوں کے ٹوٹ جانے اور عقدوں کے حل ہو جانے سے پہچانا ہے۔

(حضرت علیؓ)

❁ زبان کو شکایت سے بند کرو خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔

(حضرت ابوبکر صدیقؓ)

محمد عثمان.....کراچی

دل اور زبان

ایک دن حکیم لقمان نے اپنے ملازم سے کہا کہ ''آج کھانے میں بکری کے وہ اعضا پکا کر لاؤ جو جسم انسانی میں سب سے بہتر عضو خیال کیے جاتے ہوں۔'' ملازم نے دل اور زبان پکا کر پیش کر دیئے۔

دوسرے دن لقمان نے بدترین اعضاء پکانے کا حکم دیا تو ملازم اُس روز بھی دل اور زبان پکا کر لے آیا۔

لقمان نے اس سے سوال کیا کہ ''یہ کیا بات ہے کہ جب

Digitized by Google

میں نے بہترین اعضاء پکانے کو کہا تو تم دل اور زبان لے کر آئے اور جب میں نے بدترین اعضاء کی تاکید کی تب بھی تم یہی دونوں چیزیں پکا کر لے آئے۔'' ملازم نے جواب دیا کہ ''اے حضرت اگر دل اور زبان ذکر الٰہی معمور اور ارشادِ خداوندی کے تابع ہوں تو یہ بہترین حصہ جسم ہیں اور اگر اس کے برعکس صورت حال ہو تو یہ بدترین حصہ جسم ہیں۔''

ساجد علی.....ملتان

ایک مرد حق اور بادشاہ وقت

ایک مرد باخدا جنگل کے ایک گوشہ میں بیٹھا اللہ اللہ کر رہا تھا۔ بادشاہ وقت کا ادھر سے گزر ہوا لیکن وہ ذکر الٰہی میں مصروف رہا اور بادشاہ کی طرف دھیان نہ کیا۔ بادشاہ اس کی بے نیازی پر بگڑ گیا اور کہنے لگا۔ ''یہ گدڑی پوش جانور ہوتے ہیں۔ ان کو انسانیت چھو کر بھی نہیں گئی۔'' بادشاہ کے تیور دیکھ کر وزیر اس فقیر کے پاس گیا اور کہا کہ ''اے مرد خدا! ایک جلیل القدر بادشاہ تیرے پاس سے گزرا لیکن تو نے کوئی خدمت نہ کی اور نہ آداب بجالایا۔'' فقیر نے کہا۔'' بادشاہ سے کہہ دو خدمت کی توقع اس سے رکھے جو اس سے انعام کی توقع رکھتا ہو اور یہ بھی سمجھ لے کہ بادشاہ رعیت کی نگہبانی کے لیے ہیں نہ کہ رعیت بادشاہوں کی اطاعت کے لیے۔ بھیڑ چرواہے کے لیے نہیں ہے بلکہ چرواہا اس کی خدمت کے لیے ہے۔'' بادشاہ کو فقیر کی باتیں بھلی معلوم ہوئیں اس نے فقیر سے کہا۔ ''مجھ سے کچھ مانگ۔'' فقیر نے کہا۔ ''میں یہ مانگتا ہوں کہ آپ یہاں دوبارہ تشریف لا کر مجھے تکلیف نہ پہنچائیں۔'' بادشاہ نے کہا۔ ''تو پھر مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔'' فقیر نے کہا۔ ''ابھی وقت ہے کہ کچھ کر لے کیوں کہ نعمت اب تیرے ہاتھ میں ہے۔ اچھی طرح جان لے یہ دولت اور ملک ہاتھوں ہاتھ جاتا ہے۔''

نسرین بانو.....حیدرآباد

تعلیم

ہر ترقی یافتہ ملک میں اس کی اپنی زبان ہی ذریعہ تعلیم ہے۔ مگر پاکستان میں ذریعہ تعلیم اردو نہیں انگریزی ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں کا معیار تعلیم پست ہے کیونکہ طالب علم اپنا قیمتی وقت علوم سیکھنے کے بجائے انگریزی سیکھنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔ کسی غیر زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ جاپان میں جاپانی، چین میں چینی، انگلستان میں انگریزی، فرانس میں فرانسیسی، جرمن میں جرمنی غرض یہ کہ ہر ملک کے اندر وہی زبان ذریعہ تعلیم ہے جس کو سب بخوبی سمجھتے ہیں سوائے پاکستان کے جہاں سب لوگ سمجھتے تو اردو ہیں لیکن یہاں ذریعہ تعلیم انگریزی ہے اور اسی وجہ سے ہمارا معیار تعلیم پست ہے۔ تعلیم اسی زبان میں اچھی طرح دی جاتی ہے جس کو طالب علم آسانی سے سمجھ سکیں۔ ہمارے یہاں تعلیم اس زبان میں دی جاتی ہے جس کو سمجھنے میں دس سال کا عرصہ لگ جاتا ہے پھر کہیں جا کر صحیح علم سیکھنے کا آغاز ہوتا ہے۔ ہمارے زوال و پستی اور نالائقی کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم نے اردو کو ذریعہ تعلیم نہیں بنایا اور ہم اپنا قیمتی وقت علم سیکھنے کے بجائے انگریزی سیکھنے میں گنوا دیتے ہیں۔

سفیان اشرف.....اوکاڑہ

ایک عجیب رات

دنیا میں ایک ایسی رات بھی گزری ہے جس میں ایک خلیفہ کا انتقال ہوا، دوسرا اس کی جگہ تخت نشین ہوا اور تیسرا پیدا ہوا۔

مرنے والا خلیفہ مہدی کا بیٹا ہادی تھا، تخت نشین ہونے والا ہادی کا بھائی ہارون الرشید تھا اور پیدا ہونے والا ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید تھا۔

قرۃ العین، صائمہ عمرین.....دار بن کلان

اچھی بات

❁ پھول نے وقت سحر آسمان سے فریاد کی کہ مجھ سے میری شبنم چھینی جا رہی ہے، اسے کیا معلوم کہ آسمان اپنے ستارے کھو رہا ہے۔

❁ پانی بنو جو اپنا راستہ خود بناتا ہے، پتھر نہ بنو جو دوسروں کا راستہ روک لیتا ہے۔

❁ اگر غلط فہمیاں دور نہ کی جائیں تو وہ نفرتوں میں بدل جاتی ہیں۔

❁ اہمیت دکھ کی نہیں بلکہ دکھ دینے والے کی ہوتی ہے، دور بھاگیے ایسے دوستوں سے جو کھیل ہی کھیل میں زندگی سے کھیل جاتے ہیں۔

الفت اینڈ فائزہ عباسی.....چناری آزاد کشمیر

Digitized by Google

خوشبوئے سخن

نوشین اقبال نوشی

غزل

بچ نہیں سکتی ہے دولت سے یہ عمر بے ثبات
کھول کر دولت کی پٹی دیکھ رنگ کائنات
جس کے دل میں درد اٹھتا ہے پرائے درد سے
زندہ رہنے ہی کہاں دیتے ہیں ان کو حادثات
آج بھی ہے معرکہ حق و باطل چار سو
آج بھی ہیں کتنے پیاسے برلب نہر فرات
بھوک کو بہتر سمجھتے ہیں جو بھوکے لوگ ہیں
اہل ثروت کی سمجھ میں آ نہیں سکتی یہ بات
کون سے وہ کیمیا گر ہیں کوئی سمجھائے تو
مفلسی ثروت میں بدلی ہے جنہوں نے راتوں رات
خوف میں گنتی کے جن کو ہے ابھی پاس وفا
ورنہ تو دنیا سے مٹتی جا رہی ہے التفات
درد مندی میں چھپی ہے عظمت انساں قمر
جس نے سمجھا ہے یہ نکتہ پا گیا راز حیات

ریاض حسین قمر...... منگلا ڈیم

غزل

خوابوں کا جہاں بھی جلتا رہا
جیسے شام کا سایہ بھی ڈھلتا رہا
زندگی میں اٹھائے تھے غم بہت
کوئی دیکھ کے مجھے پہلو بدلتا رہا
پھول ٹہنی سے گر کے مرجھا گیا ہو
مفلسی میں کوئی مجھ سے نگاہیں چراتا رہا
پا کے بھی کسی کو کھو دیا آخر
یوں بھی کوئی ہاتھ ملتا رہا
افسردہ سے رہتے ہو یوں بھی جاوید
جلتا ہوا چراغ یوں بھی بجھتا رہا

محمد اسلم جاوید...... فیصل آباد

غزل

آج ذرا فرصت پائی تھی آج اسے پھر یاد کیا
بند گلی کے آخری گھر کو کھول کر پھر آباد کیا
کھول کے کھڑکی چاند ہنسا پھر چاند نے دونوں ہاتھوں سے
رنگ اڑائے پھول کھلائے چڑیوں کو آزاد کیا
بات بہت معمولی سی الجھ گئی خاموشی سے
اک ذرا سی ضد کی خاطر خود کو بہت برباد کیا
بڑے بڑے غم کھڑے ہوئے تھے رستہ روکے راہوں میں
چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے ہی ہم نے دل کو شاد کیا
پڑھے لکھوں کی بات نہ مانی کام آئی حیرانی ہی
سنا ہوا کو، پڑھا ندی کو، موسم کو استاد کیا

شاعرہ: ندا فاضلی
انتخاب: پرنس افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے
جنوں میں جتنی بھی گزری بے کار گزری ہے
اگرچہ دل پہ خرابی ہزار گزری ہے
ہوئی ہے حضرت ناصح سے گفتگو جس شب
وہ شب ضرور سر کوئے یار گزری ہے
وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے
نہ گل کھلے ہیں نہ ان سے ملے نہ مے پی ہے
عجب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے
چمن پہ غارت گلچیں سے جانے کیا گزری
قفس سے آج صبا بے قرار گزری ہے

شاعر: فیض احمد فیض
عبدالجبار رومی انصاری...... بورے والا

غزل

ساگن تیری محبت میں ہو نہ سکے
کبھی ٹھہرے کبھی چلے مگر سو نہ سکے
جب بھی چھیڑا گیا قصہ تیری جدائی کا
چاہتے ہوئے بھی ہم رو نہ سکے

Digitized by Google

یہ قصے تو یونہی چلتے رہیں گے مگر
ہم ادھورے تم بن پورے ہو نہ سکے
جدا ہو کے تمہاری نم آنکھیں کہتی ہیں
کہ تم تم چاہ کر بھی ہمیں کھو نہ سکے
یہ تمہاری قربت کا اثر تھا کہ رقیب اپنے
خود ڈوب گئے مگر ہمیں ڈبو نہ سکے
یادوں میں ٹھہرے رہے تیرے لفظوں کے بول
تیرے نقوش کو میرے آنسوں بھی دھو نہ سکے

حافظہ رضیہ رمضان.....لاہور

ایک باغ کا منظر

باغ کے پھول شام کی ٹھنڈی ہوا سے باتیں کر رہے تھے

ہواؤں کے سنگ جھولا جھول رہے تھے
چند بچے دوڑ رہے تھے
پھولوں پر سے تتلیاں پکڑ رہے تھے
زندگی کی اس شام کو میں دیکھ رہا تھا
ہر پل سنہا لگ رہا تھا
پھر اچانک بدل گیا منظر تھا
اب نہ وہاں پھول تھے
نہ تتلیاں پکڑتے بچے تھے
سب کچھ خاک اور خون بن گیا تھا
شام کی ٹھنڈی ہواؤں نے بھی رخ بدل لیا تھا
سب کچھ اجڑ چکا تھا
جانے کب شاید کبھی آباد نہ تھا

ایم رفاقت.....واہ کینٹ

غزل

وعدے کی زنجیر سے وہ بندھا کبھی نہ تھا
میں اس کا تھا مگر وہ میرا کبھی نہ تھا
شناسائی تھی تو بس اتنی سی اس سے
وہ مجھے دیکھتا تھا پھر ٹھہرا کبھی نہ تھا
گمنام تھے جو وہ سر عام آگئے
اس طرح سے ان کا چرچا کبھی نہ تھا
کیسے میرے آنگن کو وہ روشنی دیتا
وہ شام کا اک پہر تھا سویرا کبھی نہ تھا
ہمیں تو اپنی ہی وفائیں لے ڈوبی صنم
غموں نے ورنہ ہم کو گھیرا کبھی نہ تھا
اب کے تو چاند بھی جا اترا غیر کے گھر
ورنہ حسن مقدر میں اندھیرا کبھی نہ تھا

حسن نظامی.....قبولہ شریف

نظم

سورج ڈھلتے ہی
تمہاری یادوں کے جگنو
میری اندھیری کوٹھڑی کے آنگن میں جگمگانے لگتے ہیں
ایسا لگتا ہے
جیسے ہزاروں بدروحیں
اک بوسیدہ کھنڈر میں ناچ رہی ہوں
تاریکی بڑھنے لگتی ہے
سانسوں کی ڈور ڈھلتے سمے کے ساتھ
تاریکی کے اس طوفان میں
ایک کشتی کی طرح ڈولنے لگتی ہے
انتظار کے لمحے طویل ہوتے جاتے ہیں
سلگتے خواب دھوئیں کی شکل اختیار کر جاتے ہیں
رات کے آخری پہر
ایک سرد ہوا کا جھونکا
اس تاریک آنگن میں پڑی اک ذی روح سے ٹکرا جاتا ہے
وقت تھم جاتا ہے
ایک دم روشنی چھا جاتی ہے
جیسے ہزاروں مشعلیں اک دم جل پڑی ہوں
خوشی اس قدر بڑھ جاتی ہے
جیسے کسی نے پرانے مندر میں دیا جلایا ہو
وصل کے لمحے
چاندنی کے نور سے چمک اٹھتے ہیں
رات کی رانی کی خوشبو سے مہک جاتے ہیں
ملن کا سماں

وقت کی قید سے آزاد ہونے لگتا ہے کہ
اچانک ہوا تھم جاتی ہے
روئے زمین پر سکوت طار ہو جاتا ہے
صدیوں سے بے قرار روح
اپنی تشنگی کو بجھانے کی آرزو لیے
اپنی بکھری تمناؤں کو لیے
خلا میں تحلیل ہونے لگتی ہے
سانسیں دم توڑنے لگتی ہیں
پھر سورج کی پہلی کرن
ایک بے جان جسم پر پڑتی ہے
بے جان
صدیوں سے آبرآزما لڑائی لڑتا ایک بے جان جسم
کرن مشتاق.....چکوال

غزل

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی
سپرد کر کے اسے چاندنی کے ہاتھوں میں
میں اپنے گھر کے اندھیروں کو لوٹ آؤں گی
بدن کے کرب کو وہ بھی سمجھ نہ پائے گا
میں دل میں روؤں گی آنکھوں میں مسکراؤں گی
وہ کیا گیا کہ رفاقت کے سارے لطف گئے
میں کس سے روٹھ سکوں گی کسے مناؤں گی
اب اس کا فن تو کسی اور سے ہوا منسوب
میں کسی کی نظم اکیلے میں گنگناؤں گی
وہ ایک رشتہ بے نام بھی نہیں لیکن
میں اب ابھی اس کے اشاروں پر سر چھپاؤں گی
بچھا دیا تھا گلابوں کے ساتھ اپنا وجود
وہ سو کے اٹھے تو خوابوں کی راکھ اٹھاؤں گی
سماعتوں میں گھنے جنگلوں کی سانسیں ہیں
میں اب کبھی تری آواز نہ سن پاؤں گی
جواز ڈھونڈ رہا تھا نئی محبت کا
وہ کہہ رہا تھا کہ میں اس کو بھول جاؤں گی
شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: عبدالرحمان.....حیدرآباد

اقبال کی فریاد

تیری اس دنیا میں یہ منظر کیوں ہے
کہیں زخم تو، تو کہیں کھائیں پیٹھ پہ خنجر کیوں ہے
سنا ہے کہ تو ہر ذرے میں ہے رہتا
پھر زمین پر کہیں مسجد، کہیں مندر کیوں ہے؟
جب رہنے والے اس دنیا کے ہیں تیرے ہی بندے
تو پھر کوئی کسی کا دوست، کسی کا دشمن کیوں ہے؟
تو ہی لکھتا ہے سب لوگوں کا مقدر یا رب
تو پھر کوئی بدنصیب اور کوئی مقدر کا سکندر کیوں ہے؟
شاعر: علامہ اقبال

انتخاب: انجم افتخار.....کراچی

بھوک

باسٹھ سال سے دروازے پر بھوک کھڑی تھی
ماں.....روزہ رکھ کر گلیوں میں دوڑ رہی تھی
شاید آٹا، چینی اور گھی
ڈھونڈ رہی تھی
ایک گلی میں فاقہ کشوں کی بھیڑ لگی تھی
مفت کا راشن ملتا تھا
ماں حسرت سے دوڑ پڑی تھی
لیکن
پاؤں پھسلا
سامنے موت کھڑی تھی
مرتے مرتے اس کا اتنا کہنا تھا
آ کے مبارک دو جواتنی شاد ہوئی
باسٹھ سال کی بھوک سے میں آزاد ہوئی
شاعر: توقیر چغتائی

انتخاب: حسن اختر پریم.....کراچی

غزل

بچھڑے ہوئے لوگوں کو اک اک بات رلا دیتی ہے
ہم کو تو ہر جانے والی رات رلا دیتی ہے
ویسے تو ہم دل کے بڑے ہی پکے ہیں ہر غم میں
وہ تو کبھی کبھی یونہی برسات رلا دیتی ہے

Digitized by Google

جیسے پتھر کردیتی ہے بعض اوقات خوشی میں
جیسے بعض اوقات کوئی بارات رلا دیتی ہے
جنہوں نے ہار کبھی نہیں دیکھی جیون میں
ایسوں کو تو چھوٹی سی اک مات رلا دیتی ہے
غموں سے تو کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے ضبط ہمارا
ہاں البتہ خوشیوں کی بہتات رلا دیتی ہے

شاعرہ: فرحت عباس شاہ
انتخاب: عابد خان..... گجرات

غزل

دنیائے رنگ و بو سے گزر جانا چاہیے
تکنائے زندگی سے مکر جانا چاہیے
مانا زمین کی کوکھ نے ہم کو جنم دیا
اچھا ہے پھر اسی میں اتر جانا چاہیے
دنیا کا کیا ہے خود سے بھی بے زار ہو چلے
اب تو خود اپنے سے بھی بچھڑ جانا چاہیے
در در تلاش یار میں جانے سے فائدہ
وہ گل بدن جدھر ہے ادھر جانا چاہیے
عمر طویل کاٹ کے دھرتی کے اس طرف
کرتا تو جی نہیں ہے مگر جانا چاہیے
ہنس دے سن کے وہ تو مگر اس کے باوجود
اس تک میرے مرنے کی خبر جانا چاہیے
جینے کا زندگی میں بہت کھیل ہوچکا
اب شام ہوچکی ہے تو گھر جانا چاہیے

شاعر: افضال عاجز
انتخاب: لائبہ کنول..... کراچی

غزل

جو اس کے سامنے میرا یہ حال آجائے
تو دکھ سے اور بھی اس پر جمال آجائے
مرا خیال بھی گھنگھرو پہن کے ناچے گا
اگر خیال کو تیرا خیال آجائے
ہر ایک شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آجائے
میں اپنے غم کے خزانے کہاں چھپاؤں گا
اگر کہیں سے کوئی اندر مال آجائے
ہر ایک بار نئے ڈھنگ سے سجائیں تجھے
ہمارے ہاتھ جو پھولوں کی ڈال آجائے
یہ ڈوبتا ہوا سورج ٹھہر نہ جائے وصی
اگر وہ سامنے وقت زوال آجائے

شاعر: وصی شاہ
انتخاب: نورین آفتاب..... ملتان

نظم

اگر تم آئینہ دیکھو
تو خود سے نظریں چرا لینا
کہ اکثر
بے وفا لوگوں کو
آنکھیں چور لگتی ہیں

شاعر: محسن نقوی
انتخاب: لطیف چوہدری..... کراچی

نظم

تمہارے خواب اترے ہیں
مرے گھر کے دریچوں پر
ہمیشہ کی طرح اکثر
ستارے رقص کرتے ہیں
مرے کمرے کی کھڑکی پر
کئی مہتاب اترے ہیں
مری آنکھوں کے اندر بھی
تمہارا عکس رہتا ہے
کئی گرداب اترے ہیں
تمہارے خواب اترے ہیں

شاعرہ: فریدہ جاوید فری
انتخاب: ثمرین شکیل..... کراچی

Digitized by Google

سائبر کرائم

زرین قمر

انٹرنیٹ کے ذریعے ہونے والی چوری کی ایسی واردات جس میں ادارے کے ملازم ہی ملوث تھے۔

اسکارلیٹ شکاگو فیلڈ آفس میں نئی تھی جب سائبر کرائم نے ایک خیراتی ادارے پر حملہ کیا وہ اپنی ٹیم کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے نکلی صرف ایک کوڈ کی مدد سے اس نے مجرم کو پکڑ لیا لیکن مجرمہ ایک سولہ سال لڑکی تھی جو معصوم تھی اور نہیں جانتی تھی کہ وہ ایک کرائم کا حصہ بن گئی ہے۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

مارٹن واسکو کی آنکھ فون کی تیز بیل سے کھلی تھی اس نے لیٹے ہی لیٹے کروٹ لے کر سائڈ ٹیبل پر ہاتھ مارا تو فون نیچے فرش پر گر گیا اس نے جھک کر فون اٹھایا تو اس کی نظریں روشن اسکرین پر پڑیں وہ جانتا تھا کہ اس کے دوست احباب کبھی بھی رات کے اس پہر میں اسے فون کرنے کی حماقت نہیں کریں گے لیکن اس وقت جو میسج اسے نظر آرہا تھا وہ ارجنٹ ہوسکتا تھا اور کافی طویل تھا۔ پھر میسج پڑھنے سے پہلے ہی اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ہیکرز ایک بار پھر اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے اس نے اپنے ماتھے کو سہلایا اور لیپ ٹاپ کو کھولا پھر جب وہ لاگ ان اسکرین کے ظاہر کرنے کا انتظار کررہا تھا تو اتنی دیر میں اس نے وہ میسج دوبارہ پڑھا اس کی نظریں بیڈ پر اس کے برابر لیٹی بیوی پر پڑی تھیں اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ کامیلا کی آنکھ نہیں کھلی تھی، پھر جب اس کے کمپیوٹر سے اس کا جانا پہچانا میوزک سنائی دیا تو اس نے اپنا پاس ورڈ ڈالا تھا پھر چند بٹن دبانے کے بعد اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ہیکرز اس تک پہنچ چکے تھے وہ حیران تھا کہ اس کے ذاتی نمبر تک ان کی رسائی کیسے ہوگئی تھی اس کی سمجھ میں ایک ہی بات آئی تھی کہ ممکن ہے ابھی کچھ عرصہ پہلے جن ہیکرز نے اس کے کمپیوٹر سسٹم میں رسائی حاصل کی تھی اس سے ہی نمبر لیا گیا ہو۔

وہ اپنے کی بورڈ پر انگلیاں بہت احتیاط سے پھیر رہا تھا اسے یاد تھا کہ کچھ عرصہ پہلے بھی وہ اس کیفیت سے گزرا تھا وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس ہیکرز کی بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اور اسے ان دشمنوں کے خلاف ایک بار پھر ایک طویل جنگ لڑنا ہوگی لیکن اگر اس نے ابھی ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا تو اس کی زندگی ایک عذاب بن جائے گی اس کی فیملی کو بنیادی ضرورتیں نہیں ملیں گی نہ ہی میڈیکل اور نہ ہی مزید کوئی اخراجات حاصل ہوں گے اسے پھر اپنی انشورنس کمپنی کی مدد بھی درکار ہوگی جو پتہ لگائے گی کہ اس کے کمپیوٹر سسٹم تک کون لوگ پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور ایسا بھی تب ہوگا جب عالمی امن پارٹنرز کی انتظامیہ اس کی اجازت دے گی فی الحال وہ مطالبہ ماننے پر مجبور تھا خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ اگر ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا تو وہ کیا کر گزریں گے چنانچہ وہ رات کے ڈیڑھ بجے اپنے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات کمپیوٹر میں انٹر کررہا تھا اور امید کررہا تھا کہ شاید اس طرح وہ خطرے سے نکل گیا ہے۔

اسکارلیٹ اپنی ای میل چیک کرنے سے پہلے تک بہت مطمئن تھی کہ وہ ایف آئی ایجنٹ کے طور پر ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد کچھ عرصے کے لیے چھٹیاں لے رہی ہے تاکہ اپنے ذہن کو کچھ سکون دے سکے۔ چلتے چلتے اس نے کمپلینٹ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے کی جانے والی میل چیک کرلی اور ایک میل نے اسے چونکا دیا اسے اتوار کی شام کو اپنے دو اسپیشل ایجنٹس ساتھیوں کے ساتھ میٹنگ کرنا تھی اور ایک مسئلہ کو حل کرنے کا پلان بنانا تھا۔

پیر کی صبح کو وہ اپنے ایجنٹ ساتھیوں سے پہلے ہی آفس پہنچ گئی تھی اس کا تبادلہ ورجینیا کے نیشنل کرائم سینٹر سے شکاگو کے فیلڈ آفس میں ہوا تھا اسے اپنے آپ کو منوانے کے لیے بھی بہت کام کرنا تھا اس کا تجربہ دوسروں سے کم تھا یہی وجہ تھی کہ ابھی تک اس کی ترقی کسی بڑے عہدے پر نہیں ہوئی تھی، پھر سائیکالوجی میں اس کی پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حائل تھی۔

اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر کیس کی فائل کا مطالعہ شروع کردیا تھا یہ وہ معلومات تھیں جو اس نے اور اس کے دو فیلڈ آفیسرز نے پچھلے ہفتے میں جمع کی تھیں ان دنوں امیر ترین لوگوں اور تنظیموں پر سائبر حملے ہورہے تھے یہ فائل بھی ایک بڑے بین الاقوامی خیراتی ادارے پر ایسے ہی ایک حملے کے بارے میں تھی جس میں ادارے کی انتظامیہ سے بہت بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا تھا اچانک اسکارلٹ کو اپنے عقب میں قدموں کی آواز سنائی دی اس نے مڑ کر دیکھا اس کے ساتھی الیکس اور پارکر وقت پہ آفس پہنچ گئے تھے۔ اس نے اپنے چھوٹے سے آفس میں چند لوگوں کے بیٹھنے کا بہتر انتظام کررکھا تھا کیس کی فائل بھی میز پر موجود تھی اس نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ہائے اسکارلٹ کیسی ہو؟" الیکس نے کہا اس کے ہاتھوں میں دو کپوں میں کافی تھی جس میں سے ایک اس نے اسکارلٹ کے سامنے رکھ دی اس نے گرے کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور اس کے بال پونی کی شکل میں ترتیب دیئے گئے تھے۔

Digitized by Google

"شکریہ۔" اسکارلٹ نے کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"صبح بخیر' اسکارلٹ۔" اس کے دوسرے ساتھی پارکر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا اور کمرے میں آنے کے بعد دروازہ بند کردیا۔

"اتنی صبح آفس بلایا ہے تو کوئی بڑا کیس ہی ہوگا؟" پارکر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بڑا کیس تو نہیں کہہ سکتے لیکن غیر معمولی ضرور ہے۔" اسکارلٹ نے جواب دیا۔

"خیر بتاؤ کیا معاملہ ہے؟"

"کل ہمیں عالمی امن پارٹنرز کمپنی کے سی ای او مارٹن واسکو کی کال ریسیو ہوئی یہ کمپنی ایک خیراتی کمپنی ہے اور امیر ترین افراد اور تنظیمیں اسے چندہ دیتی ہیں اور یہ کمپنی مستحق افراد اور اداروں کی مدد کرتی ہے یہ ملک اور ملک سے باہر بھی خدمات انجام دیتی ہے طبی سہولیات فراہم کرنا بھی اس کے فرائض میں سے ایک ہے اس کی انشورنس کمپنی نے اسے مشورہ دیا ہے کہ وہ ہماری خدمات حاصل کرے اور ہمیں بتائے کہ اس کے کمپیوٹر سسٹم کو آئی' ٹی چوروں نے ہیک کرلیا ہے اس کا سسٹم ڈاؤن ہونے کے ساتھ ہی مارٹن کو ایک ای میل موصول ہوئی جس میں ایک رقم کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ رقم ملنے کے بعد وہ سسٹم کو آن کردیں گے ۔چنانچہ مارٹن نے انہیں رقم ادا کردی اور سسٹم آن ہوگیا۔"

"یہ تو خطرناک بات ہے۔" پارکر نے کہا اور اسکارلٹ نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"ایسا پہلے بھی ہوچکا ہے' مارٹن خوفزدہ ہے اس کا خیال ہے کہ اس طرح تنظیم بدنام ہوجائے گی' اس کی کارکردگی پر برا اثر پڑے گا وہ چاہتا ہے کہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے" اسکارلٹ نے کہا۔

"کیا وہ جانتا ہے کہ ذمہ دار افراد کون ہیں؟" پارکر نے پوچھا۔

"نہیں' اسے کوئی آئیڈیا نہیں۔"

"تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ محض ایک ٹرائی تھی اور یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اب ہیکرز ایسا نہیں کریں گے۔" پارکر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال نہیں کہ اسے کوئی گارنٹی دی گئی ہوگی۔" اسکارلٹ نے شبہ ظاہر کیا۔ "میرے خیال میں اس کے پاس ہم سے مدد لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔"

"تو' ایسا دوبارہ نہ ہو اس کے لیے تمہارا کیا پروگرا[m] ہے؟" پارکر نے پوچھا۔

"اس نے ہم سے جب رابطہ کیا تو ہیکر دوبار ا[س] کا سسٹم ہیک کرچکے تھے ایسا ہفتے کی رات کو ہوا' اس بار ا[س] کے سیل فون پر ایک میسج بھیجا گیا پہلا میسج تو بزنس کے بار[ے] میں تھا لیکن دوسرا میسج ذاتی تھا۔" اسکارلٹ نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے ہیکر کے ارادے اچھے نہیں [۔]" پارکر نے کہا۔

"بالکل' اور پچھلی بار جب مسٹر مارٹن نے رقم ادا کی تھی اسے جواب میں ایک میسج آیا تھا۔" اسکارلٹ نے ا[پنے] سامنے رکھے ہوئے ایک پیپر پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"دوسری بار...... ہم دیکھیں گے کہ کیا بہتر کرسک[تے] ہیں۔"

"یہ بات تو قابل توجہ ہے۔" پارکر نے فکرمندی [سے] کہا۔

"مارٹن نے اس سلسلے میں اور بھی کسی سے مدد لی؟" اس بار ایلکس نے سوال پوچھا۔

"ہاں' پہلے ہیکرز کے حملے کے بعد مارٹن نے ا[پنے] سافٹ ویئر پرووائیڈر سے رابطہ کیا تھا لیکن وہ اس کا پ[تہ] نہیں لگا سکے تھے' اس کا مطلب ہے کہ ہیکرز چالاک ہی[ں] اور ہوشیار بھی وہ بار بار حملہ کریں گے۔" اسکارلٹ نے کہا۔

"وہ جو بھی کوئی ہے اتنا بے حس اور بے ضمیر ہے ک[ہ] خیراتی پیسوں کو بھی نہیں چھوڑتا اور اگر ہم اس کے خلاف کارروائی کریں گے تو بہت امکان ہے کہ وہ مزید خطرناک ثابت ہو۔" پارکر نے کہا۔

"تمہاری بات درست ہے لیکن صرف ایک میسج [سے] ہمیں کام کرنے میں کوئی خاص مدد نہیں ملے گی' لیکن [یہ] بات ثابت ہوگئی ہے کہ ہمیں جس ہیکر کا سامنا ہے وہ ذا[تی] حملوں تک آ گیا ہے۔" اسکارلٹ نے کہا جبکہ عام طور [پر] ہیکرز خود کو پوشیدہ رکھنا پسند کرتے ہیں۔"

"اب کیا کرنا ہے؟" ایلکس نے پوچھا۔

"مجھے یونٹ چیف اینڈیل نے کہا ہے کہ میں اس کیس کو لیڈ کروں میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم دونوں اس کیس میں

Digitized by Google

میری کیا مدد کرسکتے ہو؟ دوسری میٹنگ جلد ہی ہوگی۔''
اسکارلٹ نے میز پر پڑے کاغذ سمیٹتے ہوئے کہا۔
''کیا تم نے آج جورڈن سے بات کی ہے جو لاک کمپیوٹر سسٹم کھولنے کے لیے اس آفس میں مشہور ہے؟'' الیکس نے پوچھا۔
''ہاں میں نے بات تو کی ہے۔'' اسکارلٹ نے جواب دیا۔
''ہمیں کسی کی مدد لینا چاہیے وہ اس کام کا ماہر ہے اور کوئی اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔'' پارکر نے اپنی رائے دی۔
''تمہارا اشارہ مائیک موریٹ کی طرف ہے؟ اس کے کام کی رپورٹس تو بہت اچھی ہیں کیا وہ ابھی آفس میں موجود ہے؟ میں اب تک اس سے نہیں ملی ہوں۔'' اسکارلٹ نے کہا۔
''وہ خود ذرا چڑچڑا ہے۔'' پارکر نے بتایا۔
''تو پھر بھلا وہ ہم سے کیسے تعاون کرے گا؟'' اسکارلٹ نے پوچھا۔
''لیکن ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی دو چار جھڑکیاں تو سننا ہی پڑیں گی۔'' پارکر نے کہا۔
''ٹھیک ہے اگر تمہاری رائے اس کے حق میں ہے تو تم اس سے رابطہ کرو اور یہاں لاؤ میں جورڈن کی تلاش میں جاتی ہوں۔'' اسکارلٹ نے کہا۔
پھر وہ اسی راہداری میں آخری کمرے تک گئی تھی اور اپنا بیج اس کے بند دروازے کے لاک کے پاس لگے بلیک بکس کے سامنے لہرایا تھا ہری لائٹ جلی تھی اور دروازہ کھل گیا تھا۔ وہ جس کمرے میں داخل ہوئی تھی وہ ایک بڑے ہال کی مانند تھا اور وہاں سائبر سیکورٹی ٹیم کام کرتی تھی ان کا زیادہ تر کام رات کے حصے میں ہوتا تھا۔ اس وقت ہال میں بہت کم لوگ تھے۔ جورڈن دن کے وقت بھی وہاں موجود ہوتا تھا اس کی تربیت سلیکون ریلی میں ہوئی تھی اور وہ ایف بی آئی کے لیے کام کرتا تھا اس نے اپنی بھی ایک کمپنی بنائی تھی لیکن جب وہ تیس سال کا تھا تب ہی اس نے وہ کمپنی فروخت کردی تھی اور اب وہ ریٹائرمنٹ کے بعد ایف بی آئی کی ملازمت کررہا تھا۔
''صبح بخیر اسکارلٹ کیسے آنا ہوا؟'' اس نے اسکارلٹ پر نظر پڑتے ہی پوچھا۔
''میں نے تمہیں کل رات میل کی تھی تم نے اس کا جواب نہیں دیا۔'' اسکارلٹ نے پوچھا۔
''ہاں تم نے بتایا تھا کہ کسی نے مارٹن کو کچھ میسج بھیجے تھے یقین کروا گر وہ میل مجھے ملی ہوتی تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی..... میں نے ان کے سسٹم میں گھسنے کی کوشش کی ہے اس کا سسٹم بہت اسٹرونگ ہے مجھے ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔'' جورڈن نے بتایا۔
''واقعی؟''
''ہاں..... میں نے کچھ سائبر حملے بھی کیے ان کے سسٹم پر یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کتنے مضبوط ہیں اور کیا میں ان کو بے وقوف بنا سکتا ہوں؟ میں اس میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہوں لیکن ادھر سے ابھی کوئی جوابی کارروائی نہیں ہوئی ہے لیکن ان کے پاس ماہرین ہیں۔'' جورڈن نے اپنے کمپیوٹر اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہا جہاں کوڈز کی کچھ لائنیں نظر آرہی تھیں جن میں کچھ نمبرز اور حروف نظر آرہے تھے۔
''میرا خیال تھا تم مجھے کچھ خوشخبری دو گے۔'' اسکارلٹ نے کہا۔
''لیکن میرے پاس تمہارے لیے ابھی زیادہ انفارمیشن نہیں ہے۔'' جورڈن نے جواب دیا۔
''سی ای او کا کہنا ہے کہ آئی ٹی کے لوگ تمام لاگ ان ہونے والوں کی ہسٹری چیک کرتے ہیں انہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس نے سسٹم کو ڈاؤن کرنے کے لیے ان کی اجازت مانگی ہو ہمارے پاس سی ای او کو آنے والے میسجز کو چیک کرنے کی بھی ٹیم ہے لیکن انہیں بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی ہے کیونکہ آج کل ایسے موبائل خریدنا بڑی بات نہیں ہے جنہیں ٹریس نہ کیا جاسکے۔'' اسکارلٹ نے کہا۔
''ہاں..... یہ یقیناً میرا ہی ڈپارٹمنٹ ہے۔'' جورڈن نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''ایک کام کرو یہ پتا لگاؤ کہ سی ای او کچھ چھپا تو نہیں رہا ہے کیا اس کے پاس کچھ ایسا ہے جس سے وہ کچھ فائدہ حاصل کرسکتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لیے خود ہی یہ کہانی گڑھ لی ہو اور جو رقم خیراتی ادارے سے نکالی گئی وہ اس کے ہی پاس ہو؟'' جورڈن نے کہا۔
''میں ٹیم کو یہ کام دوں گی لیکن ان لوگوں کے بارے

Digitized by Google

میں تمہارا کیا خیال ہے جو آئی ٹی سے متعلق ہیں اور ہر اس شخص کا ریکارڈ رکھتے ہیں جو سسٹم کو استعمال کرتا ہے؟" اسکارلٹ نے کہا۔

"ان کو بھی فیک کہا جائے گا۔" جورڈن نے اپنی توجہ اپنے کمپیوٹر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"او کے...... تم بھی جو کام کرو اس کا پیپر ورک ضرور کرنا۔" جورڈن نے جاتے جاتے کہا۔

"میں تمہاری اجازت کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔" جورڈن نے جواب دیا۔

اسکارلٹ نے موجودہ کیس کے متعلق تمام پیپر ورک کرنے کے بعد اپنی ٹیم کو جمع کیا تھا اور انہیں کیس کے متعلق معلومات دینے کے بعد عالمی امن پارٹنرز کمپنی کے دفتر پہنچ گئی تھی اور ویٹنگ روم میں بیٹھی کمپنی کے سی ای او مارٹن سے ملنے کی منتظر تھی۔ یہ کمپنی ایک خیراتی ادارے کے طور پر کام کرتی تھی اور اپنے بہترین کام کے لیے ساری دنیا میں مشہور تھی۔ یہاں بہت سے لوگ ملازمت کرتے تھے' یہ منافع حاصل کرنے کے لیے نہیں چلائی جارہی تھی بلکہ غریب ملکوں اور افراد کی حالت رضا کارانہ طور پر بہتر بنانے کے لیے کام کرتی تھی اور اس کا ہیڈ کوارٹر شکاگو کی بلند ترین اسکائی اسکریپر بلڈنگ کے ایک فلور پر تھا' پورا فلور اسی کمپنی کے استعمال میں تھا اس کا سی ای او بہت معروف شخصیت تھا چنانچہ اسکارلٹ نے آج صبح ہی اس سے ملاقات کا وقت لے لیا تھا اچانک سی ای او کی اسسٹنٹ نے اس کا نام پکارا اور وہ اپنی سیاہ اسکرٹ درست کرتی ہوئی کھڑی ہوگئی اس نے اپنے ہاتھ میں ایک نوٹ بک اور پین پکڑا ہوا تھا۔

اسکارلٹ مارٹن کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ مارٹن درمیانی عمر کا شخص تھا اس کی آنکھیں براؤن اور سر کے براؤن بالوں میں کچھ سفید بال بھی نمایاں تھے اسکارلٹ کو دیکھ کر وہ اسے خوش آمدید کہنے کے لیے اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔

"تم یقیناً اسکارلٹ ہو...... میں مارٹن واسکو ہوں۔" اس نے اپنا تعارف کروایا۔ "میرے لیے وقت نکالنے پر میں تمہارا مشکور ہوں۔"

"ہاں...... میں اسکارلٹ چالاہن ہوں میرا تعلق ایف بی آئی سے ہے آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہم سے جو ہو آپ کے لیے کریں گے۔" اسکارلٹ نے مسکرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ نقصان تو ہو ہی چکا ہے۔" مارٹ نے کہا۔ "میرا مطلب ہے ہر بار جب وہ سسٹم میں داخ ہوتے ہیں تو زیادہ شدید نقصان ہوتا ہے میرا خیال ہے ا شاید وہ پھر ٹرائی نہ کریں...... تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میری معلومات کے مطابق بارہ دن پہلے تمہارا س ڈاؤن ہو گیا تھا اور جب تم نے رقم ادا کردی تھی تو پھر ٹھیک ہو گیا تھا اور ابھی دو دن پہلے پھر ایسا ہی ہوا؟ اس بار تمہیں ایک ت بھی دیا گیا تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اب وہ ایسا نہیں کریں گے؟"

"کیونکہ انہوں نے جو مانگا تھا حاصل کرلیا پھر بھلا مزید کیوں تنگ کریں گے۔" مارٹن نے کہا ا اسکارلٹ اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھنے لگی۔

"تم نے جو رقم ادا کی کیا بعد میں اسے چیک کیا؟" اسکارلٹ نے پوچھا۔

"نہیں...... انہوں نے درخواست کی تھی کہ میں ڈیجیٹل کرنسی میں پیمنٹ کروں اور اسے چیک کرنے کے لیے ہمیں دوسری معلومات چاہیے ہوں گی ہم جن سوفٹ ویئر کمپنیز کی خدمات لیتے ہیں وہ ایک دوسرے پر کام ڈال رہی ہیں اور میرے آئی ٹی ایکسپرٹ مزید آگے کام نہیں کرسکتے اسی لیے میں نے ایف بی آئی کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔" مارٹن نے کہا اور اسکارلٹ کو لگا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے لیکن وہ خاموش رہی وہ جانتی تھی کہ ان کی انشورنس کمپنی نے سائبر حملے کے بارے میں ان کی بات ماننے سے انکار کردیا تھا کیونکہ انہوں نے اس حملے کی اطلاع اس کمپنی کو نہیں دی تھی۔

"اور انشورنس کمپنی ہی نے ہمیں مشورہ دیا ہے کہ ہم آپ کی خدمات لیں کیونکہ ہم بھی چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان سائبر حملوں کو روکا جائے' میرا مطلب ہے پہلے بھی ایک بار مجھے اغوا کیا گیا تھا لیکن وہ بس ایسا ہی تھا جیسے کوئی آپ سڑک سے اٹھا لے اور آپ کی فیملی کچھ رقم دے کر آپ کو چھڑا لے میرا مطلب ہے کہ یہ معاملہ ایسا ہی تھا کہ میرا خیال تھا کہ ہم خود ہی اسے حل کرلیں گے۔"

"ہیکرز کو پکڑنے کی باتیں کرنا آسان ہے بنسبت

Digitized by Google

انہیں پکڑنے کے اور تمہارے ہیکر زتو بار بار یہ کام کررہے ہیں اسی لیے ہم یہاں آئے ہیں کیا تمہارا شک کسی پر ہے کہ کوئی تمہیں یا تمہاری کمپنی کو کیوں ٹارگٹ کررہا ہے؟'' اسکارلٹ نے پوچھا۔

''نہیں' میرا خیال ہے انہوں نے اپنے نشانے پر آنے والے بہتر نمبر کا انتخاب کرلیا ہے۔''

''بہتر نمبر سے تمہاری مراد کیا ہے؟''

''ہم اپنا کام بہت احتیاط سے کرتے ہیں ہمیں روزانہ کی بنیاد پر فنانشل انفارمیشن ملتی ہے جو ہمارے چندہ دینے والوں کی طرف سے دی جاتی ہے یا پھر ہمارے چندہ دینے والوں کی طرف سے دی جاتی ہے یا پھر ہمارے چندہ وصول کرنے والے اپنا ریکارڈ بھیجتے ہیں' ہمارے کام کی نوعیت خاصی حساس ہے اس لیے ہمیں اس کی حفاظت بھی کرنا ہوتی ہے میں نے سوچا کہ یہی بہتر ہے کہ ہیکر کا مطالبہ مان کر انہیں رقم ادا کردی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا جب میں نے رقم ادا کردی تو مجھے ایک سیکیورٹی کی میل موصول ہوئی جس کے بعد ہمارا سسٹم پھر درست ہوگیا۔''

''تو کیا وہ تمہاری فنانشل انفارمیشن تک پہنچ گئے تھے؟''

''کچھ کہا نہیں جاسکتا میں اپنے آئی ٹی ورکر سے بھی چیک کروایا ہے لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا' اسی لیے آپ لوگوں سے رابطہ کیا ہے کیا ایسا اکثر ہوتا ہے؟'' مارٹن نے پوچھا۔

''ہاں..... ہوتا ہے اسی لیے تو ایف بی آئی نے ایک سائبر کرائم ڈویژن بنایا ہے یہ حملے اکثر بڑی نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن چھوٹے حملے اپنے سسٹم کو چیک کرنے کے لیے بھی کیے جاتے ہیں یا یوں کہہ لو کہ چھوٹے حملے کسی بڑے ہونے والے حملے کا اعلان ہوتے ہیں۔''

''اوہ..... میں نے اب تک ایسا نہیں سوچا تھا۔''

''ہمیں اکثر ایسی صورت حال سے نمٹنا ہوتا ہے اور یہ پتہ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے کہ کہیں تمہارا ہیکر کوئی ایسا راستہ کھلا تو نہیں چھوڑ گیا جس سے وہ دوبارہ سسٹم میں داخل ہوسکے کیا تم نے اس رات ایسا کیا تھا؟''

''کیا تمہاری ٹیم اس سلسلے میں ہماری مدد کرسکتی ہے؟'' مارٹن نے پوچھا۔

''میں اپنے کسی فرد سے کہوں گی کہ وہ تمہارے کسی آئی ٹی کے فرد سے رابطے میں رہے میں چاہتی ہوں کہ تم ہمارے کچھ کارکنوں کو موقع دو کہ ہمارے شکاگو آفس سے یہاں آئیں تمہارے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں' ممکن ہے تمہارے ہی لوگوں میں سے کسی نے یہ کام کیا ہو؟''

''نہیں' ایسا نہیں ہے ہم نے اطمینان کرلیا ہے یہ ہمارے لوگوں میں سے کسی کا کام نہیں ہے۔'' مارٹن نے کہا۔ ''ہم سب ایک خاندان کی طرح ہیں۔''

''ہاں' لیکن خاندانوں میں بھی کبھی مسائل پیدا ہوجاتے ہیں' تمہارا اب تک 30 ہزار ڈالر کا نقصان ہوچکا ہے اور تم اب تک چور نہیں پکڑ سکے کیا تم اس سے زیادہ نقصان اٹھانا چاہتے ہو؟''

''تم جیسا چاہو گی میں ویسا کروں گا۔'' مارٹن نے میز پر رکھے فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''اور میری پوری کوشش ہوگی کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ اس معاملے میں ایف بی آئی بھی دلچسپی لے رہی ہے۔''

''تو میرا مشورہ ہے ابھی کوئی کال نہ کریں سب سے پہلے ہمیں اپنے مجرموں کی ذہنیت اور طریقہ کار کو سمجھنا ہے۔'' اسکارلٹ نے اٹھتے ہوئے کہا اور مارٹن نے ریسیور واپس رکھ دیا۔ اسکارلٹ نے ہمیں کا لفظ جان بوجھ کر استعمال کیا تھا وہ اسے جتانا چاہتی تھی کہ ایف بی آئی کے ساتھ ساتھ مارٹن کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تنظیم کے لوگوں کی ذہنی تربیت کرے اور انہیں دوستانہ ماحول میں ایف بی آئی کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار کرے۔

''میرے پاس کچھ لوگ ہیں جو ہمارے آپریشن کے علاقے میں ہمیں سیکیورٹی فراہم کرسکتے ہیں.....'' مارٹن نے کہا۔

''میں کوشش کروں گا کہ جب آپ لوگ یہاں ہوں تو وہ یہاں موجود رہیں یہ ضروری نہیں کہ ہمارے دشمن صرف میرے ہی تعاقب میں ہوں۔'' مارٹن نے کہا اور اسکارلٹ اس کے کمرے سے نکل گئی۔

.....

''اچھا تو کیا اسکارلٹ نے کہہ دیا کہ ہم اس کیس پر کام شروع کردیں؟'' الیکس نے اپنی کرسی سے جھک کر پارکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پارکر اطمینان سے بیٹھا اس کی

Digitized by Google

طرف دیکھ رہا تھا الیکس اس کی گہری دوست تھی ایک ایجنٹ کے طور پر اس کی کارکردگی بھی اچھی تھی لیکن اس کی فطرت میں صبر نہیں تھا چنانچہ اسے فیلڈ میں کام کرنے کی اجازت کم ہی ملتی تھی۔

''کیا تمہیں کوئی مسئلہ ہے دوست؟'' پارکر نے پوچھا۔

''میرا مطلب ہے چائے تیار ہے ایسے میں تم بھی آفس سے باہر جانا پسند نہیں کرو گے۔'' الیکس نے چائے کی گرم کیتلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے پتہ ہے اس وقت تمہارا موڈ کہیں جانے کا نہیں ہے۔''

''میری بات سنو!'' پارکر نے اپنے کمپیوٹر میں ایک بلڈنگ کا نقشہ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''ہم لوگ ایک گروپ کی صورت میں اندر داخل ہوں گے اور وہاں کے لوگوں پر یہ ظاہر کریں گے جیسے چندہ دینے والے مخیر حضرات کچھ سوالات کر رہے ہیں میں بھی اپنا تعارف کسی اور حیثیت سے کراؤں گا۔''

''گڈ آئیڈیا!''

''اگر ہم نے یہ ظاہر کیا کہ ہمارا تعلق IT کے شعبے سے ہے تو ہم ان کی نظروں میں مشکوک ہو جائیں گے۔''

''میں تمہاری بات سے متفق ہوں پھر ہم خود کو کیا ظاہر کریں گے؟'' الیکس نے پوچھا۔

''Efficiency consultants کارکردگی بڑھانے والے ماہرین۔'' پارکر نے کہا۔

''اوہ خدایا! یقین کرو وہ لوگ اس کے لیے ہم سے نفرت کریں گے۔'' الیکس نے کہا۔

''ہمیں بہرحال ان لوگوں کو ہمارے سوالوں کے جوابات دینے کے لیے تیار کرنا ہے اس کے لیے ہم کل وہاں جائیں گے۔'' پارکر نے الیکس کو سمجھانے والے انداز میں کہا اور اسی وقت پارکر کے کمپیوٹر کے اسکرین پر ایک میسج نمودار ہوا جو اس کے پرانے دوست مائیک مورلی کی طرف سے تھا وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکا تھا اور اب اگر پارکر کو ضرورت تھی تو اس کی مدد کر سکتا تھا پارکر نے اسی وقت اس سے ملنے کا پروگرام بنایا وہ اس سے کہیں باہر ملنا چاہتا تھا چنانچہ الیکس کو ساتھ لے کر آفس کی بس میں آفس سے نکل گیا تھا پھر مائیک سے ملنے پر اس نے اپنے کیس کی ساری صورت حال اسے سمجھائی تھی اور اگلے دن عالمی امن تنظیم کے ہیڈ آفس جانے کا پروگرام طے کیا تھا۔

پارکر، مائیک اور الیکس جب عالمی امن تنظیم کے آفس میں داخل ہوئے تو لاؤنج میں ان کے تین نمائندے استقبال کے لیے موجود تھے۔ ایک دبلی پتلی خاتون جس کے ہاتھ میں نوٹ بک تھی ان کی طرف بڑھی۔

''میرا نام بابرا زین ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں مائیک کے سیاہ سوٹ اور سلیقے سے سجے بالوں پر ٹھیں پھر جائزہ لیتی ہوئی اس کے پالش والے جوتوں پر رک گئیں پھر اس نے الیکس اور پارکر سے ہاتھ ملایا تھا۔

''میں مائیک ڈینلے ہوں۔'' مائیک نے بھی اپنا تعارف کروایا۔ ''میں Efficiency consultants ہوں اور یہاں آپ کے ادارے کی کارکردگی دیکھنے آیا ہوں۔'' مائیک نے کہا۔

''ہاں، میں جانتی ہوں۔'' بابرا نے جواب دیا۔

''میں آپ کے اسٹاف سے متعارف ہونا چاہتا ہوں۔'' مائیک نے کہا۔ ''میرے ساتھی یہیں ٹھہریں گے۔''

''جی ضرور۔'' بابرا نے کہا اور اسے لے کر ایک بڑے ہال میں داخل ہوئی جس کے دونوں اطراف میں کیبن بنے ہوئے تھے جن میں بیٹھے ورکر اپنے اپنے کمپیوٹرز پر کام میں مصروف تھے۔

''یہ لوگ کیا کام کرتے ہیں؟'' مائیک نے پوچھا۔

''یہ تمام خیراتی رقوم اور ان کے دینے والے اداروں کا حساب رکھتے ہیں اور ہمارے لیے رضا کارانہ طور پر کام کرتے ہیں۔'' بابرا نے بتایا۔

''رضا کارانہ طور پر؟'' مائیک نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔''

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ ان کی بھی کچھ ضرورتیں ہوں گی جن کے لیے انہیں رقم کی ضرورت ہوگی۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن ہمارا طریقہ کار مختلف ہے، آپ دیکھ رہے ہیں وہ درمیان میں جو سنہرے بالوں والی لڑکی بیٹھی ہے وہ کینسر تھا۔'' بابرا نے ایک سخنی سی لڑکی کی

Digitized by Google

Digitized by Google

طرف اشارہ کیا جو نہایت مستعدی سے اپنے کام میں مشغول تھی۔

''ہماری آرگنائزیشن نے اس کا پورا علاج مفت کروایا ایک سال تک اس کی کیموتھراپی ہوئی اور ریڈی ایشن کروانا اس کی فیملی کے لیے ناممکن تھا وہ بہت مہنگی تھی تین ماہ تک وہ آفس نہیں آسکی اور پھر جب آئی تو اس نے یہاں کام کرنے کے لیے اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کر دیں صرف اس لیے کہ آرگنائزیشن نے اس کا علاج فری کروایا تھا مجھے یقین ہے اس کے تمام میڈیکل بل ادا کر دیئے گئے ہیں۔'' بابرا نے کہا اور مائیک کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔''آپ یہاں کس لیے آئے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''میرے یہاں آنے کا مقصد خدانخواستہ کسی کو یہاں سے نکالنا نہیں بلکہ میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ ہم کارکردگی کو اور زیادہ کیسے بڑھا سکتے ہیں۔'' مائیک نے کہا پھر بابرا اسے واپس اسی لابی میں لے آئی تھی جہاں وہ ایلکس اور پارکر کو چھوڑ کر گئے تھے جو ان کے منتظر تھے۔

''تم دونوں کو کوئی خاص انفارمیشن ملی؟'' مائیک نے وین میں بیٹھتے ہوئے پارکر سے پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں...... بس مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ جب ہم پبلک ریلیشن کے شعبے کے لوگوں سے مل رہے تھے تو ایک شخص جس کا نام نک بر کے تھا وہ ہمارا تعاقب کر رہا تھا اس نے کہیں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔'' ایلکس نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

''اور تم اپنے بارے میں بتاؤ کیا ہوا؟'' پارکر نے مائیک سے پوچھا۔

''میں آئی ٹی سسٹم والوں سے ملا تھا سب ہی اپنا کام دلجمعی سے کر رہے تھے اور جہاں تک میں دیکھ سکا یہ کمپنی بہت اعلیٰ معیار کے سوفٹ ویئر استعمال کرتی ہے اس شعبے کا ڈائریکٹر پیٹر سمتھ مجھے بڑا پراسرار لگا اس نے کوئی بات نہیں کی نہ ہی سیکیورٹی کے بارے میں کچھ بتایا اس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہے اپنے کام کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا...... شادی شدہ ہے''میرے خیال میں تو یہ سارا ڈیپارٹمنٹ ہی مشتبہ ہے۔'' پارکر نے کہا۔''تم بتاؤ تمہارا وزٹ کیسا رہا؟'' اس نے مائیک سے پوچھا۔

''مجھے میری گائیڈ بابرا نے کچھ اچھی نظروں سے نہیں دیکھا اس نے مجھے انٹرن سے ملوایا جو وہاں رضا کارانہ طور پر کام کرتے ہیں...... جوان ہیں...... حوصلہ مند ہیں...... غریب گھرانوں سے تعلق ہے اور ایک تو بہت کم عمر کینسر کی مریضہ ہے حال ہی میں صحت یاب ہو کر آئی ہے مجھے نہیں لگتا کہ کوئی ان لوگوں کے ساتھ کوئی دشمنی کر سکتا ہے یا ان لوگوں سے کسی کو کوئی بڑی رقم مل سکتی ہے۔''

''اور کچھ؟'' ایلکس نے پوچھا۔

''کچھ خاص نہیں لیکن ایک کارکن جین ڈنگن عجیب حرکتیں کر رہی تھی کچھ مشتبہ سی لگی۔'' مائیک نے کہا۔

''بہرحال' آج کی رپورٹ لکھ کر جمع کروا دو۔'' پارکر نے کہا اور اپنے ریمارکس کے ساتھ جمع کرواؤ تاکہ آئندہ کا لائحہ عمل بتانے میں ہمیں مدد مل سکے' ہم یہ انفارمیشن اسکارلٹ کو دیں گے اور اس بار مائیک اور اسکارلٹ کا ملنا بہت ضروری ہے۔'' پارکر نے کہا تو ایلکس نے گہری سانس لی۔

عالمی امن پارٹنرز کمپنی کا دورہ کرنے کے دوسرے دن مائیک اپنے آفس میں بیٹھا اپنے نوٹس چیک کر رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ اسکارلٹ نے اس کیس کو نمٹانے کے لیے بہترین آئی ٹی ماہرین کی خدمات لی ہیں جن میں جورڈن سب سے بہترین ہے چنانچہ مائیک نے اس کے پاس جانے کا پروگرام بنایا اور اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔

جب وہ جورڈن کے پاس پہنچا تو وہ کمپیوٹر پر کام کرنے میں مصروف تھا سے مائیک کے آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

''ارے جورڈن اب تک اس کیس پر تمہارا کام کہاں تک پہنچا؟'' مائیک نے جورڈن کے کاندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی تو بہت کام کرنا ہے۔'' جورڈن نے اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

''میرے ذہن میں اس مجرم ہیکر کے لیے کچھ سوالات ہیں۔' مائیک نے کہا تو جورڈن نے اپنی کرسی اس کی طرف موڑلی۔

''ہاں...... میرے ذہن میں بھی ہیں...... میں نے سنا ہے کل تم لوگ عالمی امن کمیٹی کے دفتر بھی گئے تھے کچھ پتہ چلا؟ کوئی مشتبہ شخص یا کوئی ثبوت ملا؟'' جورڈن نے پوچھا۔

''نہیں...... ابھی تک تو نہیں...... تم بتاؤ تمہاری

Digitized by Google

کیامعلومات ہیں؟''

''ان کا آئی ٹی ڈائریکٹر پیٹ اسمتھ سمجھتا ہے کہ سی ای او کے لیپ ٹاپ میں کوئی ایسا سوفٹ ویئر انسٹال کیا گیا ہے جوایک بارنیٹ ورک سے کنکیٹ ہونے کے بعد تمام سسٹم کولاک ڈاؤن کردیتا ہے اور جب تک سی ای او مطلوبہ رقم ادانہیں کردیتا وہ لاک رہتا ہے میں نے ایک باراس سسٹم میں لاگ ان کیا تھا تو مجھے کچھ ہولز ملے تھے لیکن مجھے بہت کم وقت دیا گیا۔''

''تو تمہارا خیال ہے کہ ادارے کے اندر ہی کوئی ہیکر موجود ہے۔'' مائیک نے پوچھا۔

''ایسا ممکن ہے' لیکن وہ مجھے بغیر کسی سپرویژن کے اپنے سسٹم میں لاگ ان نہیں کرنے دیں گے میں یہ بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ ہیک ہونے کی جوشکایت کررہے ہیں اس میں سچے بھی ہیں یانہیں' یہ بات واضح ہے کہ ہیکرسی ای اوکواس وقت سے ٹارگٹ کررہا ہے جب سے اس کی پہنچ ادارے کی رقم تک ہوئی ہے' یہ ضروری نہیں کہ ادارے ہی کا کوئی فرد یہ کام کررہا ہو کوئی بھی شخص اس قسم کی معلومات ایسے لنک سے بھی حاصل کرسکتا ہے' جس پر ای میل کی گئی ہو۔''

''کیا واقعی؟''

''لیکن ان کی آئی ٹی ٹیم یہ ماننے کو تیار نہیں ہے۔''

''کیا تمہیں ہیکر کو ٹریس کرنے میں کوئی کامیابی ہوئی؟'' مائیک نے پوچھا۔

''ہمارے ایک ورکر نے اس میسج پر کام کیا جوسی ای او کو سب سے پہلے بھیجا گیا تھا اور ایک آئی پی ایڈریس دریافت کیا جوشمالی لانڈل کا تھا۔''

''اس کے علاوہ کچھ اور؟''

''نہیں......''

''تو وہ ایڈریس مجھے سینڈ کردو۔'' مائیک نے کہا۔

جورڈن نے وہ ایڈریس مائیک کوسینڈ کردیا تھا اور مائیک نے اس کیس کی رپورٹ کے ساتھ ساری معلومات اسکارلٹ کو پہنچادی تھی اس کا خیال تھا کہ انہیں جورڈن کے دیئے ہوئے ایڈریس پر ضرور جانا چاہیے' اسکارلٹ نے اس بات کی اجازت دے دی تھی اور مائیک نے پارکر اور ایلکس کے ساتھ اسی رات اس ایڈریس پر جانے کا پروگرام بنایا تھا ان کے پاس سنہری بلڈنگ کے مالک کے بارے میں پوری معلومات تھیں لیکن اس گرے کلر کی بلڈنگ میں ا[...]
کا جومجرم رہتا تھا اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جا[...]
تھے۔

مائیک' پارکر اور ایلکس نے روانگی سے پہلے بل[...]
پروف جیکٹس پہنی تھیں' آج رات ان کا ارادہ صرف مش[...]
شخصیت سے شناسائی حاصل کرنا تھا لیکن اس کے ل[...]
انہیں بیوروکریسی سے اجازت لے کر ضروری کاغذ[...]
کارروائی بھی کرنا پڑی تھی۔ چلتے چلتے انہوں نے ا[...]
ہتھیار چیک کیے تھے اور مائیک نے اپنی گھڑی پر نظر مار[...]
تھی آفس بند ہونے کا وقت ہورہا تھا اور اسٹاف کے لوگ[...]
وہاں سے جانے ہی والے تھے۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد مائیک سینچری بلڈنگ کا موڑ مڑ[...]
ہوئے اپنی ٹیم کی لیڈنگ کررہا تھا۔ مائیک بلڈنگ می[...]
داخل ہوکر نپے تلے قدموں سے مشکوک فلیٹ کی طرف[...]
بڑھا پھر اس نے دروازے پر دستک دی لیکن کوئی ردعم[...]
نہیں ہوا' اس نے دوسری دستک دی اس بار دروازے ک[...]
دوسری جانب سے ایسی آوازیں آئیں جیسے کوئی پنجوں [...]
دروازے کو کھرچ رہا ہو لیکن دروازہ اب بھی نہیں کھلا ت[...]
پارکر اور ایلکس اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے' انہو[...]
نے مستعدی سے اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے مائیک
نے تیسری دستک دی تھی جو پہلے سے تیز تھی اس بار درواز[...]
تھوڑا سا کھلا تھا دروازے میں زنجیر لٹک رہی تھی جس ک[...]
وجہ سے وہ زیادہ نہیں کھلا تھا اور دروازے کی جھری می[...]
سے ایک بوڑھی عورت جھانک رہی تھی جس نے سلیپنگ
گاؤن پہنا ہوا تھا۔ یہ مائیک کی توقع کے خلاف تھا' مائیک
نے دروازے کے پیچھے سے آنے والی آوازوں کی تلاش
میں بوڑھی عورت کے پیچھے کمرے میں جھانکا تو اس ک[...]
نظریں واکر پر ٹھہریں جس کی مدد سے چل کر وہ بوڑھی
عورت دروازے تک آئی تھی۔

مائیک نے اس عورت سے کچھ سوالات کیے تھے' اس
کا نام میرٹل مور تھا اور وہ وہاں تنہا رہتی تھی' مائیک کو سخت
مایوسی ہوئی تھی۔ اس نے عورت کا شکریہ ادا کرنے ک[...]
ساتھ ساتھ اس سے معذرت بھی کی تھی کہ اتنی شام ک[...]
وقت اسے ڈسٹرب کیا تھا' ان کی ہیکر کو پکڑنے کی پہلی
کوشش ناکام ہوگئی تھی۔

Digitized by Google

''تمہیں اسکارلٹ کو بتانا ہوگا کہ ہمیں ناکامی ہوئی ہے۔'' مائیک نے واپسی پر الیکس سے کہا۔

دوسرے روز جب الیکس نے اسکارلٹ کو یہ خبر سنائی تو ایک اور بری خبر اس کی منتظر تھی۔

''تمہیں پتا ہے کل رات پھر اس خیراتی ادارے کو ہیک کیا گیا ہے۔'' اسکارلٹ نے کہا تو وہ حیران رہ گئے۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''یہ ہو چکا ہے۔''

''اوہ.....''

''اور اب ہمارے اسپیشل ایجنٹ انچیف اے ایس سی کا کہنا ہے مائیک کو میرے ساتھ کام کرنے کے لیے باقی کیس چھوڑنا ہوں گے اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھ پر بھروسہ نہیں کرتا۔''

''لیکن اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے ہمیں وہ ایڈریس جو رڈن سے ملا تھا اور جب ہم سنیچری بلڈنگ میں اس عورت سے ملے تو تم ہمارے ساتھ نہیں تھیں اور اس عورت نے بھی برا نہیں مانا تھا۔''

''کچھ بھی ہو الیکس' لیکن یہ میرے کیس کی ناکامی ہے' میں اس پر خوش نہیں ہوں۔'' اسکارلٹ نے جواب دیا' تم جانتی ہو جب مجھے اے ایس سی نے اپنے کمرے میں بلا کر بتایا کہ اس ناکامی کی وجہ سے اب مجھے مائیک کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا تو مجھے کتنا دکھ ہوا' میں نے اس مقام تک پہنچنے کے لیے بہت جدوجہد کی ہے۔''

''میں جانتی ہوں' زندگی میں ایسے اتار چڑھاؤ آتے ہی رہتے ہیں۔'' الیکس نے اسے سمجھایا۔

''ہوں..... لیکن اب مجھے مائیک سے ملنا ہوگا میں پہلے کبھی اس سے نہیں ملی۔'' اسکارلٹ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ طبیعت کا بہت اچھا ہے تم اس سے مل کر خوش ہوگی۔'' الیکس نے سمجھایا۔

''دیکھتے ہیں' آگے قسمت میں کیا لکھا ہے لیکن اس کیس کو تو میں انجام تک پہنچا کر رہوں گی۔''

''بالکل..... کیوں نہیں۔'' الیکس نے جواب دیا۔

مائیک جب سے ایف بی آئی کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا تقریباً روز ہی ان کے آفس میں آتا تھا' اسے وہاں بیٹھنے کے لیے ایک کمرہ اور کمپیوٹر بھی دیا گیا تھا وہ دوسری صبح جب ایف بی آئی کے دفتر پہنچا تو کافی میکر کے پاس اس کی ملاقات پارکر سے ہوگئی۔

''ہیلو مائیک کیسے ہو؟ کل رات کی ناکامی پر افسوس ہوا؟'' پارکر نے کہا۔

''ہاں مجھے افسوس ہے۔'' مائیک نے جواب دیا۔

''لیکن اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہمیں جو اطلاع دی گئی ہم نے اس پر کارروائی کی تھی۔' پارکر نے کہا۔' تمام معلومات اس بلڈنگ کی طرف اشارہ کر رہی تھیں تم نے اسے کال بھی کی تھی اور اسکارلٹ بھی اس کارروائی سے متفق تھی۔'' پارکر نے کہا تو مائیک نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے آفس کی طرف مڑ گیا' جہاں دیوار میں ایک وائٹ بورڈ لگا تھا اس نے کافی میز پر رکھی اور میز سے ایک مارکر اٹھا کر وائٹ بورڈ پر اس جگہ X بنا دیا جہاں پچھلی رات وہ گئے تھے اور بورڈ پر اس جگہ کی لوکیشن دکھائی گئی تھی بورڈ پر ابھی تک کوئی فوٹو نہیں لگی تھی صرف خیراتی ادارے میں جو تین بار ہیکنگ ہوئی تھی اس کی معلومات درج تھیں اس نے اس لسٹ میں پچھلی شام ہونے والی ہیکنگ کی تاریخ بھی ڈال دی' ادارے کا سی ای او مطلوبہ رقم بڑی جلدی میں ادا کر دیتا تھا تاکہ کسی مصیبت سے بچ جائے اور یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ ابھی تک مجرم تک نہیں پہنچ سکے تھے اسے حیرت تھی کہ ایف بی آئی کے اس کام میں شامل ہو جانے کے بعد وہ ایسا کیسے کر لیتا تھا اس نے بورڈ کے درمیان میں سی ای او کا نام لکھ دیا پھر اس نے میز سے ایک فائل اٹھائی اور اس کا مطالعہ شروع کر دیا اسی وقت الیکس کمرے میں داخل ہوئی۔

''ہیلو کی کیسے ہو؟'' الیکس نے کہا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے فائل سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

''مگر! ایسا تو سب کے ساتھ ہوتا ہے تم کچھ اسپیشل نہیں ہو۔'' اس نے مائیک کو چھیڑا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے کوئی جواب دے وہ کمرے سے نکل گئی تھی اور اسکارلٹ کے آفس میں داخل ہوئی تھی۔

''ہیلو اسکارلٹ' تمہاری ٹینشن کچھ کم ہوئی؟'' اس نے

Digitized by Google

اسکارلٹ کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کسی حد تک' میں آج صبح سی اے سی سے ملی ہوں اور مجھے جواب دینا پڑا ہے کہ جب مجھے کام کے لیے اچھا عملہ دیا گیا اور جورڈن بھی ہماری مدد کر رہا ہے تو مجھ سے غلطی کیوں ہوئی اس سلسلے میں ہمیں خیراتی ادارے کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔'' اسکارلٹ نے کہا اس کے چہرے پر دکھ کے آثار تھے۔

''لیکن ہمارے کام کرنے کے لیے ہمارے پاس زیادہ معلومات بھی تو نہیں۔'' ایلکس نے کہا۔

''مجھے لگ رہا ہے کہ میں کچھ بھول رہی ہوں' وہ مجرم بہت خطرناک ہوتا ہے جو خود کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اسمارٹ سمجھتا ہے اور اس نے اپنے آخری دو میسجز میں اس کا ثبوت دے دیا ہے' اس سے ضرور کوئی ذاتی مفاد جڑا ہوا ہے لیکن ہم اس تک پہنچ نہیں پا رہے ہیں۔''

''ہمیں اور کیا ثبوت چاہیے؟'' ایلکس نے پوچھا۔

''کچھ نہیں' اس ادارے پر تین انفرادی حملے ہو چکے ہیں انہوں نے فوراً ہی مطلوبہ رقم ادا کر دی ہے اور یہ رقم اب تک 70,000 ڈالر تک پہنچ گئی ہے اس کام میں جورڈن اور اس کی ٹیم کی خدمات بھی لی گئیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ مجرم بہت ایڈوانس سسٹم استعمال کر رہے ہیں جس تک ان کی رسائی نہیں ہو پا رہی ہے پھر ان کی انشورنس کمپنی بھی بار بار رقم ادا کیے جانے پر پریشان ہے انہیں لگتا ہے کہ اگر یہی صورت حال رہی تو جلد ہی رقم انہیں اپنی جیبوں سے ادا کرنا ہوگی۔ ہمارے کام کرنے کی رفتار بہت سست ہے' مجھے حیرت ہے عالمی امن پارٹنرز کا ادارہ ایک خیراتی ادارہ ہے ہیکرز اس کے پیچھے کیوں لگے ہیں جبکہ اس طرح وہ کسی بہت دولتمند ادارے سے بھی رقم لے سکتے ہیں اور پھر بار بار ایک ہی عمل اور سی ای او کا فوراً ہی رقم ادا کر دینا' میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''لیکن تمہارے پاس جتنی معلومات ہیں ان کے مطابق تم ٹھیک کام کر رہی ہو۔''

''ہوں.....'' اسکارلٹ نے اپنی سیٹ سے اٹھتے ہوئے کہا اس نے اپنی میز سے اپنا لیپ ٹاپ بیگ بھی اٹھا لیا تھا۔

''میں جورڈن سے ملنے جا رہی ہوں اس کے بعد تم لوگوں سے بات ہوگی اور سی اے سی کے کہنے کے مطابق آج میں ایڈیشنل ایجنٹ سے بھی ملوں گی کیونکہ اس کا خیال ہے مجھے ذاتی طور پر اس کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔'' اسکارلٹ نے کہا۔

''اوہ..... تمہارا مطلب ہے مائیک موریٹ کے ساتھ؟'' ایلکس نے پوچھا۔

''ہاں..... دیکھو مجھے مائیک سے کوئی اختلاف نہیں ہے میں اس سے کبھی ملی نہیں ہوں اس کے اور میرے درمیان صرف ای میل کا تبادلہ ہوتا رہا ہے وہ مجھے مناسب شخص لگتا ہے مجھے بس یہ برا لگ رہا ہے کہ ہمیں کسی کو اس فیلڈ سے فل ٹائم کے لیے کھینچ کر لانا پڑ رہا ہے' کیونکہ میں اس کیس کو حل نہیں کر سکتی' بہرحال اب ہمیں ساتھ مل کر اس کام کو کرنا ہوگا۔'' اسکارلٹ نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

.....

مائیک نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل میز پر رکھی اور وائٹ بورڈ پر کچھ نئی معلومات لکھنے کے لیے مڑا اچانک اسے اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان لڑکی آنکھوں پر فیشن ایبل گلاسز لگائے کھڑی تھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس کے بال سنہرے گھنگھریالے تھے اور مائیک کے اندازے کے مطابق وہ کوئی انٹرنل ہو سکتی تھی وہ مسلسل دیوار پر لگے وائٹ بورڈ کو دیکھ رہی تھی۔

''تو تم اس کیس میں مدد کرنے آئی ہو؟'' مائیک نے پوچھا۔

''ہاں..... سی اے سی بہت جلد اس کیس کے بارے میں مجھ سے نئی معلومات پوچھے گا۔'' لڑکی نے جواب دیا اور مائیک نے سوچا کہ اس لڑکی کو سی اے سی نے خود منتخب کر کے بھیجا ہے لڑکی قریب رکھی کرسی پر یوں بیٹھ گئی تھی جیسے وہ اس جگہ کی مالک ہو۔

''کیس میں کوئی نئی پیش رفت؟'' اس نے بڑے اعتماد سے پوچھا۔

''کیا تمہیں پہلے والی معلومات ہیں؟'' مائیک نے پوچھا۔

''ہاں' میں پہلے دن سے اس کیس میں مدد کر رہی ہوں۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''مجھے جو چیز عجیب لگ رہی

Digitized by Google

ہے وہ یہ ہے کہ ان سائبر حملوں میں یکسانیت نہیں ہے پہلا حملہ بہت رات گئے کیا گیا پندرہ دن پہلے اس سے اگلا حملہ شام کے وقت پانچ دن پہلے ہوا اور آخری حملہ بھی شام میں کل ہوا۔ ان میں وقت الگ الگ کیوں ہے؟''

''ممکن ہے یہ کام ایک ٹیم کر رہی ہو۔'' مائیک نے کہا۔

''ہاں ممکن ہے۔'' لڑکی نے کہا اور وائٹ بورڈ پر نظریں جما دیں۔

''ہیکر ٹیم کے طور پر بھی کام کر سکتے ہیں لیکن یہ جو بھی ہے انفرادی طور پر ہی کام کر رہا ہے' ہماری ملٹیکل ٹیم بہترین ہے ہمارا کوئی راز آشکار نہیں ہو سکتا' لیکن جب زیادہ لوگ مل کر کام کرتے ہیں تو وہ اپنے کام کے بہت سے شواہد پیچھے چھوڑ جاتے ہیں لیکن یہ کوئی بھی ہے اکیلا ہے۔''

''تمہارا جائزہ بھی ٹھیک ہے۔'' مائیک نے کہا۔

''تمہارے خیال میں وہ اب تک چھپے کیسے ہوئے ہیں؟''

''کچھ کہا نہیں جا سکتا' میں ابھی جورڈن سے بات کر کے آئی ہوں وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس کام میں کوئی اندر کا شخص ملوث ہے لیکن اس ادارے میں ہر شخص کا ایک الگ لاگ ان ہے اور جب وہ اپنے کمپیوٹر میں لاگ ان کرتے ہیں تو انہیں الگ الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ یہ خیراتی ادارے کے لیے فائدہ مند ہے اور یہ فیچر اسی لیے اس سسٹم میں ڈالا گیا ہے تاکہ سیکورٹی رہے اور وہ اپنا کام بہترین طریقے سے کر سکیں۔'' لڑکی نے وضاحت کی۔

''کیا وہ لوگ یوں سائبر حملے کرنے کے لیے بھی لاگ ان کر سکتے ہیں؟'' مائیک نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ ہاں وہ کر سکتے ہیں۔'' اس نے کہا اور پھر اچانک کھڑی ہو گئی۔ ''اوہ میں نے تو یوں سوچا ہی نہیں تھا اوہ مائیک..... گڈ..... تم اچھا کام کر رہے ہو۔'' اس نے کھڑے ہو کر مائیک کی کمر تھپتھپائی اور اپنا لیپ ٹاپ کا بیگ لیے کمرے سے نکل گئی۔ مائیک حیرت سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا' وہ حیران تھا کہ ایک انٹرن جسے کام سیکھنے اور ان کی مدد کرنے کے لیے رکھا گیا تھا اس کے انداز میں بہت حد تک افسرانہ پن تھا۔

لڑکی کے جانے کے بعد مائیک نے بورڈ پر کچھ تصویریں لگانا شروع کر دی تھیں اور سوچ رہا تھا کہ خیراتی ادارے میں کام کرنے والے بہت سے لوگ ہیں ان میں سے کسی پر بھی شک کیا جا سکتا تھا اور مارٹن بھی انہی میں سے ایک تھا لیکن ممکن ہے وہ کوئی راز چھپا رہا ہو اور تب تک نہ بتائے جب تک اس سے اس بارے میں خود ہی پوچھا نہ جائے اسی لیے وہ رقم کی ادائیگی میں جلدی کرتا ہو اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

'وائٹ بورڈ پر بہت سے مشکوک لوگوں کے نام درج ہو چکے تھے اس نے خیراتی ادارے کی اکاؤنٹنٹ جین ڈنکن کا نام بھی وہاں ڈالا تھا جس کا رویہ مائیک کے دورے کے دوران عجیب سا تھا۔ مائیک کا خیال تھا کہ شاید وہ کچھ جانتی ہو لیکن کسی کو پریشانی سے بچانے کے لیے چھپا رہی ہو۔

کچھ دیر بعد وہ لڑکی دوبارہ مائیک کے آفس میں آئی تھی اور پھر ایک نظر وائٹ بورڈ پر ڈالی تھی۔

''گڈ جاب..... تم نے تو کافی کام کر لیا لیکن تمہاری نظر غلط شخص پر ہے۔'' لڑکی نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' مائیک نے وائٹ بورڈ مارکر کو واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے پوچھا اس بار اس نے لڑکی کا بغور جائزہ لیا تھا وہ اس سے قد میں ایک فٹ چھوٹی تھی اور ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''تم نے جو نقشہ بنایا ہے اس کے مرکز میں سی ای او کا نام لکھا ہے' میں نے اس سے خود بات کی تھی اور اس کا بیک گراؤنڈ بھی چیک کیا تھا اس پر اسائنمنٹ بھی کیا تھا اس پر شک نہیں کیا جا سکتا.....'' لڑکی نے کہا۔

''واقعی .....؟ تم اس سے کب ملیں؟'' مائیک نے پوچھا۔

''میں نے پیر کے روز اسی کے ساتھ میٹنگ رکھی تھی اور پھر اس پر سرچ کیا تھا اس کی رقم محفوظ ہے اور اس قسم کی کوئی ہسٹری نہیں جو اس کیس سے متعلق ہو' پھر اس کا ایسا کرنے میں کوئی فائدہ بھی نہیں' اسے جو میسج بھیجے جاتے ہیں انہیں ٹریس نہیں کیا جا سکتا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کیس میں اس کی معلومات نہایت ناقص ہیں۔ اگر جورڈن مدد نہ کرتا تو ہمیں اتنا سارا ربط بھی نہ ملتا جو علاوہ ایک خیراتی ادارہ چلانے کے لیے قابلیت ضرور رکھتا ہوگا لیکن جب سائبر کوڈ کی بات آتی ہے تو مارٹن اس پر پورا نہیں اترتا وہ اپنے لیے اپنا سوفٹ ویئر تو انسٹال کر سکتا ہے لیکن اس سے

Digitized by Google

زیادہ کچھ نہیں ہمیں فی الحال اس ادارے کے لوگوں کو شک سے باہر کر دینا چاہیے۔'' لڑکی نے کہا اور مائیک نے سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹوں کو سکیڑا پھر اس نے مارٹن بورڈ سے مٹا دیا تھا اور اس کی تصویر بھی بورڈ پر ایک سائڈ میں کر دی تھی پھر اس نے لڑکی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے مارکر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا۔

''اوکے..... تمہاری باری۔'' مائیک نے کہا اور لڑکی نے مارکر اس کے ہاتھ سے لے لیا' مائیک کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

''میرا خیال ہے ہمارا ماسٹر مائنڈ کوڈنگ کا ماہر ہے یا پھر کسی ایسے شخص کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے جسے اس کی معلومات ہیں۔ دوسری بات یہ کہ کوئی ایسا شخص ہے جو کچھ ثابت کرنا چاہتا ہے یا پھر وہ اپنے حصے سے زیادہ رقم جمع کرنا چاہتا ہے۔''

''تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟'' مائیک نے پوچھا۔

''اس میں رقم کی مقدار اہمیت رکھتی ہے کمپنی کی جوانشورنس پالیسی ہے وہ اس سے زیادہ بڑی رقم دینے کی بھی استطاعت رکھتی ہے لیکن شاید ہیکرز اندر کی اتنی معلومات نہیں رکھتے یا ممکن ہے انہیں ستر ہزار ڈالر تک کی ہی رقم درکار ہو یا پھر کوئی نا تجربہ کار یہ کام کر رہا ہو۔''

''کیوں؟''

''انہوں نے یہ کام ایک بار میں کرنے کے بجائے تین بار میں کیا ہے یوں ایک ہی مجرم کو کئی بار ایک ہی جگہ سے کرنا بہت خطرناک ہو سکتا ہے وہ پکڑے بھی جا سکتے ہیں کیا وہ جانتے ہیں کہ اس طرح وہ آگ سے کھیل رہے ہیں اور ہر بار اپنے اوپر کرمنل چارجز کو بڑھا لیتے ہیں۔''

''تمہاری باتیں دلچسپ ہیں اب ہم جب اس خیراتی ادارے کا دورہ کریں گے تو تم بھی ہمارے ساتھ چلنا یہ تمہارے لیے بھی کچھ سیکھنے کا اچھا موقع ہوگا۔'' مائیک نے کہا۔

''میرا خیال ہے' میں یہ کر سکتی ہوں۔''

''تمہارے اندر جذبہ اور حوصلہ ہے اور تم ہماری انچارج سے بھی مل سکتی ہو وہ بھی تمہاری طرح بہت باہمت اور باحوصلہ ہے۔'' مائیک نے کہا۔

''اوہ اچھا..... تم مجھے اپنی انچارج کے بارے میں اور کیا بتا سکتے ہو؟'' لڑکی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''میں نے سنا ہے کہ وہ زیادہ غلطیاں نہیں کرتی اور بے وقوفوں کو پسند نہیں کرتی۔'' مائیک نے کہا۔

''تم کچھ بھی کہہ سکتے ہو۔'' لڑکی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''دراصل قصور میرا ہی ہے کہ میں نے اب تک تم سے اپنا تعارف نہیں کرایا۔ میں اسکارلٹ چالین ہوں تم سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''اوہ ڈاکٹر اسکارلٹ چالین..... تم کو میں کوئی انٹرن سمجھا تھا۔'' مائیک نے سر کھجاتے ہوئے کہا اور اسی وقت جورڈن ایک شخص کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

''میرا خیال ہے تم لوگوں کے لیے یہ اطلاع دلچسپ ہوگی۔'' جورڈن نے کہا اور اسکارلٹ نے اس کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے لیا پھر وہ اسے بغور پڑھنے لگی تھی۔ الیکس اور پارکر بھی وہاں آ گئے تھے۔

''اوہ تم نے پتہ لگا لیا..... یہ تو بہت خوب کیا۔'' اسکارلٹ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا؟'' الیکس نے پوچھا اور اسکارلٹ نے وہ کاغذ اسے تھما دیا۔

''ابھی ہم یہی بات کر رہے تھے کہ ہم نے ہر ملازم کا لاگ ان اور ہسٹری چیک کر لی ہے لیکن ہمیں ابھی تک ہیکر کا پتہ نہیں چلا وہ اپنی سائٹ کو لاک رکھتے ہیں لیکن اب پتا چلا کہ ایک وزیٹر کمپیوٹر بھی ہے جورڈن کو کچھ ایسے نشانات ملے ہیں کہ اسے امید ہے کہ اب وہ کچھ پتہ لگا سکتا ہے جہاں پر وزیٹر کمپیوٹر ہے وہاں خیراتی ادارے میں آنے والا ہر شخص لاگ ان کرتا ہے چاہے وہ ملازم ہو وزیٹر ہو یا کوئی انٹرنی ہو۔''

''اور اس سسٹم پر وہ اصول لاگو نہیں آتے جو باقی سارے سسٹم کے لیے ہیں؟'' پارکر نے پوچھا۔

''کیونکہ وہ وزیٹرز کے لیے سائن ان کرنا آسان رکھنا چاہتے ہیں۔'' اسکارلٹ نے کہا۔

''ہاں' یہ بہت بڑا سیٹ اپ تو نہیں ہے لیکن میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔'' جورڈن نے کہا۔ ''یہ مہمان کمپیوٹر ان کے نیٹ ورک کے ساتھ منسلک ہے وہ نیٹ ورک جو ہیکر کو

Digitized by Google

سسٹم میں آنے کا راستہ دیتا ہے۔"
"زبردست۔" اسکارلٹ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
"تم نے بہت اچھا کام کیا ہے جورڈن ہم اس پر مل کر بات کر سکتے ہیں ہمارا اگلا قدم کیا ہوگا؟" مائیک نے پوچھا۔
"وہ میں کر چکا' ان کی آئی ٹی ٹیم نے سیکورٹی کمپیوٹر پر نگرانی بڑھادی ہے اور اب میں جانتا ہوں کہ مجھے ہیکرز کا کوڈ جاننے کے لیے کیا کرنا ہوگا۔" جورڈن نے پرامید انداز سے کہا۔
"آج رات شاید تم گھر جا کر سکون سے سوؤ گے جورڈن؟" مائیک نے پوچھا۔
"اوہ...... جیسا یہ کیس ہے...... اس میں کسی وقت بھی' کچھ بھی ہوسکتا ہے اس لیے سونے کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا۔" جورڈن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

❀......❀......❀

ایف بی آئی شکاگو فیلڈ آفس سے چند میل پہلے ایک ہیکر لڑکی نے ہال کا دروازہ کھولا وہ اپنا کام شروع کرنے جا رہی تھی' وہ اب تک تین کامیاب سائبر حملے کر چکی تھی لیکن وہ جو کھیل' کھیل رہی تھی اس کی ضرورت تھی کہ وہ اس وقت تک یہ کھیل جاری رکھے گی جب تک پکڑ نہ لی جائے یا اسے سسٹم میں داخل ہونے کے اور کوئی دوسرے راستے نہ مل جائیں وہ ہر بار زیادہ احتیاط سے کام کرتی تھی وہ جس رقم کا مطالبہ کرتی تھی وہ ایک ڈمی اکاؤنٹ میں جارہا تھا جس کا مشورہ مارٹن نے اسے ہدایات دیتے وقت دیا تھا۔ وہ اس کام میں بہت اچھی کارکردگی دکھا رہا تھا اور خوفزدہ ہوجانے کی اچھی اداکاری کررہا تھا' خاص طور سے جب وہ اس لڑکی کو کمپنی کے فون پر جواب دیتا تو اپنی آواز میں بہت زیادہ پریشانی اور گھبراہٹ کو شامل کر لیتا تھا وہ اس کھیل میں بہت دلچسپی لے رہا تھا جبکہ وہ لڑکی اس کی فرم میں صرف ایک انٹرن تھی لیکن وہ اس کے کام کو سراہتا تھا قدموں کی آہٹ نے اسے احساس دلایا کہ اس کا وقت ختم ہونے والا ہے' اسے صرف ایک منٹ کی اور ضرورت تھی اور اس کا کام مکمل ہوجاتا...... اور پھر اس نے کام مکمل کرلیا تھا قدموں کی آواز قریب آ گئی تھی اور اس نے وزیٹرز کا کمپیوٹر بند کردیا تھا' انداز ایسا ہی تھا کہ لوگ دیکھ کر سمجھتے کہ وہ انٹرن شپ کا کام مکمل کر کے جارہی ہے پھر اس نے اپنا لیپ ٹاپ بیگ کاندھے پر ڈالا تھا اور باہر نکلنے کے لیے ایک ہاتھ سے دروازہ کھولا تھا اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا وہ جانتی تھی کہ ایک انٹرن کی حیثیت سے اس کا کام یہاں مدد دینا ہے لیکن وہ کچھ غلط کررہی تھی پھر جیسے ہی بابرا کی آواز اسے اپنی پشت پر سنائی دی تھی وہ اچھل پڑی تھی۔
"ایما؟ تم یہاں اتنی دیر تک کیا کررہی ہو؟" بابرا نے شفقت سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"تمہارے والدین پریشان ہورہے ہوں گے تم کافی لیٹ ہوگئی ہو۔" بابرا نے کہا تو ایما آہستہ سے مسکرادی اس کے لیے بابرا ایک دوست سے زیادہ اس کی فیملی کے فرد کی طرح تھی اس نے ایما کی بہت مدد کی تھی اور وہ اب تک ان کی مدد ہی کی وجہ سے زندہ تھی وہ کینسر سے نجات تو حاصل نہیں کرسکی تھی لیکن اس کے علاج اور اس کی کیموتھراپی کے سلسلے میں اس ادارے اور بابرا نے بہت مدد کی تھی اسے سخت ہدایات تھیں کہ وہ سسٹم کی اہم معلومات راز میں رکھے گی ۔ وزیٹرز کمپیوٹر روم میں کوئی کیمرہ بھی نہیں تھا جو کوئی اس کو وہاں کچھ اور کرتے دیکھ سکتا اور اسے احساس تھا کہ وہ دھوکا کررہی ہے۔
"مس بابرا...... بس میں جا ہی رہی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔
"ایما' تم ہماری نا صرف ایک وفادار رضا کار ہو بلکہ میں تم پر پورا اعتماد کرتی ہوں اور تم اسی طرح لگن سے کام کرتی رہیں تو مستقبل میں بہت کامیاب رہو گی اور سوفٹ ویئر فیلڈ میں نام پیدا کرو گی۔" بابرا نے کہا تو ایما کی آنکھوں میں آنسو آگئے اسے یاد آیا کہ اپنی بیماری کے دنوں میں وہ کیسے اسپتال کے بیڈ سے بھی بیٹھ کر کام کرتی تھی اور نمبروں میں کھوئے رہنے نے اسے زندہ رکھا تھا اور اب وہ ایک کھیل کا حصہ بن گئی تھی۔

❀......❀......❀

"زبردست!" مائیک نے نعرہ لگایا وہ جیسے ہی صبح اپنے آفس میں داخل ہوا تھا تو کمپیوٹر کھولتے ہی اسے پتہ چل گیا تھا کہ جورڈن اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا ہے ایک بار پھر ہیکر نے مارٹن کو میسج کیا تھا اور اس نے ... کے کر...

Digitized by Google

چند ہی لمحے پہلے جوردن نے اس کے سسٹم تک رسائی حاصل کرلی تھی اس نے یہ بات سب سے پہلے مائیک کو بتائی تھی لیکن مارٹن نے کبھی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا وہ اپنے آفس سے سیدھا آفس کے جیم خانے میں گیا تھا جہاں اسکارلٹ باکسنگ کی پریکٹس کررہی تھی وہ بھی اس کے ساتھ اس پریکٹس میں شامل ہوگیا تھا اس نے اندازہ لگایا تھا کہ اسکارلٹ بہت اچھی باکسر ہے۔

''تم نے باکسنگ کیوں سیکھی؟'' مائیک نے پوچھا۔

''حیرت ہے تم یہ بات پوچھ رہے ہو جبکہ جانتے ہو ہمارے کام کی نوعیت ہے کہ ہم خود کو فٹ رکھیں اور لڑائی کے مختلف گر سیکھیں۔'' اسکارلٹ نے ہنستے ہوئے جواب دیا ساتھ ہی اس نے مائیک کے پیٹ میں ایک مکا مارا تھا لیکن وہ بچ گیا تھا۔

''ہمیں ہمیشہ آفس میں ہی رہنا نہیں چاہیے ورنہ ہمارے جسم کی پھرتی اور طاقت ختم ہوجائے گی اور یہ ہماری جاب کی ضرورت ہے ہمیں خود کو ہرحال میں فٹ رکھنا ہے۔'' اسکارلٹ نے کہا۔

''تمہیں کیس کے بارے میں کوئی خاص معلومات ملیں پاتم مجھ سے چھپا رہی ہو؟'' مائیک نے اسکارلٹ کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا لیکن اسکارلٹ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا' وہ ہوا میں اچھل اچھل کر اس کی طرف مکے لہرا رہی تھی اور وہ ان سے بچنے کی کوشش کررہا تھا۔

''جوردن نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے ذاتی طور پر ملنا چاہتا ہے۔'' کچھ دیر بعد اسکارلیٹ نے کہا۔ ''میں نے اس کے ساتھ اب سے ایک گھنٹے بعد میٹنگ رکھی ہے۔''

''ہیلو گرینڈ ماں کیا میں تمہیں چائے کا ایک کپ اور دوں.....؟'' ایما نے اپنی دادی سے پوچھا وہ اپنے گھر جاتے جاتے راستے میں دادی کے گھر ان سے ملنے آگئی تھی۔ اس کی دادی تنہا رہنا پسند کرتی تھیں۔

''نہیں شکریہ ایما! تم سناؤ تمہارے ساتھیوں کا کیا حال ہے؟'' اس کی دادی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وہ سب ٹھیک ہیں۔''

''اور تمہارے ڈیڈی؟ وہ اپنے کاندھوں پر بہت ذمہ داریاں اٹھائے ہوئے ہیں اور پریشان رہتا ہے۔''

''وہ بھی ٹھیک ہیں' ذمے داریاں تو ساتھ ساتھ چلتی ہی رہتی ہیں۔'' ایما نے جواب دیا۔

''ہاں میں جانتی ہوں۔''

''دراصل آپ سب لوگ میری صحت کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔''

''ارے تم خود کو قصوروار مت کہو..... یہ سب اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا لیکن ہمیں اپنی ساری طاقت سے ایسے حالات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور اپنی ہمت اور خود اعتمادی سے ہم پہاڑوں کو بھی ان کی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔'' دادی نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔'' ایما نے اداسی سے کہا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' دادی نے اسے اداس دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں بس مام اور ڈیڈ کے لیے پریشان ہوں انہوں نے اپنا سارا پیسہ میرے علاج پر خرچ کردیا ہے میری خاطر ڈیڈی نے اپنی فطرت کے خلاف اسپتال والوں کی طرف سے دی جانے والی امدادی رقم بھی وصول کرلی تھی جب ہم کسی سے اس طرح امداد لیتے ہیں تو ہم سے زیادہ غریب کوئی نہیں ہوتا اور اب آنٹی جین بھی ہماری مدد کررہی ہیں حالانکہ وہ صرف ایک اکاؤنٹنٹ ہیں گھر میں اداسی کا ایک سماں ہے۔'' ایما نے اپنی دادی کے کمپیوٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا یہ کمپیوٹر عالمی امن پارٹنرز کمپنی کی طرف سے انہیں تحفے میں دیا گیا تھا جب ایما کا علاج ہورہا تھا۔ ایما کو گھر جانے کی فکر تھی وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد گھر پہنچ کر دماغ میں آنے والی کچھ نئی ٹرکس بھی ٹرائی کرے اس نے اپنی دادی کو گلے لگایا اور ان سے رخصت لی اب اس کے چہرے پر اداسی کی جگہ ایک شریر سی مسکراہٹ تھی۔

جوردن ایف بی آئی سائبر کرائم انالسٹ کے طور پر کام سے مطمئن نہیں تھا اس نے اپنے طور پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر بائیس سال کی عمر میں ہی اپنی سوفٹ ویئر کمپنی بنالی تھی اور کوڈ کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مہارت بھی حاصل کرلی تھی پھر اس انڈسٹری میں دس سال گزارنے کے بعد اس

Digitized by Google

نے اتنی رقم کمالی تھی کہ وہ ساری زندگی بیٹھ کر کھا سکتا تھا۔ ایف بی آئی کی ملازمت کے دوران اسے ملنے والا چیک اس کے لیے خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا لیکن ایف بی آئی میں کام کرنے کے دوران سائبر مجرموں کو پکڑنے میں اسے زیادہ مزہ آتا تھا اور خاص طور سے ایسے کیسوں میں جیسا اب اس کے پاس تھا اس وقت اس کی میٹنگ اسکارلٹ کے ساتھ ہونے والی تھی۔

جب وہ اسکارلٹ کے آفس میں پہنچا تو پوری ٹیم وہاں میٹنگ کے لیے موجود تھی۔

''میں نے پتہ لگالیا ہے کہ وہ لوگ سسٹم کو کیسے لاک ڈاؤن کرتے ہیں میں نے ایک بار ان کے وزیٹرز کمپیوٹر کو چیک کیا ہے اور اب یہ سمجھ سکا ہوں کہ میں اب تک یہ پتہ کیوں نہیں چلا سکا کہ وہ کیسے لاک ڈاؤن کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لاک ڈاؤن ہی نہیں کرتے۔''

''میں تمہاری بات سمجھی نہیں؟'' اسکارلٹ نے کہا۔

''سسٹم کو بڑے خوبصورت طریقے سے چھپایا جاتا ہے اس کے لیے وہ اکیسویں صدی میں استعمال ہونے والی اسموک جدید ایپلی کیشن استعمال کرتے ہیں وہ اسی ڈیکس ٹاپ پر لگا دیتے ہیں اور بیک گراؤنڈ کے طور پر سیٹ کر دیتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے فائلز وہاں موجود ہیں لیکن انہیں دراصل کہیں اور چھپا دیا گیا ہوتا ہے اسی وجہ سے جب کوئی وہاں کلک اور ٹرائی کرتا ہے کچھ بھی نہیں کھلتا۔''

''اوہ..... اس کا مطلب ہے ہم بھی تمہیں بیک روم میں نہ جانے دیں۔'' مائیک نے جورڈن کو چھیڑا۔

''میرے پاس اس سے بھی اچھی ٹرکس ہیں جو میرے لیے بہت ہی معمولی بات ہیں میری سافٹ ویئر کمپنی میں میرے کام کرنے والے لڑکے ایسی شرارتیں ہر روز کرتے رہتے ہیں۔ یہ بہت نچلے درجے کی تکنیک ہے لیکن بہت کارآمد ہے۔''

''اور اس کا تعلق ہمارے کیس سے ہے؟'' پارکر نے پوچھا۔

''ہاں! ہمارا مجرم ہیکر اس تکنیک کو استعمال کر رہا ہے وہ کبھی بھی سی ای او کو ڈائریکٹ کنیکٹ نہیں کرتا اسی لیے ہم اسے ٹریس نہیں کر پا رہے ہیں کیونکہ ہم اسے غلط جگہ ڈھونڈ رہے ہیں۔'' جورڈن نے کہا۔

''میرا خیال ہے اب ہمیں کوئی سیکیورٹی ہول مل گیا ہے؟'' اسکارلٹ نے پوچھا۔

''ایک نہیں بلکہ کئی مل گئے ہیں لیکن ہمارا مجرم انہیں استعمال نہیں کر رہا ہے وہ اسکرین چھپانے کی ٹرک استعمال کرتا ہے اور سی ای او جب لاک آؤٹ کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ سسٹم ڈاؤن ہو گیا ہے' پھر ٹیکسٹ میسج اسے خوفزدہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی ٹیم سے چیک کیے بغیر ہی اسے ادائیگی کر دیتا ہے۔''

''لیکن رقم تو اصلی ہوتی ہے نا؟'' پارکر نے کہا۔

''بالکل اصلی۔'' اسکارلٹ نے جواب دیا۔ ''ہم نے یہ بات کنفرم کی ہے کہ رقم ایک اکاؤنٹ سے دوسرے میں جا رہی ہے۔''

''کیا اس سے ہمیں مجرم تک پہنچنے میں آسانی ہوگی؟'' پارکر نے پوچھا۔

''ہونا تو چاہیے۔'' اسکارلٹ نے کہا پھر وہ جورڈن سے مخاطب ہوئی۔

''جورڈن کیا یہ آسان ہوگا کہ پہلے سی ای او کے کمپیوٹر کو ہیک کیا جائے اور پھر باقی نیٹ ورک کو؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے ہم نے اس کا راستہ بند کر دیا ہے۔'' جورڈن نے جواب دیا۔

''تمہیں پکا یقین ہے کہ تم نے راستہ بند کر دیا ہے؟'' پارکر نے کہا۔

''کوئی بھی بات سو فیصد تو نہیں کہی جا سکتی لیکن جو ہول میں نے بند کیا ہے اس سے ہمیں یہ معلوم کرنے میں تو مدد مل سکتی ہے کہ مسٹر مارتھ ہمارے ساتھ دھوکا دہی تو نہیں کر رہے ہیں۔'' جورڈن نے جواب دیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اسکارلٹ کیا یہ بات درست ہو سکتی ہے؟'' مائیک نے اسکارلٹ سے پوچھا۔

''اس کے لیے مارٹن کو چیک کرنا پڑے گا۔''

''میں یہ کر سکتا ہوں..... لیکن کیا یہ مہنگا نہیں ہوگا کہ خیراتی ادارے کے ہر فرد کو چیک کیا جائے؟'' جورڈن نے کہا۔

''لیکن ہر کسی کی پرسنل انفارمیشن میں دخل دینا بھی تو اچھا نہیں محسوس ہوگا۔'' اسکارلٹ نے کہا۔

''میں ایک بار جین سے مل کر پھر بات کرنا چاہتا ہوں۔'' مائیک نے کہا۔ ''میرا خیال ہے وہ بہت کچھ جانتی ہے۔''

''الیکس تمہارا کیا خیال ہے؟'' اسکارلٹ نے الیکس سے پوچھا جو بڑی دیر سے خاموش تھی۔

''مجھے کچھ اندازہ نہیں' کیا یہ ممکن ہے کہ ہم تمام مشتبہ لوگوں سے انہیں بغیر کچھ بتائے انٹرویو لے لیں؟'' الیکس نے کہا۔

''آئیڈیا تو اچھا ہے میں مارٹن سے اس سلسلے میں بات کروں گی او ردیکھوں گی کہ وہ کس حد تک ہماری مدد کرسکتا ہے۔'' اسکارلٹ نے جواب دیا۔

''تم اب بھی یہی سمجھتی ہو کہ مارٹن اس جرم کا حصہ نہیں ہے؟'' مائیک نے پوچھا۔

''ایسا نہیں ہے' لیکن ہمیں اس سے رابطے میں رہنا ہوگا..... ابھی کے لیے اتنا کافی ہے۔'' اسکارلٹ نے کہا اور میٹنگ ختم ہوگئی۔

ایما نے اپنے کی بورڈ سے نظریں ہٹا کر عالمی امن پارٹنرز کے تقریباً خالی آفس کی طرف دیکھا اپنی آخری سائبر ٹرک کے بعد اس کے پاس مزید کوئی نئی ٹرک بھی نہیں بچی تھی جس کی مدد سے وہ خود کو محفوظ رکھتے ہوئے مارٹن کے کمپیوٹر سسٹم میں داخل ہوسکے اس نے ایک خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا اور اپنے آفس کمپیوٹر ہی سے لاگ ان کیا اس وقت وہاں زیادہ لوگ نہیں تھے اس کے ذہن میں ایک نیا آئیڈیا آیا تھا اور وہ ایک نئے اسکرین سے لاگ ان کر کے او رایک errore message بھیج کے مارٹن کو حیران کرنا چاہتی تھی اس بار اس کا عمل اسے آئی ٹی کی نظر میں لاسکتا تھا چنانچہ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ اس کا آخری عمل ہوگا اس نے کی بورڈ پر جلدی جلدی کئی بٹن دبائے تھے اور اس کا کام ہوگیا تھا اس نے ایک ٹیکسٹ میسج بھیج دیا تھا اور انتظار کرنے لگی تھی پھر ایک منٹ سے بھی کم وقت میں اسے ایک میسج ملا تھا۔

''اس بار تم کامیاب نہیں ہوسکتیں ہم جان گئے ہیں کہ تم کون ہو؟'' میسج پڑھ کر ایما ہنسی تھی اسے احساس ہوا تھا کہ دوسری طرف والے بھی اس سے کھیل رہے تھے اس نے فوراً جواب لکھا تھا۔

''اوہ تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں اس وقت بھی تمہیں دیکھ رہی ہوں' ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔'' اس کے بعد ایما نے سسٹم بند کردیا تھا اور آفس سے نکل گئی تھی اس رات جب وہ سونے کے لیے لیٹ رہی تھی تو اس نے اپنی آنٹی جین کو ایک میسج کیا تھا۔

''میں سسٹم میں نہیں جاسکتی' ذہن میں اور بھی آئیڈیاز ہیں امید ہے جو کیا ہے اس سے تمہاری کچھ مدد ہوگئی ہوگی۔''

چند منٹ بعد اس کی آنٹی کا جواب آیا تھا۔

''گڈ جاب' ایما مجھے تم پر فخر ہے۔''

میسج پڑھنے کے بعد وہ اپنے بیڈ پر آرام سے لیٹ گئی تھی اور آنکھیں بند کرلی تھیں اس کا کیموتھراپی والا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا اور اس نے اپنی زندگی کا آغاز وہیں سے کرنے کا فیصلہ کیا تھا جہاں سے اسے چھوڑا تھا۔

اگلی صبح مائیک' پارکر' الیکس اور اسکارلٹ شیڈول کے مطابق عالمی امن پارٹنرز کے ہیڈ کوارٹر جانے کے لیے تیار تھے اسکارلٹ نے ہر ایک کو پیپر پر لکھی اب تک کی پروگریس کی کاپیاں دی تھیں انہیں اس خیراتی کمپنی میں کچھ لوگوں کے انٹرویوز کرنا تھے جس کے لیے اسکارلٹ نے مارٹن واسکو سے بات کرلی تھی مقررہ وقت پر وہ لوگ کمپنی کے دفتر پہنچ گئے تھے۔

جب اسکارلٹ کی ٹیم عالمی امن پارٹنر کے دفتر پہنچی تھی تو مارٹن نے ان کا استقبال کیا تھا اور مارٹن سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کی ہتھیلی پسینے سے تر تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ نروس ہورہا ہے۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' ہم تیار ہیں اگر کچھ بھی ہوا تو حالات سنبھال لیں گے۔'' اسکارلٹ نے مارٹن سے کہا تو اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ کانفرنس روم میں اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے سب سے پہلے بیٹ اسمتھ کو انٹرویو کے لیے بلایا گیا یہ اس فرم کا آئی ٹی ڈائریکٹر تھا۔ اس نے اندر آنے سے پہلے دروازے سے اندر سرڈال کر کانفرنس روم میں جھانکا تھا کمرے میں آنے کے بعد سب سے مصافحہ کرتے ہوئے بھی اس کی نظریں مارٹن پر مرکوز تھیں۔

Digitized by Google

''مسٹر واسکو..... کیا مجھے نوکری سے نکالا جارہا ہے؟'' اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں' بیٹ ہم صرف تم سے تمہاری ملازمت کی روز مرہ کی مصروفیات کے بارے میں کچھ سوالات کریں گے۔'' مارٹن نے جواب دیا۔ ''ٹیم کا خیال ہے کہ مجھے تم لوگوں کے بارے میں زیادہ معلومات ہونا چاہئیں۔'' مارٹن کی آواز پرسکون تھی۔

''کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ہیکر کو نہیں پکڑ سکا؟'' بیٹ نے پوچھا۔ ''لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے میں نے اپنی پوری کوشش کی تھی۔''

''پریشان مت ہو بیٹ' ہم یہاں اس لیے نہیں آئے ہیں کہ تمہیں قصوروار کہیں' ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کام کتنا مشکل ہے اور کہیں تمہیں مدد کی ضرورت تو نہیں؟'' اسکارلٹ نے کہا۔

پھر ٹیم نے بیٹ سے دس منٹ تک سوالات کیے تھے۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس ہیکر کے پیچھے نہیں ہو بیٹ؟'' مائیک نے اس سے پوچھا اور بیٹ کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں ایسا کرنا پسند کروں گا؟ میں نہیں جانتا کہ تم کس کے لیے کام کررہے ہو لیکن میں یہاں اپنی بے عزتی کروانے نہیں آیا ہوں میں نے اپنی زندگی اس کمپنی کے لیے وقف کردی ہے اور تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔ جاؤ میرے کمپیوٹرز چیک کرلو' میرا گھر' میری گاڑی' میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔''

''سوری بیٹ..... لیکن مجھے سوالات تو پوچھنے ہیں۔'' مائیک نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری بیٹ' چلو یہ بات باہر جاکر کرتے ہیں۔'' اچانک مارٹن نے درمیان میں مداخلت کی اور مائیک کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ غلط فہمی دور کرکے آتا ہوں۔' مارٹن نے کہا اور بیٹ کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

''یہ کون سی غلط فہمی دور کرنے گیا ہے؟'' مارٹن کے جانے کے بعد الیکس نے بھویں چڑھا کر کہا۔

''پیٹ نے بہت کھل کر بات کی ہے' بلا جھجک' پر اعتماد' وہ اس کیس کے پیچھے نہیں ہوسکتا۔'' اسکارلیٹ نے کہا۔

کچھ دیر بعد کارروائی دوبارہ شروع ہوگئی تھی اس بار نک برکات کمرے میں داخل ہوا تھا۔ یہ وہی تھا جو الیکس کے پہلے وزٹ کے دوران اس کے آگے پیچھے گھومتا رہا تھا اس وقت بھی اس نے آنے کے بعد سب سے پہلے الیکس سے ہاتھ ملایا تھا اور کچھ دیر اس کا ہاتھ تھامے رہا تھا اور جب اس سے سوالات پوچھے گئے تھے تو اس نے ہر سوال کا جواب الیکس کی طرف دیکھتے ہوئے دیا تھا۔

''نک تم کمپیوٹرز کے بارے میں کیا جانتے ہو؟' اسکارلٹ نے اس سے سوال کیا۔

''میں بہت کچھ جانتا ہوں اور سارا دن انہی کے درمیان رہتا ہوں۔'' نک نے جواب دیا اور اسی وقت مارٹن باہر سے واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا۔

''تم نے کبھی اپنا کوئی کوڈ لکھا؟ کوئی آئی پی بنائی یا کوئی سوفٹ ویئر؟'' اسکارلٹ نے پوچھا۔

''نہیں لیکن میں یہ سیکھنا چاہتا ہوں۔'' نک نے اس بار مارٹن کی طرف دیکھا تھا۔ 'مسٹر واسکو کیا یہ لوگ مجھے ملازمت سے نکال دیں گے۔'' اس نے مارٹن سے پوچھا۔

''ہر کوئی یہی بات کیوں پوچھ رہا ہے؟'' مارٹن نے ہوا میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔ ''نہیں نک ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہاں ہر کوئی کیا کیا کام کررہا ہے تاکہ ہم اپنے فنڈز صحیح طور پر استعمال کرسکیں۔'' مارٹن نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''دیکھا! یہ بات ایسے کوڈ کی طرح ہے جس پر لکھا ہو کہ تمہیں نکالا جارہا ہے لیکن میں اس آرگنائزیشن کے لیے بہت اہم ہوں۔'' نک نے کہا۔

''کیا تم بتاؤ گے کہ میرے پاس تمہیں نکالنے کے لیے کیا وجہ ہوسکتی ہے نک؟'' مارٹن نے اس سے پوچھا۔

''نہیں..... میں نہیں جانتا۔'' نک نے جواب دیا۔

''تمہیں مجھ سے کوئی شکایت جس پر بات کرنا چاہتے ہو؟'' مارٹن نے قدرے غصے سے پوچھا۔

''نہیں جناب۔''

''نک..... تمہارے وقت دینے کا شکریہ۔'' اسکارلٹ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ 'ہمیں ابھی تم سے اتنا ہی پوچھنا تھا..... تمہاری ملازمت برقرار ہے..... اگر ہمیں پھر تمہاری ضرورت پڑی تو تمہیں بلائیں گے۔'' اس نے

Digitized by Google

کہا اور نک کمرے سے نکل گیا۔
"اس پر شبہ کیا جاسکتا ہے کہ شاید یہ مجرم ہو۔" اسکارلٹ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔
"کیا یہ مجرم ہے؟ تو تم نے اسے واپس کیوں جانے دیا؟" مارٹن تیزی سے بولا۔
"پریشان مت ہو مارٹن وہ لڑکا گھبرا گیا ہے اور تم اطمینان رکھو جورڈن تمہارے سسٹم پر نظر رکھے ہوئے ہے وہ اس پر بھی نظر رکھے گا۔" مائیک نے مارٹن کو سمجھایا۔
"اگلی باری جین کی ہے۔" الیکس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوم پیپر دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھتے ہیں وہ نک کے بارے میں کیا جانتی ہے؟" الیکس نے کہا اور اسی وقت ایک چھوٹے قد کی دبلی پتلی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی اس نے حال ہی میں اپنی تنخواہ واپس آرگنائزیشن کو گفٹ کردی تھی۔ اس کے حلیے کو دیکھ کر کوئی بھی اسے ہیکر ہونے کا الزام نہیں دے سکتا تھا وہ اکاؤنٹنٹ تھی اور اس کی پہنچ اکاؤنٹ کی بہت سی معلومات تک تھی ممکن ہے وہ اپنے حصے سے زیادہ معلومات رکھتی ہو اور کسی کو یہ معلومات دے سکتی ہو لیکن وہ مستقل جھوٹ بول رہی تھی یوں لگتا تھا کہ وہ کسی کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو وہ خاصی نروس لگ رہی تھی۔ مارٹن اس کی حالت دیکھ کر اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا اور جین کے سامنے رکھی سیٹ پر آبیٹھا تھا' اسکارلٹ یہ سب بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔
"کیا میں نے کچھ غلط کیا ہے؟" جین نے حیرت سے پوچھا۔
"میرا خیال تو نہیں کہ ایسا کچھ ہے۔" الیکس نے اس کی بات کا جواب دیا اور اسی وقت مارٹن نے بات کاٹی۔
"نہیں۔" مارٹن نے جین کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
"ہم تو تم سے صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ تم خیرات اور چندے کی رقمیں جمع کرنے کے لیے سلیکشن کیسے کرتی ہو؟" الیکس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پوچھا اور جین اپنے ہاتھ ملنے لگی اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہے۔
"میں...... میں جانا چاہتی ہوں......" جین نے مارٹن کی طرف دیکھتے ہوئے کانپتی آواز سے کہا۔ "میں یہ انٹرویو نہیں دے سکتی۔" اس نے کہا اور اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔
"جین...... ٹھہرو......" مارٹن نے اپنی سیٹ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا' لیکن وہ کمرے سے نکل گئی مارٹن نے اس کے تعاقب میں قدم بڑھائے تو مائیک اس کے راستے میں آ کھڑا ہوا۔
"آپ اپنی سیٹ پر کیوں نہیں بیٹھتے؟ میرا خیال ہے ابھی ہمارے پاس کچھ وقت ہے۔" مائیک نے کہا اور مارٹن اپنے ماتھے کو رگڑنے لگا۔
"کیا کوئی ایسی بات ہے جو تم نے مجھے نہیں بتائی تمہاری اور مس جین ڈنکن کے بارے میں......؟" مائیک نے پوچھا۔
ایف بی آئی کی دلچسپی کی کوئی بات نہیں۔" مارٹن نے جواب دیا۔
"اگر تمہارا اور اس کا کوئی معاشقہ بھی ہے تو ہمیں بتا سکتے ہو مارٹن۔" مائیک نے پھر کہا۔
"کیا؟ نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں شادی شدہ شخص ہوں عمر میں اس سے بیس سال بڑا ہوں وہ میری بہت اچھی دوست ہے' وہ اچھی ملازم ہے میں اس کے کام کی تعریف کرتا ہوں اور اس کی سرپرستی میں ایک فیملی ممبر بھی ہے۔ جس کی دیکھ بھال اسے کرنا ہے اور میں فاؤنڈیشن کے ذریعے اس کی جس حد تک بھی مدد کر سکتا ہوں کرتا ہوں۔"
"لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں یہاں کے قانون کے مطابق تم یہاں کام کرنے والے کی ذاتی طور پر مدد نہیں کر سکتے۔" اسکارلٹ نے کہا۔
"لیکن میں اسے دس سال سے جانتا ہوں اور مجھے اس سے ہمدردی ہے اور یہ وقت ہم دونوں کے لیے مشکل وقت ہے۔"
"تو تمہارا خیال ہے کہ وہ بھی تمہیں اتنا ہی پسند کرتی ہے؟"
"میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔" مارٹن نے غصے سے کہا۔ "میں اپنی دوست پر الزام نہیں لگا سکتا وہ میری کمپنی میں چوری نہیں کر سکتی۔" مارٹن نے کہا۔
"وہ تمہاری چوری نہیں کر سکتی......" مائیک نے انشورنس کمپنی کا ایک فارم ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ایک سینئر اکاؤنٹنٹ ہونے کی وجہ سے وہ ان چند لوگوں میں سے ہے جو عالمی امن پارٹنرز پر سائبر حملے کی انشورنس کے بارے میں جانتے ہیں۔"

Digitized by Google

مائیک نے کہا اس کی بات پر مارٹن اپنی کرسی پر سر جھکا کر بیٹھ گیا تھا۔

"لیکن وہ نہیں جانتی کہ ہمارے سسٹم کو کیسے ہیک کیا جاسکتا ہے؟" مارٹن نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر کوئی ایسا کرسکتا ہے تو تمہیں ایما کو قصوروار کہنا چاہیے وہ میرے آئی ٹی اسٹاف میں سب سے اچھی پروگرامر ہے اور وہ صرف سولہ سال کی ہے۔"

"ایما مورا!" الیکس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی فہرست کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "جو جین کی بھانجی ہے اور جس کے علاج کے لیے ابھی بہت ساری رقم خرچ کی گئی ہے وہ کینسر کی مریض ہے......"

"اوہ...... جہنم میں جاؤ......" مارٹن نے غصے سے کہا اور کمرے سے نکل گیا اس کے بعد اسکارلٹ کی ٹیم کے لوگ بھی کمرے سے نکلے تھے جب اسکارلٹ باہر نکلی تو اس کی نظریں کانفرنس روم کے قریب بنے کاؤنٹر پر پڑیں جہاں جین کھڑی تھی اور وحشت زدہ نظروں سے کانفرنس روم کی طرف دیکھ رہی تھی ایما اس کی پشت پر موجود تھی اور پیچھے سے جھانک رہی تھی پھر جین نے باہر کی طرف دوڑ لگادی تھی اور اسکارلٹ اس کے پیچھے بھاگی تھی اسکارلٹ کے ساتھ ساتھ مائیک بھی تھا کچھ دور تک اسکارلٹ نے ایما کو بھی بھاگتے دیکھا تھا لیکن پھر وہ پیچھے رہ گئی تھی اور الیکس اور پارکر بھی پیچھے ہی تھے اسکارلٹ نے اندازہ لگایا تھا کہ انہوں نے ایما کو قابو کیا ہوا۔

"رک جاؤ...... ورنہ گولی ماردوں گی۔" اسکارلٹ نے دوڑتے ہوئے جین کا نشانہ لیتے ہوئے کہا اور جین کی رفتار دھیمی ہوگئی اس نے دفاعی انداز میں اپنے ہاتھ اوپر اٹھادیئے تھے۔

"مجھے چھوڑ دو...... میں اپنے گھر والوں کا سامنا نہیں کرسکتی۔" جین نے التجا کی اور مائیک نے اس کی طرف قدم بڑھائے۔

"مجھے مت پکڑو...... مجھے چھوڑ دو......" جین نے ایک بار پھر التجا کی۔

"مائیک رک جاؤ...... شاید ہمیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اسکارلٹ نے مائیک سے کہا وہ جانتا تھا کہ اسکارلٹ جین کو تھوڑی سی رعایت دینا چاہتی ہے تاکہ اس سے بات کرسکے پھر اسکارلٹ جین کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"تم نے یہ سب کیوں کیا؟" اسکارلٹ نے جین سے پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ ایما کا اس سلسلے سے تعلق ہے لیکن چاہتی تھی کہ جین اس بات کو اپنے منہ سے قبول کرے اور ایف بی آئی کے دو ایجنٹ اس کے گواہ ہوں۔

"میں یہ رقم واپس کردوں گی یہ ایک قرض کی طرح ہے میں نے کچھ واپس بھی کردی ہے میں نے بہت کوشش کی تھی کہ قانونی طور پر مجھے یہ امداد مل جائے لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی تھی اس سے پہلے کہ وہ لوگ میری بہن اور میری فیملی سے سب کچھ واپس لے لیں لیکن مجھے دیر ہوگئی انشورنس کی رقم ختم ہوگئی چیزیں بیچنے کی نوبت آگئی ہمیں ان کو سود کے ساتھ رقم واپس کرنا ہے میں سب کچھ ٹھیک کرنے کی کوشش کررہی تھی۔"

"ہاں ہاں ایسا ہی ہوگا۔" مائیک نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

"میں کبھی اپنے مالک کی چوری نہیں کرتی میں مجبور تھی اسے مدد کی ضرورت تھی ہم سب کچھ ٹرائی کرچکے تھے۔"

"تو یہ وجہ تھی جو ایما عالمی امن پارٹنرز کو لوٹنا چاہتی تھی۔" مائیک نے کہا۔

"خدایا نہیں۔" جین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "ایما کو تو کوئی اندازہ ہی نہیں ہے میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ ایک پروجیکٹ ہے مارٹن اس کے بارے میں سب جانتا ہے۔" جین نے کہا اور اسکارلٹ کے سامنے کیس کی ساری کڑیاں مل گئیں اس نے سوچا کہ ایما بے قصور ہے اور اسے استعمال کیا گیا ہے۔

"تم ہمارے ساتھ آؤ اور یہ بات مارٹن کے سامنے کلیئر کرواسے یہ بات جاننے کی بہت ضرورت ہے کہ تم اس سے چوری نہیں کررہی تھیں اس کے بعد تمہیں ہمارے کچھ سوالوں کے جواب دینا ہوں گے تاکہ معاملات کو سدھارا جاسکے۔" اسکارلٹ نے کہا وہ جانتی تھی کہ جب تک وہ جین سے تمام راز اگلوا نہیں لیتی وہ اس کیس کو عدالت میں نہیں لے جاسکتی۔

"ہم نہیں چاہتے کہ تمہیں ہتھکڑیاں پہنائیں تم ہمارے ساتھ خود چلوگی؟" اسکارلٹ نے جین سے کہا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

Digitized by Google

''میں چلوں گی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

دس منٹ کے بعد ایما مور کانفرنس روم میں بیٹھی تھی اس کے سامنے اس کی آنٹی جین تھیں جو اس سے محبت کرتی تھیں لیکن اب اچانک ایسی عورت میں تبدیل ہوگئی تھیں جسے وہ نہیں جانتی تھی کچھ دیر پہلے کانفرنس روم کے باہر وہ اسے وہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ دے رہی تھیں کہ اچانک ایف بی آئی کے لوگوں نے انہیں گھیر لیا تھا پھر الیکس اسے پکڑ کر کانفرنس روم میں لے آئی تھی پھر جورڈن بھی وہاں آ گیا تھا۔

''ایما! کیا تم ہمیں اپنی کہانی سنانا پسند کرو گی؟'' کچھ دیر بعد اسکارلٹ نے اس سے کہا۔

''تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا میں کسی مصیبت میں ہوں؟'' ایما نے پوچھا۔

''یہ تم پر منحصر ہے' تم خود ہمیں کیوں نہیں بتاتیں کہ معاملہ کیا ہے عالمی امن پارٹنرز کو ہیک کیا جارہا تھا اور ان ہیکرز میں سے ایک تم بھی ہو..... ہے نا؟'' اسکارلٹ نے کہا' کمرے میں موجود سب لوگ اس کے جواب کے منتظر تھے۔

''ہاں' یہ ایک پروجیکٹ تھا..... یہ اس لیے تھا کہ اسے ہیک کر کے پتہ لگایا جاسکے کہ سسٹم میں کہاں کہاں کمزوریاں ہیں۔'' ایما نے کہا۔ ''میں نے ان سب کی ایک رپورٹ اپنے لیپ ٹاپ میں جمع کر رکھی ہے۔ یہ ایک مقابلے کی طرح تھا۔''

''اور جو دھمکانے والے میسجز تم مارٹن کو بھیجتی تھیں اس کے بارے میں تم کیا کہو گی؟'' اسکارلٹ نے پوچھا۔

''کیا.....؟'' ایما نے حیرت سے پوچھا۔

''تم نے کمپنی کے سی ای او کو کئی دھمکیاں بھیجی تھیں۔'' اسکارلٹ نے کہا۔ ''بھلا تمہارے اندر اتنی ساری صلاحیتیں کیسے جمع ہوگئیں ایسی صلاحیتیں جن سے تم کسی کو بھی خوفزدہ کر سکتی ہو؟'' اسکارلٹ نے ایک پیپر ایما کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''تم جانتی ہو نا کہ دھمکیاں دینا غیر قانونی ہے؟'' اسکارلٹ نے کہا اور ایما ہنسنے لگی۔

''وہ تو ایک مذاق تھا..... یہ آئیڈیا میں نے ایک فلم Taken سے لیا تھا'' ایما نے کہا اور اسکارلٹ نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''اسکارلٹ میرا خیال ہے کہ ایما ایک اچھی لڑکی ہے۔'' جورڈن نے کہا۔

''ٹھیک ہے ایما' میں تم پر یقین کرتی ہوں۔'' اسکارلیٹ نے کہا۔

''میرا خیال ہے تم سچ بول رہی ہو۔'' جورڈن نے کہا۔ ''اور تم وائٹ ہیٹ میں آتی ہو۔''

''شکریہ'' ایما نے اطمینان سے جواب دیا۔

''وائٹ ہیٹ کیا ہے؟'' مائیک نے جورڈن سے پوچھا۔

''وائٹ ہیٹ' اس ہیکر کو کہتے ہیں جو اچھائی کے لیے چوری (ہیک) کرتا ہے۔'' جورڈن نے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے یہ بات مسٹر مارٹن بھی جانتے ہیں۔'' جورڈن نے کہا اور پتی جیب سے ایک کارڈ نکال کر ایما کے سامنے رکھ دیا۔

''آئندہ اس بات کا خیال رکھنا کہ اپنے ٹارگٹ سے خود بات کرنا اور کسی فلم سے اگر کوئی بات اخذ کرو تو اس کا بھی خیال رکھنا کہ تمہارے ٹارگٹ نے بھی وہ فلم دیکھی ہو' یہ میرا کارڈ ہے ہم اچھائی کے لیے کام کرتے ہیں کیا تم ہمارے ساتھ کام کرو گی؟'' جورڈن نے کہا تو ایما اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

''میں صرف سولہ سال کی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں' اگر تم حقیقت جانے بغیر اتنی کامیابی سے ہیک کر سکتی ہو تو مستقبل میں اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر تم کیا کچھ کر سکو گی؟'' جورڈن نے کہا۔

''ہم تمہیں تنخواہ کے ساتھ انٹرن شپ آفر کرتے ہیں۔''

''اور میری آنٹی؟ ان کا کیا ہوگا؟'' ایما نے پوچھا۔

''ان کے بارے میں ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔'' اسکارلٹ نے جواب دیا۔

''آپ یقین کریں میری فیملی میرے علاج کے سلسلے میں بہت مقروض ہو چکی تھی اور آنٹی جین نے کہا تھا کہ انہیں ایک خیراتی ادارے کا پتہ ہے جو ہماری مدد کر سکتے ہیں انہوں نے صرف ہماری مدد کرنے کے لیے چوری کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر آپ ان کے ریکارڈ چیک کریں تو انہوں نے رقم واپس لوٹانا بھی شروع کر دی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو.....'' مائیک نے کہا۔ ''ہم نے ریکارڈ چیک کیا ہے انہوں نے حال ہی میں خیراتی ادارے کو ایک

Digitized by Google

بڑی رقم دی ہے جو لوٹی ہوئی رقم کا آدھا حصہ ہے۔"

"دیکھا میں صحیح تھی...... اگر آپ ان کے لیے کچھ کر سکیں...... کسی طرح انہیں جیل جانے سے بچالیں...... ہم ایک ایک روپیہ ادا کردیں گے۔" ایما نے کہا۔

"ایما! ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا اگر آپ کسی اچھے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی غلط کام کریں تب بھی وہ غلط ہی ہوتا ہے جرم جرم ہوتا ہے۔" اسکارلٹ نے کہا اور ایما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"مجھے افسوس ہے...... یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" ایما نے روتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہوگا ہم دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟" اسکارلٹ نے کہا اور ایما کو کمرے سے جانے کی اجازت دے دی۔

......☼......☼......☼

ایلکس اور پارکر مارٹن کے آفس کے باہر کھڑے تھے اور ان کے سامنے ایک سیکورٹی گارڈ موجود تھا۔

"تم نے جین کو گرفتار کیوں نہیں کیا؟ اور تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" ایلکس نے اس سے پوچھا۔

"مارٹن نے ہم سے پانچ منٹ مانگے ہیں جین سے ملنے کے لیے پھر ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" پارکر نے کہا۔

"میرا خیال ہے تمہیں اس کی اجازت نہیں دینا چاہیے تھی اگر میں نے کمرے میں کسی شور کی آواز سنی تو میں بلا دریغ اندر داخل ہو جاؤں گی۔" ایلکس نے کہا اور اسی وقت آفس کا دروازہ کھلا مارٹن سامنے کھڑا تھا اور اس کی پشت پر جین نظر آ رہی تھی۔

"میں صورت حال کو سنبھال لوں گا جین اچھی فرد ہے لیکن اس سے غلطی ہوگئی ہے اگر میں لوٹی ہوئی رقم واپس کردوں تو اسے سزا تو نہیں ہوگی؟" مارٹن نے پوچھا۔

"میں اس کا وعدہ نہیں کرتی یہ وکیل کا کام ہے وہی کرے گا۔" ایلکس نے کہا اور اسی وقت جین آگے بڑھی اس کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

"تم میرے لیے ایسا کیوں کر رہے ہو...... آخر کیوں......؟" اس نے روتے ہوئے پوچھا۔

"جین...... میں دوسرا موقع دینے پر یقین رکھتا ہوں۔" مارٹن نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "
سے کچھ غلط ہوا ہے لیکن تم نے اس کا ازالہ کرنا شرو
کردیا ہے اور مجھے یقین ہے اگر تم مجبور نہ ہوتیں تو
ایسا ہرگز بھی نہ کرتیں؛ مجھے امید ہے تم ایک ایک پیسہ واپ
کردو گی اس کے سود کے ساتھ۔" مارٹن نے کہا اور جین ـ
اثبات میں سر ہلایا۔

"میں تمہیں فائنانس ڈپارٹمنٹ سے نکال دوں گا
مارٹن نے کہا۔

"لیکن نوکری کے بغیر میں رقم کیسے واپس کر سکو
گی؟" جین نے کہا۔

"تم میری پرسنل اسسٹنٹ ہوگی جس کی میں تمہی
تنخواہ دوں گا اس سے تم یہ رقم ادا کرو گی اور اگر آئندہ تم
کچھ غلط کیا تو میں خود تمام شواہد کے ساتھ تمہیں پولیس ک
حوالے کردوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے میں اس سلوک کی مستح
نہیں ہوں۔" جین نے کہا۔

"جین مجھے لوگوں کے کردار کا اچھا اندازہ ہ
اگر ایسا نہ ہوتا تو میں ایک ایسی شخصیت کو یہاں ملازمت ن
دیتا جو چوری کرنے کے ساتھ ساتھ رقم خود ہی واپس بھی
کر رہی ہو۔" مارٹن نے کہا۔

"اس سب کے باوجود تمہیں پھر بھی ہمارے ساتھ چل
ہوگا ضابطے کی کارروائی کے لیے۔" پارکر نے کھنکارت
ہوئے کہا اور جین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ میرے وکیل کے ساتھ جائے گی مجھے تھوڑا وقت د
میں اس سے رابطہ کرلوں' میرا خیال ہے ابھی تک جین کو اپن
گرفتاری اور اپنے حقوق کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں
ہوں گی۔" مارٹن نے پارکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہم اسے مجرم کے طور پر گرفتار کر رہے ہیں؟"
ایلکس نے پارکر سے پوچھا' اسی وقت اسکارلٹ اپنی ٹیم او
ایک مشتبہ فرد کے ساتھ بلڈنگ سے باہر نکلی تھی۔

"ہمیں ضابطے کی کارروائی تو مکمل کرنا ہوگی۔ ویسے
میرا خیال ہے جین کو اگر موقع دیا گیا تو اب یہ اس ادار
کی سب سے وفادار ملازم ہوگی اور اگر اس نے پھر کچھ غلط
کیا تو مارٹن ہم سے رابطہ کر سکتا ہے۔"

Digitized by Google

جو کہ گئے وہی ٹھہرا ہمارا فن اسرار
جو کہہ نہ پائے نہ جانے وہ کیا چیز تھی

گوشۂ ابن صفی

اسرار احمد ناروی المعروف ابن صفی شاعر، ادیب، مزاح نگار، سائنس داں ہم انہیں کیا لکھیں، کیا کہیں اس کا فیصلہ آج تک کوئی بھی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ انہوں نے اپنے قلم اور کلام سے کئی نسلوں کو متاثر کیا آج وہ نسل بھی ان کی تحریروں پر تبصرہ کررہی ہے جو ان کے وصال کے بعد پیدا ہوئی حضرت علامہ اقبالؒ اور مرزا غالب کے بعد ابن صفی وہ واحد ادیب، شاعر اور دانشور ہیں جن پر نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت میں لوگ پی ایچ ڈی کررہے ہیں ان کی تحریروں پر مقالے لکھے جارہے ہیں ہمیں فخر ہے کہ ہم ان کے لگائے ہوئے پودے نئے افق کے سائے میں بیٹھے ہیں جو اس وقت چھتنار شجر میں تبدیل ہوچکا ہے، ہم پر ان کا قرض ہے جو ہم اتار تو نہیں سکتے لیکن انہیں خراج عقیدت ضرور پیش کرسکتے ہیں نئے افق میں گوشہ ابن صفی کا اضافہ خراج عقیدت ہی ہے جس میں ہم پاکستان اور بھارت کے قارئین اور عاشقان ابن صفی کی آرا کو ان کی تحریر اور کرداروں کے حوالے سے شائع کریں گے اگر کوئی ادیب یا قاری ان کے کرداروں پر لکھنا چاہتا ہے تو ان کے لیے بھی یہ صفحات حاضر ہیں ہم وقتاً فوقتاً ان کے کرداروں پر لکھی گئی معیاری کہانیاں بھی ان صفحات کی زینت بنائیں گے۔

جنگلی رقاصہ..... زرین قمر

''ابن صفی کو جاسوسی ادب کا بے تاج بادشاہ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے برصغیر کے جاسوسی ادب کو ایک نام اور پہچان دی۔ انہوں نے لاتعداد کہانیاں لکھیں، ان کی عمران سیریز اور جاسوسی دنیا سیریز بہت مشہور ہوئیں۔ ابن صفی کے بعد بہت سے لکھاریوں نے ان کی طرز پر لکھنے کی کوشش کی، کچھ نے اچھا کام بھی کیا، لیکن ان کے پائے کو نہ پہنچ سکا، اس بار ہم نے جو ابن صفی خاص نمبر شائع کیا ہے، اس میں ابن صفی کے جاسوسی دنیا کے دو کرداروں انور اور رشیدہ سیریز کی طرز پر رائٹرز زیڈ۔ پی۔ جان سے ایک ناول لکھوایا ہے۔ ''جنگلی رقاصہ'' امید ہے ان کی کاوش آپ کو پسند آئے گی۔ پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کریں، آپ کی رائے اگلے شمارے میں شامل کی جائے گی۔''

مے فیئر ہوٹل کے مرکزی ہال میں آرکسٹرا کی ہلکی ہلکی دھن بج رہی تھی، میزوں کے گرد بیٹھے لوگ خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ انور سعید بھی ہال کے ایک کونے میں رکھی میز پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسی اداسی پھیلی ہوئی تھی جیسے کوئی قریبی ساتھی فوت ہو گیا ہو اور وہ اس کے چالیسویں میں شرکت کرنے آیا ہو۔

''تو تم یہاں بیٹھے ہو۔'' ایک نسوانی غصے میں بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس نے منہ سے سگریٹ کا دھواں نکالتے ہوئے اوپر دیکھا رشیدہ غصیلی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر یوں کھڑا ہوا جیسے اس کی کوئی بڑی چوری پکڑی گئی ہو۔

''کک..... کیا ہوا؟'' اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میرے پرس میں نیلی سیاہی کہاں سے آ گئی؟'' اس نے غصے میں پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ؟'' انور نے لاپرواہی سے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا اور پھر بیٹھ گیا۔

''انور، تمہیں معلوم ہے مجھے تمہارے ساتھ یہاں ڈنر پر آنا تھا، دوپہر ہی تو ہماری بات ہوئی تھی۔''

''ہاں، مجھے معلوم ہے..... تو اب آ تو گئی ہو۔'' انور نے لڑاکا عورتوں کی طرح کہا۔

''تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟''

''انتظار کی تنخواہ دیتی ہو؟ میں خوانخواہ عورتوں کو منہ نہیں لگاتا۔'' وہ رشیدہ کو پوری طرح ناراض کرنے کے موڈ میں تھا۔

''تمہیں خدا سمجھے، تم نے میرے پرس میں انک ڈالی تھی؟ ساری چیزیں خراب ہو گئیں، میرا فیس بک پاسورڈ، لپ اسٹک، میری نوٹ بکس سب کچھ..... تم آخر کب سدھرو گے؟''

''میں نے جان بوجھ کر نہیں ڈالی انک..... بس میں کمرے سے نکل رہا تھا، تمہارا پرس کھلا رکھا تھا اور انک کی شیشی بھی کھلی پڑی تھی نکلتے نکلتے میرا ہاتھ انک پر لگ گیا اور وہ پرس میں الٹ گئی۔'' انور نے معصومیت سے کہا، رشیدہ چند لمحے اسے گھورتی رہی اور پھر اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اگر ساتھ نہیں لانا چاہتے تھے تو بتا دیتے اس کے لیے ایسی چھچھوری حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ رشیدہ نے کہا اور اسی وقت ویٹر آن کھڑا ہوا۔

''تم کیا کھاؤ گی؟'' انور نے رشیدہ سے پوچھا۔

''جو اپنے لیے منگواؤ میرے لیے بھی منگوا لو۔'' رشیدہ نے لاپرواہی سے کہا۔

''ٹھیک ہے، دو بریانی۔'' انور نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''تمہیں پتا ہے نا! میں پرس نہیں لائی ہوں۔'' رشیدہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔
''ہاں، ہاں..... میں بل ادا کردوں گا۔'' انور نے جواب دیا اور اسی وقت انسپکٹر آصف اپنے ایک کارندے کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ پھر وہ چلتا ہوا ان کی میز کی طرف ہی آ گیا تھا۔
''کیسے ہو انور، تم سے کہیں نہ کہیں مڈبھیڑ ہو ہی جاتی ہے۔'' انسپکٹر آصف نے ناگواری سے کہا۔
''تو مت کرو مڈبھیڑ..... ہال میں اور بھی سیٹیں خالی ہیں جاؤ کہیں اور تشریف کا ٹوکرا رکھ لو۔'' انور نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا اور انسپکٹر آصف نے برا سا منہ بنایا اسے اپنے ماتحت کی سامنے انور کے یہ بے باک انداز پسند نہیں آیا تھا۔
''ارے انسپکٹر..... تم خیال مت کرو..... تمہیں تو پتہ ہے انور کو زیادہ بولنے کی عادت ہے۔ رشیدہ نے صورتحال کو سنبھالنے کی کوشش کی..... بیٹھو۔''
''اور بریانی کا انتظار کرو۔'' انور نے چڑے ہوئے انداز میں کہا۔
''کیا بریانی کا پروگرام ہے؟'' انسپکٹر آصف نے پوچھا۔
'ہاں، آج انور کی طرف سے ڈنر کی آفر تھی۔'' رشیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''بہت خوب..... یہ دریا دلی..... سمجھ نہیں آئی۔'' آصف کا انداز بھی چڑانے والا تھا، پھر اسی وقت ہال میں فائر کی آواز سنائی دی تھی اور آصف نے چونک کر چاروں طرف دیکھا تھا، ہال میں بیٹھے لوگ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ رشیدہ کی توجہ بھی انہی لوگوں کی طرف تھی، لیکن انور بڑی پھرتی سے مے فیئر ہوٹل کے بیرونی گیٹ سے باہر نکل گیا تھا۔ اس نے فائر کی آواز کے ساتھ ہی کاؤنٹر کی طرف دیکھا تھا، جہاں استقبالیہ کلرک خوفزدہ حالت میں کھڑا تھا اور سیاہ نقاب پہنے ایک شخص ہوٹل کے پچھلے دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ اس کا لباس بھی سیاہ تھا وہ ہوٹل کے جس حصے کی طرف گیا تھا وہاں روشنی بہت کم تھی اور وہ دور سے ایک سایہ سا محسوس ہو رہا تھا۔
انور نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ہوٹل کے پچھلے دروازے سے باہر جائے گا۔ چنانچہ وہ بیرونی دروازے سے نکل کر ہوٹل کے پچھلی جانب گیا لیکن اسے دیر ہو گئی تھی۔ وہ سیاہ نقاب پوش وہاں کھڑی ایک وین میں سوار ہو رہا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ وین تیزی سے ہوٹل کی پچھلی گلی سے نکل کر مین روڈ پر دوڑنے لگی تھی، انور بھی تیزی سے پلٹا تھا اور ہوٹل کے باہر کھڑی اپنی بائیک لے کر وین کے پیچھے روانہ ہو گیا تھا۔ وین سے اس کا فاصلہ سو گز کے قریب تھا، جسے اس نے کم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، وہ دور رہ کر صرف اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا چاہتا تھا۔ وین کی حالت نہایت بوسیدہ تھی، اس پر نیلا کلر تھا، جو جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا اور اس پر نمبر پلیٹ نہیں تھی۔ وین کے اندر کی لائٹیں آن نہیں تھیں، اس لیے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وین میں کتنے افراد تھے۔ وین کے دائیں جانب موٹے سیاہ حروف میں ایم ڈی لکھا ہوا تھا، کچھ دور اس وین کا تعاقب کرنے کے بعد وہ واپس ہوٹل آ گیا تھا۔ جہاں آصف نے ہوٹل کے دونوں دروازوں کو بند کروا دیا تھا اور کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔
''ارے تم کہاں چلے گئے تھے۔'' اسے دیکھتے ہی رشیدہ نے ہانک لگائی تھی۔
''سگریٹ لینے گیا تھا۔'' انور نے لاپرواہی سے کہا۔
''سگریٹ لینے..... یہاں فائرنگ ہوئی سب پریشان ہو گئے اور تم سگریٹ لینے چلے گئے؟''
''ہاں تو اور کیا کرتا؟ کیا پریشان ہونے سے فائرنگ کی وجہ پتہ لگ جاتی؟''
''تمہارا تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔'' رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔
''ہوٹل کے دروازے بند کیوں کروا دیئے ہیں؟'' انور نے وہاں بیٹھے انسپکٹر آصف سے کہا جو ایک شخص سے

Digitized by Google

سوالات کر کے ابھی بیٹھا تھا۔
''اس لیے کہ فائرنگ کرنے والا باہر نہ نکل جائے..... وہ ابھی اندر ہی موجود ہوگا۔'' آصف نے کہا۔
''بہت خوب فائرنگ کر کے وہ یہیں کسی ٹیبل پر بیٹھ گیا ہوگا۔ آ بیل مجھے مار۔'' انور نے ہنستے ہوئے کہا۔
''تم نے بیل کس کو کہا؟'' آصف نے غصے سے کہا۔
''رشیدہ کو۔'' انور نے جلدی سے جواب دیا اور وہ اسے غصے سے دیکھنے لگی۔ آصف کے کارندے ہال میں موجود لوگوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔
''پولیس والے بھی ہل کے پھل نہیں پھوڑتے۔'' انور نے لڑاکا عورتوں کی طرح کہا۔
''کیا مطلب؟ کارروائی ہو تو رہی ہے۔'' آصف نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔
''ہاں، کارروائی ہو تو رہی ہے.....'' انور نے بھی ہنستے ہوئے کہا اور رشیدہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔
''ہم چلتے ہیں۔'' انور نے آصف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور رشیدہ کو ساتھ لے کر ہوٹل سے نکل گیا۔''
مجھے بھوک لگ رہی ہے..... اب کیا کریں؟'' رشیدہ نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔
''بھئی میرا ارادہ سکون سے کھانا کھانے کا ہے۔''
''کیا مطلب؟''
''مطلب یہ کہ راستے سے کسی ڈھابے سے سستا اور مزیدار کھانا لیں گے اور گھر جا کر کھائیں گے۔'' انور نے جواب دیا اور پھر اس نے یہی کیا تھا وہ اکثر ایسی کنجوسی کی حرکتیں کرتا رہتا تھا، حالانکہ رشیدہ جانتی تھی کہ وہ ایک کھاتے پیتے گھر کا چشم و چراغ ہے، لیکن وہ کبھی اس موضوع پر بات نہیں کرتا تھا۔ گھر جا کر انہوں نے کھانا کھایا تھا اور پھر رشیدہ دو کپ چائے بنا کر لے آئی تھی اور اپنی چائے بھی اس کے کمرے میں بیٹھ کر اس کے ساتھ ہی پینے لگی تھی۔
''سچ سچ بتاؤ تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟'' اس نے تیز نظروں سے انور کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''میں سگریٹ لینے گیا تھا۔'' انور نے وہی جواب دیا جو ہوٹل میں دیا تھا۔
''میں نہیں مانتی..... میں آصف نہیں ہوں..... چلو جلدی بتاؤ تم کہاں گئے تھے، میں نے دیکھا تھا کہ فائر کی آواز کے بعد تم نے ایک لمحے بھی توقف نہیں کیا تھا اور ہوٹل سے نکل گئے تھے۔ تم نے دوسرے لوگوں کی طرح حیرت کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔'' رشیدہ نے کہا۔
''تم ٹھیک کہتی ہو..... جب فائر ہوا اتفاقاً میری نظریں کاؤنٹر کی طرف تھیں، میں نے دیکھا فائر کی آواز کے ساتھ ہی سیاہ لباس میں ملبوس ایک شخص تیزی سے ہوٹل کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ استقبالیہ کلرک کے چہرے پر خوف تھا اور اس سیاہ پوش کے چہرے پر کالا نقاب جس سے مجھے شک ہوا کہ وہی فائر کرنے والا مجرم ہے میں اس کے پیچھے جانے کے بجائے ہوٹل کے بیرونی دروازے سے نکل کر پچھلے حصے کی طرف گیا تاکہ اسے شک نہ ہو پھر میں نے اسے ایک وین میں بیٹھتے ہوئے دیکھا، وین تیزی سے وہاں سے روانہ ہو گئی تھی میں نے کافی دور تک اپنی بائیک پر اس کا تعاقب کیا۔
''پھر..... پھر کیا ہوا؟'' رشیدہ نے جلدی سے پوچھا۔ اس کی متجسس طبیعت اسے سب کچھ جاننے پر مجبور کر رہی تھی۔
''آگے تمہارا کام ہے؟'' انور نے کہا۔
''میرا کام؟'' رشیدہ نے حیرت سے کہا۔
''ہاں؟ میں نے لگی سینما تک اس کا پیچھا کیا تھا، پھر میری بائیک میں پیٹرول ختم ہو گیا تھا۔''

Digitized by Google

''کیا؟'' رشیدہ نے جھلا کر کہا۔
''ہاں بھئی..... کل بیس روپے کا ہی تو ڈلوایا تھا۔'' انور نے یوں کہا جیسے اب مزید کچھ بات کرنے کا موڈ نہ ہو۔
''کبھی کبھی تو جی چاہتا ہے..... تمہارا یہ اپنا سر دیوار سے ٹکرا دوں۔'' رشیدہ نے غصے سے کہا۔
''کیوں بھلا اتنی پریشان ہو تو میرے ساتھ رہتی کیوں ہو؟'' انور نے ہاتھ نچا کر کہا۔
''دماغ خراب ہے میرا۔'' رشیدہ بھی چڑ سی گئی تھی۔
''اچھا سنو..... کل تم لکی سینما جاؤ گی.....'' انور نے کہا۔
''کیوں؟''
''فلم دیکھنے..... پتہ ہے، بڑی زبردست انگلش فلم لگی ہے۔'' "womens Pare"
''تو میں کیا کروں؟''
''تمہیں دیکھنا چاہیے۔''
''کیوں بھلا؟''
''اتنی بھی بھولی نہیں ہو وہاں جاؤ وہاں کے منیجر سے ملو..... باتوں باتوں میں جاننے کی کوشش کرو کہ وہاں تماشائیوں کے علاوہ کون آتا ہے..... وہ وین وہاں کیوں گئی..... وہ سینما کے گیراج میں گئی تھی، عام لوگوں کی گاڑیاں باہر پارک ہوتی ہیں، گیراج میں وہاں کے متعلقین ہی کی گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں، وہ وین نیلے رنگ کی ہے، جگہ جگہ سے کلر اترا ہوا ہے، خاصی پرانی لگتی ہے، نمبر پلیٹ بھی غائب ہے اور اس کے دائیں جانب سیاہ کلر سے ایم ڈی لکھا ہوا ہے۔''
''ٹھیک ہے۔'' رشیدہ نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔ ''اچھی خبر ہے کچھ نہ کچھ ضرور نکلے گا۔''
''یہ خبر بھی ''ڈیلی اسٹار'' میں نہیں لگانی۔'' انور نے تنبیہہ کی۔ ''جب تک ساری کہانی معلوم نہیں ہو جاتی تب تک اس خبر کو پبلک نہیں کرنا۔''
''لیکن ہمارا تو کام ہی یہ ہے؟''
''ہاں ہے..... لیکن میں چاہتا ہوں میں صرف یہ خبر نہ دوں بلکہ اس کے پیچھے جو اسٹوری ہے وہ پوری اسٹوری معلوم کرنے کے بعد شائع کروں۔'' انور نے کہا۔
''ضروری نہیں کہ کوئی بڑا معاملہ ہو۔''
''لیکن مجھے بو آ رہی ہے کسی بڑے معاملے کی..... اس نے فائر کیوں کیا؟ پچھلے دروازے سے کیوں بھاگا، پھر اسے پک کرنے کے لیے وہاں پہلے سے وین کیوں موجود تھی، اس کا مطلب ہے کہ کوئی گروہ ہے اور یہ گروہ کوئی چھوٹا موٹا کام نہیں کر رہا۔''
''وہ انسپکٹر آصف ہے نا..... وہ لگا لے گا پتہ۔'' رشیدہ نے کہا اس کی بات پر انور کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ رشیدہ جانتی تھی کہ انور آصف کا مخالف ہے۔ وہ پولیس والوں کو پسند نہیں کرتا، کئی کیس خود حل کر چکا ہے اور پولیس سے اس سلسلے میں کئی بار رقم بھی اینٹھ چکا ہے۔
''تم نہیں جانتے..... تمہارے جانے کے بعد وہ بڑی بڑی باتیں کر رہا تھا، تمہارے خلاف۔''
''کرنے دو۔'' انور نے لاپرواہی سے کہا، پھر اس کی توجہ کمرے میں رکھے ٹی وی کی طرف ہو گئی تھی۔ جہاں بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔ اس نے رشیدہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔
''شہر میں دو اے ٹی ایم مشینوں سے بھاری رقم اڑا لی گئی، سی سی کیمروں نے مجرموں کی تصاویر بنا لیں، لیکن کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی ہے۔'' انور آہستہ آہستہ اسکرین پر نظر آنے والی نیوز پڑھ رہا تھا اور رشیدہ تذبذب سے

Digitized by Google

اسے دیکھ رہی تھی۔

''اس میں کیا خاص بات ہے! یہ تو آج کل عام ہے..... راستہ چلتے لوگوں کو لوٹنا، اے ٹی ایم سے پیسے نکالنے والوں کو زدوکوب کرنا اور ان کے پیسے چھین لینا وغیرہ۔'' رشیدہ نے لاپرواہی سے کہا انور نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''تم کل جاؤ اور وہ کام کرو جو میں نے کہا ہے۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

ٹینا نے وین کے اسٹیئرنگ وہیل پر اپنی گرفت مضبوط کرلی تھی اس کی نظریں اے ٹی ایم مشین کے کیبن سے نکلنے والے اپنے گروپ کے دو ساتھیوں خالد اور ندیم پر لگی تھیں، جن کے ہاتھوں میں کینوس کے نوٹوں سے بھرے بیگ تھے۔

''مجھے پرسکون رہنا چاہیے۔'' اس نے سرگوشی کی اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے، اس نے سامنے لگے شیشے میں وین کے پچھلی طرف کے منظر پر نظر دوڑائی دور دور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا، اس کے ساتھی ابھی وین سے کچھ فاصلے پر تھے۔ ٹینا کے برابر بیٹھے اس کے ساتھی ارسلان کی نظریں اس پر جمی تھیں، وہ ٹینا کا عرصے سے دیوانہ تھا، اس کے سنہری بال، بڑی بڑی بھوری آنکھیں، نکلتا ہوا قد اور ہونٹوں پر مستقل رہنے والی مسکراہٹ اسے پسند تھی، چند ہی لمحوں میں خالد اور ندیم وین کا پچھلا دروازہ کھول کر کینوس کے بیگوں سمیت وین میں آبیٹھے تھے اور ٹینا نے گاڑی آگے بڑھادی تھی، اس کے ساتھیوں نے گاڑی میں بیٹھتے ہی دروازے لاک کردیئے تھے۔

''اگلی منزل دوسری اے ٹی ایم ہوگی۔'' ٹینا کے ساتھ بیٹھے ارسلان نے کہا اور ٹینا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جو کام ہورہا ہے اس کا ریکارڈ تیار کرلینا۔'' ارسلان نے پیچھے بیٹھے خالد سے کہا۔

''تمہیں طریقہ معلوم ہے نا؟ وقت، نوعیت، واقعہ، گروپ کے لوگ سب کچھ نوٹ کرلینا تمہیں پتہ ہے نا میں ریٹائر ہورہا ہوں اور اب ساری ذمہ داری تمہاری ہے۔''

''ہاں مجھے پتا ہے۔'' خالد نے جواب دیا۔

''تمہیں کارروائی کی اطلاع بھی ریڈیو پر دینا ہوگی۔'' ارسلان نے کہا اور وین میں لگا ریڈیو ہینڈ سیٹ پکڑ لیا۔

''تین..... سکسٹی فائیو۔''

''گو..... سکسٹی..... فائیو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''سکس..... کلیئر۔'' ارسلان نے کہا اور سیٹ رکھ دیا۔

''وین کا اے سی فل کردو گرمی بہت ہے۔'' ندیم نے اپنی سیٹ پر کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

''کردیا۔'' ٹینا نے جواب دیا جب سے وہ اس گروپ میں شامل ہوئی تھی ارسلان ہی ان کا لیڈر تھا۔ وہ ایک ڈرائیور کی حیثیت سے اس ڈلیوری کمپنی میں کام کررہی تھی، جس کا نام ''منی ڈلیوری'' کمپنی تھا اور اس کی ویز پر ''ایم ڈی'' کی صورت میں لکھا تھا۔

''میں ایک بار اس کمپنی سے ریٹائر ہوگیا تو کسی جھیل کے پاس کوئی چھوٹا سا خوبصورت کاٹج لے کر ساری زندگی وہیں سکون سے گزار دوں گا۔'' ارسلان نے مسکرا کر ٹینا کو دیکھتے ہوئے کہا اور خالد اور ندیم نے برا سا منہ بنایا وہ جانتے تھے ارسلان اس کام میں بیس سال سے تھا، اس نے بڑی رقمیں جمع کی تھیں۔ وہ مختلف بینکوں اور ہوٹلوں کی رقمیں ادھر سے ادھر پہنچاتا تھا اور اس نے اپنی منی ڈلیوری کمپنی سے خود بھی بہت پیسہ کمایا تھا۔ وہ اس کاروبار کا بے تاج بادشاہ تھا، وہ اپنے تجربے سے اپنے ماتحتوں کو سکھاتا تھا کہ وہ اس کام میں کیسے کامیاب ہوسکتے ہیں۔ وہ جانتا

Digitized by Google

تھا کہ کیسے لوگوں کے چہروں کو پڑھا جاتا ہے، کیسے دوسروں کی خدمت کرتے ہوئے اپنے لیے پیسہ کمایا جاتا ہے اور کس طرح خون کے پیاسے پولیس کے لوگوں سے خود کو بچایا جاتا ہے۔ اس کی کوئی فیملی نہیں تھی، بیوی نہیں تھی بچے نہیں تھے۔ اس نے خود بھی بہت رقم جمع کی تھی اور اب کمپنی سے ریٹائر ہونے پر بھی اسے بائیس لاکھ کی رقم ملنے والی تھی۔

اگلی اے ٹی ایم سے پیسے اکٹھے کرنے کے بعد وہ اور زیادہ چوکنے ہو گئے تھے، ان چاروں کی کمر میں ہولسٹر کے اندر ان کی پستولیں موجود تھیں اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے اردگرد سے بے خبر نہیں تھے۔ تھوڑی دیر بعد ارسلان ریڈیو وائرلیس پر اپنی کمپنی کو نئی صورتحال سے باخبر کر رہا تھا شام ہونے سے پہلے ان کی وین اپنا کام مکمل کر کے لکی سینما کے گیراج میں داخل ہو گئی تھی اور گیراج کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ رشیدہ سینما کے بالکل سامنے بنے ریستوران کی کھڑکی میں بیٹھی وین کو گیراج میں داخل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ وین میں تین مرد اور ایک عورت تھی۔ وہی وین کو ڈرائیو کر رہی تھی۔ وین نیلے رنگ کی تھی، جس کا رنگ جگہ جگہ سے اترا ہوا تھا اور اس کے دائیں سمت سیاہ کلر سے ایم ڈی لکھا ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد رشیدہ نپے تلے قدم اٹھاتی سینما کی طرف بڑھ رہی تھی، پھر وہ ریسپشن پر جانے کے بجائے منیجر کے کمرے کی طرف چلی گئی تھی اور کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔

''جی! آپ کو کس سے ملنا ہے؟'' اندر بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر شخص نے پوچھا۔

''میں منیجر سے ملنا چاہتی ہوں۔'' رشیدہ نے کہا۔ ادھیڑ عمر شخص مہمانوں کی کرسی پر بیٹھا اور اس کے انداز کے مطابق وہ منیجر نہیں ہو سکتا تھا۔

''وہ ابھی باہر گئے ہیں..... آپ استقبالیہ سے معلوم کریں اور معلومات کا وقت لے لیں۔''

''تم کون ہو؟''

''میں ان کا دوست ہوں۔'' ادھیڑ عمر شخص نے مختصر سا جواب دیا اور وہ واپس آ کر استقبالیہ کی طرف بڑھ گئی۔

''سنیں، میں منیجر سے ملنا چاہتی ہوں۔'' رشیدہ نے استقبالیہ پر بیٹھی لڑکی سے کہا۔

''وہ اس وقت نہیں ہیں، آج کا آخری شو چل رہا ہے وہ اس وقت عموماً اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔''

''مجھے ان کا فون نمبر دے دیں کچھ ضروری کام ہے۔'' رشیدہ نے کہا اور پھر سینما منیجر مختار الدین کا فون نمبر اور گھر کا ایڈریس لے کر واپس پلٹ گئی۔ واپسی پر اس کی نظریں سینما کے گیراج پر لگی تھی، لیکن اس کا دروازہ بدستور اندر تھا، سینما میں بھی اسے وہ افراد نظر نہیں آئے تھے جو وین میں نظر آئے تھے خدا جانے انہیں زمین نگل گئی یا آسمان۔

☆.....☆.....☆

''مجھے حیرت ہے دارب جیسے شخص کو سفاکی سے قتل کرنے والی بہادر لڑکی سے میں یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ یوں ناکام واپس آئے گی۔'' انور نے مذاق اڑانے والے انداز میں رشیدہ سے کہا تو اس کے چہرے پر غصہ نظر آنے لگا۔

''بھلا میں ہوا میں کیا تیر چلاتی؟ مجھے منیجر ہی نہیں ملا تھا۔'' رشیدہ نے لاپرواہی سے کہا۔

''اور وین؟''

''وین سینما کے گیراج میں جا کر غائب ہو گئی تھی میرا مطلب ہے گیراج کا دروازہ بند ہو گیا تھا اور کوئی بھی وہاں سے باہر نہیں آیا تھا نہ ہی ان افراد کا کوئی نشان مجھے سینما میں نظر آیا رات کا آخری شو چل رہا تھا۔'' رشیدہ نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

Digitized by Google

''میرا اندازہ ہے یہ معاملہ اتنا معمولی نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔'' انور نے کہا اور اسی وقت اس کے فون کی بیل بجی۔

''ہیلو!'' انور نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا، اس نے دیکھ لیا تھا، اسکرین پر انسپکٹر آصف کا نمبر نظر آرہا تھا۔

''خیریت اس وقت کیسے یاد کرلیا؟''

''انور، تم فوراً پولیس اسٹیشن آجاؤ۔'' آصف کی آواز میں عجلت تھی۔

''کیوں میں کس سلسلے میں مطلوب ہوں؟'' انور نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''باقی باتیں یہاں آکر کرلینا۔'' آصف نے دوسری طرف سے کہا اور فون بند کردیا۔

''پولیس والے مجھے اسی لیے اچھے نہیں لگتے۔'' انور نے منہ بنا کر کہا اور موبائل آف کرکے اپنی جیب میں رکھ دیا۔

''کیا ہوا؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

''ابھی تو کچھ نہیں ہوا..... جا کر پتہ لگے گا۔'' انور نے جواب دیا اور الجھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

''میں بھی چلوں گی۔'' رشیدہ جلدی سے بولی۔

''نہیں تمہاری ضرورت نہیں تمہیں تیار ہونے میں دیر لگے گی۔''

''مجھے تیار نہیں ہونا..... میں بھی چلوں گی، واپسی پر کھانا کھاتے ہوئے گھر آجائیں گے۔''

''اچھا چلو۔'' انور نے کہا اور وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

''تمہارے خیال میں اس کی موت کا سبب کیا ہوسکتا ہے؟'' انور نے آصف سے پوچھا وہ میز پر موجود لاش کا کئی بار جائزہ لے چکا تھا لیکن اس پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں تھا یہ لاش انہیں مے فیئر ہوٹل کے ایک کمرے سے ملی تھی، جس کی اطلاع ہوٹل کے منیجر نے آصف کو دی تھی۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا، یوں لگتا ہے کہ حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہوا ہے۔'' آصف نے کہا۔

''یہ ہے کون اس کی شناخت ہوئی؟'' رشیدہ نے پوچھا۔ جو ابھی تک مختلف زاویوں سے لاش کی تصویریں لے چکی تھی۔

''یہ کامران زاہد ہے سیٹھ زاہد علی کا بیٹا، کئی دن سے ہوٹل میں مقیم تھا۔'' آصف نے بتایا۔

''سیٹھ زاہد تو اسی شہر میں رہتا ہے پھر یہ ہوٹل میں کیوں مقیم تھا، کیا باپ سے لڑ بیٹھا تھا؟'' انور نے پوچھا۔

''نہیں، یہ مختلف شہروں میں شوز کرواتا تھا فنکاروں کی ایک ٹیم اس کی نگرانی میں کام کرتی ہے، آج کل مختلف ہوٹلوں میں رقص کے شوز کروا رہا تھا۔

''جنگلی رقاصہ۔'' انور نے زیر لب کہا۔

''تم بھی دیکھ چکے ہو؟'' آصف نے حیرت سے پوچھا۔

''بھئی شہر میں کچھ الگ سا ہو اور میں وہاں نہ پہنچوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' انور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ بھی میرے بغیر۔'' رشیدہ نے لقمہ دیا۔

''تمہارے بغیر..... یعنی تم سے چھپ کے..... بھئی میں وہ ہوشربا رقص تمہیں نہیں دکھا سکتا، بس وہ خاص لوگوں کے دیکھنے کی چیز ہوتی ہے۔'' انور نے جواب دیا اور رشیدہ نے برا سا منہ بنایا، انسپکٹر آصف بھی سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بھئی پرسوں..... جب مے فیئر ہوٹل میں فائرنگ والا واقعہ ہوا تھا اس سے ایک دن پہلے میں نے وہاں جنگلی

Digitized by Google

رقاصہ کا شو دیکھا تھا، وہ ہوٹل کے زمین دوز ہال میں ہوا تھا، بڑے خاصے کی چیز تھی۔'' انور نے چھچھورے مردوں کی طرح کہا۔

''اس کیس میں کیا ہے..... تم بھی ذرا محنت کر لیا کرو، پولیس کو بس سہولتیں لینے کا شوق ہے یا پھر انعام لینے کا۔'' انور نے چڑچڑی عورت کی طرح کہا۔

''میں جانتا ہوں جب تمہارا موڈ ہوگا تو خود کیس میں کود پڑو گے اب میں کہہ رہا ہوں تو اپنی اہمیت دکھا رہے ہو۔'' آصف نے چڑ کر کہا۔

''چھوڑو انسپکٹر تمہیں اس کی عادت کا پتہ ہے..... ہم چلتے ہیں، میں پھر آؤں گی۔'' رشیدہ نے آصف سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لاش ابھی پوسٹ مارٹم کے لیے جا رہی ہے میں بعد میں تمہیں رپورٹ بتاؤں گا۔'' انسپکٹر آصف نے رشیدہ سے کہا۔

''ہاں۔'' ہم سے جتنی مدد ہو سکی تو ضرور کریں گے۔'' رشیدہ نے جواب دیا، پھر وہ انور کے ساتھ واپس فلیٹ آ گئی تھی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد جب رشیدہ اپنے کمرے میں گئی انور لباس تبدیل کر کے فلیٹ سے نکل گیا تھا۔ اس نے بائیک بھی کافی دور لے جا کر اسٹارٹ کی تھی، وہ نہیں چاہتا تھا کہ رشیدہ کو اس کے کہیں جانے کا علم ہو۔ فلیٹ سے نکلنے کے بعد اس کا رخ سے فیئر ہوٹل کی طرف تھا، جہاں جنگلی رقاصہ کا شو ہونے والا تھا اور انور کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ہوٹل سے ملنے والی لاش، فائرنگ کے واقعے اور جنگلی رقاصہ میں ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہے اور اس کی چھٹی حس کبھی غلط نہیں ہوتی تھی، جب وہ ہوٹل کے باہر اپنی بائیک کھڑی کر رہا تھا تو اس کی نظر اچانک نیلے کلر کی اس وین پر پڑی جسے اس نے لکی سینما کے گیراج میں جاتے دیکھا تھا۔ وین کا دروازہ زوردار آواز سے بند ہوا تھا اور اسی آواز پر انور کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ سے ایک لڑکی اتر کر دروازہ بند کر رہی تھی اس کا نکلتا ہوا قد، سنہرے بال، بھوری آنکھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، اس نے بلو جینز اور فیروزی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ بال شانوں پر بکھرے تھے وہ وین کا گیٹ لاک کر کے بڑی بے اعتنائی سے ہوٹل میں داخل ہو گئی تھی اس کے پیچھے ہی انور بھی ہوٹل میں داخل ہوا تھا۔ وہ سیدھی چلتی ہوئی ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی تھی، نچلی منزل پر کچھ کمرے بنے تھے اور وہاں سے ہی ایک راستہ نیچے زمین دوز ہال کی طرف بھی جاتا تھا۔ ابھی شو شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ تھا، انور بیرونی ہال ہی میں ایک میز کی طرف آ گیا تھا اس نے اپنے لئے چائے کا آرڈر دے کر سگریٹ سلگا لیا تھا جبکہ اس کے چہرے پر تفکر کے آثار تھے۔

''پولیس اسٹیشن میں اس نے جو لاش دیکھی تھی آصف کے کہنے کے مطابق وہ کامران زاہد کی لاش تھی جو سیٹھ زاہد کا بیٹا تھا انور کو ایک بات بار بار پریشان کر رہی تھی۔ کامران کی لاش پر اسے ہاتھوں اور گردن پر نیلاہٹ مائل سوئی جیسے کئی نشان نظر آئے تھے جو ایک نظر میں کوئی شخص بھی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے بھی یہ نشانات گھر آنے کے بعد جب اپنے موبائل پر تصویریں چیک کیں تب محسوس کیے تھے۔ جب اس نے تصویروں کا بغور جائزہ لینے کے لیے انہیں زوم کر کے دیکھا تو اچانک ایک نشان نے اس کی توجہ کھینچی اور پھر بغور دیکھنے پر اسے وہ نشان کامران کے دونوں ہاتھوں اور گردن پر بھی نظر آئے، ان کی تعداد تین یا چار ہوگی اس بات کا تذکرہ انور نے رشیدہ سے بھی نہیں کیا تھا، اس کا خیال تھا کہ یہ نشان ہی کامران کی موت کا سبب ہو سکتے تھے، لیکن وہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے سے پہلے کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔

اس کی چائے ختم ہی ہوئی تھی کہ ہال میں ایک نسوانی آواز سنائی دی جو آج کے شو کے شروع ہونے کا اعلان کر

Digitized by Google

رہی تھی ہال سے کئی لوگ اٹھ کر نیچے جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئے تھے انور بھی ان میں شامل ہو گیا تھا۔

"نیچے ہال میں ملگجا سا اجالا چھایا تھا، مدھم روشنی کے بلب آن تھے۔ ہال کے دونوں اطراف میں رکھی میزوں کے گرد کرسیاں رکھی تھیں، درمیان میں جگہ خالی تھی اور اسٹیج پر تھری ڈی لائٹس کی روشنی بکھری ہوئی تھی، کچھ لائٹس اسٹیج کے فرش پر بھی لگی تھیں، جن کا رخ اسٹیج ہی کی طرف تھا۔ فضا میں ہلکی ہلکی موسیقی بکھری ہوئی تھی، پھر اچانک ہی ہلکی ہلکی موسیقی تیز مغربی دھن میں تبدیل ہو گئی تھی اور اسٹیج کے پیچھے سے ایک خوبصورت و متناسب جسم والی رقاصہ پتوں کا لباس جسم پر سجائے رقص کرتی ہوئی اسٹیج کے درمیان میں آ گئی تھی، میوزک ایک بار پھر تبدیل ہوا تھا اور کانگو پر جنگلی دھن بجنے لگی تھی۔ وہ سفید فام حسینہ جنگلی رقاصاؤں کے انداز میں تھرکتی ہوئی اسٹیج سے نیچے آ گئی تھی اور ہال میں رکھی مختلف میزوں کے قریب جا کر تھرک رہی تھی۔ کئی نوجوان جوڑے بھی اس کی تقلید میں رقص کرنے لگے تھے۔ پھر اچانک انور بھی اٹھا تھا اور تھرکتا ہوا اس رقاصہ کے قریب چلا گیا تھا۔ اس نے رقاصہ کی کمر میں بازو ڈال کر تھرکنا شروع کر دیا تھا۔

"تم بہت اچھا رقص کرتی ہو۔" اس نے رقاصہ کے کان میں سرگوشی کی تھی اور اس کا بازو پکڑ کر اسے گھما رہا تھا۔

"تم خوب صورت بھی ہو اور ماہر رقاصہ بھی......" انور نے پھر سرگوشی میں کہا تھا اور رقاصہ اپنا ہاتھ چھڑ کر دوسری میز کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"رقص کے اختتام پر رقاصہ جیسے آئی تھی ویسے ہی تھرکتی ہوئی اسٹیج کے پیچھے غائب ہو گئی تھی۔ ہال کی لائٹیں آہستہ آہستہ روشن ہونے لگی تھیں، اور انور اپنی سیٹ سے اٹھ کر ہال سے باہر نکل گیا تھا۔ پھر اس کا رخ ہال کے پیچھے بنے ہوئے کمروں کی طرف ہو گیا تھا۔ اس نے راہداری کے تیسرے کمرے پر ہلکی سی دستک دی تھی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس کی معلومات کے مطابق وہ رقاصہ ہی کا کمرہ تھا۔ وہ ایک لکڑی کے بنے منقش پارٹیشن کے پیچھے لباس تبدیل کر رہی تھی۔

"کون ہے......؟" اس نے خفگی سے کہا تھا، لیکن انور نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، چند لمحوں بعد ہی وہ اس کے سامنے کھڑی تھی، لیکن اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس نے پلین سوٹ پہنا ہوا تھا۔

"تم...... یہاں کس لئے آئے ہو؟ تمہیں پتہ نہیں بلا اجازت اندر آنا منع ہے۔" رقاصہ نے تیز لہجے میں کہا۔

"کیا مارنے کا ارادہ ہے؟" انور نے پستول کی طرف اشارہ کیا۔

"تم عاشقوں کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہو؟"

"عاشق یہ منہ اور میاں مٹھو؟" رقاصہ نے چڑنے والے انداز میں کہا۔

"کیوں؟ عاشقوں کے کیا سینگ ہوتے ہیں؟"

"تم کچھ بھی سہی عاشق نہیں ہو سکتے انور...... تمہیں کون نہیں جانتا...... پولیس کے ہاتھوں میں کھیلنے والا ایک کھلونا۔"

"تمہاری معلومات ناقص ہیں۔" انور نے منہ بنا کر کہا۔ مطلب کی بات کی طرف آؤ۔" انور نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا اور رقاصہ نے قریب آ کر اس کی کنپٹی سے پستول لگا دی۔

"میں مذاق نہیں کر رہی ہوں...... گولی چلا دوں گی۔ سیدھی طرح اٹھو اور کمرے سے نکل جاؤ۔" رقاصہ نے کہا اور اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے پستول انور کے ہاتھ میں تھا۔ وہ حیرت سے کھڑی پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"یہ کھلونا مجھ پر کارگر نہیں ہو سکتا...... تمہیں مجھ سے بات کرنا ہی ہوگی۔" انور نے کہا۔

"اچھا زبردستی ہے...... تم آخر چاہتے کیا ہو؟"

"اپنے چند سوالوں کے جوابات۔"

Digitized by Google

''تمہارے سوالوں کا مجھ سے کیا تعلق؟''

''یہ فیصلہ تو تم سوال سننے کے بعد ہی کر سکو گی۔''

''اور اگر میں تمہارے سوالوں کے جواب نہ دینا چاہوں تو؟''

''تو تمہیں حوالات کی سیر کرنا ہوگی۔'' انور نے دھمکی آمیز انداز میں کہا اور رقاصہ حیرت سے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھنے لگی۔

''پوچھو کیا پوچھنا ہے میں بات بڑھانا نہیں چاہتی۔''

''تمہارا نام؟''

''ساوتری۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''ساوتری دیوی صاحبہ یہ تو وہ نام ہے جو ہوٹل کے رجسٹر میں لکھا گیا ہے اور یہ یقیناً تمہارا اصل نام نہیں، میں تمہارا اصل نام جاننا چاہتا ہوں۔ انور نے کہا اور رقاصہ اسے عصیلی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''ٹینا۔'' رقاصہ نے مختصراً کہا۔

''ایم ڈی کمپنی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''کون سی ایم ڈی کمپنی؟ میں نہیں جانتی۔'' ٹینا نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

''میرے سوالوں کے سیدھے جواب دیتی جاؤ ورنہ ایک فون کروں گا اور سوالات میں ہوگی۔'' انور نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

''میں نے خود تمہیں ایم ڈی کی وین چلاتے اور اس سے اترتے دیکھا ہے۔ سیدھی طرح بتا دو ورنہ میرے پاس اور بھی ذرائع ہیں۔'' انور نے کہا اور اس کی توقع کے خلاف ٹینا کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہنے لگے وہ حیران تھا کہ اچانک اس نے کیوں رونا شروع کر دیا تھا۔

''کیا ہوا..... رو کیوں رہی ہو؟'' انور نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''میری قسمت ہی خراب ہے..... میں جب بھی کچھ اچھا کرنا چاہتی ہوں کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس جاتی ہوں۔''

''ٹینا نے روتے ہوئے کہا۔

''مجھے بتاؤ تو کیا ہوا ہے..... مجھے اپنے بارے میں بھی بتاؤ اگر تم کسی مصیبت میں ہو تو میں تمہاری مدد کروں گا۔'' انور نے اسے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

''میں بہت چھوٹی تھی جب میرے والد کا انتقال ہو گیا تھا، میری والدہ نے محنت کر کے مجھے بڑا کیا، میں سترہ سال کی تھی تو میری والدہ کا بھی انتقال ہو گیا، میری ایک چھوٹی بہن ہے اس کے اور اپنے زندہ رہنے کے لیے میں مختلف کام کرتی ہوں۔'' ٹینا نے مختصراً اپنی کہانی سنائی۔

''ایم ڈی کمپنی میں کیا کرتی ہو؟''

''وہ اے ٹی ایم میں منی سپلائی اور ڈلیوری کا کام کرتے ہیں، میں صرف ان کی وین ڈرائیور ہوں اور میرا کوئی تعلق نہیں۔'' ٹینا نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

''اور یہ کلب میں رقص؟'' انور نے پوچھا۔

''یہ میں پارٹ ٹائم کے طور پر کرتی ہوں اس شو کا آج آخری دن تھا۔''

''اس کے بعد؟''

''کیا مطلب؟''

''اب اگلی پارٹ ٹائم جاب کہاں کرو گی؟''

''مجھے خود نہیں پتہ جہاں موقع ملے گا کرلوں گی۔ زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔ یہاں کوئی کسی پر رحم کھا کر کسی کو کچھ نہیں دیتا۔'' ٹینا نے ناگواری سے کہا۔

''ہوں۔'' انور نے ہنکارا بھرا وہ خاموشی سے اسے گھور رہا تھا۔

''مے فیئر کے باہر سے ایک لاش ملی ہے اس کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟''

''نہیں..... میں صرف اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔'' ٹینا نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم مطمئن ہو گئے ہو تو اب جاؤ..... میری جان چھوڑو۔'' ٹینا نے کہا انور سمجھ گیا تھا کہ اس نے جو کہانی سنائی ہے وہ بھی سچ نہیں ہے۔ اور وہ آسانی سے سچ اگلنے والی بھی نہیں۔

''ٹھیک ہے، میں تمہاری بات پر یقین کرتا ہوں، لیکن جلد ہی تم سے پھر ملاقات ہوگی، اگر میرے ذہن میں کوئی اور سوال ابھرا تو۔'' انور نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا، لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ ٹینا کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ایک لمحے کو نمودار ہوئی اور پھر غائب ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ ہوٹل سے نکلا ہی تھا کہ آصف سے مڈبھیڑ ہو گئی، وہ کیس کے سلسلے میں معلومات لینے آیا تھا۔ ''کیا ہوا پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آئی؟'' انور نے اس سے پوچھا۔

''ہاں..... لگتا ہے اسے زہر دیا گیا تھا اس کے جسم سے ملنے والے نمونوں میں سائینائیڈ کی موجودگی کا پتہ چلا ہے۔ اس کے جسم پر باریک باریک سوئیوں جیسے نشان تھے۔ خیال ہے کہ زہر اسے انجیکٹ کیا گیا ہوگا؟''

''ہو سکتا ہے، پھر اب کیا خیال ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''میں ہوٹل کی انتظامیہ سے پتہ کرتا ہوں، اس لاش کے بارے میں یا کسی مشتبہ شخص کے بارے میں۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' انور نے کہا اور آگے بڑھ گیا وہ دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا کیونکہ جانتا تھا آصف کی تحقیقات ہوٹل سے آگے نہیں بڑھے گی وہ سوال جواب کی حد تک تحقیق کرنے کا عادی تھا۔

''فلیٹ پہنچ کر اس نے لچن کا رخ کیا تھا، صبح ہونے والی تھی، اس کی نیند غائب ہو چکی تھی۔ وہ چائے پی کر تھکن اتارنا چاہتا تھا، چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر وہ الماری سے کپ نکالنے کے لیے مڑا تو لچن کے دروازے میں رشیدہ کھڑی اسے گھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

''کہاں غائب ہو گئے تھے؟'' اس نے غصے سے پوچھا۔

''ذرا چہل قدمی کے لیے گیا تھا..... نیند نہیں آ رہی تھی۔''

''تم ایک ہی بار میں صحیح بات کیوں نہیں بتاتے؟'' رشیدہ نے غصے سے کہا۔

''کون سی صحیح بات؟''

''تم مے فیئر ہوٹل گئے تھے نا؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''میں نے استقبالیہ کلرک کو فون کر کے خود پوچھا تھا، کیونکہ وہی ایک تمہاری پسندیدہ جگہ ہے۔''

''بہت دور اندیش ہو گئی ہو؟ تمہیں میری اتنی فکر کیوں رہتی ہے؟ میں بچہ تو نہیں۔''

''بچوں سے کم بھی نہیں ہو۔ مصیبتیں تمہارے تعاقب میں رہتی ہیں اور تم خود بھی ان کے جال میں پھنسنا پسند کرتے ہو؟''

Digitized by Google

''کون سی مصیبتیں؟''

''جنگلی رقاصہ جیسی۔'' رشیدہ نے کہا تو انور اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے یہ تو اکثر لوگ جانتے ہیں کہ آج کل اس کا شو مے فیئر میں چل رہا ہے اور وہ تمہاری پسندیدہ جگہ ہے اور عورتوں سے بات کرنا خاص طور سے اجنبی عورتوں سے بات کرنا تمہارا پسندیدہ مشغلہ ہے۔''

''کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''چائے مجھے بھی پینی ہے تم کمرے میں چلو میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' رشیدہ نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا اور اسے کچن سے باہر دھکا دے دیا۔ وہ سر کھجاتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد رشیدہ اس کے سامنے بیٹھی چائے کے مزے لے رہی تھی اور اس کا کپ اس کے سامنے رکھا تھا۔

''تم اس وقت صرف چائے پینے تو ادھر نہیں آئی ہو؟'' انور نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہرگز نہیں؟''

''پھر کیا معاملہ ہے؟'' رشیدہ نے پوچھا انور چند لمحے اسے گھورتا رہا، پھر سگریٹ سلگا کر اس کا کش لیا۔

''کل میری جگہ تم مے فیئر ہوٹل جاؤ گی۔''

''ٹھیک ہے..... مجھے وہاں کیا کرنا ہوگا کھل کر بات کرو..... کیا ملنے والی لاش کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟''

''ہاں آصف بتا رہا تھا کہ اسے زہر دیا گیا ہے وہ بھی کسی سوئی یا انجکشن کی مدد سے۔''

''لیکن کیوں؟''

''یہ پتہ نہیں..... شاید اس کی کسی سے دشمنی یا اس کی دولت..... وجہ ہو سکتی ہے۔'' انور نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیا کرنا ہے؟'' رشیدہ نے بات مختصر کرنے کے لیے کہا۔

''کل صبح تمہیں مے فیئر سے فاصلے پر رہتے ہوئے اس کی پچھلی گلی کی نگرانی کرنا ہوگی وہاں سے ٹینا یقیناً کسی مہم پر روانہ گی تمہیں فاصلہ رکھتے ہوئے اس کا تعاقب کرنا ہے اور مجھے باخبر رکھنا ہے۔ تم میری بائیک لے جانا۔'' انور نے کہا۔

''ٹینا۔'' یہ کون ہے، میں اسے کیسے پہچانوں گی؟''

''جنگلی رقاصہ..... وہی آج کل کلب میں شو کرتی ہے اس کا تعلق ایم ڈی کمپنی سے ہے، مگر وہ خود کو محض وین کی ڈرائیور ظاہر کرتی ہے جسے میں نہیں جانتا۔'' انور نے بتایا رشیدہ بہت دھیان سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''دیکھو خیال رکھنا کسی کو بھی شبہ نہ ہو کہ تم تعاقب کر رہی ہو ورنہ سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔'' انور نے کہا اور رشیدہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆.....☆.....☆

بلو کلر کی بوسیدہ وین اپنی دوسری ڈیلوری اٹھانے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ ایک اے ٹی ایم سے رقم اٹھا چکی تھی، اگلی ڈیلوری انہیں کیسینو ڈرائی کے قریب سے اٹھانا تھی۔

''او کے خالد اور ندیم۔'' ارسلان نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ ''کیسینو ڈرائی والی ڈیلوری اٹھانے کے بعد ہمیں چار مزید جگہوں سے ڈیلوری لینا ہوگی تم تیار ہو؟''

''ہم تیار ہیں۔'' دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا تھا۔

''ٹینا تمہیں پتا ہے نا ہمیں کیسینو کے پچھلی سائڈ پر اتارنا ہمیں اندر تیس منٹ لگیں گے، پھر تم ہمیں کیسینو کے

"سامنے کی سائڈ سے پک کر لینا...... سمجھ گئیں؟" ارسلان نے ٹینا سے پوچھا جوان سب سے لاتعلق سی وین ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے ارسلان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

"تم نے سنا میں کیا کہہ رہا ہوں؟" ارسلان نے برہمی سے کہا، اس وقت ٹینا کیسینو ڈرائی کی پچھلی گلی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر اس نے کیسینو کے بالکل پیچھے وین روک دی تھی۔

"مجھے اپنے کام کا پتا ہے۔" ٹینا نے ناگواری سے کہا اور خالد اور ندیم کو وین سے اُترنے کا اشارہ کیا۔

"آج جب کام ختم ہو جائے گا تو میں تم سے تمہارے رویے کے سلسلے میں بات کروں گا ٹینا۔" ارسلان نے غصے سے کہا۔ "تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں تمہیں کیسے برباد کر سکتا ہوں۔" ارسلان نے کہا' لیکن ٹینا نے اسے پھر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ رشیدہ نے اپنی بائیک کیسینو سے خاصے فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ وہ کیسینو کی پچھلی گلی سے نظر نہیں آ رہی تھی۔

خالد اور ندیم ڈلیوری بیگ اُٹھا کر نیچے اُترے تھے۔ خالد نے اے ٹی ایم سے دس لاکھ کی رقم نکال کر بیگ میں ڈالی تھی۔ یہ سارے نوٹ مارک شدہ نہیں تھے جبکہ ارسلان نے اطراف پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ کیسینو میں لگے سی سی کیمروں نے ان کی ویڈیو بنائی تھی۔ لوگ پُرسکون انداز میں سامنے کی سڑک سے گزر رہے تھے۔ ٹینا وین لے کر کیسینو کے سامنے والی سڑک پر جانے کے لیے روانہ ہوگئی تھی اور خالد' ندیم کے ساتھ رقم کے بیگ لے کر کیسینو کے اندرونی راہداری سے اس کے سامنے کے حصے کی طرف آئے تھے۔ پھر وہ ایک مردانے باتھ روم میں گھس گئے تھے۔ ارسلان بہت خوش تھا کہ ایک ہفتے بعد وہ اس نوکری سے ریٹائر ہو رہا تھا اور اس کا ریکارڈ بے داغ تھا۔

"تمہیں پتہ ہے' تم اکیلے نہیں ہو۔ ایک اور شخص اس کمپنی سے بہت اچھا ریکارڈ لے کر گیا ہے اور تمہارا نمبر اس کے مقابلے میں دوسرا ہے۔" خالد نے منہ دھوتے ہوئے کہا۔

"نہیں' تم غلط کہہ رہے ہو۔ ارسلان نے ناگواری سے کہا۔

"میرے پاس وہ اخبار پڑا ہے' جس میں یہ خبر آئی تھی' میں تمہیں دکھاؤں گا۔" خالد نے جواب دیا۔

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ اب چلو جلدی کرو۔" ارسلان نے کہا اور خالد نے رقم کا تھیلا اُٹھا کر باہر کا رُخ کیا۔ انداز ایسا ہی تھا' جیسے کیسینو سے کوئی سامان لے کر جا رہے ہوں۔ ارسلان نے کیسینو کی شیشوں والی بڑی کھڑکیوں سے جھانک کر باہر دیکھا' اسے نیلے کلر کی اپنی وین کہیں نظر نہ آئی۔

"اوہ...... یہ چڑیل کہاں چلی گئی' اسے جواب دینا ہوگا۔" ارسلان نے دانت پیستے ہوئے کہا' پھر اس نے فوراً ہی ندیم کو فون کیا تھا' جو کیسینو کی پچھلی سمت موجود تھا۔

"ندیم...... ادھر چیک کرو' وین ہے؟" ارسلان نے کہا۔ "میں سامنے دیکھتا ہوں' تم ادھر آ کر مجھ سے ملو۔" ارسلان نے کہا' پھر وہ فوراً باہر نکل گیا تھا لیکن وین کا دُور دُور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر میں ندیم بھی وہاں آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی نمایاں تھی۔

"ٹینا کا کچھ پتا نہیں۔" ندیم نے فکرمندی سے کہا۔ ارسلان کو لگا جیسے اسے چکر آ رہے ہوں۔ اس کے ریٹائرمنٹ میں صرف چار دن رہ گئے تھے اور آج یہ ہونا تھا' وہ حد سے زیادہ پریشان ہو گیا۔ صرف ٹینا کی حماقت سے اس کا ریکارڈ خراب ہو سکتا تھا۔

"ٹینا کو فون کرو۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔

"کیوں؟" ارسلان نے غصے سے کہا۔

"ہو سکتا ہے' کسی نے اسے اغوا کر لیا ہو...... جلدی پتا کرو' کہیں وہ اسے قتل نہ کر دیں۔" ندیم نے کہا اور ارسلان نے اپنا دائی ٹاکی نکال کر آن کیا۔

Digitized by Google

''65'65..... میں 3 بول رہا ہوں..... ریڈیو چیک۔'' ارسلان نے کہا' دوسری طرف سے کوئی بھی جواب نہیں آیا۔

''3.....3..... کوئی مسئلہ ہے؟'' دوسری طرف پھر خاموشی تھی۔

''تھری..... تھری..... ہمارا رابطہ ہمارے ڈرائیور سے نہیں ہو رہا۔'' ارسلان نے کہا۔ پھر چند ہی لمحوں میں MD کمپنی کے کارکن حرکت میں آ گئے تھے۔ انہوں نے شہر میں جگہ جگہ نگرانی کا عمل شروع کر دیا تھا اور ٹینا کو اس کی وین سمیت ڈھونڈا جا رہا تھا۔ رشیدہ نے کیسینو کے قریب پہنچتے ہی انور کو مطلع کر دیا تھا اور کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد کیسینو میں چلی گئی تھی کیونکہ انور کی اس کے لیے یہی ہدایت تھی۔ اس نے ہاتھ میں نوٹ بک اور پین پکڑا ہوا تھا اور ایک رپورٹر کے طور پر معلومات جمع کر رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں انسپکٹر آصف بھی اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔

''تم پہلے سے موجود ہو؟'' انسپکٹر آصف نے رشیدہ کو دیکھتے ہی کہا۔

''ہم سوتے کم ہیں۔'' رشیدہ نے ذومعنی جواب دیا اور آصف برا سا منہ بنا کر وین کے عملے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ہم نے سنا ہے کہ وہ بلوکلر کی وین تھی' جس پر بڑے حروف میں MD لکھا تھا؟'' آصف نے ارسلان سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہم نے سنا ہے کہ تین سے چار کروڑ کا ڈاکا پڑا ہے؟''

''ہاں' ہم نے کئی اے ٹی ایم سے رقم جمع کرنی تھی اور کمپنی لے کر جا رہے تھے' جہاں سے یہ رقم بینکوں میں جاتی ہے۔ یہ ہماری روز کی ڈیوٹی ہے۔ ہماری کمپنی کی کئی گاڑیاں یہ کام کرتی ہیں۔'' ارسلان نے جواب دیا۔

''کیا تمہیں ڈرائیور کی کوئی خبر ملی؟'' رشیدہ نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''اب ہم آ گئے ہیں نا' ہمیں کام کرنے دو۔ باقی انفارمیشن ہم تمہیں دے دیں گے۔'' انسپکٹر آصف نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''وین جب غائب ہوئی تو اس میں کتنی رقم تھی؟'' انسپکٹر آصف نے ارسلان سے پوچھا۔ خالد اور ندیم متفکر انداز میں کمرے میں بیٹھے تھے اور وہ بھی مختلف لوگوں کے سوالوں کے جوابات دے رہے تھے۔

''تقریباً تین سے چار کروڑ کی رقم ہو گی' جو سارے بغیر نشان شدہ تھے۔'' ارسلان نے جواب دیا۔

''رقم کی درست گنتی بتا سکتے ہو؟''

''تین کروڑ سات لاکھ 50 ہزار۔'' ارسلان نے جواب دیا۔

''تمہیں یقین ہے؟''

''میں منی ڈلیوری مین ہوں' یہ میرا روز کا کام ہے۔''

''اچھا' مجھے ڈرائیور کے بارے میں بتاؤ۔'' آصف نے کہا۔ اس کا ماتحت اور رشیدہ اپنی نوٹ بکس میں معلومات نوٹ کرتے جا رہے تھے۔

''ٹینا' ایک اچھی لڑکی ہے' وہ ہمیشہ ہمارا ساتھ دیتی ہے۔ میں ٹیم کا لیڈر ہوں۔''

''تم ٹینا کا دفاع کر رہے ہو۔''

''ہرگز نہیں' وہ جیسی ہے' وہی بتا رہا ہوں۔''

''ٹینا کا رویہ آج کیسا تھا؟''

''جیسا روز ہوتا ہے' وہ خاموش تھی' اپنی ہی دھن میں مگن۔ کہیں اسے کوئی حادثہ پیش نہ آ گیا ہو۔ کسی نے اسے

Digitized by Google

مارنہ دیا ہو یا اغوا نہ کرلیا ہو۔'' ارسلان نے تشویش سے کہا۔
''دیکھو ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کوئی غیر معمولی بات تم نے آج نوٹ کی تھی؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔
''نہیں' ہم معمول کے مطابق اپنا کام کررہے تھے۔''
''تمہاری دین میں کوئی ایسی الیکٹرک ڈیوائس لگی تھی' جو اسے ڈھونڈنے میں مددگار ہو؟''
''نہیں۔''
''ٹینا کب سے کمپنی کے لیے کام کررہی تھی؟''
''تین سال سے۔''
''کیا اسے کوئی پیسوں کا مسئلہ تھا' نشہ کرتی تھی' یا تنخواہ سے زیادہ خرچ کرتی تھی؟''
''نہیں۔''
''تمہیں پتہ ہے وہ ڈیوٹی کے بعد کہاں جاتی تھی؟ اس کی مصروفیات کیا تھیں؟ اس کے دوست کون تھے؟''
''نہیں..... وہ لوگوں سے زیادہ نہیں ملتی تھی' خاموش طبع تھی۔''
''گویا تم اس کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتے؟''
''دراصل میں تو اس کے ساتھ صرف چار ماہ سے کام کررہا تھا اور یہ جانتا ہوں کہ اب جب میرے ریٹائرمنٹ میں صرف چند دن رہ گئے ہیں' مجھے ملنے والی انعامی رقم بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔'' ارسلان نے منہ بنا کر کہا۔
''تمہارے خیال میں کیا ہوا ہوگا؟''
''اگر مجھے پتا ہوتا تو یہ مسئلہ میں خود حل کرلیتا۔'' ارسلان نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

فرحان احمد کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا تھا اور وہ شہر کے انڈسٹریل ایریا میں موجود ویئر ہاؤسز کے علاقے میں موجود تھا۔ آسمان پر سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا۔ اسے جس گیراج میں جانا تھا' وہ اس سے سو گز کی دُوری پر نظر آرہا تھا۔ اس کے دل میں خدشات سر اُٹھا رہے تھے۔ راستے بھر اس نے دھیان رکھا تھا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جارہا۔ اب تک سب کچھ اس کے منصوبے کے مطابق ہو رہا تھا۔
اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی پھر سیٹ پر رکھ سیل فون چیک کیا۔ اس کے ہاتھوں میں پسینہ آرہا تھا اور اس نے سرجیکل دستانے پہنے ہوئے تھے۔ کار کا اے سی آن تھا' جس سے کار میں خاصی ٹھنڈک تھی۔ وہ اس عمل سے کچھ عرصہ پہلے بھی گزر چکا تھا لیکن اس بار کوئی موت واقع نہیں ہوئی تھی لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تو ٹینا اپنا کام صحیح طرح نہ کرسکی تو وہ کیا کرے گا۔ یہ واحد منصوبہ تھا' جو وہ ٹینا کے ساتھ کررہا تھا اور اسے ٹینا کی ضرورت تھی اور اس پر اس کی باقی زندگی کا انحصار تھا۔ اچانک اس کا فون کپکپایا' جو تھرل پر لگا ہوا تھا۔
''ہاں۔'' اس نے کال ریسیو کی۔
''ETA' سیون ٹوئین۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔
''تھینک یو۔'' فرحان نے جواب دیا اور فون بند کردیا۔ وہ ویئر ہاؤسز کے پیچھے واقع تنگ گلی سے گزر رہا تھا' پھر ایک چھوٹے گیراج کے سامنے اس نے اپنی کار روکی تھی' جس کے شٹر پر AAA آرمورڈ رپیئر لکھا تھا۔
یہ ایک منزلہ عمارت تھی' جس میں تین دروازے تھے جو آٹومیٹک تھے۔ اس نے کار بلڈنگ کے احاطے میں کھڑی کی اور گیراج میں داخل ہو کر اس کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ گیراج میں ایک چھوٹا سا آفس کا کمرہ تھا اور ایک باتھ روم تھا۔ وہ ایک میز کے قریب گیا' میز پر رکھا وائرلیس سسٹم آن کیا۔ وہ شہر میں ہونے والی پولیس کی گفتگو

Digitized by Google

سن سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد گیراج کے باہر کسی گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی اس نے ایک بٹن دبایا۔ گیراج کا دروازہ کھل گیا تھا۔ بلوکار کی وین اندر داخل ہوئی تھی' جس پر ایم ڈی لکھا تھا اور آٹومیٹک دروازہ بند ہوگیا تھا۔ وین سے ٹینا برآمد ہوئی تھی اور اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی تھی۔

''مجھے موقع سے روانہ ہوئے انیس منٹ ہو چکے ہیں۔'' ٹینا نے کہا۔

''تمہیں پتا ہے تمہیں کیا کرنا ہے۔'' فرحان نے دور بر کے دستانے اسے دیتے ہوئے کہا۔

ٹینا نے وین کا سائیڈ گیٹ کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔ اس نے دستانے پہن لیے تھے۔ پھر وین میں سے منی ڈیلوری کے تین بیگ نکال کر اس کی طرف بڑھائے تھے۔ فرحان وہ بیگ میز تک لے گیا تھا۔ ان کا خاصا وزن تھا۔ تمام کیش بنڈل کی صورت میں تھا' جو اس نے نکال کر میز پر رکھے تھے۔ وہ نیلے رنگ کے پلاسٹک میں لپٹے ہوئے تھے۔

''تین کروڑ' سات لاکھ' پچاس ہزار۔'' ٹینا نے کہا۔ ''ان مارکڈ۔'' اس کے ساتھ ہی فرحان نے ایک میٹل ڈیٹیکٹر اُٹھایا تھا اور اسے کئی بار کیش کی رقم کے اوپر پھرایا تھا۔

''اس میں کوئی ٹرانسمیٹر نہیں چھپا ہے۔'' اس نے ایک بنڈل اُٹھاتے ہوئے کہا' پھر اس نے اپنی چلون کا ایک پائنچا اُٹھایا تھا۔ اس بنڈل کو اپنی پنڈلی کے ساتھ رگڑا تھا اور پھر ایک الٹراوائلٹ لیمپ اُٹھا کر اپنی ٹانگ پر روشنی ڈالی تھی اور بنڈلوں کو سفید میڈیکل کنٹینروں میں رکھ دیا تھا' جس پر ''خطرہ'' لکھا تھا۔

''نہیں..... کچھ نہیں..... اس پر کوئی کیمیکل بھی نہیں لگا ہے۔'' پھر اس نے اس کیش کو تین چھوٹے کالے سوٹ کیسوں میں رکھا اور میز کی دراز سے ایک تیز دھار چاقو' ایک سلور کلر کا ٹیپ اور ایک چھوٹا سا بکس نکالا تھا۔

''تیار ہو؟'' اس نے ٹینا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور ٹینا نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور وین کے پچھلے حصے میں چڑھ گئی تھی۔ فرحان نے اس کے دونوں گھٹنوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹیپ سے لپیٹ دیا تھا' پھر اس کی کلائیوں کو لپیٹا تھا۔ دستانوں کو چھوڑ دیا تھا۔ پھر اس کے منہ پر ٹیپ لگایا تھا۔ وہ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کے سر پر تھپکی دی تھی۔ ٹینا خود کو تیار کر چکی تھی۔ اس نے ٹانگیں سکیڑ کر اپنے گھٹنے پیٹ کے ساتھ لگائے تھے اور فرحان نے ہولسٹر سے اپنا پستول نکال لیا تھا اور اسے ٹینا کی طرف تان لیا تھا۔

''بس اتنا ہی زخم لگے گا کہ کچھ خون نکلے۔'' اس نے آہستہ سے کہا تھا اور ٹینا نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور فرحان نے فائر کیا تھا۔ گولی ٹینا کے کولہے کو چھوتی ہوئی نکل گئی تھی اور خون بہنے لگا تھا۔ فرحان نے آگے بڑھ کر زخم کا جائزہ لیا تھا' اس کی جلد پھٹ گئی تھی۔ فرحان نے ٹینا کے منہ سے ٹیپ ہٹایا تھا اور ٹینا نے ایک سسکی لی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے کلائیوں اور گھٹنوں سے بھی ٹیپ کھولا تھا اور زخم سے بہنے والا خون اس ٹیپ پر لگانا نہیں بھولا تھا۔ خون وین کے فرش پر بھی بکھر گیا تھا۔ یہ خون' ٹیپ' ٹینا کے بال اور جلد کے کچھ ٹکڑے وین ہی میں رہ جانے تھے۔ اس کے ساتھ اس نے جو کپڑے پہنے تھے' وہ بھی اسی وین میں چھوڑنا تھے۔

''اوکے..... کیسا لگ رہا ہے؟''

''تکلیف تو ہے..... لیکن میں ٹھیک ہوں۔'' ٹینا نے جواب دیا۔

''میں تمہاری ڈریسنگ کر دیتا ہوں۔'' فرحان نے کہا۔ پھر اس نے فرسٹ ایڈ بکس کھولا تھا اور اس کے زخم کی بینڈیج کر دی تھی۔

''ہمارا مشکل مرحلہ ختم ہوگیا..... کھڑی ہو جاؤ۔'' فرحان نے کہا اور ٹینا نے تائید کی پھر اس نے اپنی کمر کے گرد لگی بیلٹ بھی کھول کر وین میں ڈال دی تھی اور فرحان نے پستول وہیں پھینک دیا تھا۔ ٹینا نے اپنی شرٹ اور پینٹ وین میں چھوڑ دی تھی اور خود واش روم میں چلی گئی تھی۔ فرحان نے باقی ٹیپ' چاقو اور فرسٹ ایڈ بکس ڈسٹ بن میں

Digitized by Google

ڈال دیا تھا۔

آفس میں فرحان نے اپنا لباس تبدیل کیا تھا اور میز کے نیچے ٹیپ سے لگا' خاکی لفافہ نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا تھا' جس میں کئی پاسپورٹ' ڈرائیونگ لائسنس اور کریڈٹ کارڈز تھے' پھر میز سے وائرلیس سیٹ اُٹھا کر باہر آ گیا تھا۔

''ریڈی!'' اس نے واش روم کے دروازے کے قریب آ کر ہانک لگائی تھی اور ٹینا باتھ روم سے باہر آئی تھی۔ اس نے پھولدار لمبی قمیض پہنی ہوئی تھی۔ فلیٹ ربر کے جوتے اور سر پر اسکارف بندھا تھا۔ اس کے سر پر گرے کلر کے بالوں کی وگ تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ۔ وہ یوں جھکی کھڑی تھی' جیسے بیمار ہو۔ اس نے چند قدم لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھائے تھے۔ فرحان اس کے ساتھ گیراج سے نکل گیا تھا۔ اس نے پہلے ہی سوٹ کیس لے جا کر اپنی کار میں رکھ دیے تھے اور اب ٹرانسمیٹر اور ٹینا کے ساتھ کار کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے گیراج کا دروازہ بند کیا تو اس کی نظر پس دروازے پر لگے بینر پر پڑی' جو اس نے ہی وہاں لگایا تھا۔

''فیملی میں ایک موت ہو جانے کی وجہ سے گیراج بند ہے۔''

گیراج سے کافی فاصلے پر واقع ایک ویئر ہاؤس کے کچرا دان میں اس نے وائرلیس سیٹ ڈال دیا تھا' جو اس نے گیراج کی میز سے اُٹھایا تھا اور کار آگے بڑھا دی تھی۔ ایک سیاہ رنگ کی کار دو سو گز کے فاصلے سے ان کا تعاقب کر رہی تھی' جس کا انہیں علم نہیں تھا۔

☆......☆......☆

انور کو لگا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا تھا۔ رشیدہ اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی' جس نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اسے اُٹھایا تھا۔

''کیا!...... کیا ہو گیا؟'' انور نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''ابھی تک سو رہے ہو؟ شیخ چلی۔'' رشیدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم کسی دن میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گی۔'' انور نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''مجھے کیوں اُٹھایا ہے؟''

''انسپکٹر آصف آیا ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ...... کوئی اور اچھی خبر نہیں تھی تمہارے پاس؟'' انور نے جھنجھلاتے ہوئے کہا اور دوبارہ لیٹ گیا۔ ''جاؤ...... مجھے سونے دو۔''

''ارے وہ تمہارا منتظر ہے۔ کہہ رہا ہے ٹھیک دو منٹ بعد اندر آ جائے گا۔ کوئی ضروری بات ہے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''اس سے کہو ایک گھنٹے بعد آئے۔'' انور نے کہا اور اسی وقت آصف اندر آ گیا۔

''کبھی تو جان چھوڑ دیا کرو' اب تم بیڈ روم میں بھی گھس آئے۔'' انور نے ناگواری سے کہا۔

''آپ نے ناشتہ کیا ہے؟'' رشیدہ نے خوشدلی سے پوچھا تو آصف نے انکار میں سر ہلایا۔

''ہاں اب ناشتہ بھی کرواؤ...... پھر یہیں رہنے لگیں گے۔'' انور نے چڑچڑے انداز میں کہا۔

''ہمیں وین ڈرائیو ٹینا کے کپڑے ملے ہیں' جن پر خون لگا ہے۔'' انسپکٹر آصف نے کہا۔

''پھر میں کیا کروں؟''

''میرا خیال ہے کہ انہوں نے اسے قتل کر دیا ہے۔''

''اچھی بات ہے' جب تم جیسی کاہل پولیس ہو گی تو یہی ہو گا۔'' انور نے مذاق اُڑانے والے انداز میں کہا۔

''یہ کب ہوا؟'' رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com

Digitized by Google

''تم جاؤ..... چائے لے آؤ..... انہوں نے تو سارا موڈ خراب کر دیا۔'' انور نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا اور رشیدہ پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔ اسے کبھی کبھی انور کا ایسا ناروا رویہ بالکل پسند نہیں آتا تھا۔

''اب بولو..... کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' انور نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کل جب اے ٹی ایم مشین ڈیلوری وین کا حادثہ ہوا تو ٹھیک ایک گھنٹے بعد مجھے ایک گمنام کال ملی۔ مجھے کسی نے بتایا کہ وہ وین شہر کے جنوب میں واقع ایک ویئر ہاؤس کے گیراج میں موجود ہے۔''

''بہت خوب۔ تو گویا تمہیں جاسوسی کے لیے جنات مل گئے ہیں؟'' انور نے مضحکہ اُڑانے والے انداز میں کہا۔

''میری پوری بات سنو۔'' انسپکٹر آصف نے کہا۔

''سناؤ۔''

''جب ہم وہاں گئے تو ہمیں ایک گیراج میں کھڑی بلو وین ملی جس پر ایم ڈی کے بڑے بڑے الفاظ لکھے تھے اور گیراج کے دروازے پر بینر لگا تھا کہ فیملی میں کسی کی ناگہانی موت کی وجہ سے بند ہے۔ اس وین میں ٹیٹا کا خون آلود لباس ملا ہے جسے اس کے وین کے ساتھیوں نے شناخت کر لیا ہے۔ سب کا خیال ہے اسے اغوا کرنے والوں نے گیش لوٹ کرا سے قتل کر دیا ہے اور فرار ہو گئے ہیں۔'' آصف نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

''یعنی گمنام فون ملنے کے بعد بھی تم مجرم کو گرفتار نہیں کر سکے؟'' انور نے مضحکہ اُڑایا۔

''گیراج کے احاطے میں ایک اور گاڑی کے ٹائروں کے نشان بھی پائے گئے ہیں۔ وہ اس سے فرار ہوئے ہوں گے۔''

''مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو، میں کیا کروں؟'' انور نے چڑچڑے انداز میں کہا۔ اسی وقت رشیدہ چائے لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے تین کپ چائے میز پر رکھ دی تھی اور انسپکٹر آصف کو چائے لینے کا اشارہ کر دیا تھا۔

''اب کیا چاہتے ہو؟'' انور نے آصف سے پوچھا۔

''میں چاہتا ہوں، اس مسئلے کو حل کرنے میں میری مدد کرو۔'' آصف نے سادگی سے کہا۔

''تمہیں خوابوں پر یقین ہے؟'' انور نے پوچھا اور آصف حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''بولو۔'' آصف نے بے دلی سے کہا۔

''میں نے خواب میں دیکھا ہے تمہیں کچھ دیر بعد پھر ایک گمنام فون آنے والا ہے۔ جاؤ اپنے آفس میں انتظار کرو۔'' انور نے پہنچے ہوئے جوتشیوں کی طرح کہا اور آصف واپسی کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وہ جانتا تھا انور سے کچھ بھی اُگلوانا آسان نہیں ہے۔ اسے اگر کچھ معلوم بھی ہو گا تو وہ اپنی مرضی سے ہی بتائے گا اور اگر بتانا نہیں چاہے گا تو دُنیا کی کوئی طاقت اس سے پوچھ نہیں سکتی۔

''کل جب میں نے کیسینو کے پاس سے تمہیں کال کی تھی، تم کہاں تھے؟'' رشیدہ نے آصف کے جانے کے بعد انور سے پوچھا، جو چائے کا کپ تھامے آنکھیں بند کیے چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ اس نے رشیدہ کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

''کیا بہرے ہو گئے؟'' رشیدہ نے اس کے کان کے قریب منہ کرتے زور سے کہا اور اس نے گھبرانے کی اداکاری کرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

''پیاری رشو میں گھر پر تھا۔'' اس نے بڑے پیار سے کہا اور رشیدہ ہنس پڑی۔

''اداکاری میں تو تمہارا جواب نہیں، چلو تمہاری جان نہیں چھوڑوں گی۔ جلدی سے بتاؤ تم کل دوپہر سے کل رات ساڑھے بارہ تک کہاں رہے، کیونکہ کچن سے برتنوں کے کھڑکنے کی آواز میں نے ٹھیک ساڑھے بارہ بجے سنی

تھی۔ میں بہت گہری نیند میں تھی ورنہ اتنی دیر باہر رہنے کا سبب تم سے جب ہی پوچھتی۔''
''اور میں تمہیں بتا دیتا؟'' انور نے چڑانے والے انداز میں کہا۔
''اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی اور چارہ بھی نہیں ہے..... ہم پارٹنر ہیں یاد رکھو۔'' رشیدہ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔
''تمہارا وہم ہے۔'' انور نے اسے پھر چڑایا۔
''انور تنگ مت کرو جلدی بتاؤ..... میں جب کیسینو سے واپس آئی تھی تب تک وہاں انسپکٹر آصف پہنچ چکا تھا اور وین والے تینوں افراد سے سوالات کر رہا تھا۔ وہاں میڈیا کے اور بھی کچھ لوگ تھے۔'' رشیدہ نے بتایا۔
''اور وہ وین ڈرائیور کے حلیے اور رقم کے بارے میں سوالات کر کے خبریں تیار کر رہے ہوں گے اور آصف اس کیس کو حل کرنے کے لیے اگلے اقدام کے بارے میں فیصلہ کر رہا ہوگا جبکہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا۔'' انور نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔
''تو پھر؟''
''تم نے جب مجھے بتایا کہ کیسینو کے پاس وین پہنچ گئی ہے تب میں کیسینو کے قریب ہی واقع ایک ریستوران میں بیٹھا تھا۔ میں نے جیسے ہی اس وین کو کیسینو کے عقب سے نکل کر جنوب کی طرف جاتے دیکھا اور اس میں صرف ٹینا موجود تھی اس کے باقی ساتھی نہیں تھے تب ہی میں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ خاصی عجلت میں نظر آ رہی تھی اور بار بار اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ رہی تھی۔
''اوہ..... گویا جس وقت لوگ کیسینو میں وین کے لوگوں سے سوالات کر رہے تھے تب تم ٹینا کی وین کا تعاقب کر رہے تھے؟''
''ہاں اور اس تعاقب نے مجھے ایک حیرت انگیز کہانی سے آگاہ کیا۔'' انور نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔
''بھئی حیرت ہے پھر آگے کیا ہوا؟''
''آگے بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی وقت کم ہے ٹھیک دو بجے کی فلائٹ سے ہمارے مجرم فرار ہونے والے ہیں۔ مجھے آصف کو ان کے پیچھے دوڑانا ہے۔'' انور نے ہنستے ہوئے کہا۔
''آصف کو؟''
''ہاں جب ایک کاٹھ کا اُلو موجود ہے تو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے ایک گمنام کال جائے گی اور وہ ایئرپورٹ کی طرف بھاگ اُٹھے گا۔'' انور نے ہنستے ہوئے کہا۔
''اف خدایا..... انور تم سے حد ہے۔'' رشیدہ نے زچ ہونے والے انداز میں کہا۔ ''تمہیں پتہ ہے منی ڈیلیوری کمپنی نے مجرموں کی گرفتاری پر بڑے انعام کا اعلان کیا ہے۔'' رشیدہ نے اسے بتایا۔
''اور وہ انعام آصف اکیلا ہضم نہیں کر سکے گا۔'' انور نے ہانک لگائی اور بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔ ''چلو تم بھی تیار ہو جاؤ آج کا دن بہت مصروف گزرنے والا ہے۔ دوپہر کا کھانا باہر کھائیں گے اور وہاں سے سیدھے ایئرپورٹ۔'' انور نے کہا تو رشیدہ اسے شرارتی نظروں سے دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔
ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ ایک ریستوران میں بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ گھر سے نکلنے کے بعد انور نے آواز بدل کر انسپکٹر آصف کو فون کر کے اطلاع دی تھی کہ اس کے مجرم ایئرپورٹ پر موجود ہیں اور ان کے حلیے بھی بتا دیئے تھے۔
''انور تم کیا چیز ہو؟'' رشیدہ نے لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے تعریفی انداز میں کہا۔
''میں چیز نہیں..... انسان ہوں محترمہ..... یہ چیز ناچیز تم ہی ہو گی۔'' انور نے برا ماننے والے انداز سے کہا۔

Digitized by Google

''تمہیں ٹینا پر شک کیسے ہوگیا؟''
''میں نے اسے مے فیئر کے ہال میں جنگلی رقاصہ کے روپ میں رقص کرتے دیکھا تھا۔ وہ بھیس بدل کر وہاں رقص کرتی تھی اور ایسا وہ کامران عابد کے چکر میں کر رہی تھی۔''
''وہی کامران عابد' جس کی لاش ہوٹل کے قریب سے ملی تھی؟'' رشیدہ نے پوچھا۔
''ہاں...... اور جس کے جسم پر نیلے رنگ کے باریک سوئیوں کے نشان تھے' جن کے ذریعے اسے کافی فاصلے سے زہر دیا گیا تھا۔''
''کیا؟''
''ہاں' وہ ایک طرح کی کھلونا جیسی پستول تھی' جس میں باریک زہریلے دھاتی ذرات ہوتے ہیں۔ اس بے آواز پستول سے فائر کر کے وہ زہریلے ذرات اس کے جسم میں اُتارے گئے' جن سے فوراً ہی اس کی موت واقع ہوگئی۔''
''لیکن بھلا یہ کون کر سکتا ہے؟'' رشیدہ نے حیرت سے کہا۔
''وہی جو اس دولت میں حصہ چاہتا ہو' جو کامران کے ہاتھ لگنے والی تھی۔''
''کیا مطلب؟''
''بھئی کامران کئی بار اے ٹی ایم سے رقم منتقل کرنے والی وینوں کو لوٹ چکا تھا۔ اس کے اگلے پلان کا علم ہمارے مجرم کو ہوگیا اور اس نے اسے راستے سے ہٹا دیا۔'' انور نے کہا۔ رشیدہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔
''چلو اب جلدی کرو ہمیں ڈیڑھ بجے تک ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔'' انور نے عجلت میں کہا اور رشیدہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لقمہ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔
''چلو۔'' وہ فوراً ہی کھڑی ہوگئی تھی اور انور اسے ساتھ لیے کاؤنٹر پر بل کی ادائیگی کرتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل گیا تھا۔
ہوٹل سے ایئر پورٹ تک کا فاصلہ بائیک پر آدھے گھنٹے میں طے ہوگیا تھا۔ ایئر پورٹ کے لاؤنج میں مسافر بیٹھے فلائٹ کا انتظار کر رہے تھے۔ انسپکٹر آصف لاؤنج کے استقبالیہ پر سادہ کپڑوں میں موجود تھا اور کاؤنٹر کلرک سے کچھ بات کرنے کے بعد وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ مسافروں کی قطار میں لگی ایک خاتون' جس نے پھولدار لمبی شرٹ کے ساتھ سر کے گرے بالوں پر اسکارف باندھا ہوا تھا' ایک صحت مند شخص کے ساتھ موجود تھی۔ دونوں نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگایا ہوا تھا۔ عورت کے ہاتھ میں چھڑی تھی' جس سے وہ سہارا لے کر چل رہی تھی۔ جیسے ہی وہ دونوں کاؤنٹر کے قریب پہنچے تھے' وردی پہنے ہوئے تین' چار باڈی گارڈز نے انہیں گھیر لیا تھا اور ایک قریبی کمرے میں لے گئے تھے۔
کچھ ہی دیر بعد اس جوڑے کو پولیس کار میں پولیس اسٹیشن لے جایا جا رہا تھا لیکن اب بوڑھی عورت کے سر پر گرے کلر کے بالوں کی وگ کی جگہ اس کے اپنے سنہرے بال لہرا رہے تھے۔ آنکھوں سے سیاہ چشمہ ہٹ چکا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں غصہ نمایاں تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھے شخص کی آنکھوں پر ابھی چشمہ موجود تھا لیکن اس کے انداز سے بھی برہمی عیاں تھی۔
''اب مبارک ہو آصف' آخر مجرم پکڑا گیا۔'' انور نے آصف سے کہا' جو اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔
''مبارک باد دینے آ گئے اور پہلے تو بات کرنے کو بھی تیار نہیں تھے۔'' آصف نے منہ بنا کر کہا۔
''ارے بھئی' دوستوں کی کامیابی پر خوشی تو ہوتی ہے۔'' انور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم مجھے اپنا دوست کہتے ہو؟ میں نہیں مانتا۔'' آصف نے کہا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

''چلو رشیدہ..... کل سے بھاگ بھاگ کر اور جاگ جاگ کر میرا تو بیڑا غرق ہو گیا ہے۔ اب میں تو آرام کروں گا اور تم مجھے ہرگز سوتے سے مت اُٹھانا۔'' انور نے مصنوعی غصے سے کہا۔

''بھلا مجھے کیا ضرورت ہے اُٹھانے کی۔ میں تو اخبار کے لیے یہ کہانی لکھنے بیٹھوں گی۔'' رشیدہ نے کہا۔

''نہیں، ابھی نہیں..... ابھی تو اس کا ڈراپ سین باقی ہے۔'' انور نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' رشیدہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں، جن مجرموں کو پکڑا ہے ان کا جرم ثابت کرنے کے لیے آصف کو ثبوت چاہئیں، جو اس کے پاس نہیں۔ میرا دعویٰ ہے وہ آدھے گھنٹے میں دوڑا ہوا میرے پاس آئے گا۔'' انور کے لہجے میں شرارت تھی۔ رشیدہ بھی اس کی بات پر ہنس رہی تھی۔

پھر ہوا بھی یہی تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد آصف خود انور کے فلیٹ پر موجود تھا۔

''انور، ان کا کہنا ہے کہ ان کا وین والی چوری سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے پاس سے کچھ برآمد نہیں ہوا اور ان کا اپنے حلیے کے بارے میں کہنا ہے کہ وہ ایک ڈرامے میں شرکت کے لیے ریہرسل کر رہے تھے۔ ان کے کردار اس ڈرامے میں ان کے حلیوں کی طرح ہی ہیں۔'' آصف نے انور سے کہا۔

''تمہارا کیا خیال تھا، وہ منہ سے کہیں گے کہ ہم مجرم ہیں، ہم نے اے ٹی ایم کی رقم اُڑائی ہے؟'' انور نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اور تم تو ایئرپورٹ پر بڑے مغرور انداز میں بات کر رہے تھے، اب پھر لائن پر آ گئے۔''

''یار..... دوستوں میں مذاق تو چلتا ہی رہتا ہے۔'' انسپکٹر آصف نے زچ ہو کر کہا۔

''اب کیا چاہتے ہو؟''

''میں جانتا ہوں کہ وہ مجرم ہیں، لیکن ثبوت.....؟''

''ثبوت تو گمنام کال کے ذریعے تم تک نہیں پہنچ سکتے۔'' انور نے تیزی سے جواب دیا۔ رشیدہ قریب ہی کھڑی دونوں کی گفتگو سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''میں ایک شرط پر تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔'' انور نے کہا تو انسپکٹر آصف کے چہرے پر رونق آ گئی۔

''بولو..... کیا شرط ہے؟''

''انعامی رقم میں سے آدھی میری ہوگی۔'' انور نے ڈھٹائی سے کہا۔

''منظور ہے۔'' آصف نے ناگواری سے جواب دیا۔

''بیٹھو۔'' انور نے بزرگانہ انداز میں آصف کو بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر اس نے بتایا کہ کس طرح اس نے جنگلی رقاصہ کے روپ میں ٹینا کو دیکھا تھا اور کیسینو سے وین میں رقم لے کر فرار ہوتے ہوئے ٹینا کا تعاقب کرنے پر اس پر کیا کیا انکشافات ہوئے تھے۔ اس نے ویئر ہاؤس تک اس کا تعاقب کیا تھا اور پھر اس کی وین ویئر ہاؤس کے اندر چلی گئی تھی۔ انور ویئر ہاؤس کی باؤنڈری پھلانگ کر اندر گیا تھا اور ایک کونے میں چھپ گیا تھا۔ پھر جیسے ہی گیراج کا دروازہ کھول کر ایک شخص باہر کھڑی گاڑی میں کچھ رکھنے آیا تھا، وہ آنکھ بچا کر گیراج میں داخل ہو گیا تھا اور پھر گرفتار ہونے والے شخص فرحان اور ٹینا نے اندر جو کچھ ڈرامہ کیا تھا، اس کی ویڈیو انور نے چھپ کر بنالی تھی۔

''تمہارے پاس وہ ویڈیو ہے؟'' آصف نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔''

''وہ تم مجھے دے دو۔'' آصف نے درخواست کی۔

''وہ تو میں تمہیں رقم ملنے کے بعد دوں گا۔''

"لیکن انعامی رقم تو مجھے مجرموں کو عدالت پہنچانے کے بعد ہی ملے گی۔" آصف نے مایوسی سے کہا۔
"چلو پھر ہمیشہ کی طرح میں تمہاری زبان پر بھروسہ کرتا ہوں۔" انور نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اور لوٹی ہوئی رقم وہ کہاں ہے؟" آصف نے کہا۔
"اب سب کچھ مجھ سے ہی پوچھو گے؟ اس ویڈیو میں سب کچھ ہے' اپنے مجرموں کو دکھاؤ اور وہ تمہیں بتائیں گے کہ رقم کہاں ہے۔ ویسے جب تک میں ان کے تعاقب میں تھا' لوٹی ہوئی رقم ان کی گاڑی کی ڈکی میں تین سیاہ سوٹ کیسوں میں موجود تھی۔" انور نے کہا۔
"انور' میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔" آصف نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔" انور نے ذومعنی انداز میں کہا اور آصف اس کے کمرے سے نکل گیا۔
"تمہیں جنگلی رقاصہ پر شبہ کیسے ہو گیا؟ تم تو ٹینا کو پہلے جانتے ہی نہیں تھے؟" رشیدہ نے آصف کے جانے کے بعد انور سے پوچھا۔
"جس رات میں جنگلی رقاصہ کا رقص دیکھنے گیا تھا' اسی رات میں نے ٹینا کو اس بلوڈین سے ہوٹل کے باہر اُترتے ہوئے دیکھا' پھر ہال میں رقص کرنے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو میں اسے پہچان چکا تھا۔ وہ خود ہی جنگلی رقاصہ بنی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے ملاقات بھی کی تھی' تب ہی مجھے اس پر شک ہوا تھا۔"
"اور تم ہمیشہ کی طرح مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے جبکہ تمہیں پتا ہے کہ میں ایسی مہمات میں دلچسپی رکھتی ہوں۔" رشیدہ نے برا ماننے والے انداز میں کہا۔
"میں نے سوچا بھلا تمہیں جنگلی رقاصہ میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" انور نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اب کیا ارادے ہیں؟" رشیدہ نے اس سے پوچھا۔
"میں کل جنگلی رقاصہ سے ملنے پولیس اسٹیشن جاؤں گا۔" انور نے ہنستے ہوئے کہا۔
"کیوں؟"
"دیکھوں گا آصف کی تفتیش کہاں تک آگے بڑھی ہے اور......"
"اور کیا؟"
"اور جنگلی رقاصہ کس حال میں ہے۔"
"جنگلی رقاصہ میں بہت دلچسپی ہو گئی ہے؟"
"ظاہر ہے' اس سے لوٹی ہوئی رقم وصول ہو گی تو اس رقم کا پانچ فیصد کے حساب سے ہمیں انعام ملے گا۔ اچھی خاصی رقم ہو گی تو جنگلی رقاصہ میں دلچسپی تو بنتی ہے۔" انور نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا۔
"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ سکتے۔" رشیدہ نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ انور دل ہی دل میں انعامی رقم کا اندازہ لگا رہا تھا۔

......☆☆......

عکسِ خوشبو......ایس ایم حسینی

ندوہ کیمپس، ڈالی گنج لکھنو

رات کسی نئی نویلی دلہن کی طرح چپ سادھے بستر پر پاؤں سمیٹے بیٹھی ہے، دل کی دھڑکن اور گھڑی کی ٹک ٹک کانوں کو صاف سنائی پڑ رہی ہے،

Digitized by Google

گھڑی کی سوئیاں معمول کے مطابق اپنے دائرے میں طواف کر رہی ہیں،
لیکن دل معمول کے خلاف زور زور سے دھڑک رہا ہے،
اور ہم اسے پہلو میں یوں بہلا رہے ہیں جیسے دایا کسی نومولود بچے کو گود کھلا رہی ہو پھر بھی وہ بلک بلک کر رو رہا ہو،

جانے کیوں آج دل مچل رہا ہے یارم کے دیدار کو،
ذہن بے چین ہے یارم کی خوشبو پانے کو،
وہ خوشبو جو یارم سے بغلگیر ہوتے ہوئے یارم نے ہمارے اور ہم نے یارم کے جسم سے محسوس کی تھی،
وہ خوشبو جو دنیا کے کسی گلاب میں نہیں،
وہ خوشبو جس پر عطر فروش انگشت بدنداں رہ جائیں،
وہ خوشبو جو یاسمین و سنبل کے ہوش اڑا دے،
وہ خوشبو جو صندل کو منہ چڑا دے،
وہ خوشبو جس پر رات کی رانی آفرین آفرین کا نعرہ مستانہ بلند کرے،
وہ خوشبو جو فضائے بسیط میں چھا جائے،
وہ خوشبو جو بادلوں کو زمین تک لے آئے،
وہ خوشبو جو آسمان کو نگاہوں میں سما دے،
وہ خوشبو جو دنیا سے بیزار کر دے،
وہ خوشبو جو مشک کی امام ہو،
وہ خوشبو جو تتلیوں کو نہال کر دے،
وہ خوشبو جس سے چمن خوشبو مستعار لے،
وہ خوشبو جو جسم کو اپنے حصار میں لے،
وہ خوشبو جسے ہونٹوں سے دیکھا جا سکے،
وہ خوشبو جسے ہاتھوں سے چھوا جا سکے،
وہ خوشبو جسے آنکھوں سے پڑھا جا سکے،
وہ خوشبو جو پورے کائنات میں صرف اور صرف یارم کی روح میں حلول کی گئی ہے،
جسے محسوس کرنے کے لئے یارم جیسی پاکیزہ محبت اور نیک نیت درکار ہے،
لیکن اکثر دل کا چاہا ہوا نہیں ہوتا،
ہم نے یارم کو میسج کیا،
"یارم اب تک تم نے ہمیں اپنی خوشبو کے حصار میں نہیں لیا"
یارم نے استفسار کیا کیسی خوشبو؟
ہم نے لکھا،
وہ خوشبو جو کل کمرے سے نکلتے ہوئے تمھارے جسم سے پھوٹ رہی تھی وہی خوشبو جس کے سامنے دنیا کی ساری خوشبوئیں ہیچ ہیں.....
یارم نے ہماری بات مذاق میں اڑا دی،
ہم نے لاکھ کوشش کی کہ یارم کو ہم بتا سکیں کہ وہ خوشبو ہمیں دنیا کی ساری نعمتوں سے زیادہ عزیز ہے

Digitized by Google

یہاں تک کہ یارم سے بھی زیادہ.....
لیکن ارمانوں کی جھولی ابھی بھری نہیں، البتہ اتنی وزنی ہوگئی ہے کہ کاندھا اس بوجھ سے شل رہتا ہے،
اس جھولی میں ننھے ننھے ارمان پاؤں پسارے پڑے ہیں،
جن میں کسی کا نام دیدار، کسی کا قرب، کسی کا وصل، اور کسی کا.....
دوسرے ارمانوں کی طرح یہ ارمان بھی اسی کی نذر ہوگیا،
یارم سے نہ جانے کب اور کیسے ہمیں اتنی عقیدت ہوگئی کہ جس خوشبو کو آج تک یارم نے نہیں محسوس کیا اس خوشبو سے ہمارا دل و دماغ آج تک معطر ہے۔
آج کئی دن بعد ڈائری کے صفحے پلٹتے ہوئے یارم کے نام لکھی گئی یہ تحریر نظر سے گذری جو شاید کافی پہلے لکھی گئی تھی آج دوبارہ پڑھ کر ہم مسکرائے بنا نہیں رہ سکے،
سوچنے لگے کہ کب یارم کے تعلق سے ہم نے یہ سب لکھا تھا اور کیونکر!!!
یارم تو ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے سانسوں کی طرح روح میں سمایا ہوا،
ہماری خوشبوؤں میں ہمارے ساتھ سفر کرتا ہے،
اکثر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہماری آنکھوں میں ڈوبا ہوا ہوتا ہیا ور ہم اس کی باتوں میں،
یارم اکثر کہتا ہے ہم دونوں بھروسے کی کشتی پر بیٹھے محبت کے جزیرے کی طرف بڑھ رہے ہیں،
جہاں دنیا کی بے پرواہی ہے،
جہاں محبت جرم نہیں ہے،
جہاں جذبے کا احترام ہے،
جہاں عشق توفیق ہے..... گناہ نہیں،
جہاں وصال آرزو کی دہلیز پر دم نہیں توڑتا،
جہاں خواہشوں کی چتا نہیں جلتی،
جہاں ذات روح سے آزاد ہے،
جہاں محبت امرت سے سیراب ہے،
جہاں جذبہ چاندی سے زیادہ شفاف ہے،
بلکہ ایسا شفاف جیسے ریگستان میں چاندنی،
یا جیسے جھیل میں اترا ہوا چاند،
جیسے انگوٹھی میں جڑا یاقوت،
جیسے پنڈت کے ماتھے پر چندن،
جیسے سجن کے درمیان گھنٹے کی ٹن ٹن،
جیسے پہاڑوں سے بہتا آبشار،
جیسے گلاب کی کلی پر ٹھہری شبنم،
ایسی ہے ہماری محبت یارم کے ساتھ،
یارم کی باتوں سے ہم نے کبھی محسوس کیا کہ اب ہماری محبت کسی ساتویں مقام پر ہے جہاں بات کرتے ہوئے الفاظ سے زیادہ محسوسات کارفرما ہوتے ہیں،
جہاں لفظوں کی قبا چاک کئے بغیر ایک دوسرے کے جذبے کو محسوس کیا جاتا ہے،

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

جہاں خیالات بے پیرہنی میں ملتے ہیں،
اور لفظ ہونٹ کی بیڑیوں سے آزاد ہو کر دل کے نہاخانوں میں اترتے چلے جاتے ہیں،
ہماری محبت میں یارم نے اپنے خاموش قلم سے ایک آزاد نظم لکھ کر بھیجی ہے جو سلسلہ یارم کی تمام تحریروں
جھومر بھی ہے اور آج کی تحریر کا ماحصل بھی،

یارم!
تم لفظوں کے صورت گر ہو
تم معنوں کا ایک بھنور ہو
سندرتا کا تاج محل ہو
جس کی ہر اک بات نرالی
وہ جو بیتے دن ہیں اپنے
ان لمحوں کی یاد نرالی
شام کسی سناٹے میں
بیتی یادیں میرے من کو
مدھم مدھم چوم رہی ہیں
ساتھ بنی وہ سب تصویریں
ان آنکھوں میں جھوم رہی ہیں
ان آنکھوں سے دیکھو یارم
دیکھو یارم میری دنیا
نظریں دھوکہ کھا جائیں گی
خود سے ہی کچھ دیر کہو گے
"یہ کیا ہم دیکھ رہے ہیں"
یارم میری دنیا تم ہو

.....☆☆.....

ایک ملاقات ضروری ہے .....حامد حسن حامی

سائنسی ایجادات جہاں انسان کی آسائش کے لئے ہیں، وہیں ان کا غلط استعمال معاشرے میں برائیوں کو
فروغ دیتا ہے۔ موبائل فون کے غلط استعمال کی داستانِ حقیقت، کیونکہ اس داستان کا مرکزی کردار اب بھی ا
لت کا شکار ہے اور اس کا موجودہ کردار اسی تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ جو انشاء اللہ اگلی بار پیش کروں گا حامد حسن حامی

''ہیلو!''

''سلام علیکم! مبشر سے بات کرنی ہے۔''

''وعلیکم سلام! جی وہ گھر پر نہیں ہے۔ آپ کون؟''

''میں اس کا دوست ہوں..... میں پھر فون کروں گا۔''

☆☆☆☆☆

''سلام علیکم!''

''وعلیکم سلام!''

Digitized by Google

''مبشر گھر میں ہے؟ میں فرحان بول رہا ہوں۔''
''جی وہ باہر گیا ہوا ہے۔''
''اوہ! ٹھیک ہے۔ ویسے آپ کون ہیں؟''
''جی میں اس کی بہن ہوں۔ وہ آپ کا تو بتا دوں گی۔''
''ٹھیک ہے۔ اللہ حافظ''

☆☆☆☆☆

''اسلام علیکم!''
''وعلیکم سلام!''
''میں فرحان بول رہا ہوں۔''
''مبشر آج بھی گھر میں نہیں ہے۔ دراصل یہ وقت اس کے کھیلنے کا ہے اس لئے وہ کھیلنے چلا جاتا ہے۔''
''ٹھیک ہے۔ ویسے آپکو مبشر کی ایک بات بتانی ہے سوچتا ہوں بتاؤں کہ نہیں!''
''کیا؟ خیریت تو ہے نا؟''
''ارے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بس ویسے ہی... مجھے کچھ دنوں سے لگ رہا ہے کہ مبشر.....!''
''کیا؟... مبشر کیا؟... بتایئے ناں!''
''وہ دراصل... نہیں! ابھی رہنے دیں۔ میں کچھ دن اور دیکھتا ہوں۔ کنفرم کر کے بتاؤں گا۔ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے بس پڑھائی کا سلسلہ ہے... ٹھیک ہے... اللہ حافظ۔''
''ہیلو!... ہیلو.....!'' اس نے کھوئے کھوئے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ مبشر عاشفہ کا چھوٹا بھائی تھا اور آٹھویں کا طالبعلم تھا جبکہ عاشفہ میٹرک کی تیاری کر رہی تھی۔ اب اس فون نے اسے پریشان سا کر دیا تھا۔ خیریت ہو، جانے کیا بات ہے۔ دل میں اندیشے جاگ رہے تھے۔ مگر بھائی ایسا ہے تو نہیں! ایک کسک ہوئی تھی مگر پھر وہ الفاظ ذہن کو کچوکے لگانے لگتے۔ اسی ادھیڑ بن میں وہ فون کے پاس سے ہٹ گئی۔

☆☆☆☆☆

ہمت نہیں ہوئی تھی کہ بھائی سے کچھ پوچھتی۔ ویسے پوچھتی بھی تو کیا؟ کیا معلوم تھا اسے کہ جس کی وہ تردید یا تصدیق کراتی۔ رات بیچینی میں گزری، پھر کئی دن بھی بے تابی کی نذر ہوئے اور پھر.....
''اسلام علیکم!''
''وعلیکم سلام! فرحان صاحب؟''
''جی فرحان بول رہا ہوں۔ مبشر تو حسب معمول نہیں ہوگا؟''
''جی ہاں اور اچھا ہے کہ وہ اس وقت نہیں ہے۔ میں نے آپ سے پوچھنا تھا کہ آپ اس دن کیا کہہ رہے تھے؟ میں تو پریشان ہو گئی ہوں۔ آپ بتائیں نا کہ کیا بات ہے؟''
''ارے کچھ نہیں۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔''
''آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟ دیکھیں میں بہت پریشان ہوں۔''
''ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ سے جھوٹ تھوڑی بولوں گا؟''
''پھر بھی ایسا کیا تھا؟''
''بس مجھے لگا کہ وہ پڑھائی سے ہٹ کر کسی غلط سمت جا رہا ہے۔ بس اس لئے پریشان تھا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

Digitized by Google

اس نے ایک گہری سانس لی اور بولی، ''شکر ہے۔ میں تو بہت پریشان ہوگئی تھی۔''
''میں نے کہا نا، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں کیونکہ آپ پر پریشانی کچھ جچتی نہیں۔ ویسے آپ کا نام کیا ہے؟''
''عاشفہ!''
''ارے واہ!''
''کیا مطلب؟'' اس عجیب وغریب ردِعمل پر اسے حیرت ہوئی تھی۔
''کچھ نہیں۔ میں تو یہ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ آپ کا نام بھی آپ کی آواز کی طرح خوبصورت ہے۔''
ایک میٹھی سی لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی اور وہ ہنستے ہوئے بولی، ''شکریہ فرحان صاحب!''
''نہیں، واقعی! بہت خوبصورت! آپ کی آواز جہاں کانوں میں رس گھولتی ہے، وہاں نام نے تو ذہن کو تر وتازہ کر دیا ہے... عاشفہ!....... بہت ہی پیارا نام ہے... بہت ہی پیارا......!''
زندگی میں پہلی بار کوئی تعریف کر رہا تھا جو سیدھی اس کے دل کو چھو رہی تھی۔ الفاظ ایسے تھے کہ بدن میں سرسراہٹ سی ہونے لگی تھی اور لہجہ ایسا میٹھا کہ دل گدگدانے لگا تھا اور وہ مسکرائے جا رہی تھی۔
''اچھا ٹھیک ہے میں پھر بات کروں گا۔ مبشر کو مت بتایئے گا میرے فون کا... پلیز... اللہ حافظ...!''
اس کا اللہ حافظ بہت مشکل سے ادا ہوا تھا۔ دل نہیں چاہ رہا تھا فون بند کرنے کو لیکن اسے ریسیور رکھنا ہی پڑا۔ تھوڑی دیر وہ گم سم کھڑی رہی پھر ڈگی چال کے ساتھ میٹھا سا احساس دل میں سمائے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔؟

☆☆☆☆☆

''السلام علیکم!'' آواز سنتے ہی دل دھڑک اٹھا تھا۔
''وعلیکم سلام!''
''آپ کا بہت بہت شکریہ!'' جملے نے جکڑ سا لیا تھا۔ بے اختیار منہ سے نکلا، ''کس بات کا؟''
''آپ نے میری باتوں کو غلط نہیں سمجھا، اس کا بہت بہت شکریہ!'' حیرت کی جکڑ ڈھیلی پڑی تو میٹھی میٹھی اینٹھن سی ہونے لگی۔
''اجی نہیں! کوئی بات نہیں۔ آپ تو مبشر کے دوست ہیں۔'' ایک طرح کی بھوک سی لگنے لگی کہ مزید میٹھی بات ہو اور مزید میٹھا میٹھا.......
''میں آپ کا بھی دوست ہوں!'' یہ جملہ بھوک کا علاج ہی تھا، مگر بھوک بجائے کم ہونے کے بڑھ رہی تھی کیونکہ تعریف یا خوشامد ایسی ہی چیزیں ہیں کہ جن کی بھوک مٹائے نہیں مٹتی بلکہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔
''دراصل میری بڑی خواہش تھی کہ کسی اچھی اور پیاری لڑکی سے میری دوستی ہو، جس سے میں اپنے دل کی باتیں کیا کروں۔ اپنا دکھ درد، اپنا حال احوال سنایا کروں۔ اور... اور...... کیا کہوں؟''
اک گدگدی ہو رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ یہ آواز گدگداتی رہے۔
''آپ سے بات کر کے مجھے ایسا لگا کہ آپ ہی میری وہ دوست بن سکتی ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنا دوست مانیں گی؟ دیکھئے انکار مت کیجئے گا...!''
وہ چونک سی گئی۔ ''جی...؟'' اس مطالبے کا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔
''دیکھیں! انکار مت کریں۔ مہربانی کریں میرے دل پر۔ ورنہ یہ دل بہت دکھی ہو جائے گا۔ خدا کے لئے انکار نہ کریں... خدا کے لئے!''

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' واقعی بوکھلاہٹ سی طاری ہوگئی تھی۔۔۔ کیا جواب دیا جائے؟..... انکار کرنے کو دل نہیں چاہ رہا... اقرار کر نہیں سکتی... کیا کروں؟ سوچ کے تسلسل کو اسی آواز نے پھر توڑا.....

''میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں... آپ سے دوستی چاہتا ہوں، بس اور کچھ نہیں۔ کیا آپ اپنی زندگی کے کچھ لمحات مجھے نہیں دے سکتیں؟''

اس نے ادھر ادھر دیکھا، کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ انکار تو کرنا ہی نہیں، مگر اقرار کیسے کروں کہ ہاں میں بھی آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں، کیسے کہوں؟..... لبوں سے الفاظ پھسلے۔ ''دیکھئے! ایسی باتیں فون پر کرنا مناسب نہیں، پلیز کوئی اور بات کریں۔'' مگر سوچ کہہ رہی تھی، سمجھ لیں نا کہ میں بھی آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں مگر کہہ نہیں سکتی آپ کو...

''ٹھیک ہے! مجھے معلوم ہے کہ آپ کے پاس موبائل ہے۔ آپ اپنا نمبر دے دیں میں اس پر آپ سے بات کرلیا کروں گا... دیکھیں! انکار مت کریں خدا کے لئے!''

'ارے یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا، کیا کہوں؟..... شائد یہ میرے بھی دل کی آواز ہے... کیا بتا دوں؟... میرا دل بھی تو یہی چاہ رہا ہے...

''ہیلو...!'' ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ بولی۔ ''زیرو..... تھری..... بس؟... خوش؟''

''شکریہ۔ میں ابھی کال کرتا ہوں۔''

''نہیں...! ابھی نہیں... کل اسی وقت۔ ٹھیک ہے؟''

''ٹھیک ہے... مگر میں آپ کو ایک ایس ایم ایس کرتا ہوں۔ میرا نمبر آپ سیو کرلیں۔ ایک بار پھر بہت بہت شکریہ..... اللہ حافظ''

ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ اپنے کمرے کی طرف چل پڑی جہاں اس نے 'گدگدانے والا' نمبر سیو کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆

''ابے دے ہاتھ!'' فرحان نے اپنا ہاتھ ظہیر کے سامنے کیا اور ظہیر نے اس ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ایک گہری سانس لے کر بولا، ''یار کمال ہے۔ تیری گفتار کے قصے تو بہت سنے تھے مگر آج آنکھوں سے دیکھ بھی لیا۔ ظالم! لفظوں کا ایسا جال بُنے ہو کہ پنچھی خود بخود دام میں آ جاتا ہے۔ واہ کیا بات ہے۔'' بھاری بھرکم ظہیر نے اپنی پینٹ کو اوپر کیا جو گہری سانس لینے پر پیٹ سے پھسل گئی تھی۔ فرحان اس کا ہمسایہ ہونے کے ساتھ ساتھ کالج فیلو بھی تھا اور وہ دونوں ماسٹرز کر رہے تھے۔ فرحان، ظہیر کے مقابلے میں بہت چست و چالاک تھا۔ خاص طور پر گفتگو میں تو فرحان بے نظیر تھا۔ اپنی یہ صلاحیت وہ اکثر لڑکیوں پر صرف کیا کرتا تھا۔ آج اپنے سامنے فرحان کی شیریں زبانی کا جادو دیکھ کر ظہیر دنگ رہ گیا تھا۔

''جناب! اپنا تو ایک ہی اصول ہے۔ لڑکی پٹانی ہے، تو میٹرک لیول کی۔ کیونکہ وہ آسانی سے پٹ جاتی ہے۔ کالج اور یونیورسٹی کی لڑکیاں تیز و طرار ہوتی ہیں۔ انھیں تو حقیقی چاہنے والا بھی چالباز لگتا ہے۔'' فرحان نے ظہیر کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ بلکہ یہ لڑکیاں تو الٹا لڑکوں کو بے وقوف بنا کر انکے پیسوں سے عیش کرتی ہیں۔ بھی کارڈ لوڈ کرایا تو بھی ہیلپس۔ جب کسی سے دل اُچاٹ ہوا تو ہری جھنڈی دکھا کر آگے روانہ کر دیا۔'' ظہیر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یار! ایسی لڑکیوں سے تو دوری ہی بھلی ورنہ بندہ کہیں منہ دکھانے لائق نہیں رہتا۔'' فرحان نے اس کی بات پر ایک قہقہہ بلند کیا تھا۔ ظہیر گھسیانا ہو کر بولا، ''چھوڑ نا یار۔ یہ بتا، یہ لڑکی کون ہے؟ اور کیسے ملی؟''

فرحان سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔ ”بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہیں اس کے لئے یار! وہ اپنا احمد ہے نا؟“
”وہ پینڈو......؟؟؟“
”ہاں وہی! جو مکان کرائے پر لے کر رہتا ہے اور ٹیوشنز پڑھاتا ہے، اس کا ایک سٹوڈنٹ ہے، مبشر، یہ اسکی بہن ہے، اسی کے ساتھ ایک بار دیکھا تھا۔ بس معلومات حاصل کیں، مبشر کی کلاس میں اپنا ہم نام لڑکا فرحان ڈھونڈا اور اسکا نام استعمال کرتے ہوئے دانہ ڈال دیا۔ نتیجہ تیرے سامنے ہے!“
”واہ یار! کمال ہے۔ اتنا کچھ کیا ہے تونے؟“
”ہاں یار! تجھے تو معلوم ہے، ہم اپنا ہر کام پرفیکٹ طریقے سے کرتے ہیں۔ ابھی تو صرف نمبر لیا ہے آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا......!“
ظہیر نے فرحان کا بازو پکڑا اور بولا، ”چل پھر کچھ دعوت کھلا، ’مہاراج‘ تیری کامیابی کی دعا کریں گے۔“
فرحان اس کی اداکاری پر ہنس دیا اور بولا، ”یار! اسے میسج تو کر دوں۔ وہ بے چاری انتظار میں سوکھ رہی ہو گی۔“

☆☆☆☆☆

دل کی بستی کو ویراں نہ بنائے رکھنا
کچھ نہ ہو تو ہماری یادوں کو سجائے رکھنا
میل ملاقاتوں کا نہ سہی، یادوں کا سہی
ہم سے جیسے بھی ہو اک رشتہ بنائے رکھنا
دوستی کا طالب...... فرحان

☆☆☆☆☆

موبائل ہاتھ میں لیے وہ کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ بار بار موبائل پر وقت دیکھتی تو ساتھ ہی دل میں خیال آتا، ’اب بولو بھی... بتاؤ نا کہ ان کا فون آ رہا ہے۔‘ پھر اچانک موبائل بولا اور اس کے قدم تھم سے گئے۔ سکرین پر ’فرحانہ‘ کا نام جگمگا رہا تھا۔ جبکہ ذہن میں ’فرحان‘ کا نام گونج رہا تھا۔ بڑی بے تابی سے، دروازے کو دیکھتے ہوئے اس نے ’او۔کے‘ کا بٹن دبایا اور بستر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ ”اسلام وعلیکم!“
جواب آیا۔ ”وعلیکم اسلام! عاشفہ جی آپ کیسی ہیں؟“
”میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟“
”منتظر ہوں آپ کے جواب کا۔ کیا مجھے اس قابل سمجھتی ہیں کہ آپ سے دوستی کر سکوں؟ کیا آپکی دوستی کا تحفہ مجھے مل سکتا ہے؟“
کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ زبان سے اقرار کرنا بھی تو مشکل تھا۔ بولی، ”آپ تو بس... میں کیا کہوں؟... آپ... آپ بہت اچھی باتیں کرتے ہیں۔“
”ارے! میں کہاں؟... آپ جتنا اچھا بولتی ہیں...، جتنا پیارا بولنے کا انداز آپ کا ہے اور کسی کا نہیں ہے...“ فرحان اپنے گھر کرسی پر بیٹھا یہ سب کہہ رہا تھا۔ یہاں تک بولتے ہی کھڑا ہو گیا اور دیوار کو آنکھ مارتے ہوا بولا۔ ”ارے آپ کے بولنے میں اتنی مٹھاس ہے اور لہجہ اتنا شیریں ہے کہ شہد بھی پھیکا پڑ جائے۔“ ساتھ ہی فرحان چلتا ہوا آئینے کے سامنے پہنچ گیا اور اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بولنے لگا، ”خاص طور پر جب آپ ’جی‘ اور ’اجی‘ کہتی ہیں تو دنیا آپ پر وارنے کو دل چاہتا ہے۔“
عاشفہ خوشی سے نہال ہوئے جا رہی تھی۔ اتنی تعریفیں سن کر شرم بھی آ رہی تھی۔ مگر منع کرنے کو دل نہیں چاہ رہا

Digitized by Google

تھا۔ بس لبوں پر مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ جو بھی بھی شرمیلی ہنسی میں بدل جاتی۔
''ارے! یہ جو آپ کی ہنسی ہے نا، گھائل کر دیتی ہے۔'' عاشفہ ہاتھ سے چہرہ چھپائے سنے جا رہی تھی اور ہنسے جا رہی تھی۔
''دل چاہتا ہے یہ جھنکار کانوں میں گونجتی رہے اور میں دنیا کو بھول جاؤں۔'' عاشفہ پھر ہنس دی۔
''اُف!!! کیا کرتی ہیں...؟ میرے حال پر رحم کریں۔ مجھ سے اتنی خوشی برداشت نہیں ہوتی۔'' اب تو خاموشی مناسب نہیں تھی۔ فوراً شرم سے دوہری ہو کر بولی۔ ''کیا... آپ بھی نا...!... کچھ نہیں ہوں میں۔... آپ بھی نا بس...''
فرحان بات کاٹتا ہوا بولا،
''کیا بس... اور کہاں کی بس؟ آپ تو میری دنیا بنتی جا رہی ہیں۔ میری.....'' عاشفہ فوراً اٹھ بیٹھی۔ دروازے کے باہر آہٹ سنائی دی تھی۔
''کوئی آ رہا ہے، پھر بات کروں گی۔ اللہ حافظ۔'' فون بند کر کے وہ سیدھی ہو کر لیٹ گئی۔ دوسری طرف فرحان کے حلق سے قہقہہ بلند ہوا تھا۔
''مطلب یہ کہ بلبل پھنس گئی... ٹھیک ہے، دیکھوں گا.....!''

☆☆☆☆☆

فرحان کافی دن سے پریشان تھا۔ پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ کئی دن سے عاشفہ سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ فرحان کا اندازہ تھا کہ وہ عاشفہ کو متاثر کر چکا ہے۔ پھر یہ رابطہ نہ ہونا سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ظہیر کئی بار پوچھ چکا تھا کہ معاملہ کہاں تک پہنچا؟ جتنے دعوے فرحان نے اس کے سامنے کئے تھے ان کا تقاضا تھا کہ رابطہ نہ ہونے والی بات چھپائی جائے ورنہ مذاق کا نشانہ بنتا۔ پھر اس معاملے کو راستے میں بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا کہ سبکی ہوتی۔ اسی سے بچنے کے لئے وہ وقتاً فوقتاً رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ کئی دنوں کی محنت کے بعد ایک دن پیغام آیا کہ... ''آج بات کروں گی۔ جب 'مس بیل' کروں تو کال کیجئے گا۔'' اس وقت سے اب تک اسی 'مس بیل' کا انتظار ہو رہا تھا۔ آخر کار موبائل کا بزر بجا اور اس نے نمبر ملا دیا۔
''اسلام علیکم! اچھی دوستی ہوئی ہے آپ سے۔ آپ نے اتنے دن یاد ہی نہیں کیا۔ میں پیغام پر پیغام بھیجتا رہا اور آپ نے بات کرنا تو دور پیغام کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔ یہی دوستی ہوتی ہے کیا؟''
''اللہ! اتنا شکوہ...! اتنی ناراضی...!... معاف کیجئے گا فرحان صاحب! غلطی میری ہی ہے مگر میں کیا کروں، میری بھی مجبوری تھی۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔''
''پھر بھی ایسا کیا تھا جو مجھ سے بھی زیادہ اہم تھا اور جس کی خاطر مجھے بھی نظر انداز کر دیا؟''
''بتا رہی ہوں نا...! بلکہ میں نے تو آپ کو خوشخبری سنانی تھی کہ میرا داخلہ کالج میں ہو گیا ہے۔ اسی کے سلسلے میں بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے بالکل فرصت نہیں ملی۔ میں اتنی خوش تھی کہ آپ کو بتاؤں گی اور آپ ہیں کہ اتنا سارا ناراض ہوئے بیٹھے ہیں!''
''کیا واقعی...؟''
''جی ہاں! اگلے سوموار سے کلاسیں بھی شروع ہو رہی ہیں اور میں نے اس دوران یونیفارم بھی سلوالی ہے۔ کیسا لگا ہے یہ سن کر؟''
''بھئی! پہلے تو بہت بہت مبارک ہو۔ دوسرا یہ کہ مجھے جتنی پریشانی آپ کے رابطہ نہ کرنے کی تھی، وہ سب یہ سننے کے بعد خوشی میں بدل گئی ہے۔ واقعی یہ خوشی کی بات ہے۔ بہت بہت مبارک ہو!''

Digitized by Google

''خیر مبارک!''

''عاشفہ جی! آپ سے ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھئے نا!''

''عاشفہ جی! میں مبشر کا دوست ہوں مگر کلاس فیلو نہیں ہوں بلکہ ہم احمد صاحب کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے؟''

''واقعی؟... میں تو آپ کو مبشر کا کلاس فیلو سمجھتی رہی ہوں۔ آپ نے پہلے کبھی نہیں بتایا...!''

''پہلے مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ مبشر کا کوئی فرحان نامی کلاس فیلو بھی ہے۔ اب پتا چلا ہے تو میں نے آپ سے پوچھا ہے۔ اس کا مطلب ہے آپ مجھے نہیں جانتیں؟''

''نہیں تو...! اگر آپ وہ فرحان نہیں ہیں تو میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

''میں بی اے کر رہا ہوں اور احمد صاحب کے پاس پڑھنے آتا ہوں۔ یہیں مبشر سے دوستی ہوئی ہے۔ بہر حال آپ اس سے کچھ مت پوچھئے گا۔ خوامخواہ شک ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے! مگر اب تو تجسس ہو رہا ہے کہ آپ کیسے ہو گے؟''

''میں نے بھی تو صرف آپ کی آواز سنی ہے۔ اشتیاق تو مجھے بھی ہے کہ دیکھوں میری حسین آواز اور خوبصورت نام والی دوست کیسی ہے۔ آپ اگلے سوموار سے کالج جائیں گی نا؟''

''جی بالکل! میری تو بہت خواہش تھی کالج میں جانے کی۔ اب جاؤں گی تو خوب پڑھوں گی۔''

''ٹھیک ہے! میں سوموار کو یا پھر کسی دن آ کر آپ کو دیکھوں گا اور آپ کو بھی بتاؤں گا۔ آپ بھی مجھے دیکھ لینا۔ ٹھیک ہے؟''

''ٹھیک ہے۔ آپ اب تو ناراض نہیں ہیں نا؟''

''نہیں... بالکل نہیں! بلکہ میں تو آپ کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے پھر۔ ابھی اللہ حافظ۔''

''ٹھیک ہے۔ اللہ حافظ!''

☆☆☆☆☆

کالج شروع ہو گیا۔ عاشفہ اپنی دوست، نادیہ کے ساتھ کالج جانے لگی۔ گھر میں کچھ وقت فارغ ہو تو ہو، ورنہ عاشفہ بہت مصروف ہو گئی تھی۔ صبح کالج جانا، کالج سے واپس آ کر کالج کا کام، پھر گھر کے کام۔ مگر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو گیا اور عاشفہ کی زندگی ایک راہ پر چل پڑی۔ اس دوران فرحان سے بھی باتیں ہوتی رہتی تھیں اور کافی بے تکلفی بھی ہو چکی تھی۔ مگر ابھی تک وہ دونوں مل نہیں سکے تھے۔ عاشفہ مصروف تھی تو فرحان نے بھی جان بوجھ کر نرمی کی ہوئی تھی۔ پھر جب زندگی ایک ڈگر پر چلنے لگی تو فرحان نیا آگے بڑھنا چاہا۔

''السلام علیکم!'' عاشفہ نے فون کان سے لگاتے ہی کہا۔

''اُف میرے خدا...! اتنا حسن میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا عاشی! معاف کرنا میں بہت خوش ہوں۔ خوشی میں اگر کچھ بڑھ کر بول جاؤں تو معاف کر دینا۔ عاشی! تم بہت خوبصورت ہو۔ بہت زیادہ...!'' سلام کے جواب میں اتنا کچھ سننے پر عاشفہ کچھ حیران تھی۔

''آپ نے کہاں دیکھ لیا مجھے؟ مذاق کر رہے ہیں نا آپ؟''

''ارے نہیں... تم نے ہی تو بتایا تھا کہ کل تم پیازی رنگ کی ساری پہن کر جاؤ گی۔ شائد کالج میں کوئی فنکشن تھا۔ تو میں نے کہا آج تمہیں سرپرائز دیتا ہوں اور تمہارے سامنے جا کر کہوں گا، عاشی! تمہارا فرحان حاضر

ہے..... مگر تمھارے رعبِ حسن کے آگے ہمت ہی نہ ہوئی کہ تمھارے سامنے آتا۔ میری تو زبان گنگ ہوگئی تھی۔ حواس رخصت ہوگئے تھے اور میں وہیں منجمد کھڑا رہا۔''

''اوہ...! آپ نے بتایا کیوں نہیں کہ آپ آرہے ہیں؟ میں بھی آپ کو دیکھ لیتی۔''

''کہانا کہ سرپرائز دینا تھا۔ مگر تم تو میری توقعات سے بھی بڑھ کر حسین ہو!'' دل میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ بدن میں ٹھنڈی میٹھی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

''فرحان ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ میں تو بس عام سی لڑکی ہوں، ہر لڑکی کی طرح۔''

''نہیں... بالکل نہیں!'' عاشفہ کا چہرہ گلنار ہورہا تھا۔ خوشی اور شرم چہرے کو منور کئے ہوئے تھی۔ ادھر فرحان بولے جارہا تھا۔

''عاشی! تم بے پناہ حسین ہو۔ خدا کی قسم! تمہارے بال، تمہاری آنکھیں، ناک، ہونٹ، ٹھوڑی کا ہلکا سا خم، رخساروں میں پڑنے والے گڑھے، تمھارا رنگ، تمھاری چال، تمھاری ادا، تمھارا انداز... کس کس چیز کی تعریف کروں؟ خدا نے حسن کو تم میں یکجا کردیا ہے۔ تم لاجواب ہو، بے مثال ہو عاشی...! مجھے تو لگتا ہے تم سے بہتر جیون ساتھی مجھے مل ہی نہیں سکتا۔ عاشی خدا کے لئے... میری زندگی بن جاؤ نا.....!''

عاشی کا تنفس تیز ہوگیا تھا اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ 'آج کیا کہہ دیا ہے فرحان نے؟ میں ایسی خوبصورت ہوں؟'

''فرحان... فرحان...! میں خوشی سے مر نہ جاؤں۔ مجھے تو اپنی قسمت پر رشک آرہا ہے کہ آپ مجھے اتنا چاہتے ہیں۔ اتنی چاہت کا تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔'' عاشی جذباتی انداز میں بولے جارہی تھی۔

''کچھ نہ بولو عاشی!'' فرحان نے عاشی کو بولنے سے روک دیا۔ ''تم اس دنیا کی سب سے حسین مورت ہو۔ چاہے جانے کے قابل۔ میں تو خوش قسمت ہوں کہ قدرت نے مجھے تم سے ملا دیا۔ ورنہ تم جیسا ساتھی تو مجھے کہیں نہ ملتا۔ تم میری زندگی، میری جان، میرا سب کچھ تم ہو عاشی! صرف تم.....!''

''فرحان! مجھ سے اتنی خوشی برداشت نہیں ہورہی۔'' واقعی عاشفہ کا چہرہ متغیر ہورہا تھا۔ اس جملے کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور گالوں پر لڑھک آئے۔ ضبط کرنے کی کوشش کی مگر آنسو اور زیادہ شدت سے بہنے لگے تو عاشفہ نے فون بند کردیا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ ضروری نہیں کہ انسان غم میں ہی روئے۔ بعض اوقات بہت زیادہ خوشی بھی رُلا دیتی ہے۔

☆☆☆☆☆

''کیا ہوا عاشی جان؟ ایسی کون سی بات بری لگی کہ رو رہی ہو؟ یار! اگر کچھ برا لگا ہے تو معاف کردو... میں معذرت خواہ ہوں... تمھارا فرحان.....!''

''پیارے فرحان! مجھے کچھ برا نہیں لگا۔ بلکہ بہت اچھا لگا سب۔ میں کیا کروں؟ زندگی میں مجھے کبھی اتنی خوشی نہیں ملی جتنی اِ؟ ج ان لمحات میں مل گئی ہے۔ اس لئے رونا اِ؟ گیا ہے اور معاف کرنا میں ابھی اس حالت میں بات نہیں کرسکوں گی۔ مجھ سے بولا ہی نہیں جائے گا۔ میں بہت خوش ہوں اور اتنی ساری خوشی دینے کا تو میں شکریہ بھی ادا نہیں کرسکتی۔ لفظ 'شکریہ' مجھے بہت چھوٹا محسوس ہورہا ہے۔ مگر پھر بھی، فرحان! اِ؟ پ کا بہت بہت شکریہ..... اِ؟ پ کی اور صرف اِ؟ پکی... عاشی.....!''

☆☆☆☆☆

''عاشی کیا بات ہے؟... کیا ڈھونڈ رہی ہو؟'' نادیہ نے عاشی سے پوچھا تو وہ بولی۔

''کچھ نہیں!''

Digitized by Google

''کچھ تو ہے... صبح کالج آتے ہوئے بھی تم کسی کو ڈھونڈ رہی تھی اور اب چھٹی کے وقت بھی!''
''اچھا بابا!!... مان لیا... بتا دوں گی!! مگر پہلے ادھر اُدھر دیکھ کر یہ بتاؤ کہ یہاں کون ہے جو صرف مجھ میں دلچسپی لے رہا ہو؟'' عاشفہ نے کہا تو نادیہ نے رک کر اسے گھورنا شروع کر دیا۔

......☆☆......

ابن صفی بیمار ذہنوں کا مسیحا......ڈیشنگ ایجنٹ (حیدر الحسینی)

''ابن صفی ایک عہد ایک رجحان'' سلسلے کی کامیابی پر اول تو منتظمین کو ڈھیروں مبارکباد، یقیناً یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں، اس طرح ایک منظم جہد مسلسل کرنا اور ابن صفی صاحب کی تعلیمات سے روشناس کروانا، ان کے نظریات کو ان کے افکار کو دنیا کے روبرو لانے میں ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ ہمارے ایڈمن اور اس سلسلہ کے منتظمین نہایت محنت سے اپنے حصے کا کام کر رہے ہیں۔

انیسویں صدی کا تقریباً وسط تھا، فحاشی کی چھپکلی بہت سوں کے سر پر سوار تھی، بے حیائی نے سبھی کی ذہنی رو بہکا رکھی تھی، فحش لٹریچر کے گدھ بھی کے ذہنوں کو رسیلی جلیبیوں کی طرح چیچوڑ رہے تھے، الغرض فحاشی کے اس دور پرفتن میں اقبال کے مرد مومن نے قلمی جہاد شروع کیا، شاہین جس کا بسیرا عالم لاہوت سے بھی کہیں آگے تھا نے اپنے قلم کو فحاشی کے خلاف شمشیر بے نیام کی طرح استعمال کیا۔

چند دوستوں میں بیٹھا اسرار احمد ابن صفی اس وقت طغرل فرغان و دیگر قلمی ناموں سے فحاشی کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکا تھا، وہ ایک چیلنج، حقیقتاً ایک بہت بڑا چیلنج خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے، صرف چیلنج قبول ہی نہیں کرتا بلکہ سج سج اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو جاتا ہے۔

اس وقت تک کون جانتا تھا کہ دلیر مجرم کی جانب اٹھتے ہوئے قدم کے بعد شروع ہونے والا سفر آخری آدمی تک بھی ختم نہیں ہو پائے گا، راستے میں شعلوں میں پڑاؤ ہوگا، کہیں درندوں کی بستی میں دم لیا جائے گا تو کہیں ریگم بالا میں چ؟ ولداریاں نصب ہوں گی۔

کہیں ایڈلاوا مد مقابل ہوگا تو کہیں دیو پیکر درندے سے پنجہ آزمائی ہوگی، کہیں چار شکاریوں سے پالا پڑے گا تو کہیں پہاڑوں کی ملکہ کی مہمان نوازی نصیب ہوگی، کون جانتا تھا کہ راہ میں شاہی نقارہ تک پھونکنے کی نوبت آن پڑے گی، خون کے دریا میں ڈبکیاں لگیں گی تو کہیں آتشی پرندے سے بچنا پڑے گا، تلاش گمشدہ کے اشتہارات بھی سامنے آئے مگر یہ مرد مومن اپنی ڈگر پر قائم رہا۔

یہ سفر کہیں تو حسین تھا مگر کہیں سارقین و نقال حضرات کی بدولت کئی بار کئی پریشانیاں لاحق ہوئیں مگر اس مرد مومن کا سفر کہیں رکا نہیں، وہ مسلسل اپنی راہ لگا رہا اور پھر تاریخ نے وہ دور بھی دیکھا جب کسی سپرہٹ اداکار کی فلم کے شائقین جس طرح قطاریں باندھ کر سارا سارا دن سارے کام دھندے چھوڑ کر ٹکٹ لیتے تھے ویسے ہی اس مرد مومن کے ادبی شاہکار بکنے لگے۔

عمران کے کھلاڑی اور فریدی کے جیالے ان کے قلم سے نکلے الفاظ کا اس طرح انتظار کرتے جیسے کوئی صائم افطار کا، تاریخ نے دیکھا کہ اس مرد مومن کی زندگی میں ہی اس کے کئی ہم نام کھڑے ہوئے اور ایک ایک کر کے ڈھیتے چلے گئے کہ اس بلند قد والے کے سامنے کون ٹک سکتا تھا۔

تاریخ نے کئی ابن خصیوں کو جنم لیتے اور گمنامی کے ''ہولناک ویرانے'' میں دم توڑتے دیکھا، تاریخ نے یہ بھی

Digitized by Google

دیکھا کہ جہد مسلسل کی تکان دور کر کے اٹھنے والے شہباز نے جب پر پ؟ ڑپ؟ ڑائے تو مہاجر پرندے ت؟ ر ت؟ رکا پہنے لگے۔

چند ایک جنہوں نے اپنی راہیں نکالیں ان کا اس انداز سے خیر مقدم کیا گیا کہ وقت کا دیوتا بھی حیران کھڑا اس فرشتہ صفت شخص کی خودی کو تکتا رہ گیا۔

یہی وہ علاج تھا جو بیمار ذہنوں کا محترم ابن صفی نے اپنے غیر متزلزل عزم سے کیا، اپنی سربلند خودی سے کیا، اپنے قلم بے نیام و بے نظیر سے کیا۔

یہی وہ علاج تھا جو محترم ابن صفی نے اپنے ادبی نشتر سے فحاشی زدہ خون والے سر کو پچ؟ نے لگا کر کیا، اور ادبی جغادریوں کو ان کی اس طاقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

یہی وہ علاج تھا جسے محترم ابن صفی نے اخلاقیات کی ویکسین دے کر فحاشی کو ناسور میں بدلنے سے پہلے ہی جڑ سے اکھاڑ پھینکا، گندے اور مسموم ہو چکے ذہنوں کو نوک قلم سے ایسے ایسے انجکشن دیے کہ فحاشی کا کینسر جیسا موذی مرض آہستہ آہستہ ختم ہوتا چلا گیا۔

یہی وہ علاج تھا جو محترم ابن صفی نے اسلام کی نرم و نازک گفتگو کرتے ہوئے سرانجام دیا، ہر ممکن طریقے اپنے قارئین کی اخلاقی و معاشرتی تربیت کی، ان کے ذہنوں کو ایک خاص طریقے سے آسان اور عام فہم الفاظ میں اپنا گرویدہ بنایا، ایسا کون سا رنگ ہے جو ابن صفی صاحب کے یہاں نہیں ملتا۔ اور رنگ بھی کیسے.....! منفرد اور ایکدوسرے سے جدا۔

سیاست کے شیدائیوں کو کبھی ٹھنڈی آگ سے بہلایا تو کبھی ایڈلا واسے، پاک محبت دیکھنی ہو تو حمید اور شہناز کو دیکھو، ثقافت کے دلدادہ افراد کو درندوں کی بستی گمائی، اسلامی بہن بھائیوں کو کبھی مایوس نہیں کیا حوالے کے لئے بہت سے ناولوں میں اسلامی اقوال زریں دیکھے جا سکتے ہیں۔

خیر اب طوالت کا اعتراض ہونے والا ہے تو بس یہیں اختتامیہ کرتا ہوں، ان الفاظ میں کہ ابن صفی بیمار ذہنوں کے مسیحا تھے۔

.....☆☆.....

ابن صفی مجرمانہ نفسیات کے بہترین عکاس.....ادا علی

"قلم کے ذریعہ تخلیق ہونے والی کوئی بھی صنف اُس وقت تک دلوں پر اثر نہیں کرتی جب تک وہ انسانی نفسیات کے مطابق نہ ہو...!"

اردو ادب کے ابتدائی دور سے آج تک کی تصانیف دیکھیں تو مندرجہ بالا جملے میں کافی حد تک صداقت نظر آئے گی، اردو نثر اور نظم اِس کا منہ بولتا ثبوت ہیں، ہر دور میں انسانی نفسیات سے قریب ترین تصانیف ہی انسان کی پہلی پسند رہی ہیں۔

اشعار بھی وہی دل میں اترتے ہیں، جو اپنے مزاج کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقت سے قریب ترین ہوں، بقول اسرار احمد نارو ی:

"بالآخر تھک ہار کے یارو ہم نے بھی تسلیم کیا
اپنی ذات سے عشق ہے سچا، باقی سب افسانے ہیں"

نثر اور نظم کی متعدد اصناف ہیں جن پر ماہرین نے طبع آزمائی کی اور ہر طرح کے مضامین لکھے، اگر شاعری پر نظر ڈالیں تو ایک طرف غزل جیسی صنف ہے جو صرف عشق و عاشقی اور محبوب سے گفتگو کے لئے مخصوص تھی لیکن اب

Digitized by Google

حالاتِ حاضرہ کے مضامین بھی اپنے اندر سموئے ہوئے نظر آتی ہے، دوسری طرف نظم جدید اور آزاد ہو کر نئے نئے موضوع اپنے اندر قید کر رہی ہے۔

وہیں نثر میں مختلف مضامین ہمارے ذوقِ مطالعہ کی تسکین کے لئے موجود ہیں..... رومانی، سماجی، سسپنس، تحقیقی اور تاریخی ہر طرح کی نثر دستیاب ہے، ہم جس طرح کی نثر پسند کرتے ہیں ہمیں مل جائے گی، بس ان منفرد موضوعات میں سے ہر ایک کے لئے ہم کو ایک الگ کتاب دیکھنی ہوگی۔

یہاں ان مختلف نثر پاروں کے ساتھ اگر جاسوسی ادب کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ ناانصافی ہوگی، اور ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جاسوسی ادب ایک ایسی صنف ہے، جس کا نام سنتے ہی عام ذہن میں جو پہلا تاثر ابھرتا ہے وہ صرف قتل، غارت گری، چوری، اور خوں ریزی، کا ہی ہوتا ہے۔

لیکن لائقِ ستائش ہیں وہ عظیم مصنف ابنِ صفی جن کے جادوئی قلم سے ایسا جاسوسی ادب منظرِ عام پر آیا جس میں انسانی زندگی سے متعلق ہر احساس ہمیں ملتا ہے، ان کے سبھی ناول سماجی زندگی کے مسائل، رومانی احساسات، تاریخی واقعات، تحقیقی اقتباسات اور تجسس کے اسرار سے آراستہ نظر آتے ہیں۔

یہ ناول انسان کے ذہن پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں کہ قاری ناول میں ڈوب جاتا ہے اور خود کو اسی ناول کا کردار سمجھ کر ناول کے واقعات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور جب تک وہ ناول مکمل نہ کر لے اس سحر سے آزاد نہیں ہو پاتا، بقول اسرار احمد ناروی:

"ڈوب جانے کی لذتیں مت پوچھ
کون ایسے میں پار اترا ہے"

یہ ابنِ صفی صاحب کا ہی کمال تھا کہ جاسوسی جیسی عام طور پر مار دھاڑ والی سمجھی جانے والی صنف میں انہوں نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو بہت خوبصورتی سے اجاگر کیا، مجرم کو ملنے والی سزا کے ساتھ ساتھ ان کا ارتکازِ وجہ جرم پر بھی رہا اور اسی بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا کہ انہوں نے زیادہ تر ناولوں میں وجہ جرم کی نشاندہی خاص طور سے کی، اصلاح کا یہ انداز بہت انوکھا ہے کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا مجرم جب ان ناولوں میں اپنے عبرتناک انجام تک پہنچتا ہے تو قاری کو اس سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے... اور دل میں بے اختیار یہ خیال آتا ہے کہ اگر اس کے ساتھ ماضی میں یہ سب نہ ہوا ہوتا تو یہ بھی ایسا مجرم نہ بنتا۔

اور یہی احساس قاری میں اپنے اطراف نظر رکھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ وہ جرم کی وجوہات کو ختم کرنے میں اپنا کردار نبھائے، اور کوئی مجرم نہ بننے دے۔

جھوٹ جو اس معاشرے کی ایک ایسی برائی ہے جو سب برائیوں کی جڑ ہونے کے باوجود بھی بہت معمولی سمجھی جاتی ہے، قاری ان وجوہات پر نظر رکھنا شروع کر دیتا ہے کہ کوئی بچہ جھوٹ کیوں بولنے لگا ہے؟ کیا اُس پر بے جا سختی ہو رہی ہے؟ اگر کوئی چوری کر رہا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس کو اپنے کام کی مناسب اجرت نہیں مل رہی؟ یہ تو بہت عام سی مثالیں ہیں، اصل میں یہ ناول انسانی نفسیات سے اتنے قریب ہیں کہ اپنے قاری کو اپنے اطراف میں گہری نظر رکھنے کا عادی بنا دیتے ہیں۔

یہاں پر مجھے جو بات خاص طور پر ذکر کرنا ہے وہ یہ کہ ابنِ صفی صاحب نے اپنے ناولوں میں مجرم اذہان کی نفسیات کو اس خوبی بیان کیا ہے کہ وہ سرگرمی جو کہ ایک مجرم کی ہوتی ہے ہمارے ذہن کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ ان حالات میں وہ یہی کر سکتا تھا؛

مثال کے طور پر یہ اقتباس دیکھیں۔

"میں کل ضرور آؤں گا..... شکریہ۔"

Digitized by Google

"ٹھہرو۔" لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "مقصد کیا ہے؟"
"جب تک تم پتلون پہننا نہ چھوڑو گی میں تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں گا، جس دن میں نے تمہیں غرارے، شلوار یا اسکرٹ میں دیکھ لیا، اسی دن سے تم میری شکل بھی نہ دیکھو گی۔"
"تم سے مطلب؟ میں جو چاہے پہنوں، تم کون ہوتے ہو؟" لڑکی پھر جھنجلا گئی۔
"میں تمہارا منگیتر ہوتا ہوں اور تب تک رہوں گا جب تک پتلون، تم مجھے نہیں جانتیں مجھے ایک عورت کے جلنے کا انداز ناپسند تھا لہٰذا اس کے شوہر سے ایسے میں نے طلاق دلوادی حالانکہ میرے پانچ ہزار روپے ضرور خرچ ہو گئے لیکن شہر میں وہ چیز تو نہ رہی جو ناپسند تھی، تم پر بھی دو چار ہزار خرچ کر دوں گا پھر یا تو تمہیں شہر چھوڑنا پڑے گا یا پتلون۔"
"ارے تم خدائی فوجدار ہو؟" لڑکی دانت پیس کر بولی۔
"خدائی فوجدار کا حولدار میجر۔" عمران نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔
لڑکی چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "اگر میں شور مچادوں کہ تم مجھ سے بدتمیزی کر رہے ہو تو؟"
"ارے خدا کے لئے مچاؤ بھی میں یہی چاہتا ہوں کہ تم شور مچاؤ اتنی دیر سے جھک کیوں مار رہا ہوں مقصد یہی ہے کہ تم شور مچاؤ۔"
"کیا کرو گے تم؟"
"دنوں کا کام گھنٹوں میں ہو جائے گا تم کل سے ہی پتلون پہننا چھوڑ دو گی کہو تو پوری اسکیم بتادوں تم شور مچاؤ گی لوگ اکٹھا ہوں گے میں کہوں گا کہ یہ میرے بیوی ہے دو سال پہلے اپنے دادا زاد بھائی کے ساتھ بھاگ گئی تھی کارڈ پر تمہارا نام زیبا تحریر ہے میں جنت بی بی بتاؤں گا کہ یہ اسی لئے پتلون ڈالے پھرتی ہے کہ اسے کوئی پہچان نہ سکے چلو شور مچاؤ ہاہاہا۔"
"کتے کمینے۔" وہ کلکلا کر زیر لب بڑبڑائی۔
"میں صرف دو منٹ تک اور تمہارے شور مچانے کا انتظار کروں گا۔"
لڑکی یک لخت دوسری طرف مڑ کر چل پڑی عمران نے بھی وہی حرکت کی وہ مختلف سمت میں مڑا تھا پھر چلتے چلتے دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر چل پڑے۔ بظاہر عمران کی یہ حرکت احمقانہ تھی، لیکن حقیقتاً اس کی تہہ میں بہت کچھ تھا، زیبا کے بجائے اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو عمران کی اس حرکت پر ہلڑ مچائے بغیر ہرگز نہ مانتی، مگر وہ صرف جھنجلا کر رہ گئی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بڑی مشکل سے ضبط کر رہی ہے عمران نے اس سے ایک ہی نتیجہ نکالا کہ اس کے ہاتھ ضرور ملوث ہیں اسی لئے وہ اپنی تشہیر سے ڈرتی ہے۔ اس وقت اس کا کسی قسم کا اقدام بھی پولیس کیس بن سکتا تھا۔ لیکن وہ پولیس کی نظر میں آنے سے کتراتی ہے۔ کیونکہ اس کا ضمیر بھی احساسِ جرم کا شکار ہے۔

[#ناول_ لڑکیوں_ کا_ جزیرہ_ عمران_ سیریز]

اور جب آپ پورا ناول پڑھتے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعی ایسا تھا، اس مکالمے کے جملوں کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ اس طرح کے حالات میں ایک لڑکی یہی سب بول سکتی ہے اور آخیر میں بے بسی کی انتہا پر جو دو لفظ بہت جھنجلا کر، کلکلا کر بولے گئے ہیں وہ "کتے کمینے" کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے تھے۔
آیئے آپ کو آگے لے چلتی ہوں، ناول میں موجود ایک ایسے ہی فطری فعل کی طرف، آپ بھی لوگ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ:
"جب بھی کوئی نقب زن کسی مضبوط عمارت میں نقب لگاتا ہے تو وہ اس عمارت کی کمزور ترین دیوار کو اپنا نشانہ

Digitized by Google

بنا تا ہے۔"
یہ اقتباس پڑھیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ ابن صفی صاحب نے مجرم ذہن کی نفسیات کو کس خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔
شمی اس کے قریب بیٹھ گئی۔ "تم کون ہو، مجھے بتاؤ کیوں رو رہی ہو؟" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔
دفعتاً اس لڑکی نے اپنا لبادہ سرکا کر اُسے اپنی داہنی پنڈلی دکھائی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ لڑکی سر سے پیر تک سنہری تھی لیکن خون سرخ ہی تھا جیسا سب کا ہوتا ہے۔
"ٹھہرو...... ٹھہرو...... اوہ تم زخمی ہو۔" شمی نے کہا اور دوزانو بیٹھ کر اپنے دوپٹے کے آنچل سے زخم صاف کرتی ہوئی بولی۔ "تم میرے گھر چلو میں اس کی ڈریسنگ کر دوں گی۔"
لیکن لڑکی کچھ نہ بولی۔
"چلو۔" شمی نے پھر کہا...... کئی زبانوں میں شمی نے بات کی لیکن وہ لڑکی کچھ نہیں سمجھ سکی۔
آخر شمی نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر وہیں زخم کی ڈریسنگ شروع کر دی، جب وہ ڈریسنگ کر چکی تو لڑکی نے اس کے ہاتھوں کو بوسے دیئے اور انہیں اپنے سر پر رکھ لیا، اس کے بعد شمی کو بھینچ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک سنہری سلائی سے سنہری تحریر لکھ کر تھمائی اور اپنی گولے نما مشین میں بیٹھ کر واپس چلی گئی۔"
اگلے دن......
سنہری لڑکی کپل ٹیگاز نام کا ایک آلہ لے کر آتی ہے اور اس کو کانوں پر اس طرح چڑھا لیتی ہے کہ اس کے ہونٹوں کی حرکت اس میں چھپ جائے۔
"تمہیں حیرت ہے؟" سنہری لڑکی پھر بولی۔ "میں تمہاری زبان نہیں بول سکتی تھی، لیکن یہ آلہ مجھے نہ صرف تمہارے خیالات سے آگاہ کرتا ہے بلکہ میرے خیالات تمہاری ہی زبان میں تمہارے کانوں تک پہنچاتا ہے۔"
"تب تو یہ جادو ہے۔"
"نہیں یہ سائنس ہے، ہم سپارسیا کے باشندے بہت ترقی یافتہ ہیں، مگر تم یہ تو بتاؤ کہ یہ کون سا سیارہ ہے؟"
"زمین۔" شمی نے کہا اور اس کا دل پھر دھڑکنے لگا۔
"زمین...!" سنہری لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "میں یہ نام پہلی بار سن رہی ہوں، میں تو سمجھی تھی کہ میں ریامی پہنچ گئی ہوں۔"
اور پھر نے گراز میں لگی ہوئی اسکرین پر دکھا کر وہ لڑکی جس چمکدار سیارے کو سپارسیا بتاتی ہے وہ دراصل زہرہ (وینس) ہوتا ہے، اور زمین کا نام ریامی بتاتی ہے۔
پھر وہ لڑکی شمی سے کہتی ہے "اگر میں اپنی اس اتفاقیہ دریافت (یعنی زمین) کا اعلان سپارسیا میں کر دوں تو جانتی ہو میرا کیا مقام ہو؟"
"تمہارا شمار وہاں کی بہت بڑی ہستیوں میں ہونے لگے...!"
"مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔"
"کیوں؟"
"محض تمہاری وجہ سے مجھے ریامی کے باشندوں سے ہمدردی ہوگئی ہے، اگر سپارسیا والوں کو اس کا علم ہو جائے تو وہ ڈولیڈ ہی کی طرح ریامی کو بھی تباہ کر دیں، تم لوگ سپارسیا والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، سپارسیا کے صرف دس آدمی اور ایک نے گراز پورے ریامی کو تہہ و بالا کر دینے کے لئے کافی ہوں گے اور تم میں سے جو بچیں گے وہ سپارسیا والوں کے غلام کہلائیں گے۔"

Digitized by Google

"اوہ...!" شمی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
"اور اگر تم نے یہاں کسی سے میرا تذکرہ کیا تب بھی میرا فے گراز خطرے میں پڑ جائے گا اور پھر شاید میں کبھی سپارسیا بھی واپس نہ جا سکوں۔"
"ہاں تم مصیبت میں پڑ سکتی ہو۔" شمی نے تشویش کن لہجے میں کہا۔
"بس اگر تم یہ چاہتی ہو کہ ہم ایک دوسرے سے ملتے رہیں تو کسی کو بھی میرے متعلق نہ بتانا حتیٰ کہ اپنے پاپا کو بھی اس سے لاعلم ہی رکھنا، تم نے ابھی بتایا کہ وہ سائنٹسٹ ہیں، لہٰذا وہ بھی میرے فے گراز کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، دیکھو میں پھر کہتی ہوں اگر تم نے کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا تو میری موت کی تم ہی ذمہ دار ہو گی۔"
"نہیں میں کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کروں گی، چلو میرے ساتھ میرے گھر چلو۔"
"پھر کبھی، ابھی مجھے واپس جانا ہے۔"
اور پھر اگلے دن وہ شمی کی مدد سے ڈاکٹر داور کے بنگلے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔
[#ناول_پہاسا_سمندر_عمران سیریز]
یہ اقتباس پڑھ کر ہمیشہ یہی سوچا کہ کیا کسی ایسے محفوظ مقام پر پہنچنے کے لئے اس سے بہتر کوئی نفسیاتی طریقہ ہو سکتا تھا، جہاں پہرہ بھی ہو؟ ایسے متعدد واقعات ہم کو عمران سیریز اور جاسوسی دنیا میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں جو مجرمانہ نفسیات کے بہترین عکاس ہونے کے ساتھ حیرت انگیز ہوتے ہوئے بھی حقیقت محسوس ہوتے ہیں۔
تحریر کی طوالت کا خیال میرے قلم کو بار بار روک رہا ہے لیکن یہ اقتباسات اور شامل کرنا چاہتی ہوں، ایک طرف تو یہ اطمینان ہے کہ یہ اقتباسات آپ کو بور نہیں ہونے دیں گے اور دوسری طرف مضمون میں ناولوں میں سے پانچ حوالے دینے کی اجازت ہے۔
"مجھے ان لفافوں سے کوئی سروکار نہیں، تمہارا جو دل چاہے کرو۔" سر سلطان بولے۔ "مگر عمران تم نے اسے پکڑا کیسے؟"
"یہ نہ پوچھیے تو بہتر ہے، مجھے اس کے لئے ایک بہت ہی ذلیل قسم کی حرکت کرنی پڑی ہے۔"
"یعنی؟"
"فففف..... آپ پوچھ کر ہی رہیں گے، لیکن اگر والد صاحب کو اس کا علم ہو گیا تو مجھے عاق ہی کر دیں گے۔"
"بتاؤ..... نہیں تو مارتا ہوں چانٹا۔"
"مجھے داؤد کی بیوی سے وہ کرنا پڑا تھا۔"
"کیا؟"
"وہی۔"
"کیا بکتے ہو؟"
"جی ہاں عشق۔" عمران شرما کر بولا، پتہ نہیں یہ ایکٹنگ تھی یا حقیقت۔
"کیا مطلب...؟"
"بلیک میلر ہر وقت مواد کی تلاش میں رہتا ہے، میں نے سوچا کیوں نہ اسی لائن پر تجربہ کیا جائے لہٰذا میں نے داؤد کی بیوی میں دلچسپی لینی شروع کر دی اور ساتھ ہی اس کا جائزہ بھی لیتا رہا کہ ہم دونوں میں کون زیادہ دلچسپی لے رہا ہے، پینگیں بڑھتی رہیں اور ایک آدمی سائے کی طرح ہم دونوں کے پیچھے لگا رہا، یہ جواد اکرم تھا، پھر پرسوں اس نے چھپ کر ہم دونوں کی تصویر لے ڈالی، جس میں بظاہر ہم دونوں مشتبہ حالت میں نظر آتے ہیں لیکن حقیقت

Digitized by Google

صرف اتنی تھی کہ میں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے تھے اور وہ ہنستے ہنستے دوہری ہو کر مجھ پر جھک آئی تھی، یہ تصویر اس کے لئے بڑی منفعت بخش ثابت ہوتی، وہ داؤد کے ساتھ ہی ساتھ اس کی بیوی کو بھی بلیک میل کر کے بڑی بڑی رقمیں اینٹھنا شروع کر دیتا، بہر حال میں اس سے واقف تھا کہ تصویر لینے والا جواد اکرم ہی ہے، کیونکہ وہ شروع سے ہی ہمارا تعاقب کرتا ہوا جھاڑیوں تک پہنچا تھا۔"

پھر عمران نے اپنے اس عشقی کی داستان تفصیل سے دہرائی اور خاموش ہو گیا۔

"عمران۔" سر سلطان سنجیدگی سے بولے۔ "واللہ! تم بلا کی کھوپڑی رکھتے ہو، بھلا اس کے علاوہ اور کیا تدبیر ہو سکتی تھی۔"

[#ناول_رات_کا_شہزادہ_عمران_سیریز]

ایک بلیک میلر کی ذہنیت کو سمجھاتے ہوئے مجرم کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ قارئین کے لئے اس میں واضح نصیحت بھی ہے، کسی کی بلیک میلنگ کا نشانہ نہ بنیں، دنیا میں ہر جگہ ہر قسم کے لوگ ہیں، جو بلیک میل کر کے رقم نہ بھی اینٹھیں لیکن مجبور کر کے غیر اخلاقی کاموں میں بھی پھنسا سکتے ہیں اس لئے محتاط رہیں۔

اور اب آخیر میں میری ایک پسندیدہ سیریز کا یہ اقتباس ضرور پڑھیں، ساتھ ہی یہ بھی بتائیں کہ واقعی یہ اس مضمون کے موضوع کے مطابق ہے یا نہیں، جب کہ یہ اس مضمون میں شامل چوتھا اقتباس ہے لیکن سچ مچ آخری ہے۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک عجیب الخلقت آدمی اندر داخل ہوا وہ پتلا اور چھوٹے سے قد والا تھا، سر کے بال بے داغ سفید تھے، آنکھوں میں وحشت تھی، اس کے پیچھے دو قوی ہیکل باڈی گارڈ تھے جنہوں نے ہاتھوں میں مشین پستول سنبھال رکھے تھے۔

دفعتاً بوڑھا شکرالی میں بولا۔ "تم سب خوش تو ہو نا؟"

"بہت زیادہ...!" عمران نے جواب دیا۔

"نہیں..... ناخوش معلوم ہوتے ہو۔"

"وہ کس طرح؟"

"تم نے مجھے دیکھ کر قہقہے نہیں لگائے۔" بوڑھے نے بچکانہ انداز میں کہا۔ "میں جنرل ایڈون ٹرنڈاون لیکو ہاسٹ ہوں۔"

"تم سے مل کر خوشی ہوئی، لیکن اتنے لمبے نام کے باوجود بھی اتنے ڈرا سے کیوں ہو؟"

"خاموش بدتمیز۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا تھا اور اسے کھانسی آنے لگی، پھر اس نے اپنے باڈی گارڈ کی طرف مڑ کر انگلش میں کہا۔ "ان لوگوں پر میرا ذرا سا بھی رعب نہیں پڑا۔"

"پڑا ہے یور آنر، آپ کو اس کی وجہ سے کھانسی آنے لگی ہے۔"

"تم کہتے ہو تو مانے لیتا ہوں۔"

پھر شکرالیوں کی طرف مڑا اور ان کی زبان میں بولا۔ "میں ستر ایسی زبانوں کا ماہر ہوں جو تحریر میں نہیں آتیں۔"

"پھر وہی عرض کروں گا جنرل صاحب آپ اتنے ڈرا سے تو ہیں اور میرا باپ بھی اتنا ذرا ہی سا ہے، اس کا نام ہے سنجیدہ خان محتاط، دیکھا کتنا بڑا نام ہے.....! بس ثابت ہوا کہ اگر قد سے بڑے نام نہ اختیار کئے جائیں تو۔"

اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی بوڑھا چیخا۔ "تم نے دیکھا وہ بھی میری ہی طرح عظیم ہو گا۔"

"کیا کہنے عظمت کے۔"

Digitized by Google

"کیا مطلب؟"

"کچھ بھی نہیں ایڈون ٹرنڈاؤن لیکز ہاسٹ۔"

"تم بہت ذہین معلوم ہوتے ہو، ایک ہی بار میں تمہیں میرا پورا نام یاد ہو گیا۔" بوڑھا خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"اپنی آمد کا مقصد بیان کرو جنرل۔"

"دیکھنا چاہتا تھا مستقبل کے آدمیوں کو۔"

"آدمی ایسے ہوتے ہیں؟" عمران چاروں طرف ہاتھ گھما کر بولا۔

"میں نے مستقبل کے آدمی کہا تھا، جس رفتار سے آدمی ترقی کر رہا ہے وہ اسی طرف لے جائے گی۔"

"میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہتے ہو جنرل، میں تو تم سے متفق ہوں جنرل، مجھے خوشی ہے، ہم سب مستقبل کے آدمی ہیں، حال سے تو تنگ آ گئے تھے۔"

"اگر اسی طرح متفق ہوتے رہے تو حکومت کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ میں ہو گی، دارالحکومت چلنے کے لئے تیار رہو...!"

"جیسا حکم جنرل۔"

"بہت اچھے، بہت اچھے، تم تو میری توقعات سے بڑھ کر ثابت ہو رہے ہو، اب میں جا رہا ہوں تھوڑی دیر بعد تمہیں روانگی کی اطلاع مل جائے گی، میرا نام یاد رکھنا۔"

"ہمیشہ یاد رکھوں گا جنرل۔" وہ چلا گیا اور لشکرالی عمران کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔

"آخر یہ کیا شے تھی؟" شہباز نے پوچھا۔ "بڑی مشکلوں سے قہقہے روک سکا تھا۔

"خدا ہی جانے کیا چکر ہے۔" عمران نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"کیوں کیا تم اور کوئی بڑا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" عمران نے کہا اور نکولس طرف مڑ کر انگلش میں بولا۔ "کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا یہ ان ہی تین بڑوں میں سے ایک ہو سکتا ہے جس کا ذکر لیزا نے کیا تھا؟"

"یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا، کیا تم نے اس کی باتیں نہیں سنی تھیں اس کے باڈی گارڈ نے بھی اس کا مضحکہ اڑایا تھا لیکن تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہو؟"

"میں سوچ رہا ہوں وہی لوگ زیادہ تر انسانیت کی سطح سے گر جاتے ہیں جنہیں دوسرے مضحکہ خیز سمجھتے ہیں اور مسلسل احساسِ کمتری میں مبتلا کرتے رہتے ہیں۔"

"یہ بات تو سوچنے کی ہے۔"

"یہی اندازہ کرنے کے لئے میں نے اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔" عمران بولا۔

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔"

"اور وہ اسی لئے بار بار میرے متفق ہونے کا ذکر کر رہا تھا کہ یہ خود اسی کا کارنامہ ہے۔"

"تمہارے اندازے ابھی تک تو غلط نہیں ہوئے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" عمران سر ہلا کر بولا تم لوگ سفر کی تیاری کرو۔

[#ناول_تین_سنکی_عمران_سیریز]

یہ ہے ابنِ صفی کے قلم کا کمال کہ مجرم کی نفسیات کو اتنے اچھوتے انداز میں بیان کیا کہ قاری بے شک ناول کا یہ اقتباس پڑھ کر قہقہہ لگا اٹھتا ہے، لیکن دوسری طرف دل میں یہ خیال ضرور گزرتا ہے کہ کسی کا مذاق بنانا کتنی غلط بات ہے، وہ ایک سیدھے سادے انسان کو مجرم بنا دیتا ہے، یہ انہیں کا انداز ہے کہ اپنے قاری کو ناولوں کے ذریعہ تفریح

Digitized by Google

مہیا کرانے کے ساتھ ذہنوں میں ایک مختلف اندازِ فکر کی بنیاد ڈالی۔
وجہ جرم کی طرف واضح اشاروں کے ذریعہ ایک صحت مند معاشرے کی تخلیق میں اپنا کردار نبھانے کا سلیقہ سکھایا، مجھے یقین ہے کہ بہت سے قارئین ان کے قلم کی روشنی سے فیضیاب ہوئے ہوں گے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ابن صفی صاحب کے اس کارِ خیر کا بہترین اجر عطا فرمائے کہ وہ سب سے بہتر جزا دینے والا مہربان ہے...... آمین ثم آمین۔
ابن صفی کے لئے التماسِ سورۃ فاتحہ۔

......☆☆......

ابن صفی کی ناول نگاری کا تنقیدی جائزہ......جوہر عباس

میں عمر کے بارہویں سال میں تھا اور چھوٹا بھائی ساڑھے نو برس کا، عمر کے اس حصے میں اور اس معمولی سے فرق میں عموماً چھوٹے بھائی بڑے سے کم نہیں پڑتے مگر وہ پڑتا تھا، میری ہر بات مانتا تھا دستر خوان پر پانی لا کر رکھتا تھا بستر وہی بچھاتا تھا اور دروازہ کھلا رہ جائے تو سردیوں میں کمبل سے نکل کر وہی بند کرتا تھا اس لئے نہیں کہ میں کوئی بلند اطوار تھا یا وہ زیادہ سعادت مند واقع ہوا تھا، وجہ یہ تھی کہ ہم دونوں میں اردو صرف مجھے آتی تھی اور ابن صفی کے ناول پڑھ کر میں ہی سنا سکتا تھا، اس کے علاوہ بھی پڑوس کے کچھ بچے شام کو پابندی سے میرے گرد گھیرا ڈال کر ناول سنا کرتے تھے...... پتا نہیں کیا مزا ملتا تھا۔
خیر! ابن صفی مرحوم کے ناول پڑھ کر بندہ دھاندلی نہ سیکھے غیر ممکن ہے یہ الگ بات ہے کہ ساتھ ہی ساتھ وہ اخلاقی حدود و قیود سے بھی واقف ہو جاتا ہے، سو میں بھی کبھی جب پڑھتے پڑھتے بور ہو جاتا تو آٹھ دس لائنیں فی البدیہہ گڑھ دیتا تھا کہ عمران نے لات ماری سنگ ہی پانی کے ڈرم پہ گرا اور لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا تو اس کے ہاتھ میں بڑی سی لوہے کی سلاخ تھی جو سیدھے عمران کے سر پہ پڑی اور وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے دہرا ہو گیا، کمال یہ تھا کہ وہ سب اتنے میں ہی سمجھ جاتے کہ میں نے دھاندلی کی ہے اور اپنی طرف سے کچھ لائنوں کا اضافہ کر دیا ہے، وہ جھنجھلا جاتے اور کہتے دیکھ کر پڑھو یار۔
یہ ہے وہ انفرادیت جس سے بیشتر اہلِ قلم کا دامن مہارت خالی ہے، ابن صفی مرحوم اپنے قاری کی ایک حس بنا دیتے ہیں، کسی دوسری تحریر میں ابن صفی کی تحریر ان کو ملا کر دے دی جائے تو وہ طویل تحریر میں سے بھی ابن صفی کا جملہ جملہ چھانٹ سکتے ہیں۔
ابن صفی کے ناولوں کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت بھی ان کی عظمت ہی منکشف ہوتی ہے پہلی چیز جس پر انگشت نمائی کی جا سکتی ہے وہ ان کے کردار ہیں اور یہ اعتراض بھی اس بے نظیر خاصیت کو تسلیم کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہیرو کے کردار کو مشرقی رنگ میں پیش کیا ورنہ جاسوسی ناولوں میں تھپڑ مارنے کا رائٹ کسی "جان مائیکل" کو ہوتا تھا اور آرڈر لینے کے جملہ حقوق کسی "سَر تھامپسن" کے نام محفوظ ہوتے تھے کیوں کہ منشی تیرتھ رام فیروز پوری تک ہم صرف ترجمے کیا کرتے تھے، اور اس سے پہلے یہی نہیں پتا تھا کہ ناول جاسوسی بھی ہو سکتا ہے۔
بطور حرفِ آغاز یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابن صفی کے منفی اور بڑے ذہن والے موجدین کے کردار ہمیشہ مغربی رہے ہیں جو ویزے پاسپورٹ سے بے نیاز دندناتے پھرتے تھے "ڈیڑھ متوالے" کا جیمسو ہو یا "خوشبو کا حملہ" میں منشیات کی تجارت میں ملوث سیٹھ جیلانی، "چالیس ایک باون" میں جعلی کرنسیوں کے لئے تجوریوں کے لاک بناتا ہوا مسٹر فہمی ہو یا "گیت اور خون" کا غیر ملکی ایجنٹ تیمور، لوکل بندہ آپ کو صرف باہر والوں کا ایجنٹ ہی ملے گا

Digitized by Google

سواشعلہ سیریز کے ڈاکٹر سلمان کے جو کہ ایک عظیم سائنسدان تھا مگر اس کی پشت پر بھی آپ کو ایک محترمہ نظر آجائیں گی۔

زیرولینڈ کا نام بھی ناگالینڈ سے تو قطعاً متاثر نہیں ہے

اس کے دفاع میں کہہ سکتے ہیں کہ ابن صفی کے دورِ زندگی میں اگر کسی مشرقی بندے کو مریخ کے مشن کا مہتمم یا خلائی شٹل کا مالک دکھایا جاتا تو حقیقت نگاری نہ ہوتی مگر یہ گوشہ بہر حال خالی ہے، طوالت کے خوف سے بقیہ باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے دوسری قابلِ غور چیز ہے مشرقی خاتون کا کسی دستے میں شامل نہ ہونا جولیانا فٹزواٹر کا سوئیس ہونا تو آپ کو معلوم ہی ہوگا... یہاں بھی وہی گزشتہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مشرقی عورتیں تب گھر سے باہر نکلتی ہی کب تھیں مگر ابن صفی مرحوم جیسے نابغ؟ روزگار اور صاحب طرز ادیب کیلئے یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔

تیسری اور حد سے زیادہ زیر بحث آنے والی چیز ہے عمران اور فریدی کی جنسی جبلت، اگرچہ ہمیشہ اس عنوان پر دوسرے لحاظ سے بات کی جاتی ہے مگر عمران اور فریدی جیسا بندہ آپ کو صرف ابن صفی کے ناول میں نظر آئے گا عملی زندگی میں نہیں جب کہ پیری میسن اور شرلاک ہومز کے کردار حقیقی زندگی سے اٹھائے ہوئے معلوم پڑتے ہیں، حتیٰ کہ فریدی جیسا سگار پیتے آپ نے کتنے آفیسرز دیکھے ہیں؟

یہاں بازی اسٹینلے گارڈنر اور کانن ڈائل کے ہاتھ لگتی ہے، اب آپ کہیں گے یہی تو خوبی ہے کہ بقیہ ناول نگاروں کی طرح شرابی اور جنسیت زدہ ہیرو نہیں رکھے گئے مگر دوسرے ہی لمحے سعادت حسن منٹو ہمارا گریبان پکڑتے ہیں کہ جب ناولوں میں ایسے کردار چاہئیں تو حقیقی زندگی میں کیوں نہیں ہیں؟ ننگی سوسائٹی کو کپڑے پہنانا درزی کا کام ہے ادیب کا نہیں۔

خیر ان سب سے ہٹ کر بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو ابن صفی مرحوم کی تحریروں کی چاشنی ہم سے زبردستی منوا لیتی ہے اور ابن صفی کے اردو زبان پر کئے گئے احسانوں تلے دبا ہوا قاری سوال کی ہمت نہیں کر پاتا، مثلاً قاسم جیسے معمولی دماغ کے بندے سے حمید خطیر رقمیں وصولتا ہے خطرناک مشن پر ساتھ لئے پھرتا ہے اور سیٹھ عاصم سے اس کی مڈبھیڑ بھی نہیں ہوتی، فریدی آدھے گھنٹے سانس روک کے جہاز اڑانے کی ترکیب سیکھ لیتا ہے جیسے اسے پائلٹ کی بغلی سیٹ سے باندھا گیا ہو۔

سوپر فیاض کو چھیڑتا ہوا عمران ہمیں ہمیشہ محظوظ کراتا ہے مگر ایک فائدہ اٹھانے والے کی حقیقت سے بے خبر سپرنٹنڈنٹ یا تو مد مقابل سے بھڑ جاتا ہے یا معطل ہو جاتا ہے۔

بلیک زیرو کی انٹری ٹائمنگ بھی مصنف کے ہاتھوں میں کھیلتی نظر آتی ہے ورنہ عمران کا ایکسٹو بنے رہنا غیر ممکن ہے۔

بلیک فورس ایک کمانڈو ٹیم ہے مگر اس طرف فریدی کا ایک منٹ بھی صرف نہیں ہوتا غالباً ان میں کوئی بھی حمید جیسا نہیں ہے، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے یہ تمام اعتراضات ابن صفی کی عظمت تسلیم کر لینے کے بعد ہیں اور اگر ابن صفی نہ ہوں تو یقیناً یہ بحث ہی نہ چھیڑی جا سکے گی۔

خدا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے جنہوں نے مغرب زدہ مشرقی اقوام کو یہ سمجھا دیا کہ محکوم رہنا قدرت کا فیصلہ نہیں بلکہ قوموں کا اپنا انتخاب ہوتا ہے

اس مختصر مضمون میں اس سے زیادہ گفتگو ممکن نہیں لہذا معذرت اور التماس دعا کے ساتھ خدا حافظ۔

......☆☆......

فریدی اور عمران، ایک تصویر کے دو رخ......شانستہ کنول عالی

Digitized by Google

ہم بچپن سے کتابی کیڑے ثابت ہوئے ہیں، نہ کسی سے دوستی، نہ کسی سے یاری، بس سفر اور کتاب، جب سے ہوش سنبھالا (یہ نہیں معلوم کہ ہم نے ہوش سنبھالا یا ہوش نے ہمیں سنبھالا) تو بس کتاب ہی ہاتھ میں دیکھی، پہلے بچوں کے رسالے، حکیم محمد سعید شہید کا بچوں کا رسالہ نونہال، پھر تعلیم و تربیت، بچوں کا باغ، بچوں کی دنیا اور ہونہار۔ غرض کہ بچوں کے جتنے رسالے مارکیٹ میں دستیاب تھے سب چاٹ ڈالتے تھے ہم ہر ماہ، پھر چوری چوری سسپنس، جاسوسی، سب رنگ اور اخبار جہاں۔

ایک دن ابن صفی کی جاسوسی دنیا کا ناول "صحرائی دیوانہ" ہاتھ لگا، بس پھر ہم سب کچھ بھول گئے اور "جو رہی سو بے خبری رہی۔"

ابن صفی کے دیوانے ہو گئے "نئے افق" میں عمران سیریز اور نیا رخ میں جاسوسی دنیا کا انتظار رہتا، تیسری جماعت سے لے کر اب تک کوئی اور مصنف بھایا ہی نہیں۔

ہم کوئی لکھاری نہیں بس سادہ سے قاری ہیں، پہلا مضمون جو لکھا وہ پچھلے سال اسی ایونٹ "ابن صفی ایک عہد، ایک رجحان" میں لکھا بلکہ یوں کہیں کہ مضمون کیا لکھتے بس چار لائنیں ہی لکھ پائے۔

اس دفعہ کوشش ہے کچھ اچھا لکھ سکیں مگر ہم شائد کچھ عجیب ہی لکھ دیں، بے ربط بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت "ہماری ذات کے خود ہم سے رابطے ٹوٹے۔"

ہم بتائیں کہ ہم نے ابن صفی سے کیا سیکھا؟

ابن صفی کے ہر ناول کے ہر کردار سے کوئی نہ کوئی سبق سیکھا، عمران اور فریدی کے ہم شیدائی ہیں، ہمارے مطابق ابن صفی نے ہمیں سکھایا کہ زندگی کے دو پہلو بہت اہم ہیں، ایک سنجیدہ اور دوسرا شرارتی۔

نہ ہر وقت سنجیدگی اچھی لگتی ہے نہ ہر وقت شرارت، فریدی ہماری ذات کا سنجیدہ رخ ہے اور عمران شرارتی، فریدی ہم ہوتے ہیں جب بزرگوں میں بیٹھتے ہیں اور جب ہم عمروں میں ہوتے ہیں تو عمران بن جاتے ہیں، فریدی سے ہم ادب، احترام، تربیت، تعمیر، تہذیب اور ضبط نفس سیکھتے ہیں۔

اور عمران

"میں اس کا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے"

اس سے ہم نے دکھ، درد، دور کرنے کے طریقے سیکھے، محفل کو زعفران زار کیسے بنانا ہے، کسی کو تنگ کیسے کرنا ہے اور پھر بات کیسے سنبھالنی ہے۔

عمران ہمیں کئی رنگوں میں نظر آتا ہے، عمران ایک سادہ سا بچہ جو ماں باپ کے رویے اور گھر اور اسکول کے درمیان پس رہا ہے، ماں کی سادگی اور باپ کی سختی، گھر سے اسلامی اور اسکول سے عیسائی مذہب کی تعلیم، گھر ایک خدا کا تصور ملا اور اسکول سے تین خداؤں کا تصور۔

باغی عمران تضادات کا شکار ہو کر عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے، ذہین ہے سوچتا ہے، سوال کرتا ہے، ہمیں سبق دیتا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کو ایسا ماحول نہیں دینا ہے۔

عمران کا کردار ماں، باپ کی نفسیات کو جھنجھوڑتا ہے کہ بچے پیدا کیے ہیں تو پیار اور مکمل توجہ بھی دو، صرف جسمانی ضرورتیں پوری کرنا ہی کمال نہیں، بچے کو ذہنی اور روحانی تنہائی کا شکار نہ بناؤ، اس کو وقت دو، اس کی بات سنو، اسے تسلی بخش جواب دو۔

اسے جسمانی قیدی اور روحانی باغی نہ بناؤ کہ وہ چوں چوں کا مربہ بن جائے، موڈرن ازم کے جنون میں بچے کو اسلامی ماحول اور تعلیمات سے دور نہ کرو، بچے کو ذہنی کمانڈو بنا دو کہ کوئی اس کی سوچ کو ہائی جیک نہ کر سکے۔

Digitized by Google

کتنی سادگی اور کتنے آرام سے عمران کے ذریعے ابن صفی نے ہمیں تربیت اولاد کا فن سکھایا، سبحان اللہ ؟، آفرین ہے ابن صفی کی سوچ پر اس کے مشن پر ان کی کرداروں کے ذریعہ انسانیت کی خدمت پر۔

وہ عمران جو ایکس ٹو ہے، سیکرٹ سروس کا سربراہ ہے، مگر گمنام ہے، بحیثیت عمران اپنے ماتحتوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتا رہتا ہے مگر ان کو ہوا نہیں لگنے دیتا کہ وہ چیف ہے، وہ پوری ٹیم پر نظر بھی رکھتا ہے، فیلڈ میں ان سے زیادہ کام کرتا ہے، ان کو بور نہیں ہونے دیتا، سب کو خوش رکھتا ہے۔

پوری ٹیم ایکس ٹو سے خائف رہتی ہے اور وہ ان کے سر پر کسی بھیانک خواب کی طرح سوار رہتا ہے، عمران بحیثیت عمران ٹیم کا رکن بھی ہے جو اپنی الٹی سیدھی حرکتوں سے سب کو محظوظ کرتا رہتا ہے۔

شاندار سیکرٹ سروس، کہ ٹیم کا سربراہ آنکھوں کے سامنے ہے مگر وہ اسے نہیں پہچانتے، بس میرے سر پر عمران سوار رہتا ہے اور فریدی دور بیٹھا انتظار کرتا رہتا ہے کہ کب اس کی باری آئے، فریدی کی باری تب آتی ہے جب محفل بزرگوں کی ہو اور بزرگ بھی اپنے نہ ہوں۔

عمران دی گریٹ نے سکھایا کہ اندر سے ٹوٹے ہوئے بھی ہوں تو لوگوں کے سامنے کیسے جڑا ہوا نظر آنا ہے، عمران اپنے باپ اور خاندان کے رویوں سے کتنا دل برداشتہ رہتا ہے مگر مجال ہے کہ کسی پر بھی دل کی حالت ظاہر ہو۔

عمران نے زمانے سے لڑنا سکھایا اور اپنے عمل سے بتایا اپنی مرضی سے چھوڑ ملنے کی پروانہ کرو، عمران بلا کا خود اعتماد ہے، عوامی کردار ہے، ہر کسی کو عمران اپنے جیسا لگتا ہے، کبھی سادہ، کبھی پرشکوہ، کبھی معصوم، کبھی درندہ۔

ایسا دلکش کردار جو ہمارے خون میں اتر گیا، جس نے ہمیں خود اعتمادی دی، ہمیں خوش رہنا سکھایا، ادب، احترام، حدود و قیود، آزادی اور سب سے بڑھ کر اپنی ذات سے پیار اور وطن سے محبت اور دین سے عشق۔

مجھے عمران کی وہ بات ہی نہیں بھولتی جب جمن کہتا ہے، تابیتی شرابیوں کی جنت ہے تو عمران نے کہا "وہ کیسی جنت ہے جہاں شراب پی جائے۔ "اب کوئی فتویٰ نہ لگا دے کہ بھئی! جنت میں شراب چلے گی..... !نوٹ کر لیجے وہ شراب طہور ہوگی یعنی پاکیزہ شراب، یہاں کی شراب نجس ہے۔

دوسری بات یہ کہ امتحان بس دنیا میں ہے آخرت میں آزادی ہے، جیسے روزے میں، سارا دن حلال چیزیں ممنوع ہوتی ہیں اور روزہ کھلتا ہے تو ممنوع نہیں رہتیں، جیسے حج و عمرہ میں حالت احرام میں حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہے عمرہ و حج کے بعد جب احرام کھل جائے حلال ہو جاتی ہیں، بالکل اسی طرح دنیا میں شراب حرام ہے کہ دنیا امتحان گاہ ہے، رزلٹ آئے گا تو آخرت میں حلال ہو جائے گی مگر وہ پاکیزہ شراب ہوگی۔

خوش رہیں، سلامت رہیں، ہم نے مانا ہے کہ ابن صفی ہمارے محسن ہیں، استاد ہیں، میں نے بیٹی کی شادی کی تو اسے جہیز میں عمران سیریز کا پورا سیٹ دیا، ہم چاہیں تو ان کے ناولوں سے بہت سی اچھی باتیں سیکھ سکتے ہیں اور بری باتیں ترک کر سکتے ہیں کیونکہ انھوں نے اچھائی و برائی کے فرق کو اپنے ناولوں میں بخوبی بیان کر دیا ہے۔

میں نے پڑھنا کیسے شروع کیا..... اطہر کلیم انصاری

صاحبان..... اس سے پہلے کہ آپ اعتراض کریں میں خود ہی بتا دیتا ہوں کہ ہم سبھی نے الحمدللہ "الف سے اللہ، ب سے بندہ، ت سے توبہ"... یہیں سے پڑھنے کا آغاز کیا ہے، مگر میں یہاں آپ کو اس موضوع پر بور نہیں کروں گا... میں یہاں یہ بتاؤں گا کہ میں نے ابن صفی کو پڑھنا کیسے شروع کیا، اسے میری حماقت سمجھیں یا پھر میری نااہلی کہ اس عظیم سلسلے کے لئے میں کوئی تجزیاتی مضمون نہیں لکھ سکا... میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ ابن صفی صاحب جیسی عظیم شخصیت پر کچھ لکھ سکوں... یہ اور بات ہے کہ گزشتہ برس ان سے عقیدت و محبت میں ایک ٹوٹا پھوٹا

Google

مضمون پیش کر دیا تھا۔

بہر حال آپ حضرات کو زیادہ بور نہ کرتے ہوئے میں اصل موضوع پر آتا ہوں۔

میرے گھر کا ماحول مطالعہ کے تعلق سے ہمیشہ ہی سازگار رہا ہے، درسی کتب کے علاوہ دیگر رسائل وغیرہ کے مطالعہ سے مجھے کبھی بھی روکا نہیں گیا.. البتہ ایک پابندی تھی کہ میں کبھی والد صاحب کے مخصوص خزانے کو ہاتھ نہ لگاؤں یہ بعد میں پتہ چلا کہ وہ مخصوص خزانہ ابنِ صفی کی جاسوسی دنیا اور عمران سیریز پر مشتمل تھا۔

میں گھر میں سب سے چھوٹا تھا اور مجھ سے بڑے جتنے بھی بھائی بہن، کزنس وغیرہ تھے وہ اکثر "عمران" کا ذکر کرتے رہتے تھے تو مجھے تجسس ہوتا تھا کہ آخر یہ عمران ہے کیا... سات آٹھ سال کی عمر سے ہی عمران کا نام سن سن کر میرے ذہن میں پختہ ہو چکا تھا۔

فریدی حمید کے بھی تذکرے ہوتے تھے مگر اتنے زیادہ نہیں، بہر حال دس یا گیارہ سال کی عمر میں ایک دن میرے ہاتھ کہیں سے ایک ڈائجسٹ لگ ہی گیا، شروعات کے کچھ صفحے غائب تھے اور اوپر دلیر مجرم از ابنِ صفی لکھا ہوا تھا، میں نے پڑھنا شروع کیا..... کہانی بہت اچھی لگی اور میں نے ایک ہی نشست میں اس کو ختم کر ڈالا۔

دوسرے دن بڑے بھائی بہنوں کی محفل میں پہنچ کر بہانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ آپ لوگ عمران عمران کہتے رہتے ہو مگر وہ تو ایک پاگل سا آدمی ہے (واضح رہے کہ میں اس وقت فریدی حمید کو اتنا نہیں جانتا تھا اور دلیر مجرم کے پروفیسر عمران کو ابنِ صفی کا اصل عمران سمجھ بیٹھا تھا)۔

بڑے بھائیوں کو حیرت ہوئی کہ تم نے کہاں پڑھ لیا عمران کو، اور پہلی ہی مرتبہ پڑھ کر اس کے پاگل ہونے کا اعلان بھی کر دیا، پھر نصیحتیں بھی ملیں کہ ابھی تم بچے ہو، یہ سب نہ پڑھو، سمجھ میں نہیں آئے گا اور ایسے ہی اول فول بکتے رہو گے، کچھ لوگ غصہ بھی ہوئے کہ ہمارے پسندیدہ کردار کو پاگل کہا۔

جب میں نے اپنے دفاع میں "دلیر مجرم" ناول پیش کیا تو سبھی خوب ہنسے پھر مجھے سمجھایا گیا کہ یہ جاسوسی دنیا کا ناول ہے جس کے کردار فریدی اور حمید ہیں اور یہ وہ عمران نہیں ہے جس کی ہم بات کرتے ہیں، بہر حال اس کے بعد وقتاً فوقتاً میں والد صاحب کے خزانے سے ایک ایک موتی چراتا گیا اور پڑھتا گیا۔

قریب چھ سال لگ گئے مجھے دلیر مجرم سے آخری آدمی تک کا سفر طے کرنے میں، جب دونوں سیریز مکمل ہو گئیں تو مجھے کسی صاحب نے ایک دن بتایا کہ یہ ناول انٹرنیٹ پر پی ڈی ایف کی صورت میں بھی دستیاب ہیں، بس پھر کیا تھا گھر والوں سے ایک عدد موبائل کا مطالبہ کیا اور دونوں سیریز موبائل میں ڈاؤنلوڈ کر لیں، ایک بات اور بتاتا چلوں کہ میں نے ابنِ صفی کا کوئی ناول کبھی درمیان سے نہیں پڑھا میرا مطلب ہے میں نے ہمیشہ اس سلسلے کو دلیر مجرم سے شروع کیا اور آخری آدمی پر ہی ختم کیا، دو دن پہلے ہی الحمدللہ سولہواں دور ختم ہوا ہے اور سترہواں دور شروع کیا ہے۔

اس کے علاوہ میں اس بات کو بھی فخریہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے سال 2016 میں محض 42 دن میں جاسوسی دنیا سیریز مکمل پڑھی تھی، اس بارے میں ابنِ صفی سے منسوب کسی گروپ پر پوسٹ بھی کی تھا جہاں اسد عادل بھائی نے مجھے اس موجودہ گروپ سے متعارف کروایا تھا۔

تو صاحبان اس طرح میں نے ابنِ صفی کو پڑھنا شروع کیا تھا جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور ان شاء اللہ تاحیات جاری رہے گا۔

اخیر میں آپ سب سے التماس ہے کہ جس شخصیت نے ہمیں اتنی بہترین تفریح کا ذریعہ دیا، اپنے ہر ناول میں ہمیں نئے جہانوں کی سیر کرائی، اپنی ہر سطر سے ہماری سوچوں کو جھنجوڑا اور نئی راہیں دکھائی، اور سب سے بڑھ کر ہمیں قانون کا احترام سکھایا اور ایک مہذب انسان بنایا... ایسی شخصیت کو اپنی دعاؤں میں خاص طور سے یاد رکھیں

Digitized by Google

اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے......آمین۔

......☆☆......

ابن صفی ایک مختصر تحقیقی جائزہ...... گلشن زہراء

اردو ایک لشکری زبان ہے، ابتداء ہی سے اس نے ایک فاتح لشکر کی طرح ہر سرزمین سے خوب خزانے سمیٹے اور اپنے لشکریوں کو بخشے، انہیں خزانوں میں سے ایک اہم خزانہ اردو نے اپنے ادب عالیہ میں "ناول" کے نام سے جمع کروایا۔

"ناول" اصل میں اطالوی زبان کے لفظ "ناویلا" سے ماخوذ ہے جس کا اردو میں مطلب "نیا" ہے، اردو ادب میں "ناول" انگریزی ادب سے آیا ہے چنانچہ آج بھی ناول کے معیار کو پرکھنے کے لیے خطوط اور اوزان کا ترازو انگریزی ادب میں ناول کے لیے مخصوص قواعد و ضوابط کو ہی سمجھا جاتا ہے۔

انگریزی ناولز کے معروف نقاد کلاویوز، جے جے پریسٹلے اور اندرائے مرائے کے مطابق ناول حقیقی زندگی کو خیالی کرداروں اور واقعات کی مدد سے سدھارتا ہے، مشہور و معروف ناقد رائف فارکس کے مطابق ناول کی پہچان یہ ہے کہ یہ کسی ایک فرد کی انفرادی طور پر یا اپنے ہم خیال دوستوں کے ہمراہ معاشرتی برائیوں کے خلاف لڑی گئی جنگ کا قصہ ہے۔

ایسے میں ناول کی عمدگی اور پختگی مصنف کی ذہنی، نظریاتی اور مشاہداتی صلاحیتوں کا امتحان ہوتی ہے، ناول کا ایک بہت اہم حصہ جسے مغربی نقاد "ناول کا پاور کنٹرول" کہتے ہیں وہ ہے "مقصد"، اگر جدوجہد صرف ہاتھا پائی اور لفظوں تک رکھ دی جائے تو پڑھنے والا ہر گلی ہر کونے میں خود کو امن کا علمبردار ثابت کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے، جو یقینی طور پر معاشرے کی بربادی کا باعث بنے گا لیکن اگر کردار ایک مقصد کے تحت ایک مربوط نظام کے تحت اپنی کاوشوں کو جاری رکھے تو یہ قابل تعریف کردار کا ناول گردانا جائے گا۔

یہ تمام نقاط اپنی تفصیلی اہمیتوں کے ساتھ ابن صفی کے پیش نظر رہے، انہوں نے رات سوتے سوتے گرہیں باندھنے کا عمل نہیں اپنایا بلکہ عمیق مطالعے اور دوست احباب کی حوصلہ افزائی کے بعد اردو ادب کے اس خالی میدان میں اپنی یکتائی کا مینار بلند کرنے کی ٹھانی، اپنے مزاج کو پرکھا، قلم کو جنبش ذوالفقاردی اور 1952 میں "دلیر مجرم" لکھ ڈالا اور پھر اس سلسلے کو اپنی سانسوں کی ڈور سے باندھ لیا۔

ابن صفی میں لکھنے لکھانے کا جوہر خداداد تھا اور جس میں لکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسے پڑھنے سے بھی شغف ہوتا ہے، ویسے بھی عمیق مطالعے کے بغیر کچھ بھی لکھنا دشوار گزار عمل ہے، اپنی سوچ اور خیالات کو دوسروں تک پہونچانے سے پہلے اس کو ایک مخصوص نقطہ عروج تک پہونچانا تاکہ الفاظ کا بانکپن اور صیقل ہو سکے پڑھنے والوں کی سوچ کو اندر تک جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔

ابن صفی نے بھی اس دور کا دستیاب ادب پڑھا اور اس میں موجود کمی کو بڑی شدت سے محسوس کیا، اول تو چند ایک ہی طبع زاد لکھنے والے موجود تھے، اور خاص طور پر اردو سری ادب کا میدان یکسر خالی تھا، جو لوگ اس موضوع پر لکھ بھی رہے تھے وہ دراصل مغربی ادب کو اردو کا کرتا پاجامہ پہنا کر مشرف بہ اردو کر رہے تھے، بقول ابن صفی انگریزی کے مسٹر بلیک اردو میں حاجی کلو تو بن گئے لیکن مشرقی معاشرے میں آکر بھی انھوں نے لنگوٹی پہننے سے صاف انکار کر دیا۔

Digitized by Google

نام بدلے کام نہ بدلا، تراجم کے ساتھ ہی مغربی ادب کی فحاشی بھی اردو میں در آئی جس نے معصوم اور صاف ستھرے ذہنوں کو مسموم کرنا شروع کر دیا، دراصل مغربی ماحول مشرقی ماحول سے اور خاص طور پر اس زمانے کے مشرقی ماحول سے بے حد مختلف تھا، مشرقی ماحول میں اس بے باکی کا قطعی تصور نہیں تھا جو اس وقت بھی مغربی ماحول کا حصہ تھی۔

ان کتابوں کے مطالعے سے ابن صفی اس نتیجے پہ پہونچے کہ جاسوسی ناول لکھنا قلم آزمائی کے لئے ایک وسیع میدان ہے اور یہ شعبہ گویا ان جیسے کسی جوہر آبدار کی تحریروں کا ہی منتظر ہے، اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے سے قبل اپنے دوستوں سے اس موضوع پر گفتگو کی اور حوصلہ افزائی پر انھوں نے تہیہ کر لیا کہ اپنے قلم سے اردو سری ادب کو ایک نیا موڑ دیں گے۔

مغرب میں اس وقت جاسوسی کہانیوں کے بازار سجے تھے، "The Final the of Adventure" "The Problem" میں شرلاک ہومز کی موت پر لندن میں لوگوں کے سوگوار جلوسوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ لوگ رومانوی کرداروں سے زیادہ جاسوسی کرداروں کو اپنی زندگی اور سوچ میں اہمیت دیتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ شرلاک کی زندگی کے لیے گرجا گھروں میں بھی دعائیں مانگی جاتیں۔ سر آرتھر کانن ڈائل نے شرلاک ہومز کے کینوس پر ماحول کے زاویے اور معاشرتی رنگ اس طرح بکھیرے کہ شرلاک میں ہر کسی نے اپنا آپ دیکھا۔

۔مغرب میں جاسوسی ادب 1841ء میں آیا، پہلا مکمل ناول "The Moonstone" وکائے کولنز نے 1868ء ۔ میں لکھا، اس کے بعد ایک نہ رکنے والا سلسلہ کامیابی سے جاری ہو گیا، ریمنڈ چینڈلر، سر آرتھر کونن ڈائل، اگاتھا کرسٹی، لی چلڈ، ایڈگر ایلن پو، اور دیگر کئی بڑے بڑے نام انگریزی جاسوسی ادب میں گزرے۔

مگر اردو ادب میں 1952ء سے لے کر اب تک ایک ہی نام روشن نظر آتا ہے، وہ ہے ابن صفی کا، ابن صفی کی جاسوسی دنیا اردو کی ادبی دنیا میں سونامی ثابت ہوئی، بوکھلائے ہوئے کم فہم نقادوں نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے، وہ جو صرف تراجم پر کمائی کرتے تھے اپنے ملک کے اصلی کردار پڑھ کر انگشت بدنداں رہ گئے اور بوکھلا بوکھلا کر تنقیدیں کرنے لگے۔

"دلیر مجرم" کا ہاتھوں ہاتھ بکنا ابن صفی کو نقادوں کی نظر میں "دلیر مجرم" بنا گیا، نہ جھکنے والا، نہ سمجھوتہ کرنے والا، انسپکٹر فریدی اور سارجنٹ حمید کے کرداروں کی بے پناہ مقبولیت نے اسرار احمد کا کہا سچ ثابت کر دکھایا کہ "اگر ناولوں میں زبان دلچسپ اور پلاٹ جان دار ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسے ناول مارکیٹ نہ بنا سکیں اور عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکیں۔"

ابن صفی نے سچائی، حقیقت پسندی، تلخیوں، معصومیت، مزاح، سنجیدگی اور متانت کو انسانی فطرت کی خصوصیات سے ہم مزاج کر کے اپنے کرداروں میں بانٹ دیا، ہر کردار ایک دوسرے سے مختلف مگر قانون اور انسانیت کا پاسدار بنا۔

ابھی جاسوسی دنیا کا سلسلہ کامیابی سے جاری تھا کہ ابن صفی نے قارئین کو اپنے دو نئے کرداروں انور اور رشیدہ سے متعارف کرایا، یکے بعد دیگرے انور و رشیدہ سیریز پر 5 ناول پیش کیے لیکن ان کو وہ مقبولیت نہ مل سکی جو کرنل فریدی و کیپٹن حمید کو ملی تھی، حقیقت سے قریب تر کرداروں سے ان کے قارئین اتنا مانوس اور متاثر ہو چکے تھے کہ پھر انھوں نے نئے کرداروں کو آسانی سے قبول نہیں کیا۔

حالانکہ ایسا نہیں کہ یہ کردار اچھے نہیں تھے، کردار اچھے تھے بھرپور اور مکمل تھے لیکن بات وہی تھی کہ پہلی محبت تو فریدی اور حمید تھے، کچھ قارئین نے انور و رشیدہ کو پسند بھی کیا اور باقیوں نے ناپسند کیا، یہی وجہ تھی کہ ابن صفی نے انور و رشیدہ پر مزید ناول لکھنے کے بجائے ان کو فریدی کے ساتھ ضم کر دیا تا کہ کسی بھی قاری کی دل شکنی نہ ہو، وہ بھی

Digitized by Google

جوانور درشیدہ پر الگ سے ناول نہیں پڑھنا چاہتے تھے اور وہ جو پڑھنا چاہتے تھے ان کے اس اقدام سے خوش ہو گئے۔

لیکن ابن صفی کا سفر یہیں نہیں ختم ہوا، ان کی جدت پسند طبعیت اظہار خیال کے لیے نئے نئے راستے تلاش کر رہی تھی، شاید یہی وجہ تھی کہ انھوں نے 1954 میں ایک نیا کردار تخلیق کیا، جو پہلے کرداروں سے مختلف ہو کر بھی ان کی بہت سے خصوصیات اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا، یہ کردار تھا علی عمران، جس نے ابن صفی کے شہرہ آفاق کردار کی حیثیت سے عروج حاصل کیا۔

حالانکہ اس کردار کو بھی اپنے قارئین سے متعارف کرانے میں ابن صفی کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن بالآخر وہ اس میں کامیاب ہو گئے، قارئین میں یہ کردار اتنا مقبول ہوا کہ ابن صفی کو ہر ماہ دو ناول لکھنا پڑتے، ایک فریدی کا اور ایک عمران کا، عمران کے قارئین کا ایک الگ حلقہ بن گیا جو ہر ماہ ابن صفی کے قلم سے صرف عمران سیریز کے ناولوں کا نزول چاہتے تھے۔

عمران سیریز کے اس طوفان سے کوئی نہ بچ سکا، ہر اردو جاننے والا، سمجھنے والا، بولنے والا اور پڑھنے والا عمران سیریز کے جنون میں مبتلا ہو گیا، اس کے اوصاف انسانیت نوجوان نسل نے خوشدلی سے قبول کیے، ذہنوں کی الجھنیں سلجھتی گئیں اور یوں ابن صفی کے مقاصد پورے ہوتے گئے۔

ابن صفی نے اردو زبان کو اپنے کرداروں کے ذریعے وہ فروغ بخشا کہ اس زبان نے اسے ایک عظیم احسان مانا، ان کے کردار اپنی مثال آپ ہیں، مگر برسائی نقادوں نے ہر ہر پہلو پر وار کیا، ان کے کرداروں کو برا بھلا کہا، کچھ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ فریدی کا کردار شرلاک ہومز سے متاثر شدہ ہے، جبکہ ہومز تو خود Dupin اور Lecoq سے اثر لیتا ہے، سنگ ہی میں ان کو فونا نچو دکھائی دیتا تھا، چارلی چن کے بھی گہرے اثرات بتائے گئے، یہی نہیں بلکہ روشی کی ذہانت کو مس ویدر کے ساتھ جوڑ کر دیکھا گیا۔

ابن صفی نے ایک تعفن زدہ ماحول کو خوشگوار احساس بخشا، انسانیت کو قانون کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، انہوں نے شاعری بھی کی اور نثر نگاری میں بھی تعریف پائی، کالمز، مختصر کہانیاں، طنز و مزاح سے بھرپور تحریریں بھی لکھیں، مگر چین ملا تو "جاسوسی" کی دنیا میں جہاں انہوں نے اپنی ذات کی تمام تر صفات سمو دیں، "زندگی کی پھیلی چادر پر قلموں کا سرخ دھاگہ" (ہولمز) اس طرح الجھا کہ جرم اور جرم کی ابتدا کے متعلق راز تہہ در تہہ کھلتے گئے۔

جاسوسی اور عمران سیریز میں آپ نے شاعری بھی کی، معاشرتی رسوم و رواجات پر طنز بھی کیے، جرائم کے نقابوں کو بھی الٹا، اقتدار کی ہوس کے بخیے بھی ادھیڑے، دین کی پاسداری کے مبلغ بھی بنے اور انسانیت کی بقا کے لیے اپنے قلم سے جدوجہد کرتے رہے، حماقتوں کو شعور دیا، سنجیدگی کو وقار دیا، جرم کی دنیا کو قلم کے نیزے سے چھیدا تو مجرموں کی سسکیوں میں معاشرے کے تاریک پہلو دکھائے، آپ نے اپنے ہر لفظ کو اور ہر کردار کو اردو ادب کا کوہ نور بنا دیا۔

اردو اور انگریزی جاسوسی ادب میں ایک اور خاص امتیاز بھی صرف اور صرف ابن صفی کے نام رہا، انگریزی جاسوسی ادب میں ڈاکٹر فری مین نے "ڈاکٹر تھورنڈائیک" پر 22 ناول اور 38 مختصر کہانیاں لکھیں، اسٹیورٹ پالمر نے "مس ویدر" پر 18 کتابیں لکھیں، ایرل ڈر بگرز نے شہرہ آفاق انسانوی سراغ رساں "چارلی چن" پر 6 ناول لکھے، "فلپ مارلو" پر ریمنڈ چینڈلر نے 9 ناول اور 44 مختصر کہانیاں لکھیں، "پیری میسن" پر ارل اسٹینلے گارڈنر نے 80 ناول لکھے، اگاتھا کرسٹی نے اپنے مشہور کردار "مس مارپل اور ہرکیول پائرٹ" پر 66 ناول اور 14 مختصر کہانیاں لکھیں اور لاثانی جاسوسی کردار "شرلاک ہومز" پر سر آرتھر کانن ڈائل نے 4 ناول اور 56 مختصر کہانیاں لکھیں۔

Digitized by Google

اور اب ذرا نظر دوڑائیے ابن صفی کے لازوال، عمدہ اور ہر دل عزیز کردار کرنل فریدی، کیپٹن حمید، انور، رشیدہ اور عمران پر، ان کرداروں پر ابن صفی نے تقریباً 245 ناول لکھے اور ہر ناول اپنے قصے، پلاٹ اور پس منظر کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف و منفرد رہا، ناولوں کی یہ تعداد اور انفرادیت کسی بھی مصنف کو ایک عظیم مصنف کا درجہ دلانے کے لیے کافی ہے۔

یہی ابن صفی کی تحریروں کا وہ امتیازی وصف ہے جس کے باعث وہ اتنی دہائیاں گزر جانے کے باوجود لاکھوں قارئین کے محبوب مصنف بنے ہوئے ہیں، ہر طبقہ فکر کے لوگوں نے ان کے ناولوں سے استفادہ کیا، ایک رکشے والے سے لے کر سائنس دان اور سیاست داں تک، اردو ادب کے وہ نقاد جن کی زبان ابن صفی پر کیچڑ اچھالتے نہیں تھکتی وہ بھی کہیں نہ کہیں ان کی تحریروں سے متاثر نظر آتے ہیں، اور یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ ایسے لوگ ان کو پڑھتے ضرور ہیں خواہ تعریف کے لیے پڑھیں خواہ تنقیص و تنقید کے لیے۔

ایک بار کسی نے ابن صفی سے سوال کیا کہ آپ کی کتابوں کی جگہ کہاں ہے؟ ان کو کتنے لوگ پڑھتے ہیں؟ تو ابن صفی نے بہت مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ میری کتابوں کی جگہ بستر کے سرہانے ہیں، میری کتابیں تکیوں کے نیچے ملتی ہیں، ان میزوں پر پائی جاتی ہیں جو سرہانے رکھی ہوں، تاکہ جب چاہیں ہاتھ بڑھا کے اٹھائیں اور پڑھ لیں، الماری میں تو وہ کتابیں رکھی جاتی ہیں جو کبھی کبھار پڑھی جائیں۔

ایسا انھوں نے اس لیے کہا کیوں کہ ان کی کتابی فحاشی و عریانیت سے پاک ہیں، ایک دوست دوسرے دوست کے سامنے، ایک بھائی بہن کے سامنے، اور بیٹی باپ کے سامنے ان کو بلا جھجک پڑھ سکتی ہے، ان کی کتابوں کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ فیملی کا ایک فرد با آواز بلند پڑھتا اور باقی اس کو توجہ سے سنتے اور بعد میں مختلف نکات پر بحث و مباحثہ بھی کرتے، کیا کسی اور کو یہ مقام حاصل ہو سکا؟

ابن صفی کی تحریریں محض تفریح طبع یا وقت گزاری کا ذریعہ نہیں ہیں، انھوں نے اپنی تحریروں میں اس انداز کے کرداروں کو پیش کر کے قارئین خصوصاً نوجوان نسل کی اعلیٰ اخلاقی تربیت بھی کی ہے، اور پڑھنے والوں تک یہ پیغام بھی پہنچایا کہ قانون کا احترام ہر اس شخص پر واجب و لازم ہے جو اس کے دائرہ اختیار میں سانس لیتا ہے، اگر کوئی فرد واحد یا گروہ قانون سے اختلاف کر کے مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہوتا ہے تو وہ سزا کا مرتکب ہوگا خواہ اس کا مقصد کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو۔

ابن صفی نے اپنی سانسوں کے ساتھ بندھے اس سلسلے کو اپنی رگوں میں بہتے لہو کی طرح زندہ رکھا اور جب جسم کا ناتا روح سے ٹوٹ رہا تھا تب بھی "آخری آدمی" سرہانے رکھ کر مطمئن روح کے ساتھ ہمیں انسانیت اور قانون کی حکمرانی کا سبق دیتے ہوئے اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے، یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حقیقتاً وہی اس سلسلے کے پہلے اور وہی آخری آدمی تھے۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

.....☆☆.....

ابن صفی اپنے عہد کے منفرد سماجی اور سیاسی مبصر ..... تبسم حجازی

ابن صفی سے اکثر لوگوں کی طرح میرا تعارف سری ادب کے اعلیٰ مصنف کے طور پر ہوا پھر طغرل فرغان اور اسرار ناروی کو جانا اور پچھلے کچھ سالوں میں ابن صفی کی ذاتی شخصیت کے بارے میں بھی بہت کچھ پڑھا اور یہ اندازہ ہوا کہ ابن صفی کی تحاریر، ان کے اسلوب، کردار، ان کی شخصیت، ان سب پر جتنا کچھ لکھا جا چکا ہے وہ اپنے

Digitized by Google

میں ایک ریکارڈ ہے۔

اس تناظر میں کسی عام قاری کے لئے ابن صفی کے بارے میں کچھ نیا لکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، یہ تحریر ابن صفی کے جاسوسی ناولوں سے متعلق وہ مشاہدہ ہے جو ان ناولوں کو بار بار پڑھتے ہوئے کیا۔

ابن صفی کے قاری جانتے ہیں کہ ان ناولوں میں جاسوسی کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے اخلاقیات، طنز و مزاح، جذباتیت، ہلکا پھلکا رومانس، سائنس فکشن اور ان سب کے علاوہ ایک چیز اور بھی بڑے subtle انداز میں ہوتی ہے جسے ہم اس وقت نوٹ کرتے ہیں جب ان ناولوں کو ترتیب وار پڑھیں، وہ ہے اس دور کے سیاسی اور معاشرتی ماحول پر ان کا تبصرہ۔

ابن صفی کے ابتدائی ناول کا ماحول دوسری جنگ عظیم کے بعید کا دور ہے، یہ وہ وقت ہے جب انگریز برصغیر سے کوچ کر رہا تھا لیکن معاشرے پہ اس کی تہذیب کی گہری چھاپ تھی، اس لئے ان ناولوں میں نائٹ کلب، شراب، ڈانس، لباس وغیرہ اس وقت کے لحاظ سے نظر آتے ہیں، کرداروں میں بھی اپ کوسر، خان، نواب، سردار وغیرہ زیادہ نظر آتے ہیں۔

اس کے علاوہ گھریلو سطح پر اس مغربی اور مشرقی تہذیب کے تصادم نے کیا اثرات مرتب کیے اس کی مثال ابن صفی نے عمران کی پیچیدہ شخصیت کے ذریعہ دی ہے، سیاسی طور پر بھی نہ صرف برصغیر میں تبدیلی آئی تھی بلکہ سلطنت برطانیہ کے زوال کے بعد نئے ورلڈ آرڈر کی شروعات ہوئی تھی، دوسری جنگ عظیم کیا اثرات ساری دنیا پر باقی تھے جن کا اظہار مختلف پیرائے میں کیا گیا ہے، ٹھنڈی آگ کے اس اقتباس میں جنگ کے برے اثرات کسی شخصیت پر کیسے مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے حمید کہتا ہے۔

"گھروں میں بیٹھ کر جنگ کی خبریں سننا اور بات ہے لیکن اپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میدان جنگ کس چڑیا کا نام ہے، کشت وخون، قتل وغارت گری نے میری زندگی میں مایوسیاں بھر دیں، میں بے تحاشا شراب پینے لگا تھا اور برائیاں میری زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھیں، میں اتنا بدنام ہو گیا تھا کہ سزا کے طور پر میرا درجہ گھٹا دیا گیا لیکن مجھے اس کی بھی پروا نہیں تھی کیونکہ میری انگلی سے مضراب نکال کر اسے زبردستی رائفل کے ٹریگر پر رکھ دیا گیا تھا۔"

اس کے علاوہ جنگ میں شکست یافتہ قوم کے افراد کس طرح برسوں ہزیمت کی آگ میں جلتے ہیں اور ان کا جذبہ انتقام کیا کیا رنگ بدلتا ہے اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں، شیمران، کنگ چانگ کا ساواکا، پرچھائیاں سیریز کا اوزاکا، ریشوں والی سیریز کا ریٹ ماؤنٹ اور ڈاکٹر برنارڈ، جو اپنی قوم پر ہوئے مظالم کا بدلہ لینے کے لئے کس طرح انسانیت کی سطح سے نیچے گر جاتے ہیں۔

ساٹھ کی دہائی میں ساؤتھ ایشیا میں ہونے والی جنگوں کے علاوہ برصغیر کا معاشرہ اپنی شناخت بنانے لگا تھا، ناولوں میں خواتین کے کردار میں اینگلو انڈین کی جگہ مشرقیت نظر آنے لگتی ہے، لباس میں ساری، غرارہ، شلوار قمیض وغیرہ کا اکثر ذکر ملتا آتا ہے، لڑکیوں کا جزیرہ ناول میں عمران شرارتاً زیبا کو پتلون چھوڑ کر شلوار قمیض یا ساری ٹائپ کے لباس پہننے پر مجبور کرتا ہے۔

عالمی سیاست میں سرد جنگ اپنے عروج پر تھی دنیا دو کیمپوں میں بٹ رہی تھی اور کمیونزم کو پھیلانے کے مختلف ہتھکنڈے اپنائے جا رہے تھے، ہیروں کا فریب میں داور نامی کردار کے بارے میں عمران کہتا ہے:

"ہالی ڈے کیمپ میں زیادہ تر نوجوانوں کا اجتماع ہوتا ہے، مستقبل کے متعلق ان کے خیالات رجائی ہوتے ہیں لیکن داور ان میں مایوسی اور دہریت کے جراثیم پھیلاتا تھا، وہ اس کی باتیں سن کر سوچتے تھے کہ اتنے فرشتہ سیرت آدمی کو خدا نے اپاہج کیوں کر دیا.....! کیا یہ انصاف ہے؟ بس پھر ان کے ذہن بھٹکنے لگتے تھے وہ انہیں اچھی طرح مایوس کر دینے کے بعد اپنے آقاؤں کے دیس کا پروپیگنڈہ شروع کر دیتا تھا۔"

دوسرا عالمی مسئلہ جو ساٹھ اور ستر کی دہائی میں نظر آتا ہے وہ ہے چرس، گانجہ، ایم جیسی منشیات کی اسمگلنگ اور ہپی ازم کا تھا، اس منشیات کی وبا کے بارے میں ہمبو گیسل میں عمران کہتا ہے:

"اگر تم چاہتے ہو تمہاری اعلیٰ قسم کی شرابیں محفوظ رہیں تو عوام کو گانجے اور چرس میں الجھے رہنے دو ورنہ ان کی صحت مندی ایسا بھیانک انقلاب لائے گی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے، یہ وبا سرمایہ دار کیمپ کی پھیلائی ہوئی ہے اس کے ہاتھ مضبوط کرو۔"

دوسری طرف ہپی ازم نے کس طرح اخلاقیات کا تیاپانچہ کیا اس کی بہت سی مثالیں ان ناولوں میں ملتی ہے۔

ستر کی دہائی کے آخر تک معاشرہ کافی حد مشرقیت کے لبادے میں ملبوس نظر آنے لگتا ہے، کئی مقامات پر شراب کی ممانعت نظر آتی ہے، خواتین کا ایک بڑا طبقہ ڈاکٹر، ٹیچر، سائنسی ریسرچ اسکالر قسم کے مختلف شعبوں میں نظر آتا ہے ساتھ ہی اس آزادی نسواں کے معاشرے پر ہونے والے دوسرے اثرات کو بھی بتادیا گیا ہے، زہریلی تصویر میں ساجدہ کہتی ہے۔

"آجکل تعلیم نسواں پر بڑا زوروشور ہے، بہنیں گریجویٹ ہو جاتی ہیں اور بھائی گدھے گاڑی ہانکتے رہتے ہیں، گودیوں میں سامان ڈھوتے ہیں اور یہ بہنیں جو گریجویٹ ہو جاتی ہیں نہ اپنے طبقے میں کھپ سکتی ہیں نہ اپنے سے اونچے طبقے میں، اپنے طبقے کے مردوں سے متنفر ہوتی ہیں اور اونچے طبقے میں تانگے والوں کی اولاد کہلاتی ہیں پھر بتاؤ ایسی صورت میں کیا ہوگا کیا اس طرح ہمارا معاشرہ متوازن رہ سکے گا؟"

عالمی سطح پر مختلف کیمپوں کے حریف اور حلیف کو اشارتاً جتایا گیا ہے ساتھ ہی مختلف ممالک کے ایٹمی طاقت بننے کی کوشش کا بھی ذکر ملے گیا ہے، فضا میں تباہ ہونے والے اسکائی لیب اور مڈل ایسٹ میں ہونے والی تیل کی دریافت، اس سے پیدا ہونے والی دولت کی فراوانی اور اس کے ضیاع یہ سب بھی کسی نہ کسی حوالے سے ناولوں میں موجود ہے، دوسرا پتھر کی کلارا عمران سے کہتی ہے۔

"تمہارے یہاں اخوت اور مساوات کے بڑے چرچے ہیں لیکن تمہاری قوم کے پچھتر فیصد افراد فقر و فاقہ اور صبر و قناعت کی زندگی گذارتے ہیں اور پچیس فیصد کا یہ عالم ہے کہ دن بھر میں دو ڈھائی پونڈ لیونڈر اپنے کپڑوں پر اسپرے کر ڈالتے ہیں، دور کیوں جاؤ حال ہی میں تمہارے ملک سے لاکھوں روپوں کے شکاری باز خریدے گئے ہیں۔"

"ارے وہ تیل والے عرب بھائی تھے۔"

"تمہاری قوم کے فرد تھے؟"

"بلکل تھے۔"

"تو پھر یہ کیسی اخوت و مساوات ہے، کیا وہی رقم جو بازوں پر ضائع کی گئی تمہاری فاقہ زدہ آبادیوں کے کام نہیں آسکتی تھی۔"

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کی یہ ۲۵۰ ناول صرف جاسوسی ناول ہی نہیں ہیں بلکہ چالیس کی دہائی سے لیکر ستر کی دہائی کی سیاسی اور معاشرتی تبدیلیوں سے متعلق ایک خوبصورت دستاویز بھی ہیں جو آنے والی نسلوں کو اُس دور کی جھلکیاں بھی دکھاتی ہے اور لطیف انداز میں ان کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر تبصرہ بھی مہیا کرتی ہیں۔

......☆☆......

جاسوسی دنیا نول نمبر 80 سیکڑوں ہمشکل......اسمٰعیل بن محمد

(مظہر کلیم اور ابن صفی دو الگ سکول اف تھاٹ ہیں۔ جناب ظہیر احمد نے سب سے پہلے مظہر کلیم کو اپنایا اور پھر

Digitized by Google

دیکھتے ہی دیکھتے قطار لگ گئی اور اب کچھ اس قسم کے ناول لکھے جانے لگے ہیں جیسا کہ ذیل میں بطور نمونہ درج ہے)

ٹررر، ٹررر فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ اور عمران فی ''ٹررر'' کے حساب سے ہر دفعہ اچھلتا اور وائبریشن پہ لگ جاتا جونہی گھنٹی خاموش ہوئی، دھپ سیو اپس صوفے پہ گر جاتا جیسے کھلونے کی چابی ختم ہوگئی ہو ادھر سلیمان بھی اپنے کمرے سے سارس کی طرح گردن باہر نکال لیتا، جونہی گھنٹی ختم ہوتی وہ دھم سے دروازہ بند کر دیتا گویا تینوں عوامل بیک وقت ظہور میں آرہے ہیں، گھنٹی کا بجنا عمران کا پھدکنا سلیمان کا اپنی بل سے باہر آنا تاہم جلد ہی یہ سلسلہ تھم گیا، عمران کسی سائنسی کتاب کے مطالعے میں جت گیا جس میں انسانی ارتقاء اور ڈموں کی افزائش نسل کے حوالے سے تازہ ترین تحقیق شائع ہوئی تھی ادھر سلیمان بھی خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا کہ اچانک فون کا ''مینڈک'' پھر سے ٹرا اٹھا عمران کتاب پھینک کر دانت پیستے ہوئے فون پہ جھپٹا، سلیمان بھی بستر چھوڑ کر لپکا اور جوزف بھی کہیں سے آن ٹپکا تینوں آپس میں گتھ گئے، خوب دھول اڑی، دنگا ہوا اور جب منظر کچھ واضح ہوا تو راوی بیان کرتے ہیں کہ فون کا ریسیور عمران کے ہاتھ میں تھا اور کریڈل، جوزف کان سے لگائے کھڑا تھا جبکہ بیچ میں سلیمان فون کا تار اپنی گردن میں پھنسائے مرغ گنہگار کی طرح لٹک رہا تھا ''ہا۔ ہا۔ ہالو'' عمران بوکھلا کر فون کو الٹا سیدھا کان سے لگا رہا تھا۔

''عمران صاحب، غضب ہوگیا'' دوسری طرف بلیک زیرو تھا۔

''ابھی ابھی ٹیلی ویژن پہ خبر آئی ہے کہ امریکہ، ملک کے خلاف سازش کر رہا ہے'' اور عمران کے جبڑے غصے سے بھنچ گئے اور اس کا جذبہ حب الوطنی پھڑکنے لگا۔

''اوہ تم جولیا سے کہو کہ ساتھیوں کو تیار رکھے کسی وقت بھی روانگی ہو سکتی ہے، اور ہاں اسے کہنا کہ تنویر کا ڈاکیپر اور فیڈر بھی ساتھ لیتی آئے'' تھوڑی دیر بعد وہ سر سلطان سے کہہ رہا تھا ''فوراً سے پیشتر کھوجی کتوں کا انتظام کیجئے جناب''

''کھوجی کتے! کیوں؟'' سر سلطان نے حیرت سے پوچھا۔

''سازش کی بو سونگھنے کے لیے جناب، یہ بے حد ضروری ہے''

''ہوں'' انہوں نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور کچھ دیر بعد پوری سیکرٹ سروس کتوں کی ڈمیں پکڑے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھی۔

''یہ۔ یہ۔ یہ تو جنگل کی طرف جا رہے ہیں'' جولیا ہکلائی۔

''یہ چھانگا مانگا ہے مسی'' جوزف نے مسکراتے ہوئے کہا اور کتے کی دم چھوڑ دی۔

''ہائیں۔ ابے شب دیجور کی اولاد۔ دم کیوں چھوڑ دی'' عمران بوکھلا کر بولا۔

''تم فکر نہ کرو باس۔ جوزف جنگل کا پرنس یہاں آکر اس کی قوت شامہ کھوجی کتے سے بھی تیز ہو جاتی ہے'' جوزف نے دانت نکوستے ہوئے کہا۔

''ابے تیری ناک ہے یا ہاتھی کی سونڈھ''۔ سلیمان نے جھلا کر کہا۔

''تم چپ رہو سلیمان، جوزف ٹھیک کہتا ہے''

''اوہ تب تو ہمیں جوزف کی دم پکڑ لینی چاہیے'' سلیمان خوش ہو کر بولا جبکہ جوزف بوکھلا کر اپنی ''دم'' ٹٹولنے لگا۔

''لیکن عمران صاحب! جوزف کی تو دم ہی نہیں ہے'' صفدر پریشانی سے بولا مسئلہ تو واقعی ٹیڑھا تھا۔ وہ سب مل کر اس مشکل کا حل سوچنے لگے۔

''عمران! تم ہی کچھ سوچو، آخر تمہاری ریڈی میڈ کھوپڑی کو کیا ہو گیا ہے'' جولیا بولی۔

''میری کھوپڑی تو جنگل میں آتے ہی الٹ جاتی ہے'' کہتے ہوئے عمران نے جمپ لگایا اور اچھل کر سر کے بل الٹا کھڑا ہو گیا جولیا برے برے سے منہ بناتی رہی۔

''عمران صاحب! کیوں نہ جوزف کے نقلی دم لگا دی جائے'' کچھ دیر بعد کیپٹن شکیل نے خیال ظاہر کیا اور عمران کی کھوپڑی گھوم کر رہ گئی وہ وہیں کھڑے کھڑے ریت کے خالی بورے کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

''اوہ گڈ شو کیپٹن شکیل گڈ شو، واقعی جواب نہیں تمہاری ذہانت کا۔ واہ واہ'' ساتھیوں کی داد تحسین پا کر وہ پھولے نہیں سما رہا تھا اور پھر واقعی سیکرٹ سروس کے ممبران ایک دوسرے کی دُم میں تھامے ایک قطار میں چل رہے تھے سب سے آگے جوزف تھا، جولیا نا چونکہ سب سے پیچھے تھی اس لیے اسے دُم کی ضرورت نہ تھی۔

''دھیان سے چلو کالیا کہیں دُم پہ پاؤں آ گیا تو گئے کام سے'' سلیمان جو کہ جوزف کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، نے ہانک لگائی۔

''شش'' جوزف ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر مڑا۔ ''خاموش، میں خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں'' ''وا!!!! اونہہ'' جولیا نے ناگواری سے ناک بھوں سکوڑے اور ہینڈ بیگ سے عطر کی شیشی نکال لی اور پھر اچانک ایک خوفناک دھاڑ سے انکی دُم جھنجھنا اٹھیں دائیں طرف جھاڑیوں سے ایک شیر ببر برآمد ہو رہا تھا، بھوری لمبی داڑھی گھٹنوں تک بڑھی ہوئی، تھا بھی خاصا قد آور خوف سے جولیا کی تو سٹی گم ہو گئی اس نے دھاڑ کر کہا۔

''کسے نوں نئیں چھڈاں گا۔ اوئے!'' اگر ڈائپر نہ لگا ہوتا تو یقیناً تنویر میاں کا پائجامہ اب تک بھیگ گیا ہوتا۔ وہ تو بھلا ہو عمران کا جو نہایت مؤدبانہ انداز میں رکوع کے بل جھکے، کہہ رہا تھا۔

''گستاخی معاف ہو عالم پناہ! ہمیں جان کی امان دی جائے''

''تم میری سلطنت کی حدود میں داخل ہوئے تمہاری یہ جرات!'' شیر بے حد غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

''غریب الدیار مسافر ہیں۔ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے عالی جاہ!'' عمران کی فریاد سن کر شیر کچھ نرم پڑتا دکھائی دیا کہ سلیمان بول پڑا۔

''یہ سچ کہتا ہے عالی جاہ! اس کی باپ نے اسے گھر سے نکال رکھا ہے'' اور عمران نے گھور کر سلیمان کو دیکھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

''تو تم ہو وہ ناہنجار علی عمران، ڈائریکٹر جنرل کے بیٹے'' شیر چونک کر بولا اور کہا۔ ''بہت سنا ہے تمہارے بارے میں'' ادھر شیر اور عمران باتیں کر رہے تھے اور ادھر سلیمان آہستہ آہستہ کھسکنے لگا تھا۔ جولیا ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہی تھی، وہ بندر کی طرح اکڑوں بیٹھے، پنجوں کے بل آگے بڑھ رہا تھا، ساتھ ساتھ اس کی دم بھی سانپ کی طرح اوپر نیچے بل کھا رہی تھی ادھر عمران حیرت سے کہہ رہا تھا۔

''میرے بارے میں، عالی جاہ؟''

''ہاں، مجھے خاص طور پہ تم سے ہوشیار رہنے کو کہا گیا تھا'' شیر نے روانی میں کہہ تو دیا لیکن پھر یوں چونکا جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہو لیکن تیر تو کمان سے نکل چکا تھا، عمران اسے غور سے دیکھ رہا تھا شیر اسے یوں دیکھتے پا کر، گڑبڑا سا گیا اور پھر سنبھل کر بولا۔

''تم سب میرے قیدی ہو۔ ابے او، ناہنجار! کہاں بھاگا جا رہا ہے'' اس نے سلیمان کو للکارا سلیمان چابی والے کھلونے کی طرح رک گیا اور ساتھ ہی اس کی بل کھاتی ہوئی دم جس پوزیشن میں تھی، وہیں ساکت ہو کر رہ گئی عمران ادھر توجہ دیے بغیر بولا۔

''میرے خیال میں قیدی ہم نہیں، تم ہو میاں دولتی مار خان! کیا تم نے شیر میاں داد خان مرحوم کا میک اپ نہیں

کر رکھا؟'' عمران کے لہجے میں شرارت تھی شیر بری طرح گھبرا گیا، اس نے پھرتی سے کھال اتار پھینکی اور ڈھینچوں ڈھینچوں کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگا۔

''بادشاہ۔ بادشاہ سلامت! مارڈالے گئے جنگل والو، خبردار! بادشاہ سلامت'' وہ شور مچاتا اور کہتا جاتا۔

ذرا سی دیر میں سارا جنگل اکٹھا ہو گیا۔ پھر کیا تھا ادھر سے جنگل والوں نے ہلہ بولا اور ادھر سے سیکرٹ سروس کے شیر جوان پل پڑے گھمسان کا رن پڑا جولیا، بی لومڑی سے گتھ گئی تنویر میاں، گدھے سے دولتیاں کھانے لگے جوزف ہاتھی کی سونڈھ پکڑے کھینچ رہا تھا تو جواناڈم کے بل زور لگا رہا تھا ادھر عمران اور بندر میں ٹھن گئی، کبھی وہ بندر کو دم سے پکڑ کر گھمانے لگتا تو کبھی بندر اسے اور سلیمان! ہیہہ، دیگچی اور ڈھکن لیے مرغ مسلم کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ قریب تھا کہ سلیمان اسے پکڑ ہی لیتا، اچانک اس نے لمبی چھلانگ لگائی اور اک شاخ شجر پہ جا بیٹھا سلیمان حسرت سے منہ کھولے خالی دیگچی کو دیکھ رہا تھا جس میں اس مرغ ناہجار نے ''بیٹ'' کر ڈالی تھی البتہ وہ مایوس نہیں ہوا اور بڑی لجاجت سے بولا۔

''مرغ بھیا، آپ کی آواز کتنی سریلی ہے۔ ذرا نیچے آ کر آذان تو دیجئے، پھر باجماعت نماز ادا کریں گے'' یہ سننا تھا کہ مرغ بھیا دو تین بار کڑکڑائے اور آنکھیں بند کر کے نیچے کود گئے سلیمان نے بسم اللہ کر کے نیچے دیگچی پھیلا دی آنکھیں تب کھلیں جب ڈھکن شریف بند ہو چکا تھا۔

اگلے روز دانش منزل کے میٹنگ ہال میں سارے ممبرز جمع تھے، سلیمان بھی بمع دیگچی موجود تھا ایکسٹو انہیں بتا رہا تھا کہ کس طرح چھانگا مانگا کے جنگلوں پاکیشیا کے خلاف سازش رچائی گئی تھی اور گدھے کو شیر کے میک اپ میں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا یہ تو عمران کی ذہانت اور حاضر دماغی تھی کہ اس نے جلد سے جلد سازش کا سراغ لگا لیا بلکہ بہروپیے کو بھی بے نقاب کر دیا لہذا عمران کو یہ کارنامہ سرانجام دینے پر تہہ دل سے مبارکباد دی جاتی ہے۔

''گدھے کا کیا ہوا جناب؟'' جولیا نے پوچھا۔

''اسے گاڑی میں جوت دیا گیا اور تنویر کی کفالت میں ہے، آج بھی شاید تنویر اسی پہ سوار ہو کر آیا ہے'' ایکسٹو نے جواب دیا اس پر سبھی تالیاں پیٹتے ہوئے تنویر کو مبارکباد دینے لگے اچانک سلیمان کی دیگچی سے آواز آئی۔

''ابے او، نمک حرام بادر چی! مجھے باہر نکال میں نے انڈہ دیا ہے'' انڈے کا سن کر سلیمان کی باچھیں کھل گئیں اور وہ جلدی جلدی ڈھکن ہٹانے لگا۔

.....☆☆.....

فریدی اور عمران، ایک تصویر کے دو رخ.....شائستہ کنول عالی

ہم بچپن سے کتابی کیڑے ثابت ہوئے ہیں، نہ کسی سے دوستی، نہ کسی سے یاری، بس سفر اور کتاب، جب سے ہوش سنبھالا (یہ نہیں معلوم کہ ہم نے ہوش سنبھالا یا ہوش نے ہمیں سنبھالا) تو بس کتاب ہی ہاتھ میں دیکھی، پہلے بچوں کے رسالے، حکیم محمد سعید شہید کا بچوں کا رسالہ نونہال، پھر تعلیم و تربیت، بچوں کا باغ، بچوں کی دنیا اور ہونہار۔ غرض کہ بچوں کے جتنے رسالے مارکیٹ میں دستیاب تھے سب چاٹ ڈالتے تھے ہم ہر ماہ، پھر چوری چوری جاسوسی، سب رنگ اور اخبار جہاں۔

ایک دن ابن صفی کی جاسوسی دنیا کا ناول "صحرائی دیوانہ" ہاتھ لگا، بس پھر ہم سب کچھ بھول گئے اور "جو رہی سو بے خبری رہی۔"

ابن صفی کے دیوانے ہو گئے "نئے افق" میں عمران سیریز اور نیا رخ میں جاسوسی دنیا کا انتظار رہتا، تیسرا

Digitized by Google

جماعت سے لے کر اب تک کوئی اور مصنف بھایا ہی نہیں۔
ہم کوئی لکھاری نہیں بس سادہ سے قاری ہیں، پہلا مضمون جو لکھا وہ پچھلے سال اسی ایونٹ "ابن صفی ایک عہد، ایک رجحان" میں لکھا بلکہ یوں کہیں کہ مضمون کیا لکھتے بس چار لائنیں ہی لکھ پائے۔
اس دفعہ کوشش ہے کچھ اچھا لکھ سکیں مگر ہم شائد کچھ عجیب ہی لکھ دیں، بے ربط بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت "ہماری ذات کے خود ہم سے رابطے ٹوٹے۔"
ہم بتائیں کہ ہم نے ابن صفی سے کیا سیکھا؟
ابن صفی کے ہر ناول کے ہر کردار سے کوئی نہ کوئی سبق سیکھا، عمران اور فریدی کے ہم شیدائی ہیں، ہمارے مطابق ابن صفی نے ہمیں سکھایا کہ زندگی کے دو پہلو بہت اہم ہیں، ایک سنجیدہ اور دوسرا شرارتی۔
نہ ہر وقت سنجیدگی اچھی لگتی ہے نہ ہر وقت شرارت، فریدی ہماری ذات کا سنجیدہ رخ ہے اور عمران شرارتی، فریدی ہم ہوتے ہیں جب بزرگوں میں بیٹھتے ہیں اور جب ہم عمروں میں ہوتے ہیں تو عمران بن جاتے ہیں، فریدی سے ہم ادب، احترام، تربیت، تعمیر، تہذیب اور ضبط نفس سیکھتے ہیں۔
اور عمران
"میں اس کا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے"
اس سے ہم نے دکھ، درد، دور کرنے کے طریقے سیکھے، محفل کو زعفران زار کیسے بنانا ہے، کسی کو تنگ کیسے کرنا ہے اور پھر بات کیسے سنبھالنی ہے۔
عمران ہمیں کئی رنگوں میں نظر آتا ہے، عمران ایک سادہ سا بچہ جو ماں باپ کے رویے اور گھر اور اسکول کے درمیان پس رہا ہے، ماں کی سادگی اور باپ کی سختی، گھر سے اسلامی اور اسکول سے عیسائی مذہب کی تعلیم، گھر ایک خدا کا تصور ملا اور اسکول سے تین خداؤں کا تصور۔
باغی عمران تضادات کا شکار ہو کر عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے، ذہین ہے سوچتا ہے، سوال کرتا ہے، ہمیں سبق دیتا ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کو ایسا ماحول نہیں دینا ہے۔
عمران کا کردار ماں، باپ کی نفسیات کو جھنجھوڑتا ہے کہ بچے پیدا کیے ہیں تو پیار اور مکمل توجہ بھی دو، صرف جسمانی ضروریات پوری کرنا ہی کمال نہیں، بچے کو ذہنی اور روحانی تنہائی کا شکار نہ بناؤ، اس کو وقت دو، اس کی بات سنو، اسے تسلی بخش جواب دو۔
اسے جسمانی قیدی اور روحانی باغی نہ بناؤ کہ وہ چوں چوں کا مربہ بن جائے، موڈرن ازم کے جنون میں بچے کو اسلامی ماحول اور تعلیمات سے دور نہ کرو، بچے کو ذہنی کمانڈو بناؤ نہ کہ کوئی اس کی سوچ کو ہائی جیک نہ کر سکے۔
کتنی سادگی اور کتنے آرام سے عمران کے ذریعے ابن صفی نے ہمیں تربیت اولاد کا فن سکھایا، سبحان اللہ ؟، آفرین ہے ابن صفی کی سوچ پر اس کے مشن پر ان کی کرداروں کے ذریعہ انسانیت کی خدمت پر۔
وہ عمران جو ایکس ٹو ہے، سیکرٹ سروس کا سربراہ ہے، مگر گمنام ہے، بحیثیت عمران اپنے ماتحتوں کے ہاتھوں ذلیل ہوتا رہتا ہے مگر ان کو ہوا نہیں لگنے دیتا کہ وہ چیف ہے، وہ پوری ٹیم پر نظر بھی رکھتا ہے، فیلڈ میں ان سے زیادہ کام کرتا ہے، ان کو بور نہیں ہونے دیتا، سب کو خوش رکھتا ہے۔
پوری ٹیم ایکس ٹو سے خائف رہتی ہے اور وہ ان کے سر پر کسی بھیانک خواب کی طرح سوار رہتا ہے، عمران بحیثیت عمران ٹیم کا رکن بھی ہے جو اپنی الٹی سیدھی حرکتوں سے سب کو محظوظ کرتا رہتا ہے۔
شاندار سیکرٹ سروس، کہ ٹیم کا سربراہ آنکھوں کے سامنے ہے مگر وہ اسے نہیں پہچانتے، بس میرے سر پر عمران

سوار رہتا ہے اور فریدی دور بیٹھا انتظار کرتا رہتا ہے کہ کب اس کی باری آئے، فریدی کی باری تب آتی ہے جب محفل بزرگوں کی ہو اور بزرگ بھی اپنے نہ ہوں۔

عمران دی گریٹ نے سکھایا کہ اندر سے ٹوٹے ہوئے بھی ہوں تو لوگوں کے سامنے کیسے جڑا ہوا نظر آتا ہے، عمران اپنے باپ اور خاندان کے رویوں سے کتنا دل برداشتہ رہتا ہے مگر مجال ہے کہ کسی پر بھی دل کی حالت ظاہر ہو۔

عمران نے زمانے سے لڑنا سکھایا اور اپنے عمل سے بتایا اپنی مرضی سے جیو زمانے کی پروا نہ کرو، عمران بلا کا خود اعتماد ہے، عوامی کردار ہے، ہر کسی کو عمران اپنے جیسا لگتا ہے، کبھی سادہ، کبھی پرشکوہ، کبھی معصوم، کبھی درندہ۔

ایسا دلکش کردار جو ہمارے خون میں اتر گیا، جس نے ہمیں خود اعتمادی دی، ہمیں خوش رہنا سکھایا، ادب، احترام، حدود و قیود، آزادی اور سب سے بڑھ کر اپنی ذات سے پیار اور وطن سے محبت اور دین سے عشق۔

مجھے عمران کی وہ بات ہی نہیں بھولتی جب جمن کہتا ہے، تاایتی شرابیوں کی جنت ہے تو عمران نے کہا "وہ کیسی جنت ہے جہاں شراب پی جائے۔" اب کوئی فتوئی نہ لگادے کہ بھئی! جنت میں شراب چلے گی......! نوٹ کرلیجیے وہ شراب طہور ہوگی یعنی پاکیزہ شراب، یہاں کی شراب نجس ہے۔

دوسری بات یہ کہ امتحان بس دنیا میں ہے آخرت میں آزادی ہے، جیسے روزے میں، سارا دن حلال چیزیں ممنوع ہوتی ہیں اور روزہ کھلتا ہے تو ممنوع نہیں رہتیں، جیسے حج وعمرہ میں حالت احرام میں حلال چیزیں حرام ہوجاتی ہے عمرہ وحج کے بعد جب احرام کھل جائے حلال ہو جاتی ہیں، بالکل اسی طرح دنیا میں شراب حرام ہے کہ دنیا امتحان گاہ ہے، رزلٹ آئے گا تو آخرت میں حلال ہوجائے گی مگر وہ پاکیزہ شراب ہوگی۔

خوش رہیں، سلامت رہیں، ہم نے مانا ہے کہ ابن صفی ہمارے محسن ہیں، استاد ہیں، میں نے بیٹی کی شادی کی تو اسے جہیز میں عمران سیریز کا پورا سیٹ دیا، ہم چاہیں تو ان کے ناولوں سے بہت سی اچھی باتیں سیکھ سکتے ہیں اور بری باتیں ترک کرسکتے ہیں کیونکہ انھوں نے اچھائی و برائی کے فرق کو اپنے ناولوں میں بخوبی بیان کردیا ہے۔

......☆☆......

ابن صفی کا شکرال......محسن قاضی

السلام علیکم ارکانِ بزم ابنِ صفی

"ابن صفی۔ ایک عہد ایک رجحان "2018 کے لیے میری تحریر ابن صفی کا شکرال" کے عنوان سے پیش ہے، ابن صفی پر ہمیشہ سے لکھا جاتا رہا ہے اور بڑے بڑے نامور ادیب بھی اپنی تحریروں میں اس عہد ساز شخصیت، نثر نگاری کے شہنشاہ اور سری ادب میں استادوں کے استاد ابن صفی کی صلاحیتوں، ان کی جہاں بینی، دوراندیشی، ان کے ناولوں میں بے مثال کردار نگاری، منظر کشی، ان کی علمی و ادبی بصیرت اور شاعری و نثر نگاری میں مہارت کا اعتراف کرتے آئے ہیں۔

کتابوں میں، رسالوں میں، فیس بک، واٹس ایپ اور دیگر سوشل میڈیا ویب سائٹس کے فین کلبز میں اور ان کے سالانہ سلسلوں، اجلاسوں میں آج بھی پرستاران ابن صفی اپنے محبوب مصنف کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں، اس بار میں نے بھی اپنی سی کوشش کی ہے، یہ ابن صفی کے لیے میری پہلی تحریر ہے، گروپ میں پوسٹ کرنا الگ بات ہے مگر خصوصیت سے باقاعدہ طور پر ابن صفی کے لیے لکھنا وہ بھی "ابن صفی۔ ایک عہد ایک رجحان" جیسے منفرد اور کامیاب سلسلے کے لیے لکھنا کم از کم میرے لیے تو آسان نہیں تھا، میں کوئی قلمکار تو ہوں نہیں مگر ابن صفی سے محبت اور چند دوستوں کی حوصلہ افزائی سے ایک کوشش کی ہے۔

Digitized by Google

شکرال کا موضوع ایسا نہیں ہے کہ اسے ایک مختصری تحریر میں مکمل کیا جا سکے، اس پر تو کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں ابن صفی نے شکرال اور اس کی پڑوسی ریاستوں پر بہت کچھ لکھا، عمران سیریز اور جاسوسی دنیا میں اس موضوع پر ناول لکھے اور ان دونوں سیریز کے علاوہ بھی چند ناول پیش کیے جنہیں "شکرال سیریز" اور "ایرج و عقرب سیریز" بھی کہا جاتا ہے۔

جاسوسی دنیا کے ناول "شعلوں کا ناچ، پہلا شعلہ، دوسرا شعلہ، تیسرا شعلہ اور جہنم کا شعلہ" میں شکرال سے زیادہ اس کی پڑوسی ریاستوں مقلاق و کراغال کا ذکر ملتا ہے، شعلوں کا ناچ ایک مکمل ناول ہے جبکہ پہلا شعلہ سے لے کر جہنم کا شعلہ تک ایک ہی سلسلے کے چار ناول ہیں، یہ چاروں ناول ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہونے کے باوجود شعلوں کا ناچ سے ہی ماخوذ ہیں، اس سیریز میں "طاقت" نام کی جو تنظیم سرگرم عمل دکھائی گئی ہے وہ ناول جہنم کا شعلہ میں اپنے انجام کو پہنچتی ہے۔

عمران سیریز میں ابن صفی نے شکرال پر دو سیریز پیش کیں جن میں سے ایک کی کہانی "کالے چراغ" سے شروع ہو کر "خون کے پیاسے" اور "الفانے" سے ہوتی ہوئی "درندوں کی بستی" میں اختتام پذیر ہوئی، یہ مکمل شکرال سیریز کہلاتی ہے حالانکہ ان میں شکرال کا ذکر صرف "درندوں کی بستی" میں ہی ملتا ہے۔

دوسرے سلسلے کی کہانی "خطرناک ڈھلان" سے شروع ہوتی ہے پھر "ریشوں کی یلغار، جنگل میں منگل" اور "تین سنکی" میں اس کہانی کا اختتام ہوتا ہے، یہ پہلے ناول سے ہی مکمل شکرال سیریز ہے، بنیادی طور پر اگر دیکھا جائے تو اس سیریز کو لکھنے کا محرک ناول "شہباز کا بسیرا" ہے، جس کا اختتام شکرال کی وادی کے قریب ہی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایرج، عقرب، شرجیل اور شارق جیسے بہترین شکرالی کرداروں پر لکھے گئے چند ناولوں "معزز کھوپڑی، گلتر تنگ، شکرال کے جیالے، شمال کا فتنہ اور بلدران کی ملکہ" میں ہمیں شکرال کے باشندوں سے متعلق بڑی عجیب و غریب داستانیں اور ان کے طرز زندگی کی بڑی حیران کن باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔

شکرال..... ابن صفی کے جادو اثر قلم کا شاہکار ایک ایسی دنیا ہے جسے تصوراتی کہا جاتا ہے لیکن یہ اتنی حقیقی دنیا ہے کہ اس پر لکھے ناولوں میں رونما ہونے والے واقعات، اس کے کردار اور ماحول سب کچھ ہمیں دیکھا بھالا سا لگتا ہے، ایک انوکھی اور منفرد دنیا جو ہمارے لئے نئی ہوتے ہوئے بھی نہیں ہے، شکرالی اکھڑ مزاج لوگ ہمارے لیے اجنبی نہیں ہیں، شکرالیوں کا مخصوص پہاڑی لہجہ اور انداز گفتگو، ان کی روزمرہ زندگی کے معمولات، ان کا رہن سہن، شکرال کے تہوار، رسم و رواج اور ان کے طور طریقے سب کچھ جانا پہچانا ہے۔

ابن صفی نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا، ابتدا متفرق کہانیوں سے کی، اپنی پہلی کہانی ابن صفی نے اس وقت لکھی جب وہ صرف ساتویں جماعت کے طالب علم تھے ان کا یہ افسانہ ہفت روزہ "شاہد" بمبئی میں شائع ہوا جس کے ایڈیٹر جناب عادل رشید تھے، انہوں نے ابن صفی کو معمر آدمی سمجھ کر کچھ اس طرح ان کا نام کہانی کے ساتھ شائع کیا تھا۔

"نتیجہ فکر مصور جذبات حضرت اسرار نارو دی"

ابن صفی نے جب طنزیہ مضامین لکھنے شروع کیے تو اس وقت کے بڑے نامور مضمون نگاروں کو بھی حیران کیا، لوگ اس شخص کو دیکھنا چاہتے تھے جو طنز فرغان، سنکی سولجر اور عقرب بہارستانی کے قلمی ناموں سے مضامین لکھ کر بڑی دیدہ دلیری سے طنز کے تیر چلاتا تھا، انتہائی تلخ حقائق کو بھی طنز و مزاح کی چاشنی میں گھول کر روانی سے بیان کر جاتا تھا۔

ابن صفی نے شاعری بھی کی نوح ناروی جیسے مشہور شاعر ابن صفی کے نانا تھے جن کی نسبت سے ابن صفی نے بھی شروعات اسرار نارو دی کے نام سے کی جبکہ ابتدا میں جگر مرادآبادی سے بھی متاثر رہے، ان کارناموں کے بعد ان کی

شہرت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا رہا، مگر وہ مطمئن نہیں تھے، وہ کچھ اور کرنا چاہتے تھے، انتہائی کم عمر میں ہی "طلسم ہوشربا" اور "رائیڈر ہیگرڈ" کو پڑھنے سے طلسم ہوشربا کے پراسرار ماحول اور رائیڈر ہیگرڈ کے تاثرات نے مل کر جو ذہنی فضا مہیا کی تھی اس نے بعد میں ابن صفی سے ایسے بے مثال کردار اور شاہکار ناول تخلیق کروائے کہ کئی دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی ان کو اسی طرح پڑھا جاتا ہے اور ان کی کتابیں آج بھی بالکل نئی ہیں، اس پراسرار ماحول کی جھلک ہمیں عمران اور فریدی کے کچھ ناولوں اور شکرال کے ناولوں میں بھی نظر آتی ہے۔

متفرق کہانیاں، طنزیہ مضامین، شاعری، معاشرتی ناول، عمران سیریز اور جاسوسی دنیا میں جرم وسزا، سراغ رسانی، سائنس فکشن اور ایڈونچر ابن صفی نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا، شکرال جیسی جانی پہچانی اور مانوس سی دنیا کی سیر بھی کرائی، سینکڑوں ایسے کردار تخلیق کیے جو ہمیں جیتے جاگتے معلوم ہوتے ہیں، ہر موضوع اور ہر کردار کے ساتھ انہوں نے پورا پورا انصاف کیا، ابن صفی کے صرف مزاحیہ کرداروں کی ہی بات کی جائے تو حمید ہو یا قاسم، عمران ہو یا جوزف، سلیمان ہو یا ناشاد اور ہدہد، تزک دو پیازی کا ابوالحسن ہو، پرنس چلی کا شیخ چلی یا پھر شکرال کے عقرب اور خیرہ سر شارق، ہر کردار ایک دوسرے سے بالکل الگ، بالکل مختلف ہے، کہیں بھی ذرا سی مماثلت نظر نہیں آتی اور نہ ہی ان کے ناول کبھی یکسانیت کا شکار ہوئے، یقیناً ہر موضوع اور ہر کردار سے پورا پورا انصاف کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

ابن صفی کی زندگی میں بھی ان کے بیشمار قارئین رہے اور آج بھی پاکستان ہو یا ہندوستان یا جہاں بھی اردو پڑھنے والے ہیں ابن صفی کے قارئین لاکھوں یا شائد کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، دوسری طرف ابن صفی کی مخالفت کرنے والے بھی ہمیشہ سے موجود رہے ہیں جنہوں نے ہر دور میں ان کی مخالفت میں اپنا پورا زور صرف کیا مگر ابن صفی کی مقبولیت میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی مقبولیت اور ان کے قارئین کی تعداد میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

ابن صفی نے نہ صرف لوگوں میں پڑھنے کا شوق پیدا کیا اور انہیں پڑھنا سکھایا بلکہ بہت سوں کو لکھنا بھی سکھایا، ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچ کر بھی ابن صفی کو نہیں بھولے، ہمیشہ عقیدت و احترام سے ان کا نام لیا، دوسری جانب وہ لوگ بھی ہیں جو چوری چھپے ابن صفی کے ناول پڑھتے بھی رہے انہیں سے سیکھا بھی اور ہمیشہ انہیں کی مخالفت بھی کرتے رہے۔

سری ادب کو کبھی وہ مقام نہیں دیا جو اسے مغرب میں حاصل ہے، ان کے ناولوں کو وقت کی بربادی اور ذہنی فرار کا ذریعہ قرار دیا، ان کے ناولوں کو مغربی ناولوں کی نقل اور ان کے کرداروں کو شرلاک ہومز اور دوسرے مغربی کرداروں کا چربہ ثابت کرنے کی کوشش کی، حتیٰ کہ شکرال کی کہانیوں کو بھی کاؤبوائز فلموں کی نقل کہتے رہے، حالانکہ شکرال کے ناولوں میں شمالی علاقہ جات کے جانے پہچانے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔

شکرال کے ناولوں میں کچھ واقعات اور مناظر یقیناً ایسے ہیں کہ بے اختیار کاؤبوائز فلمیں یاد آجاتی ہیں مگر ان کہانیوں کو کاؤبوائز فلموں کی نقل کہنا درست نہیں کیونکہ ان چند باتوں سے قطع نظر شکرال کی کہانیوں میں ایسا بہت کچھ ہے جو ان فلموں میں نہیں پایا جاتا، شکرال کے پہاڑی علاقے، میدانی راستے، شکرال کے باشندوں کے مخصوص لباس، گھڑ سواری، ہتھیار، ان کا اکھڑ مزاج اور ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جانا، ان کی آپسی جنگ کے طور طریقے، تیز وطرار عورتیں، عام حالات میں سست و کاہل نظر آنے والے مرد۔

یہ اور ایسی چند باتیں ان فلموں کی یاد دلاتی ہوں گی مگر حقیقتاً یہ ناول ان فلموں کی نقل نہیں بلکہ شمالی علاقہ جات کی اتنی شاہکار اور مکمل منظر نگاری کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ ناول پڑھتے ہوئے ہمیں تمام مناظر اپنی آنکھوں کے سامنے گھومتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، تمام واقعات کو رونما ہوتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

Digitized by Google

یہاں میں شکرال کی کہانیوں سے اقتباسات پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیے۔

"یہاں کے باشندے وجیہہ اور طاقتور ہوتے ہیں، اجتماعی نظام لاٹھی اور تھینس کے فارمولے پر چلتا ہے، جس کا لوہا سب مانیں سکّہ اسی کا چلے گا، اکثر دو طاقتوروں کی زور آزمائی پورے علاقے کو جہنم بنا کر رکھ دیتی ہے اور پھر ان میں سے ایک باقی رہ جاتا ہے، سب کی گردنیں اس کے آگے جھک جاتی ہیں، پھر اس وقت تک اس کی حکمرانی رہتی ہے جب تک کوئی دوسرا اس سے نہ ٹکرا جائے اگر اسے نیچا دیکھنا پڑا تو کھیل ختم ورنہ پھر اسی کا اقتدار۔" [معزز کھوپڑی]

اس مختصر سے اقتباس سے کسی کاؤبوائے فلم کا تصور ذہن میں ضرور ابھرا ہوگا، لیکن بقیہ مناظر اسے کاؤبوائز فلموں سے ممتاز کرتے ہیں، اس کہانی میں ایک ایسی "معزز کھوپڑی" ہے جسے ایرج اپنے دشمن کے لیے حاصل کرنے کے پر رضامند ہے، وہ دشمن جس نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا، ایرج اور اس کی ماں کے درمیان مکالمے، جب اس کی ماں اسے سفر سے باز رکھنا چاہتی ہے بڑے عمدہ ہیں، ایرج، عقرب، شرجیل اور ضحاک فیلگرون جیسے کردار، شکرال، سرخسان، کملاک، مقلاق، کراغال اور گلترنگ جیسے نام شرجیل کا چنگیز خانی انداز، ایرج کی اصول پسندی اور دیانتداری، عقرب کی شرارتیں، ضحاک فیلگرون کی مکاری، رب عظیم اور زیارت گاہوں کے جابہ جا تذکرے اور ایسی بہت سی باتیں مجھے آج تک کسی کاؤبوائے فلم میں نہیں ملیں..... دوسرا اقتباس دیکھیے۔

"اگر ایک ہی بستی کے دو فریق ٹکراتے ہیں تو بات زیادہ نہیں بڑھتی، آگ تو اس وقت لگتی ہے جب دو مختلف بستیوں کے افراد کا ٹکراؤ ہو جائے، گلترنگ لہو ترنگ بن جاتا ہے، ساری بستیاں سرگرم کارزار ہو جاتی ہیں، کسی نے ایک بستی کا ساتھ دیا کسی نے دوسری کا..... جتنی دیر میں زیارت گاہ کا درویش اپنے حجرے سے باہر آتا ہے سینکڑوں لاشیں گر جاتی ہیں۔

پھر صرف تین چار گھنٹے تک ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے واقعی کوئی بڑا حادثہ ہو گیا ہو لیکن اس کے بعد..... وہی رنگ رلیاں..... جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔" [گلترنگ]

دو مختلف بستیوں کے افراد کے آپس میں ٹکرا جانے کے مناظر آپ نے ان فلموں میں ضرور دیکھے ہوں گے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فلمیں ہی کیوں؟ شمالی علاقہ جات کے قبائلی علاقوں میں بھی تو یہی سب ہوتا آیا ہے اور پھر کہانی میں گلترنگ کا میلہ، مشہور زیارت گاہ، بڑا عابد، درویش اور اس کے معتقدین، خیرہ سر، گلترنگ کے بازار، اور میلے کے دنوں میں سجائی گئی دکانیں، سرداروں کے خیموں میں رقص و سرور کی محفلیں، بڑے بڑے قبائل کے جنگجو و دلیر سردار مگر ایک شکشت (چھ انگلیوں والے) خیرہ سر سے خوفزدہ رہنے والے، کیا یہ سب کسی کاؤبوائے فلم میں دکھایا گیا ہے؟ چلیے ایک اور اقتباس دیکھیے۔

"جیسے ہی اس کا گھوڑا گلی میں داخل ہوا باہر چبوترے پر بیٹھے ہوئے لوگ بھی کزک میں داخل ہو گئے، وہ کوئی اجنبی تھا لیکن اس کے تیور انہیں اچھے نہیں لگ رہے تھے، اس کے جسم پر بہت پرانا چرمی لباس تھا اور دونوں ہولسٹروں میں اعشاریہ چار پانچ کے ریوالور دور سے بھی دیکھے جا سکتے تھے، اس نے گھوڑا گلی میں باندھ دیا اور کزک میں داخل ہونے کے بجائے حجام کی دوکان میں گھس گیا، یہاں کچھ لوگ پہلے ہی سے موجود تھے جن میں اس کی موجودگی سے خاصی سراسیمگی پھیل گئی، حجام بھی کسی قدر نروس نظر آنے لگا لیکن اجنبی اپنی باری کے انتظار میں بیٹھ گیا۔" [شکرال کے جیالے]

یقیناً اس اقتباس میں اس کردار کی آمد ایسی ہی ہے جیسی کاؤبوائز ٹائپ فلموں میں ہیرو یا ولن کی ہوتی ہے جس کے آنے سے اسی طرح لوگوں میں سراسیمگی پھیل جاتی ہے لیکن شکرال کے ضعیف الاعتقاد لوگ، میدان کے شیر مگر بددعا سے خوفزدہ رہنے والے، رب عظیم کے نام پر گردن کٹا دینے والے اور اپنی بیویوں کے علاوہ دوسری

Digitized by Google

عورتوں کا ہر حال میں احترام اور ان کی حفاظت کرنے والے ہمیں ان فلموں میں نہیں ملتے۔
ناول "بلدران کی ملکہ" کا مخصوص ماحول اور پس منظر، ایک پراسرار روح جو ہزاروں برس سے ایرج کے فراق میں تڑپ رہی تھی، اس کے علاوہ ابن صفی کی زندگی کی آخری تخلیق "شمال کا فتنہ" کے دل میں اتر جانے والے کردار، کہانی کا سسپنس، شکرال کا جادو اثر ماحول اور پھر ایک ایسا آدمی جس کی ایک ٹانگ لکڑی کی ہو اس کے لئے "چوبی ٹنگا" کی اصطلاح تخلیق کرلینا ابن صفی کے زرخیز ذہن ہی کی پیداوار ہوسکتا ہے۔ ایسی اصطلاحوں، کرداروں، مناظر، مخصوص ماحول، کرداروں کے مکالمے اور ایسی بیشمار باتوں کا تعلق بھلا کاؤبوائز قسم کی فلموں سے کیسے ہوسکتا ہے؟
ابن صفی نے شکرال کی تمام کہانیاں شمالی علاقہ جات کو مدنظر رکھتے ہوئے تخلیق کیں، شکرالیوں کا شمالی باشندوں کا سا اکھڑ لہجہ، شکرالیوں کا طرز رہائش، معمولات و مشغولات سرداری نظام اور شکرال میں رونما ہونے والے واقعات قبائلی علاقوں کے ماحول کی بے مثال منظر نگاری ہے۔
ابن صفی نے شکرال کی کہانیوں میں جو کچھ لکھا وہ سب شمالی علاقوں میں ہوا اور آج تک ہو رہا ہے، شمالی علاقہ اسی طرح مغربی سازشوں کا شکار رہا جس طرح شکرال، قبائلی علاقے آج بھی ان سازشوں کا شکار ہیں، وہاں کے سیدھے سادے لوگ مغربی چالوں میں آکر اپنے ہی علاقوں میں خون کی ندیاں بہا دیتے ہیں، ابن صفی یہ سب بہت پہلے لکھ چکے ہیں اور شکرال کی کہانیاں اسی طرح حقیقت کا روپ دھار رہی ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ابن صفی کو انتہائی ذہنی وسعت، دوراندیشی اور جہاں بینی عطا کی تھی، انہوں نے سری ادب بر بطور چیلنج فحش نگاری کے متبادل کے طور پر لکھنا شروع کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم کو وہ روانی عطا کی کہ ان کے قلم میں بھی لغزش نہیں آئی، ان کے دو سو پینتالیس سے زائد ناولوں میں کسی ایک مکالمے میں بھی جرم یا مجرم کی حوصلہ افزائی نہیں ملتی، انہوں نے ہمیشہ قانون کی بالادستی پر لکھا بلکہ دوسروں کو بھی قانون کے احترام کا درس دیا۔
ابن صفی کی جہاں بینی اور علمی بصیرت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جس زمانے میں شکرال کی کہانیاں لکھی گئیں شمالی علاقوں کی داستانیں عام نہیں تھیں، اکثریت اس سے لاعلم تھی لیکن ابن صفی کتنی دور تک دیکھ سکتے تھے کہ اپنی تحریروں میں نہ صرف ان مخصوص علاقوں کی عکاسی کی بلکہ جو کچھ لکھ دیا وہ آج ان علاقوں میں ہو رہا ہے، خصوصاً عمران سیریز کے شکرال پر لکھے گئے ناولوں میں ابن صفی نے بہت کچھ بہت پہلے ہی پیش کر دیا جو آج تک حرف بہ حرف سچ ثابت ہو رہا ہے۔
یقیناً ابن صفی ایک ایسے بے مثال انسان تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ عمران سیریز اور جاسوسی دنیا کے شکرال اور کراغال وغیرہ پر لکھے گئے ناولوں سے بھی کچھ اقتباسات پیش کرتا مگر تحریر پہلے ہی کافی طویل ہوچکی ہے لہٰذا ابن صفی کے اس شعر کے ساتھ اس تحریر کا اختتام کرتا ہوں۔

مدتوں ذہن میں گونجوں گا سوالوں کی طرح
تجھ کو یاد آؤں گا گزرے ہوئے سالوں کی طرح
ڈوب جائے گا کسی روز جو خورشید انا
مجھ کو دہراؤ گے محفل میں مثالوں کی طرح

اللہ تعالیٰ ابن صفی کی مغفرت فرما کر انہیں اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائے...... آمین۔

Digitized by Google